حقیقت
خلافت و ملوکیت

مؤلفہ
محمود احمد عباسی

ناشر:۔ مکتبہ محمود ۲۶/۱ بی ایریا۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹

نام کتاب:- حقیقتِ خلافت وملوکیت۔

نام مؤلف:- محمود احمد عبّاسی۔

ناشر:- مکتبہ محمود ۲۴ بی ایریا لیاقت آباد کراچی ۱۹۔

مطبع:- باب الاسلام پریس کراچی۔

[illegible] ۱۹۶۶ء [illegible]

فہرست عنوانات حقیقتِ خلافت وملوکیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقتِ خلافت وملوکیت

حضرت عثمانؓ ذی النورین اور ان کے عہدِ خلافت کے بارے میں ابو الاعلیٰ مودودی صاحب توسالہاسال پہلے سے اپنے اس خیال کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ۔

"حضرت عثمانؓ جن پر اس کارِ عظیم (یعنی خلافت) کا بار رکھا گیا تھا ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ (ترجمان القرآن صفحہ ۳۴-۳۵ دسمبر ۱۹۳۱ء وجنوری ۱۹۳۲ء)

اپنی جدید تالیف "خلافت وملوکیت" میں انہوں نے اموی النسب خلیفہ سوم کی قدح ومذمت میں، اقربانوازی اور بے جا تصرف بیت المال کے ان ہی واہی اتہامات کا اعادہ قدرے تفصیل سے کیا ہے جو ان سے صدیوں پہلے نہج البلاغہ کے غالی مؤلف نے حضرت علیؓ سے خطبہ شقشقیہ منسوب کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ اور بنو امیہ کے بارے میں یہ بدکلامی کی تھی۔

الیٰ ان قام ثالث القوم نافجاً	پھر (یعنی حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے بعد) تیسرا
حضنیہ بین نثیلہ ومعتلفہ	آدمی (یعنی حضرت عثمانؓ) متکبرانہ انداز
وقام معہ بنو ابیہ یخضمون	میں پیٹ پھلا کر چارہ ولید کی چھیچھالید
مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ	میں (یعنی منصب خلافت میں) کھڑا ہو گیا
الربیع الیٰ ان انتکث فتلہ و	اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکے باپ کی اولاد
اجھز علیہ عملہ وکبت بہ بطنتہ	(بنی امیہ) کھڑی ہو گئی اور خدا کا مال خوب

چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہے یہاں تک کہ اس تیسرے کے بل بھی نکل گئے اسے اس کے کرتوتوں نے مارا۔ اور بدہضمی کے بل گرا دیا۔

اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے فن کارانہ حیلہ گری اور جدید تکنیک سے اسلامی ریاست وخلافت کے بارے میں "تغیر کا آغاز" "دوسرا مرحلہ" "تیسرا مرحلہ" وغیرہ عنوانات سے تقریباً دو سو صفحات میں حقائق تاریخیہ و وقائع ملیہ کی صحیح روئداد کو پس پشت ڈال کر اکثر و بیشتر اپنی خیالی اور سبائیوں کی وضعی باتوں پر مضامین کتاب کی بنیاد رکھی ہے اسکی پوری قلعی تو تبصرہ محمودی بر ہفوات مودودی کتاب کے دونوں حصوں میں کھول چکے ہیں جس کا مواد مع ترمیم و اضافے کے ہماری اس کتاب میں قارئین ملاحظہ کریں گے مقصد اصلی تو ان کا حضرت عثمانؓ اور خلفائے بنی امیہ و بنو عباس کی تنقیص ہے جس کے لئے انہوں نے شیعہ مؤرخ طبری کی اور دوسرے مؤلفین کی کتابوں سے جن میں رطب و یابس ہر قسم کی روایتیں بلا تنقید جمع کردی گئی ہیں اسناد ترک کرکے وہی روایتیں چھانٹ لی ہیں جو ان کے مفید مطلب ہیں بعض جگہ اپنے مآخذ کی عبارت میں قطع و برید سے بھی اجتناب نہیں کیا بلکہ کتاب کی جلد اور صفحے کا حوالہ دے کر بھی عبارتوں کے بعض الفاظ کا اخفاء یا ترک کرکے مفہوم تبدیل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ سے جس قسم کا بیر ان کو ہے ان کی تحریروں سے عیاں ہے مثال کے طور پر البدایہ والنہایہ میں امیر المؤمنین کے فرمان کی یہ عبارت درج ہے کہ مال غنیمت میں سے سونا چاندی بیت المال کے لئے الگ کر لیا جائے ابن کثیر کے الفاظ ہیں۔ ان یصطفی لہ کل صفراء و بیضاء یعنی الذھب والفضۃ یجمع کلہ من ھذہ الغنیمۃ لبیت المال (سفر۱۲ ص ۲۹ ج ۸)

مودودی صاحب کی نیت نیک ہوتی تو اپنے مآخذ خاص البدایہ النہایہ کی جلد و صفحے کا حوالہ دینے کے بعد بھی کاتب وحی و صحابی و برادر نسبتی رسول کریمؐ پر یہ صریح بہتان تراشی نہ کرتے کہ "مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ نے ... حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونا ان کیلئے الگ کر لیا جائے (ص ۱۷۳) مال غنیمت کی شرعی تقسیم کے بارے میں تفصیلی گفتگو اپنے محل پر آئندہ اوراق میں آرہی ہے جس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ جب فوج کے تمام ساز و سامان اور سارے اخراجات حکومت کے ذمے ہوتے گئے تو سابق خلفاء کے زمانے سے ہی مال غنیمت کی تقسیم حاضر الوقت احوال کے مطابق کی جانے لگی تھی چنانچہ سونا چاندی فوجیوں کو تقسیم کرنے کے بجائے بیت المال میں داخل کیا جانے لگا صحابۂ خلفاء پر اس قسم کے جھوٹے الزامات عائد

کرنے ہی کے مقصد سے تو ان صاحب نے "خلافت کے حقیقی تصور" کے سلسلے میں آیات قرآنی سے "ایجاد بندہ" نوعیت کے "نکات اسلامی ریاست کے پیش کرتے ہوئے ایک خصوصیت کے بارے میں پہلے تو فرمایا کہ "حکومت کا بننا اور بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہئے (ص ۵۵) پھر یہ کہہ کر کہ "اس میں عوام الناس مطلق العنان نہیں ہوتے" ارشاد ہوا کہ "ریاست ایک متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اسکی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو (ایضاً) اس قسم کے اقوال جو العباس فکری و تضاد بیانی کا نمونہ ہیں بنی امیہ و بنو عباس کی خلافتوں کو ملوکیت سے متہم کرنے کی غرض سے کتاب کے پہلے دو ابواب میں اپنے خاص نظریات کی تشریحات میں پیش کئے ہیں جو خارج از مبحث ہیں کیونکہ صحابہ کے دور اول کی اسلامی ریاستیں خاص کر صدیقی و فاروقی و عثمانی حکومتیں جو سیاسی جھگڑوں سے پاک ہیں بے شک قرآنی حکومت کا اعلیٰ نمونہ تھیں اور ان بزرگوں کے ہاتھوں سے بنیں اور چلیں جنہوں نے شمع نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا لیکن یہ نمونہ بعینہ بعد کے ہر دور میں نہیں منتقل ہوا۔ البتہ اس کے مبادی اور اصولوں ہی پر بقیہ صغار صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور ان کے تربیت یافتہ بزرگوں نے اموی و عباسی خلافتیں بنائیں اور چلائیں ان ہی بنیادی احکام و اصول کے مرتبہ اسلامی قانون جو اولین ریاست کے تھے اموی و عباسی خلافتوں میں بھی برابر نافذ و رائج رہے۔ مودودی صاحب نے قانون سازی کے سلسلہ میں اعتراف کیا ہے لکھتے ہیں (اسلامی قانون ص۲۵ و ۲۶)

"جو بنیادی احکام و اصول ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دئے گئے تھے ان پر اسی وقت ایک ریاست قائم ہو گئی اور روزمرہ پیش آنیوالے معاملات میں تعبیر قیاس و استحسان و اجتہاد کے ذریعہ اس قانون کا ارتقا اول ہی روز سے شروع ہو گیا تھا پھر اسلامی اقتدار اور وسیع ہو کر بحر الکاہل سے بحرہ اوقیانوس تک آدھی سے زیادہ مہذب دنیا پر پھیل چکا تھا اور جتنی ریاستیں بھی بعد کے بارہ سو سال میں مسلمانوں میں قائم کیں ان سب کا پورا نظم و نسق اسی قانون پر چلتا رہا ہر دور اور ہر ملک کے حالات و ضروریات کے مطابق اس قانون میں مسلسل توسیع ہوتی رہی"

تو اب وہ کس منہ سے اموی و عباسی خلافتوں کو ملوکیت سے متہم کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں! جب کہ انہیں تسلیم ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے بنیادی احکام و اصول پر مبنی قانون بارہ سو برس بعد

والی اسلامی حکومتوں میں برابر جاری وساری ونافذ رہا۔ سچ ہے حق بر زبان جاری۔ اسی میں ان کے
ان سوالات کا شافی و مسکت جواب مل جاتا ہے جو اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر درج کئے ہیں

ملوکیت و بادشاہت میں قانون بادشاہ اور اس کے مشیروں کا اپنا بنایا ہوا ہوتا ہے۔
ایسی ملوکیت و بادشاہت اموی و عباسی و ترکی حکومتوں و خلافتوں میں ایک دن کو بھی نہیں
آئی، حاکم و خلیفہ و محکوم سب اسی اسلامی قانون کے متبع رہے جس کے بنیادی احکام و
اصول تیرہ سو برس پہلے دئے گئے تھے۔ ان خلافتوں کے تحت جو سلاطین رہے انکو مغربی
تصور کا بادشاہ KING کہنا غلط ہے۔ اور مودودی صاحب کا یہ کہنا نہ صرف اور بھی خلاف
واقعہ بلکہ صریح بہتان ہے کہ عثمانی خلافت ہی میں اسلام کے سیاسی اجتماعی نظام کی زمام
جاہلیت کے ہاتھوں میں آ گئی تھی یہ قول مردود مترادف ہے اس بہتان کے کہ اسلام کی تیرہ
سو سال کی پوری تاریخ گویا اسلامی نظام کے اصول سے اِبا، انحراف، انکار، سرکشی اور بغاوت
کی تاریخ ہے۔ اسلام کے بدترین دشمن کے منہ سے اسلام کے سیاسی نظام کو ناقابل عمل
ثابت کرنے کیلئے کیا اس سے زیادہ کچھ اور بکواس درکار ہے۔ اسلامی خلافتوں کے شاندار
دور کو جن کی بدولت تینوں براعظموں میں اسلام کی سربلندی و درخشانی سے افق عالم
روشن ہوا کوئی سبائیت زدہ تاریک ذہنیت ہی اسے ناکام کہہ کر اموی و عباسی خلفاء
و علماء و سادات و فضلاء پر سب و شتم کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کر سکتی ہے۔ حالانکہ عہد رسالت
کے بعد دین حقہ اسلام کی اشاعت، ادیان عالم پر اسکے غلبہ و برتری کی بے مثال خدمت بتعیین آیت
کریمہ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى
الدِّينِ كُلِّهِ۔ سوائے حضرت علیؓ کے جو خانہ جنگیوں میں مبتلا رہے حضرت ابوبکرؓ و
عمرؓ و عثمانؓ کے بعد حضرت معاویہؓ و امیر یزید و دیگر اموی و عباسی خلفاء اور ان کے غازیوں اور
مجاہدوں نے ایسے فداکارانہ جوشِ ایمانی سے کی تھی کہ بقول شاعر ؎

اسکی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوان گہ کسریٰ میں شکار

محمود احمد عباسی

حقیقتِ خلافت و ملوکیت

۱۔ **خلافت** ۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق امت کا سیاسی نظام بغرض حفظ الدین وسیاستِ الدنیا جو ایک دینوی حکومت کی صورت میں کتاب وسنت پر مبنی رہا وہ خلافت کہلایا۔ ارشاد ہے (الحج : ۴۱)

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر جب حکومت عطا کرتے ہیں تو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور تمام امور کی انجام دہی اللہ کے ہاتھ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خلافت کی تعریف جامع و مختصر الفاظ میں یوں کی ہے

در تعریف خلافت ۔ ھی الریاسۃ العامۃ فی التصدی لاقامۃ الدین باحیاء العلوم الدینیۃ واقامۃ ارکان الاسلام والقیام بالجہاد وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلۃ و اعطاءھم الفیٔ والقیام بالقضاء واقامۃ الحدود ودفع المظالم والامر بالمعروف والنھی عن المنکر نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲)

خلافت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ریاست عامہ ہوتی ہے جو دینی علوم کے رائج کرنے میں اسلام کے ارکان قائم رکھنے جہاد اور اس کے متعلقات کے برپا کرنے یعنی لشکروں کی تربیت اور مجاہدین کو وظائف دینے اور مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں قاضیوں کو مقرر کرنے سزائے جرم کے اجرا اور مظالم کے دور کرنے میں نیز اچھے کاموں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت میں ان امور کو انجام دے۔

شریعت کو اس سے قطعاً بحث نہیں کہ نظام سیاسی کی ہئیت ترکیبی کیا ہوگی سرحکومت کیسے برسر اقتدار آئے گا، اور مختلف النوع معاشروں کو برادری کے ایک رشتے میں کیسے منسلک کیا جا سکے گا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ کیا تھا، اس میں یہ نہیں بتایا کہ اس کا دستور اساسی کیا ہوگا، وہاں الفاظ ہیں۔ کما استخلف الذین من قبلھم (جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی) دنیا میں حکومت کی جتنی اور جیسی صورتیں رائج چلی آرہی تھیں ویسی ہی مسلمانوں کی حکومت بھی ہوگی، فرق صرف اتنا ہے کہ اس حکومت کا مقصد دین برپا کرنا ہوگا اور اس کے قوانین ایسے لچکدار ہوں گے کہ دنیا کی ہر قوم ان کے تحت زندگی بسر کر سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کی زندگی قبائلی تھی اور ہر قبیلہ اپنے اصول اور رواج کے مطابق اپنا سر قبیلہ مقرر کرتا تھا، آپ نے یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہنے دیا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے جو والی مقرر کر کے بھیجا ہو یا جو نمائندہ تبلیغ و اشاعت یا تحصیل زکوٰۃ اور اجرائے قوانین کے لئے آپ کی طرف سے گیا ہو اس نے قبائل کا اندرونی نظام مختل کرنے کی کوشش کی ہو۔

آپ کے قرب و جوار میں شخصی حکومتیں قائم تھیں، انہیں جب آپ نے دین اسلام کی دعوت دی تو اس میں صراحت کر دی کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کی حیثیت عرفی برقرار رہے گی اور جس سیاسی نظام کے وہ لوگ عادی ہیں اسے توڑا نہیں جائے گا، چنانچہ ہرقل کو جو نامہ مبارک بھیجا گیا، اس میں صراحت تھی اسلم تسلم (اسلام لے آؤ محفوظ ہو جاؤ گے) (بخاری: ج ۱ ص ۹ طبع مصر) یہاں محفوظ رہو گے کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں زوال و عذاب سے محفوظ رہو گے، ہرقل اگر مسلمان ہو جاتا تو کیا اسے اسلام لانے کی یہ سزا دی جاتی کہ تخت چھوڑ کر مودودی صاحب کی "اپریشن دینی حکومت" کا پابند ہو جاتا؟ یقیناً اس کی حکومت بدستور برقرار رہتی جیسا کہ نجاشی کی حکومت قائم رہی، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ نہیں کیا۔ فی الحال تخت چھوڑ دو پھر استصواب رائے عامہ کے بعد اگر تم صدر منتخب ہو گئے تو رہو گے ورنہ نہیں، اسی طرح

حضرت باذانؓ جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے، انہیں بھی حضور نے یہی پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں تو یمن کی حکومت پر بدستور فائز رہیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پھر ہم خاص تاریخ خلافت پر جب غور کرتے ہیں تو ہمیں کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نصب امام کا کوئی خاص طریقہ ہے، مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے، (ص۸۴) کہ حضرت عمرؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس میں اچانک اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کا نام تجویز کیا تھا، اور ہاتھ بڑھا کر فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، ان کو خلیفہ بنا لینے کے بارے میں پہلے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا، تو پھر وہ شورائی خلافت کب قائم ہوئی جس کے متعلق وہ (ص۸۳) میں لکھتے ہیں "لیکن مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام کے شورائی خلافت کا تقاضہ کرتا ہے" سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام کا نمائندہ اجتماع کیا تھا، وہ تو انصار کا بھی نمائندہ اجتماع نہیں تھا اور مہاجروں میں سے یہاں صرف تین صاحب گئے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ کی شخصیت ہی ایسی بلند و بالا تھی کہ سب کی گردنیں خود بخود جھک گئیں اور تکمیل بیعت ہوگئی۔

پھر حضرت فاروق اعظمؓ کی ولایت عہد کا واقعہ جو مودودی صاحب نے طبری کے حوالے سے بیان کیا ہے، اس کی توثیق حضرت خلیفہ رسول اللہ کے فرمان سے قطعاً نہیں ہوتی، یہ فرمان آپ نے ایسی حالت میں لکھوایا تھا کہ آپ کا آخری وقت تھا جس کے دوران تھوڑی سی غفلت بھی ہوگئی تھی، پھر ہوشیار ہو کر آپ نے اسے مکمل کرایا اس وقت اس کا موقع ہی کہاں تھا کہ آپ مسجد میں ایک مجمع کے سامنے تقریر کریں، البتہ ایک آدھ دن پہلے بعض اکابر سے حضرت فاروقؓ کے متعلق رائے ضرور لی تھی، مگر نہ اس طرح کہ انہیں اس انتخاب میں کوئی دخل ہو، ان کو ولی عہد بنانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے فرمان صدیقی میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کہ "میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو مقرر نہیں کیا ہے!" یہ آپ کہہ بھی کیسے سکتے تھے، جب کہ مہاجرین میں سے ہر شخص آپ کا رشتہ دار تھا۔

فرمان کے الفاظ یہ ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا ما عہد ابو بکر بن ابی قحافہ
فی آخر عہدہ بالدنیا خارجا
منہا و عند اول عہدہ بالآخرۃ
داخلا فیہا حیث یؤمن الکافر و
یوقن الفاجر و یصدق الکاذب،
انی استخلفت علیکم بعدی عمر بن
الخطاب فاسمعوا لہ و اطیعوا
و انی لم آل اللہ و رسولہ و دینہ
و نفسی و ایاکم خیرا۔ فان عدل
فذالک ظنی بہ و علمی فیہ
و ان بدل فلکل امرئ ما اکتسب
والخیر اردت ولا اعلم الغیب و
سیعلم الذین ظلموا ای منقلب
ینقلبون والسلام علیکم و رحمۃ
اللہ و برکاتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ عہد ہے جو ابو بکر
بن ابی قحافہ نے دنیا سے نکلتے ہوئے
آخری وقت میں اور آخرت میں داخل ہونے
کے شروع وقت میں کیا جب کہ کافر ایمان
لے آتا ہے، بدکار شخص یقین حاصل کرتا
ہے اور جھوٹا شخص تصدیق کرتا ہے میں
نے اپنے بعد تم پر عمر بن الخطاب کو اپنا
جانشین کیا ہے لہذا تم اس کی بات سنو
اور اطاعت کرو، میں نے اللہ اور اس کے
رسول اور اس کے دین اور اپنی جان اور تم
سب کی بہتری کے سوا اور کچھ نہیں سوچا
ہے، اگر انہوں نے عدل کیا تو میرا گمان اور
میرا علم ان کے متعلق یہی ہے اور اگر وہ بدل
گئے تو ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے
میں نے تو بھلائی ہی سوچی ہے اور غیب کا مجھے
علم نہیں اور جو لوگ ظلم کریں گے وہ عنقریب
دیکھ لیں گے کہ ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ تم
سب پر سلامتی ہو اللہ کی رحمت ہو اور اس
کی برکتیں ہوں۔

پھر آگے ہے:۔

ثم امر بالکتاب فختمہ ثم
امر عثمان فخرج بالکتاب مختوما
فبایع الناس و رضوا بہ

پھر آپ نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ
فرمان کو سربمہر کر دیں۔ چنانچہ وہ اسی سربمہر
فرمان کو لے کر نکلے اور لوگوں نے بیعت کر لی اور
سب راضی ہو گئے۔

اس فرمان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس تقرر میں کسی اور کی رائے کو بھی دخل تھا، پھر بیعت لینے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ لوگوں کو اس سربمہر فرمان پر بیعت کرنی تھی، جس کا بھی نام نکلتا، تمام زندگی میں استصواب رائے عامہ کا قطعاً کوئی تصور نہیں اور یہ صرف حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے سب کچھ ہوا۔

مودودی صاحب نے صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت فاروق اعظمؓ کی تقریر نقل کی ہے، جو آپ نے اپنے آخری حج سے واپسی پر خلافت کے متعلق کی تھی، جس کے آخری الفاظ انہوں نے یہ لکھے ہیں۔

"اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کریگا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کریں گے" (صفحہ ۸۵)

حضرت فاروق اعظمؓ کی تقریر کا یہ فقرہ محدثین و مولفین نے نقل کیا ہے، جس میں ایک کلیہ بیان ہوا ہے لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ خود حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے بعد چھ بزرگواروں کو نامزد کیا کہ آپس میں فیصلہ کرکے کسی ایک پر راضی ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت فاروق نے یہ چھ نام امت کے سامنے پیش نہیں کئے تھے اور نہ یہ فرمایا تھا کہ باہمی فیصلہ کرنے کے بعد عوام کو بغرض استصواب مطلع کریں۔ یہ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کا اپنا تقویٰ اور احساس ذمہ داری تھا کہ چار بزرگواروں کے الگ ہو جانے کے بعد جو دو صاحب باقی رہے تھے ان میں سے کسی کو محض اپنی رائے سے منتخب نہ کریں بلکہ اہل مدینہ اور امراء عساکر سب سے مشورہ کرکے نتیجہ کا اعلان کردیں، چنانچہ تین دن اور تین راتیں ایک ایک گھر جا کر آپ نے لوگوں کی رائے لی تھی اور ہر طرف سے یہی آواز سنی تھی کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوں، مودودی صاحب کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

گویا حضرت فاروق اعظمؓ نے تقریر میں جو کلیہ مسلمانوں کے مشورے کے متعلق بیان فرمایا تھا اس پر عمل اس صورت میں ہوگا۔ جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو یا جانے والا امام

کسی کے لئے وصیت نہ کر گیا ہو یا کوئی ہدایت نہ دے سکا ہو، جب جانے والا امام
کسی کے بارے میں وصیت کر جاتے تو وہ وصیت بہر حال نافذ ہوتی، یہ کیسے ممکن ہے
کہ حضرت فاروقؓ اپنی زندگی کی اہم ترین تقریر کریں اور پھر چلتے وقت اس تقریر کے
مطابق عمل نہ کریں جو مودودی صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں، آپ کے قول اور عمل میں ہرگز
تضاد واقع نہیں ہوا کیونکہ آپ کو وصیت کر جانے کا موقع مل گیا تھا، یہ بات اور ہے
کہ وصیت کسی خاص شخص کے لئے نہیں تھی بلکہ ان چھ حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ
بن سکتا تھا، مگر ہوتا وہ اسی وصیت کے مطابق جو حضرت فاروقؓ نے کی تھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی تقریر کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ نصب امام
کا حق صرف ارباب حل وعقد کو ہے، یا پھر جانے والے امام کو، اسی لئے حضرت علیؓ کی خلافت
آخر وقت تک زیر بحث رہی کہ نہ جانیوالے امام نے ان کو نامزد کیا نہ ارباب حل وعقد
نے نصب کیا، پھر [illegible] مدعی ہو کر اپنا موقف خود ہی کمزور کر لیا، کسی شخص کو ان کے خلیفہ
ہونے کی اہلیت پر [illegible] نہ تھا اور نہ کسی نے ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور
نہ ان کے متوازی کوئی حکومت قائم کرنی چاہی تھی، اعتراض صرف ان لوگوں پر تھا اور ان کے
طریقۂ [کار] پر تھا جنہوں نے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو ظلماً و کفراً شہید کر کے یہ خلافت
برپا کی تھی۔ اسی لئے [illegible] نے فیصلہ دیا تھا کہ معتمد اصحاب کے عام اجلاس میں
خلافت کے مسئلے کا از سر نو تصفیہ کیا جائے۔ اس موضوع پر بحث آگے آ رہی ہے۔

فرائض خلافت

خلافت اسلامیہ جیسا بیان ہو چکا ایک ایسی دنیوی حکومت ہوتی ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہو، خلافت کا انحصار
خلیفہ یا اس کے کارکنوں پر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ اجتماعی نظام ہے، جسے غیر معصوم
مسلمان کتاب وسنت کی بنیاد پر قائم کریں اور یہ نظام جب کبھی قائم ہوگا اسے خلافت راشدہ
ہی کہا جائے گا، کیونکہ رشد و ہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
سنت ہے نہ کہ کسی شخص یا اشخاص کی ذات۔

احادیث میں جو ہے اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر [illegible]

بعدی عمار وما اقرأکم ابن ام عبد فصدقوہ (میرے بعد ان دونوں ابوبکر وعمرؓ کا اتباع کرنا اور عمارؓ کی راہ چلنا اور ابن ام عبد جو پڑھائے اس کی تصدیق کرنا) تو اس حدیث کا تعلق خلافت سے نہیں ہے بلکہ صحابیت سے ہے کیونکہ یہ بزرگوار علوم نبویہ کے حامل تھے اور اپنی خصوصیات کی بناء پر امت میں ان کا مقام تھا ظاہر ہے کہ خلیفہ تو ان میں سے صرف پہلے دو ہی ہوتے۔

جس حدیث کے تحت خلفاء کی سنت کا اتباع واجب ہوا وہاں نہ کسی کا نام ہے اور نہ ان کی تعداد۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی	تم پر میری سنت کا اتباع لازم ہے اور ان راست رو ہدایت یافتہ خلفاء کا جو میرے بعد ہوں گے۔

جن لوگوں نے راشدوں کی تعداد چار مقرر کردی ہے وہ بے دلیل ہے بلکہ اُسے بھی چوتھی صدی ہجری کی اختراع کہنا چاہئے، کیونکہ یہ تمام نصوص صریحہ ثابتہ اور تعامل صحابہ کے خلاف ہے، راشدوں کی نہ کوئی تعداد معین ہے اور نہ اس سلسلے میں زمانہ کی کوئی تحدید ہے، بلکہ اس امر کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہ صدیوں تک رہے گا اور ہر حال میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ جماعت اور اس کے ائمہ سے وابستہ رہیں۔ تلزم جماعۃ المسلمین امامھم نص قطعی ہے (بخاری: کتاب الفتن) فتنہ و فساد اور فرقہ بازی کے زمانہ میں سلامتی صرف جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو فرمایا ہے اولٰئک ھم الراشدون (یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ) لہٰذا جس نظام پر وہ مجتمع ہوتے اور اس سے راضی ہو گئے وہی نظام حق ہے اور اس سے ہٹ کر اور اسے باطل بتاکر جو صورت پیدا کرنے کی کوشش کی جائیگی وہ باطل ہوگی، البتہ اس کی حجیت تسلیم کرکے اپنے احوال کے تحت کوئی مناسب راہ عمل پیدا کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ امت راضی ہو جائے، کیونکہ خلافت برپا کرنے

کا کوئی مخصوص طریقہ منصوص نہیں بلکہ یہ امت کا اختیاری فعل ہے کہ باہم رضامندی سے وہ جس طرح چاہیں اسے برپا کریں، وہ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے حق ہوگا، اور اس میں بعد کے لوگ جو تبدیلی کریں گے وہ بھی حق ہوگی، کیونکہ تشکیل حکومت ہمیشہ حاضر الوقت احوال اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق کی جاتی ہے اسی لئے شریعت میں کوئی متعین طریقہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلافت اسلامیہ کے جو فرائض بتائے ہیں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے یعنی

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور	وہ لوگ جب ہم انہیں دنیا میں حکومت عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں، ویسے تمام امور کا انجام و مآل اللہ کے ہاتھ ہے۔

جس حکومت میں یہ شعبہ ہائے زندگی منظم ہوں وہ خلافت راشدہ و مرشدہ ہے، خلفاء اور ان کے کارکنوں کی کوتاہیاں اور فروگزاشتیں اس کی حیثیت کم نہیں کرتیں جو لوگ کسی خلیفہ کی شخصی کمزوریوں کے سبب اس کی خلافت کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں وہ کج فہم ہیں اصاحل ہونگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کی جڑ پہلے ہی کاٹ دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کتاب کی وراثت نے امت کو جو بزرگی اور عنداللہ مقبولیت عطا کی ہے اسے کوئی نہیں چھین سکتا اور ان کے شخصی معائب اس راہ میں حائل نہیں ہوسکتے (الفاطر: ۳۲)

ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذٰلک ھو الفضل الکبیر	پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، بعض ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں بعض لوگ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں اور یہ بہت بڑا فضل ہے

اس تمام بیان سے ناظرین کرام پر یہ چند باتیں واضح ہو گئی ہوں گی۔

۱۔ خلافت نبوت کسی شخص کی حکومت نہیں بلکہ ایک سیاسی نظام ہے، جو شریعت مطہرہ پر مبنی ہو، اس نظام میں اجتماعی فلاح و بہبود کے ہر شعبے کے لئے سرکاری کارکن ہوتے ہیں، جو پورے معاشرے کی نگرانی کریں، ان میں کوئی شخص یا اشخاص معیاری نہ ہوں تو اس سے نظام کی حجیت پر کچھ اثر نہیں پڑتا، انتظامیہ، آزاد عدلیہ پھر محکمہ احتساب، محکمۂ افتاء اور سب سے بڑھ کر خود مسلم معاشرہ یہ سب مل کر خلافت راشدہ قائم کرتے ہیں، اور اس نظام کا سربراہ خلیفہ اور امام کہلاتا ہے۔

۲۔ رشد و ہدایت کا منبع اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت ہے نہ کسی امتی کی ذات، صحابہ و علماء و فقہاء یا خلفاء کو جو راشد کہا جاتا ہے تو ان کے علم اور فقاہت کے سبب کہ منشاء نبوی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ وہ خلافت جو اجماع صحابہ اور ان کے بعد کسی عہد کے مسلمانوں کے اجماع سے قائم ہو وہ خلافت راشدہ ہے۔

۴۔ ایسی خلافت جب بھی قائم ہو تو اس کے خلاف کھڑا ہونا اور خروج کرنا خدا اور رسول سے غداری ہے اور اس شخص کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے کیونکہ اس پر انتہائی سخت وعید ہے۔

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا سوائے اس کے وہ اپنے موقف سے باز آجائے۔	من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان يراجع (متفق عليه)

یہ وعید خلافت اسلامیہ کے خلاف خروج کے بارے میں ہے جب کہ کھڑے ہونے والے کی پشت پر اسے عامہ نہ ہو، فقہی اور نظری اختلافات جو جماعت کے اندر رہ کر اور نظام خلافت سے وابستہ رہنے کی صورت میں ہوں وہ اس کے تحت نہیں آتے کیونکہ اس سے علم و فکر میں ارتقاء ہوتا ہے۔

۵۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین یزید اول علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلاف جب اہل مدینہ نے بغاوت کی تو شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے غدار رسول سے غداری قرار دیا تھا (بخاری: کتاب الفتن ص۱۰۳۲ ج ۴ طبع مصر)

عن نافع قال لما خلع اهل المدینه یزید بن معاویة جمع ابن عمر حشمه و ولده فقال انی سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیمة وانا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله ورسوله وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع الله رسوله ثم ینصب له القتال وانی لا اعلم احدا منکم خلعه ولا بایع فی هذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینه

حضرت نافع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے (امیر المومنین) یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ دی تو (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے متعلقین اور آل و اولاد کو جمع کیا اور فرمایا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدر کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کے نام سے بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی غداری نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس سے جنگ کرنے کھڑے ہو جائیں، مجھے یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ تم میں سے کسی نے بیعت توڑ دی یا اس بغاوت کے معاملہ میں کوئی بات کی ایسا ہوا تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

ملوکیت | جس حکومت میں قانون سازی کا حق سرِ حکومت یا قوم کے نمائندوں کو ہو ایسی حکومت کو خلافت نہیں کہتے وہ ملوکیت کہلائے گی جیسے دنیا کی اور حکومتیں ہوتی ہیں: وہ حکومت شخصی ہو، آمرانہ ہو، جمہوری ہو یا اشتراکی ہو اسے ملوکیت کہا

جائے گا، اور اگر ایسی حکومت کتاب وسنت پر مبنی ہو گی تو وہ خلافت کہلائے گی اگرچہ اس کی شکل کچھ ہو اور کسی زمانہ میں ہو۔

ملوکیت صرف وہ حکومت کہلاتی گی، جو کتاب وسنت پر مبنی نہ ہو ایسی حکومت کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ ہوگا۔ اسی لئے مسلمانوں کے کسی علاقے میں اگر یہ شاہی نظام برپا ہوا تو سرحکومت کو سلطان کہا گیا۔ اگرچہ عرف عام میں وہ بادشاہ کہلایا لیکن سرکاری حیثیت اس کی سلطان ہی کی رہی اور اس کے صرف ایک ہی معنی رہے کہ اس کے فیصلے آخری ہوں جن کا مراغہ نہ کیا جا سکے،

ایسے شخص کو سلطان اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے زیر نگین علاقے میں کتاب وسنت کی حکم رانی تھی وہ خود قانون ساز نہ تھا البتہ اسے اپنے زیر نگیں علاقہ میں سیاسی اعتبار سے اندرونی خود مختاری حاصل تھی، صرف امور خارجہ میں وہ مرکز سے وابستگی کا پابند تھا، جیسے سلطان غازی محمود غزنویؒ یا سلطان غازی صلاح الدین ایوبیؒ۔

مودودی صاحب نے جو اپنے مزعومات کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کے زمانے ہی میں خلافت ختم ہو کر ملوکیت آگئی تھی تو ان کا یہ بیان بے پایہ ہے اور اس سے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع صحابہ اور قیاس سب کی نفی ہوتی ہے۔ اس میں پوری امت کی تضلیل وتوہین کا پہلو نکلتا ہے۔

یہاں ایک نہایت اہم حدیث کی طرف ہم متوجہ کرنا چاہتے ہیں (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۲ طبع مصر) حضرت نافع بن عتبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے کے موقع پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ چار باتیں یاد کی ہیں۔

قال تغزون جزيرة العرب فيفتحها الله ثم فارس فيفتحها الله ثم تغزون الروم فيفتحها الله الخ

آپ نے ارشاد فرمایا تم جزیرۂ عرب کے خلاف جہاد کرو گے اور اللہ اس پر فتح دے گا پھر فارس پر اللہ اس پر بھی فتح دے گا پھر تم روم کے خلاف جہاد کرو گے اور اللہ اس پر بھی فتح دے گا۔

گویا آپ کی امت کی جو حکومت عرب کو فتح کرے گی وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے

کی بات ہے اور فارس فتح کرے گی وہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد کی بات ہے اور جو روم کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع کرے گی جو حضرت عثمانؓ کے عہد سے حضرت معاویہؓ کی سرکردگی میں شروع ہوا اور ان کے عہد میں امیر یزیدؒ کے زیر کمان قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوا، پھر اموی اور عباسی دور میں بار بار یہ جہادی معرکے ہوتے رہے تا آنکہ سلطان محمد فاتحؒ کے دستِ مبارک پر قسطنطنیہ فتح ہوا، ان سب حکومتوں کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یکساں ہے یعنی مسلمان کتاب وسنت پر مبنی جیسی بھی حکومت قائم کریں گے، اس کی ہیئت ترکیبی کچھ بھی ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مقبول ہے۔

اور یہ کوئی ایک ہی حدیث نہیں ہے بلکہ متعدد ہیں، مثلاً صحیح بخاری (ج ۲ ص ۱۹۲ طبع مصر)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ۔	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہوجائے تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد کوئی قیصر بھی نہیں ہوگا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کروگے

تو اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حکومت کے جو طرز مقبول ہیں، وہاں پر آپ نے ذکر کیا ہے، انہیں باطل کہہ کر مودودی صاحب نے اپنی حیثیت کیا بنا لی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد پھر کوئی قیصر نہ ہوگا، یعنی ترکی خلفاء کی حیثیت اس ارشاد کے اعتبار سے قیصروں کی سی نہیں ہے وہ خلفاء و سلاطین ہیں اور عالم اسلام کے سربراہ مگر مودودی صاحب اموی و عباسی خلفاء کو بھی کسریٰ و قیصر کہتے اور ان کی خلافت کے لئے ملوکیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور

کہاں یہ صحیح بخاری کی روایت چھوڑ کر کم درجے کی روایت کے ذریعہ امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد کے سلسلے میں قیصر و کسریٰ کا نام ایک صحابی کے منہ سے ادا کرانا چاہتے ہیں، جو منشاء نبوی کے خوب جاننے والے تھے اور امامت میں آج کوئی بھی ان کی سمجھ کو نہیں پہنچ سکتا۔

یہ حدیث ناطق ہے کہ نظام خلافت جب تک برپا رہا اس وقت تک مسلمانوں میں ملوکیت نہیں آئی، کیونکہ پر خلافت کی بنیاد اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر رہی۔

امیر المومنین عبد الملکؒ کا زمانہ خلافت عہد صحابہ کا ربع آخر تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے وقت کے شیخ الصحابہ بڑے فاضل و متقی صحابی تھے وہ جب بیعت خلافت کرتے ہیں امیر المومنین ہی سے تخاطب کرتے ہیں، امام بخاری نے اپنی کتاب کے اس باب میں کہ لوگ امام و خلیفہ سے کیسے بیعت کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کے یہ الفاظ لکھے ہیں (بخاری ج ۲ ص ۱۳۵)

الی عبد اللہ عبد الملک امیر المومنین انی اقررت بالسمع والطاعۃ لعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین علی سنۃ اللہ و سنۃ رسولہ فیما استطعت وان بنیّ قد اقروا علی ذلک

اللہ کے بندے امیر المومنین عبد الملک کی جناب میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے بندے عبد الملک امیر المومنین کا حکم سنوں گا، اور اطاعت کروں گا، میرا یہ اقرار اللہ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت کی پیروی میں ہے جس حد تک بھی میرا مقدور ہوگا میں کوتاہی نہ کروں گا، یہی اقرار میرے بیٹوں کا بھی ہے۔

مودودی صاحب نے صحیح بخاری کے بجائے ادنیٰ درجہ کی کتب کو شاید اسی غرض سے ماخذ قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جیسے فاضل و متقی صحابی کے ارشاد و عمل سے ان کے مزعومات کی قلعی کھل جاتی ہے۔

ملوکیت تو اس وقت آئی جب خلافت ختم ہوگئی، ہر مسلم ملک نے قانون سازی اختیار کی اور خدا اور رسولؐ کے صریح احکام کے خلاف قانون بنائے اور اپنی وفاداریاں کلمۃ اللہ کے بجائے اپنے ممالک اور اپنے خود ساختہ آئین سے وابستہ کیں۔

ایک لغو اور بے پایہ روایت

مودودی صاحب نے کنز العمال کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے مگر یہ بتائے بغیر کہ علماء حدیث کے ہاں اس کتاب کی کیا حیثیت ہے اور اس کی روایتیں کن اصول کے تحت قبول کی جاتی ہیں، انہوں نے یہ روایت محض اس لئے نقل کی ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ پر چوٹ کریں اور منافق بتائیں، اس سلسلے میں یہ طنز بھی ملاحظہ ہو کہ انہیں "حضرت معاویہ کے والد حضرت ابو سفیان" لکھا ہے اور دوسری جگہ محض "ابو سفیان" ان ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنا یا (رضؓ) کی علامت بنانا ظاہر ہے کہ ان کے ہاں جائز نہیں اہم یہ عبارت ترجمان القرآن شمارہ مئی ۱۹۶۴ء سے پوری نقل کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ پر بھی چوٹ ہے کہ گویا انہوں نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا تھا لیکن حضرت علیؓ نے اسے پھر خلافت بنانے کی کوشش کی۔

> حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی (۳۵-۴۰ھ ۶۵۶-۶۶۱ء) نے پھر اسی معیار پر کام کرنے کی کوشش کی جو حضرت ابو بکر و عمر نے قائم کیا تھا، وہ قبائلی تعصب سے بالکل پاک تھے، حضرت معاویہ کے والد حضرت ابو سفیان نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے وقت ان کے اندر اس تعصب کی روح کو ابھارنے کی کوشش کی تھی، مگر انہوں نے یہ راہ اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ابو سفیان نے ان سے کہا تھا کہ یہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی (ابو بکرؓ) کیسے خلیفہ بن گیا۔ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں وادی کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں، مگر انہوں نے صاف جواب دیدیا کہ "تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام

> کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے، میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی
> سوال اٹھاؤ، یاد رکھو! مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور
> آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں، ہم ابوبکرؓ کو اس منصب
> کا اہل سمجھتے ہیں، اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی انہیں اس پر مامور
> نہ ہونے دیتے۔ یہی حضرت علیؓ کا نقطۂ نظر خلیفہ ہونے کے بعد
> بھی رہا جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ٹھیک اسلامی اصول
> کے مطابق عربی اور عجمی شریف اور وضیع ہاشمی اور غیر ہاشمی سب
> کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرنا شروع کیا اور کسی گروہ کو
> کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ایسے ترجیحی سلوک سے نوازنا
> پسند نہیں کیا جو دوسرے گروہوں میں رشک و رقابت کے جذبات ابھا
> دینے والا ہو۔"

یہ روایت اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ باطل ہے اور اس سے جو نتائج مودودی صاحب نے نکالے ہیں وہ پادر ہوا ہیں، دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قریش ایک قبیلہ تھا اور اس کے گھرانوں میں ادنیٰ اعلیٰ کا کوئی تفوق نہ تھا سب کے سب ایک دوسرے کے کفو تھے اور گوناگوں رشتوں میں منسلک ہر گھرانے کو قبیلے کی کوئی نہ کوئی اہم خدمت سپرد تھی اور سب کو عرب کی قیادت اور کعبے کی تولیت کا یکساں شرف حاصل تھا، وہاں ایک شخص کی عظمت و حرمت کا مدار اس کے ذاتی خصائل و فضائل پر تھا اس اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت قریش میں محترم تھی اور آپ کا شمار رؤسائے مکہ میں تھا وہ جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے نکلے ہیں تو راہ میں ابن دغنہ ملے انہیں جب حال معلوم ہوا تو ان سے کہا: "قسم ہے خدا کی تم قوم کی زینت ہو اور ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہو، غریب اور مسافر کے ساتھ سلوک کرتے ہو، تم چلو میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں (الخ)" (صحیح بخاری الباب المناقب (القسامۃ الجاهلیۃ) ج ۱، ص ۳۳۶ طبع مصر)

قریش میں جس شخص کی یہ حیثیت ہو اس کی تحقیر حضرت ابو سفیانؓ کیسے کر سکتے تھے۔

۲۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی حضرت ابو سفیانؓ یہ جانتے تھے کہ دعوت محمدیہ کے عظیم ترین رکن تین ہیں۔ ایک خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے حضرت صدیق اکبرؓ اور تیسرے حضرت فاروق اعظمؓ چنانچہ احد کے میدان میں جب تیر اندازوں کی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کی فتح مثل شکست کے ہو گئی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تک کی خبر اڑ گئی، تو قریش کے امیر عسکر حضرت ابو سفیانؓ نے اس کفر کی حالت میں آواز دے کر مسلمانوں سے پوچھا تھا تو صرف ان تینوں حضرات کے متعلق۔ (صحیح بخاری ج ۲ صفحہ طبع مصر)

واشرف ابو سفیان فقال أفی القوم محمد فقال لا تجیبوہ فقال أفی القوم ابن ابی قحافہ فقال لا تجیبوہ فقال أفی القوم ابن الخطاب۔ الخ	ابو سفیانؓ سامنے آئے تو کہا کیا تم لوگوں میں محمدؐ ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جواب مت دینا"! انہوں نے پھر کہا۔ کیا تم لوگوں میں ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکرؓ) ہیں حضور نے فرمایا "جواب مت دینا" پھر انہوں نے کہا کیا تم لوگوں میں خطاب کے بیٹے ہیں؟ الخ

حضرت ابو سفیانؓ جب کفر کی حالت میں حضرت صدیق صلوات اللہ علیہ کا مقام جانتے تھے تو اسلام میں وہ ایسی معزوبات ان کے متعلق کیسے کہہ سکتے تھے۔

۳۔ حضرت ابو سفیانؓ اگر خاندانی منافست پیدا کرنا چاہتے اور ایسی بات واقعی کہی ہوتی تو اپنے ہم چشم قدیم دوست اور تمام بنو ہاشم بلکہ سب مسلمانوں کے بزرگ سیدنا عباسؓ سے کہتے نہ کہ حضرت علیؓ سے جو اپنے بزرگوں کے خورد تھے اور جن کے ہاتھ میں نہ کوئی طاقت تھی اور نہ ایسا اثر کہ لوگ ان کی طرف طبعاً جھکتے۔

۴۔ عہد نبوی میں حضرت ابو سفیانؓ نجران کے والی تھے اور وفات نبوی کے وقت ان کا مدینہ میں ہونا قطع نظر اس معزو روایت کے اور کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا وہ اگر

وفات نبوی کی خبر سن کر آتے ہوں گے یا حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلبی کا فرمان بھیجا ہوگا، تو بھی تکمیل بیعت کے ڈیڑھ مہینے بعد پہنچ سکے ہوں گے اور یہ وہ وقت تھا جب جیش اسامہؓ روانہ ہوچکا تھا، مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کی طرف سے بے اطمینانی تھی اور چاروں طرف سے ارتداد اور بغاوت کی خبریں آرہی تھیں اس وقت تمام مسلمان بشمول حضرت علیؓ اپنے امام کی قیادت میں زندگی اور موت کی جدوجہد میں مشغول تھے۔

اس عظیم ابتلاء کے وقت ہم اموی سادات کی بڑی شان دیکھتے ہیں، حضرت ابو سفیانؓ کے دو نوں فرزند حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ جہاد کے لئے تیار ہیں یا روانہ ہوچکے ہیں اور ابنی کے زیر کمان مجاہدوں کا پہلا دستہ بھیجا گیا تھا، پھر یزید کے بعد دوسری فیصلہ کن جنگ مسیلمہ کذاب کے خلاف درپیش ہے اور مسلمانوں نے جان کی بازی لگا رکھی ہے، ایک سے ایک آگے بڑھ کر دین پر قربان ہورہا ہے، لیکن افسوس کہ اس موقع پر ہمیں کسی ہاشمی کا نام نظر نہیں آتا، البتہ جہاں ہم حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو جان کی بازی لگاتے دیکھتے ہیں، وہاں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیانؓ کو حجاز و نجران کے درمیانی علاقے کا والی بنا کر واپس لوٹا دیا ہے (فتوح البلدان ج ۱ ص ۱۵۱ ترجمہ ابو الخیر مودودی)

گویا اول تو حضرت ابو سفیانؓ اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھے اور اگر حاضر ہوتے تھے تو حضرت صدیقؓ کی بیعت ہو جانے کے کئی ہفتے بعد پھر مستقر کو واپس ہوچکے تھے حالات حاضرہ اس کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ مسلمان کسی بارے میں لمیت و لعل سے کام لیتے فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے اور اندرونی خلفشار کے درپے ہوتے۔

اب ہم مودودی صاحب سے دریافت کرتے ہیں اور ناظرین کرام کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اس بے پایہ روایت سے جو نتائج و مطالب مرتب کئے ہیں وہ روایت کس حیثیت کی ہے۔

اگر آدمی اپنا، اپنے خاندان کا، اپنے گروہ کا یا اپنے قبیلے کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے جماعت کے اندر رہ کر اور اختلال پیدا کئے بغیر کامیابی کی کوشش کرے تو اسے کوئی ذی عقل شخص تعصب سے تعبیر نہیں کر سکتا، اور اگر مودودی صاحب کے نزدیک یہ قبائلی عصبیت ہے تو اس میں سب ہی مبتلا تھے یعنی انصار جب وہ اپنی خلافت قائم کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوتے اور حضرت صدیق اکبرؓ جب انہوں نے قریش کی امامت کی مصلحت ثابت کر کے باقی تمام قبائل کو خلافت سے محروم کر دیا اور بنو ہاشم جو چھ مہینے تک امام وقت سے بقول مولفین جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر ہیں، عدم تعاون کرتے رہے، مودودی صاحب کے بیان کی تاریخی میں دیکھنے کی کوشش کی جاتے تو سب سے زیادہ قابل اعتراض اور افسوسناک رویہ بنو ہاشم کا تھا، انصار سب کے سب بے تخلف بیعت میں داخل ہو گئے، سوائے حضرت سعد بن عبادہؓ کے، لیکن بنو ہاشم اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

مودودی صاحب کی جو منطق ہے اس پر اگر وہ قائم ہیں تو انہیں اوپر دیا ہوا اپنا بیان واپس لینا ہوگا، کیونکہ جن الزامات کی بنا پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو "خلافت راشدہ" کا بیڑا غرق کرنے والا ثابت کرنا چاہا ہے وہ تمام الزام زیادہ شدت کے ساتھ حضرت علیؓ پر عائد ہوتے ہیں اور ان کے انداز تحریر کے مطابق حضرت علیؓ سے زیادہ خاندانی عصبیت رکھنے والا ان سے بڑھ کر خویش پرست اور خود بین حکمراں شاید ہی کسی دوسرے کو ثابت کیا جا سکے، اس خویش پروری میں وہ ایسی ایسی تباہ کن غلطیاں کر جاتے تھے جن کے سبب ان کی مقبولیت روز بروز گھٹتی چلی گئی، حضرت علیؓ کا یہ کردار ان ماخذ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے جن پر مودودی صاحب نے تکیہ کیا ہے اور ان کی موجودگی میں وہ حضرت علیؓ کا کردار ثابت نہیں کر سکتے جو انہوں نے بڑی آب و تاب سے پیش کیا ہے۔

لیکن جو اہل ایمان ہیں جن کے دل میں صحابہ کرام کی عظمت ہے اور جو اس عہد کے فتنوں کا سبب اصلی جانتے ہیں وہ یہ انداز اختیار نہیں کر سکتے جو مودودی صاحب کا ہے اور انہیں اپنے تمام اسلاف کرام یکساں قابل تعظیم لائق تحسین اور موجب فخر نظر آتے ہیں

ان کا تمام غیظ و غضب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو ان فتنوں کے اصل بانی تھے جنہوں نے جماعت سے اپنا رشتہ توڑ لیا، جنہوں نے امت کو تباہ کرنے کی کسی تدبیر سے دریغ نہ کیا، جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے انہیں شہید کیا اور جنہوں نے حضرت علیؓ کی خلافت پر حاوی ہو کر انہیں اپنے اقدامات سے ایسا زچ کیا کہ وہ ساری عمر پریشانیوں میں مبتلا رہے۔

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کی مدحت میں جو کچھ فرمایا ہے کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق عربی و عجمی شریف و وضیع، ہاشمی و غیر ہاشمی سب کے ساتھ یکساں انصاف کا معاملہ کرتے تھے اور کسی گروہ کو کسی دوسرے گروہ کے مقابلے میں ترجیحی سلوک سے نواز نا پسند نہیں کرتے تھے جو دوسرے گروہوں میں شک و رقابت کے جذبات ابھارنے والا ہو تو بحمد اللہ تعالےٰ یہ صفات ہمارے تمام خلفاء میں تھیں انہوں نے جسے بڑھایا وہ اس کے ذاتی فضائل کی بناء پر بڑھایا جسے گھٹایا وہ اس کی شخصی نااہلیوں کے سبب جسے نوازا وہ اس کی خوبیوں اور وفاداریوں کی وجہ سے اور جسے سزا دی وہ اس کی غلطیوں اور ناشائستہ حرکتوں کی بناء پر اس سلسلے میں اگر کہیں کسی سے چوک ہو گئی یا اس نے کوئی قدم غلط اٹھا لیا تو اس لئے کہ وہ سب انسان تھے اور انسان خطاء و نسیان کا مرکب ہے۔

نکتہ چینی کا حق صرف ان ہم عصر لوگوں کو ہے جو واقعات کے ظاہر و باطن سے واقف ہوں اور بعد کے لوگ نکتہ چینی کے مجاز اس وقت ہیں جب ان کے سامنے ناقابل تردید یادداشتیں ہوں اور جسی آثار ہوں، خیال و گمان اور وضعی روایتوں پر تکیہ کر کے جو لوگ نکتہ چینی کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کا حشر وہی ہوتا ہے جو اہل علم کے نزدیک "خلافت و ملوکیت" کا ہوا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی جانشینی

مودودی صاحب کے دل میں معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت محبت و حرمت نہیں، کیونکہ صحابہ کے احوال اور واقعات تاریخ کے سلسلہ میں اپنے باطل نظریات

کی تائید کے لئے وہ چھانٹ چھانٹ کر ایسی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی وضع کردہ ہیں اور سنداً و متناً غیر صحیح محض ہیں، بہترین مآخذ اور معتبر ترین مصادر سے استدلال چونکہ ان کے مفید مطلب نہیں لہٰذا ان سے انہیں گریز ہے اس ذہنیت کا بدترین نمونہ ان کا حسب ذیل بیان ہے (ص ۹۶)

> حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بعد عرب کی یہ قبائلی عصبیتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں) پھر نہ جاگ اٹھیں اور ان کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت عثمان کے متعلق کہا "اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کردوں تو وہ بنی ابی معیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کردیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ یہی کریں گے اور عوام شورش برپا کرکے عثمان کو قتل کردیں گے۔"

خطرہ

مودودی صاحب نے یہ بالکل غلط بات کہی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے جانشینوں کے بارے میں کوئی خطرہ تھا یا وہ امت کے مستقبل کی طرف سے پریشان رہتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب پر پورا اعتماد تھا اور اسی لئے آپ نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی حکم دینا ضروری نہ سمجھا تو حضرت فاروق اعظمؓ کا ایمان انہیں ایسے خدشات میں کس طرح مبتلا کر سکتا تھا؟ کیا وہ قرآن میں نہیں پڑھتے تھے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم بہترین قوم ہو جسے اقوام عالم کے لئے بطور نمونہ چنا گیا ہے) اور کیا انہیں معلوم نہیں تھا وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ (اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، اگرچہ کافروں کو یہ امر ناگوار ہو)

اور کیا انہیں اس وعدہ ربانی میں شک ہو سکتا تھا (الفتح)

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا۔

خدا تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے اسی میں سے جلدی سے فی الوقت تمہیں یہ کچھ دیا اور لوگوں کی دست درازی سے تمہیں محفوظ رکھا تاکہ اہل ایمان کے لئے ایک نشان ہو اور تمہیں سیدھی راہ چلاتا رہے۔

ان جیسی اور بھی بیسیوں آیات ہیں، جن میں صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام اور ان کا اتباع کرنے والے لوگوں کو ہمیشہ غالب رکھے گا، انہیں گوناگوں نعمتوں سے نوازیگا اور انہی کو تمام عالم کے سامنے دعوت محمدیہ کی نمائندگی کا دائمی شرف عطا فرمائے گا۔

ان صریح آیات کی موجودگی میں حضرت فاروق اعظمؓ کو امت کے مستقبل کی طرف سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا، چنانچہ آپ کے بالکل آخری وقت جب جانشینی کا مسئلہ اٹھایا گیا تو فرمایا (صحیح مسلم باب الاستخلاف وترکہ ج ۲ صـ۱۲۲ طبع مصر نیز صحیح بخاری ج ۲ صـ۱۰۷۸ مسلم)

ان اللّٰہ عز وجل یحفظ دینه وانی لئن لا استخلف فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لم یستخلف وان استخلف فان ابا بکر قد استخلف

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور میں اگر کسی جانشین کو نہ بناؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو جانشین نہیں بنایا اور اگر کسی کو جانشین تجویز کروں تو (حضرت) ابوبکرؓ اپنا جانشین مقرر فرما گئے تھے

یہ کیسی کھلی ہوئی اور محکم دلیل ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے ذہن میں اپنے بعد کے جانشین کے بارے میں قطعاً کوئی الجھن نہیں تھی جب وفات کے وقت آپ پوری طرح مطمئن تھے تو اس سے پہلے جب دنیا میں چاروں طرف آپ کی نگرانی میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیادیں آپ استوار کر رہے تھے اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ آپ کو دکھا رہا تھا کہ وہ اپنے وعدے کس طرح پورے کرتا ہے تو اس کا

موقعہ ہی کہاں تھا کہ امت کے مستقبل کی فکر میں ایسے گہرے سانس لیں اور آہیں بھریں کہ سننے والے کو اندیشہ ہو کہیں ان کی پسلیاں نہ چٹک جائیں۔

مودودی صاحب کو ایمان اور علم کا دعویٰ تو ایسا ہے کہ انہوں نے تجدید احیائے دین میں تحقیقی مطالعہ کرکے اگلوں اور پچھلوں سب میں خامیاں نکالی ہیں لیکن بزعم خویش اللہ کے کلام کا ترجمان ہونے کے باوجود انہوں نے ان آیات پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام اصحاب کے دامن سے وابستہ جماعت کو ہمیشہ راہ حق پر رکھے گا ان کا کوئی اجتماعی اقدام ایسا نہ ہوگا کہ بارگاہ الٰہی میں نامقبول ہو۔

ان آیات پر اگر انہوں نے ایمان کے ساتھ غور کرلیا ہوتا تو ان کا رویہ صحابہ کرام کے ساتھ ایسا گستاخانہ کیوں ہوتا کہ اپنے اس سلسلۂ مضامین میں انہوں نے اکابر واجلۂ و اعاظم صحابہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے میں باک نہ کیا اور پھر بنا بھی ان روایات واہیہ پر جن کی کوئی حقیقت نہیں، مثلاً استیعاب کی یہی مردود روایت جس کا نہ سر ہے نہ پیر یہ عبارت جس کا ایک ٹکڑا مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ پر طعن کرنے کے لئے بطور حجت پیش کیا ہے، ہم اسے یہاں پورا نقل کرتے ہیں اور نتیجہ اخذ کرنا ان سمجھدار لوگوں پر چھوڑتے ہیں جن کے دلوں میں صحابہ کرام کی عزت و محبت ہے اور جو تاریخ اسلام کو ان خرافات سے پاک کرنا چاہتے ہیں جنہیں دشمنان امت نے صحابہ کے خلاف پروپگنڈے کے طور پر شہرت دیدی، جن علماء نے ایسی واہی روایتیں اپنی کتابوں میں بلا سوچے سمجھے روایت پرستی کی بنا پر لکھ دیں یہ ان کی امانت علمی سمجھئے کہ جس طرح انہیں بات پہنچی روایتاً عفو کئے بغیر سند بیان کرکے یا حوالہ دے کر لکھدی! اور بہت ممکن ہے کہ بعد میں کاتبوں اور وراقوں نے اضافہ کردیا ہو لیکن ظلم وہ لوگ کرتے ہیں جو تحقیق کے بغیر یا تحقیق سے قصداً اغماض کرکے انہیں بطور حجت پیش کریں۔

وضعی روایت | اس وضعی روایت کی پوری عبارت یوں ہے۔

عن ابن عباس قال بینا انا امشی مع عمر	(حضرت) ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں ایک دن (حضرت) عمرؓ کے ساتھ

يومًا فتنفّس نفسًا ظننت انه
قد نقبت اضلاعه فقلت
سبحان الله! والله ما اخرج
منك هذا يا امير المومنين الا
امرٌ عظيم۔ فقال ويحك يا ابن
عباس ما ادري ما اصنع بامة
محمد صلى الله عليه وسلم قلت
ولما؟ وانت بحمد الله قادر ان
تضع ذلك مكان الثقة قال اني
اراك تقول صاحبك اولى الناس
بها يعني عليا رضي الله عنه قلت
اجل والله اني لاقول ذلك في سابقته
وعلمه وقرابته وصهره، قال انه
كما ذكرت ولكنه كثير الدعابة
فقلت فعثمان؟ قال فوالله لو فعلت
لجعل بني ابي معيط على رقاب الناس
يعملون فيها بمعصية الله لو فعلت
لفعل ولو فعل لفعلوه فوثب
الناس عليه فقتلوه فقلت طلحة
بن عبيد الله قال الا السيح هوازهى
من ذلك ما كان الله ليراني اوليه
امر امة محمد صلى الله عليه وسلم
وهو على ما عليه الزهو۔

چلا جا رہا تھا کہ آپ نے ایک گہری سانس
لی اور مجھے ایسا لگا کہ کہیں ان کی پسلیاں
نہ ٹوٹ گئی ہوں تو میں نے کہا سبحان اللہ!
امیر المومنین بخدا یہ تو کوئی بہت بڑی بات
ہے جس کے سبب آپ نے ایسی آہ کی فرمایا
افسوس ابن عباس میری سمجھ میں نہیں آتا
کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کروں؟
میں نے عرض کیا یہ کیا بات ہوئی؟ خدا کے
فضل سے آپ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ کسی
قابل اعتماد شخص کو اس کے لئے نامزد کریں"
فرمایا مجھے تم یہ کہتے لگتے ہو کہ تمہارے صاحب
سب لوگوں سے زیادہ اس کے مستحق ہیں:
آپ کی مراد حضرت علیؓ سے تھی میں نے
کہا: جی ہاں! اور میں یہ ان کی سابقت ان
کے علم ان کی قرابت اور ان کی دامادی کے
سبب کہتا ہوں" فرمایا ہاں وہ ہیں تو ایسے
ہی لیکن ان میں بہت ظرافت ہے"! میں نے
عرض کیا" تو عثمان؟" فرمایا" بخدا اگر میں نے
ایسا کیا تو وہ ابو معیط کی اولاد کو لوگوں کی
گردنوں پر سوار کر دیں گے کہ وہ ان میں اللہ کی
نافرمانی کریں بخدا اگر میں نے ایسا کیا تو وہ (یعنی
حضرت عثمانؓ) وہی کریں گے اور انہوں نے
ایسا کیا تو وہ (یعنی بنو ابی معیط بھی) وہی

کریں گے اور پھر لوگ ان پر یعنی حضرت عثمانؓ پر ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے
میں نے عرض کیا "طلحہؓ بن عبید اللہؓ" فرمایا
تّسے وہ خود پسند! اس کا مقام اس سے
کہیں ارفع ہے خدا نہ کرے کہ امت محمدی کے
معاملات میں اس جیسے مغرور شخص کے سپرد کر دیں

قلت الزبیر بن العوام؟ قال اذاً یلاطم الناس فی الصاع والمد قلت سعد بن ابی وقاص؟ قال لیس بصاحب ذلک۔ ذاک صاحب مقنب یقاتل بہ قلت عبد الرحمٰن بن عوف؟ قال نعم الرجل ولکنہ ضعیف عن ذلک

میں نے کہا "زبیرؓ بن العوامؓ؟" فرمایا، وہ
لوگوں کو سیروں اور پیوں پر چپیٹا کیا کریں (یعنی
حساب کتاب میں سختی کریں گے) میں نے کہا
سعدؓ بن ابی وقاص؟ فرمایا وہ اس کام کے
نہیں وہ تو بس اس کے ہیں کہ رسالوں کا دستہ
لیں اور جنگ کریں میں نے کہا عبدالرحمٰنؓ بن
عوفؓ فرمایا: آدمی اچھے ہیں مگر یہ کام ان کے
بس کا نہیں"

واللہ یا ابن عباس ما یصلح لھذا الامر الا القوی فی غیر عنف اللین فی غیر ضعف الجواد فی غیر سرف الممسک فی غیر بخل قال کان واللہ عمر کذلک

بخدا ابن عباس! اس کام کے لائق تو بس وہ
ہے جو قوی ہو تند خوئی کے بغیر، نرم ہو مگر کمزوری
کے بغیر، سخی ہو اسراف کے بغیر اور جز رس ہو بخل
کے بغیر۔" (حضرت ابن عباس) فرماتے ہیں بخدا
(حضرت) عمرؓ ایسے ہی تھے۔

ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روایت قطعی وضعی ہے اور راوی کا خود اپنا ذہن اس میں کام کر رہا ہے جو واقعات گزر چکے ہیں، ان کی توجیہہ ان چھ بزرگوں کا نام لے کر جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنے آخر وقت خلافت کے لئے موزوں قرار دیا تھا وہ اپنے طور پر اس طرح کر رہا ہے کہ حضرت علیؓ کو باعتبار صفات افضل بتا کر باقی پانچوں بزرگوں کو حضرت

عمرؓ ہی کی زبان سے کہلوایا جاتے خصوصاً حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کے کردار میں نقائص کا اظہار کرے جن سے حضرت علیؓ یا ان کی پارٹی سے سیاسی مخالفت رہی تھی، پہلے ہم اس وضعی روایت کی داخلی شہادتوں پر تبصرہ کرتے ہیں بعد میں اس کے راویوں میں کذاب راویوں کی نشان دہی کریں گے۔

۱۔ جیسا ابھی بیان ہوا حضرت فاروق اعظمؓ کو اپنے آخر وقت تک یعنی مجروح ہو جانے کی حالت میں بھی جانشین خلفاء کے بارے میں کوئی خدشہ نہ تھا امت کے تابناک مستقبل کا انہیں پورا یقین تھا، لہٰذا بحالت صحت وتندرستی امت کے مستقبل کے بارے میں گہری سانسیں لینے اور آہیں بھرنے کا تصور باطل ہوا۔

۲۔ راوی نے یہ فرضی واقعہ تو اس وقت گھڑا ہے جب حضرت عمرؓ بھلے چنگے تندرست تھے کچھ بیمار تھے نہ بہت بڈھے ہو گئے تھے پھر انہیں راہ چلتے بلا وجہ بے وقت یہ فکر کیوں دامن گیر ہوتی کہ میرے بعد خلافت کا کام کون کرے گا، حضرت موصوف کو فتوحات اور وسیع مملکت کے گوناگوں انتظامات کی مصروفیات و افکار سے اس کی فرصت ہی کب تھی کہ بلا سبب وبے محل راستہ چلتے ایسی باتوں کو سوچ سوچ کر گہری سانسیں لیں۔ اور آہیں بھریں کہ سننے والے کو ان کی پسلیاں چٹک جانے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ راوی نے حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ تو رضی اللہ عنہ لکھا ہے لیکن دوسرے بزرگوں کو اس قابل نہ سمجھا نہ حضرت عمرؓ کو نہ حضرت عثمانؓ وحضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کو نہ حضرت سعدؓ نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو، رضی اللہ عنہ یا اس کی علامت (رضؓ) تو درکنار اس نے تو ان ممتاز صحابہ کے اسمائے گرامی کے ساتھ رحمہ اللہ تک نہیں لکھا، اسی ایک بات سے اس کی سبائی ذہنیت واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔ راوی نے حضرت ابن عباسؓ کی زبانی ان کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ کی یہ چار خصوصیتیں بطور فضائل بیان کرائی ہیں (۱) سبقت ایمانی جس کے لئے سابقتہ کا لفظ کہلوایا ہے، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، بعثت نبویہ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس کی تھی، ایسی چھوٹی عمر شعور وتمیز کی نہیں ہوتی اور نہ

اتنی عمر کے بچہ کا قول و فعل ذمہ دارانہ ہوتا ہے، بعض لوگوں نے اپنے مقاصد سے کھینچ تان کر ان کی عمر آٹھ دس برس کی بلکہ اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے،

مگر کام اس سے بھی نہیں بنتا، کیونکہ بلوغ سے قبل بچہ اپنے ماحول کا تابع ہوتا ہے اور جیسا اپنے بڑوں کو کرتے دیکھتا ہے ویسا ہی خود کرنے لگتا ہے، حضرت علیؓ کا جو شرف ہے وہ سابقیت نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ ان پر کفر کا کوئی زمانہ نہیں گزرا تربیت ان کی اسلام میں ہوتی اور اس میں بھی وہ منفرد نہیں کیونکہ یہی شرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاشمی خاندان میں حضرت عباسؓ عم رسول اللہ کی اولاد کا ہے کہ وہ سب بھی اسلام میں پروان چڑھے کیونکہ سیدہ ام الفضلؓ آپ کی چچی دوسری مسلمان خاتون تھیں، جو حضرت خدیجہؓ کے بعد ہی ایمان لائیں انہوں نے اپنے بچہ کو اسلام پر اٹھایا اور ان ہی کے زیر تربیت حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیارؓ بھی نعمت ایمان سے بہرہ ور ہوئے، اسی طبقے میں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ بھی ہیں، صلوات اللہ وسلامہ علیہما مگر ان سب حضرات کا شمار سابقون میں نہیں ہوتا، سابق تو صرف اس عاقل بالغ شخص کو کہا گیا اور کہا جا سکتا ہے جس نے کفر چھوڑ کر ابتداہی میں اسلام قبول کیا تھا اور یہ شرف سب سے پہلے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو حاصل ہوا اور ان کے بعد حضرت سعدؓ حضرت سعیدؓ حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ حضرت بلالؓ نیز حضرت ابو حذیفہؓ حضرت حمزہؓ ام المومنین ام حبیبہ بنت حضرت ابوسفیانؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و حضرت زید بن ارقمؓ وغیرہم کو حاصل ہوا اور اسی ذیل میں حضرت زید بن حارثہؓ بھی آتے ہیں، جو اس وقت اگر بالغ نہ ہوں تو قریب بلوغ پہنچ چکے تھے بلکہ بگمان غالب ان کے بالغ ہونے کا ہے۔

راوی نے جو یہ چھ نام لئے ہیں ان میں حضرت علیؓ کے سوائے باقی پانچوں نام تو سابقون میں آتے ہیں، مگر حضرت علیؓ کا نہیں آتا، پھر حضرت ابن عباسؓ ایسی غلط و خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

۵- یہی دوسری خصوصیت تو واقعات ہی سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کو دوسرے

جملہ صحابہ کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی علمی فضیلت حاصل نہ تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب شدت علالت کی وجہ سے مسجد جانے سے معذور ہو گئے تھے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے اس وقت وہاں غیر موجود ہونے اور حضرت علیؓ کے سامنے موجود ہونے کے باوجود آپ نے مروا ابا بکر یصلی بالناس فرما کر امامت نماز کے لئے حضرت ابوبکرؓ ہی کو منتخب فرمایا انہوں نے ہی سترہ وقتوں کی نمازیں پڑھائیں، غزوہ تبوک کے وقت حضرت علیؓ کو اپنے اہلبیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ جانے کے باوجود امامت نماز کے لئے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مقرر فرمایا تھا حضرت علیؓ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اعلمہم بالقرآن ہوتے تو کسی دوسرے کو ان کے موجود ہوتے امامت نماز سپرد نہ فرماتے، لہٰذا افضیلت علمیہ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے منسوب لفظ "علم" بھی صحیح نہیں۔

۴۔ قرابت و رشتہ دامادی میں حضرت علیؓ منفرد نہ تھے حضرت عثمانؓ سے قرابت قریبہ بھی تھی اور رشتہ دامادی بھی ایسا کہ ذی النورین کہلاتے یعنی یکے بعد دیگرے آپ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر۔

علاوہ ازیں یہ چاروں باتیں شرف و امتیاز کی اگر حضرت علیؓ ہی سے مختص کر دی جائیں تو خلافت کے لئے انہیں حجت نہیں مانا گیا، کیا ابن عباسؓ نہیں جانتے تھے کہ ان کی بیان کردہ خصوصیات کے باوجود حضرت علیؓ کو نہ پہلی خلافت ملی نہ دوسری نہ تیسری خلافت کے لئے شخصی فضائل کی امتیازی حیثیت تو ثانوی ہوتی ہے پہلے دیکھی جاتی ہے اہلیت و صلاحیت حکومت و جہانبانی اور یہ صلاحیت و اہلیت بھی کام نہیں آتی، اگر مقبولیت نہ ہو اور مقبولیت بھی دھری رہ جاتی ہے اگر با اثر اور طاقتور اعوان و انصار میسر نہ آئیں جہاں تک مقبولیت کا سوال ہے تو عیاناً ہم دیکھتے ہیں کہ پہلا، دوسرا اور تیسرا موقع ہاتھ سے نکل جانے کے بعد جب چوتھا موقع آیا اور حضرت علیؓ کو خلافت ملی تو بیعت کی تکمیل نہ ہو سکی اور جس پارٹی نے بلوہ کر کے یہ خلافت قائم کرائی تھی اسی کا ایسا عمل دخل رہا کہ ان کی خلافت ہی کو ناکام بنا دیا مگر اس ناکامی میں حضرت علیؓ کی دعابہ (ظرافت)

کو کچھ دخل نہ تھا، جو راوی نے حضرت فاروق اعظمؓ کی زبانی ان کے بطور نقص بیان کی ہے۔

حضرت عثمان کے بارے میں جو کچھ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اس پر بحث اگلے صفحات میں آرہی ہے مگر اس سلسلہ میں یہ بات بھی لطیفہ سے کم نہیں کہ راوی نے تو لکھا تھا "بنی ابو معیط" (ابو معیط کی اولاد) مگر مودودی صاحب نے اس کی تفسیر کر دی "بنو امیہ" گویا جہاں اور امور میں آپ کی مجددانہ صلاحیتیں کام کرتی ہیں وہاں علم الانساب بھی آپ کے دستبرد سے نہ بچا، ابو معیط کوئی عبد شمس کی کنیت تھی جو سارے بنی امیہ کو ابو معیط کی اولاد کہہ دیا۔

ابو معیط تو جناب امیہ کے ایک پوتے تھے اور پوتے کے پوتے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھے، بنی ابی معیط میں سے تنہا یہی ایک شخص تھے جو عہد صدیقی و فاروقی سے مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے، ان کے سوائے آل ابن معیط میں کوئی دوسرا شخص عہدہ دار نہ تھا، خلافت عثمانی میں یہ کوفہ کے والی تھے، ان کے حاکمانہ و مجاہدانہ و مدبرانہ اور رعایا کے ساتھ رحیمانہ و کریمانہ سلوک و برتاؤ کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں آگے آتا ہے مگر سبائی راوی کو چونکہ ان کے اموی النسب ہونے کی بنا پر ان سے عداوت ہے اسے ساری دنیا پر وہی چھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، مودودی صاحب اگر کسی قدر تدبر سے کام لے کر اس لفظ "ابی معیط" پر غور کر لیتے تو اس کی تفسیر "بنو امیہ" کرنے کے بجائے روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے لیتے خصوصاً اس اعتبار سے کہ جس کتاب الاستیعاب کے حوالے سے حضرت عثمانؓ کی تنقیص میں یہ الفاظ وضعی روایت کے انھوں نے اپنے مضمون میں استعمال کئے ہیں اسی کتاب میں اسی موقعہ پر اور اسی وضعی روایت کے بعد ہی ان ہی حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت ان الفاظ میں درج ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے خلافت اور اس کے اہتمام کے بارے میں گفتگو کی تو ابن عباسؓ نے کہا کہ علیؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا ان میں ظرافت کا مادہ ہے، پوچھا زبیرؓ کے بارے میں فرمایا وہ بہت غصہ ور ہیں، پوچھا طلحہؓ کے بارے میں کہا ان میں نخوت و غرور ہے، پوچھا سعدؓ کے بارے میں فرمایا وہ تو سواروں کے دستہ کی سرداری کیلئے ہیں پوچھا عثمانؓ کے بارے میں فرمایا

کلف با قارب اپنے قرابت داروں سے بہت محبت کرنے والے ہیں پوچھا عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں فرمایا وہ نرم طبع یا فرمایا ضعیف ہیں، اب دیکھئے اس روایت میں نہ تو بنی ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کرنے کا ذکر ہے نہ ان کے اللہ کی نافرمانیاں کرنے کا امر نہ اس بنا پر عوام میں شورش برپا ہونے اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کے قتل کئے جانے کا مگر مودودی صاحب کو تو اموی صحابہ پر چوٹیں کرنی تھیں اس لئے اس لغو روایت کو حجت بنالیا، بغض بنی امیہ وعصبیت جاہلیہ نے یہ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کو اگر حضرت عمرؓ ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا راوی نے بیان کیا ہے تو انہیں مجلس شوریٰ میں شامل ہی کیوں کرتے اور شامل کر بھی دیا تھا تو دیگر ارکان مجلس کو ضرور کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو منتخب نہ کیجیو اور اگر منتخب کرنے کا موقع آ ہی جائے تو ان سے یہ عہد ضرور لے لیجیو کہ آل ابی معیط کو مسلمانوں پر مسلط نہ کرنا بلکہ خود حضرت عمرؓ ان کو مجلس شوریٰ کا رکن مقرر کرتے وقت ضرور کہہ دیتے کہ اگر اتفاق سے تمہارا ہی انتخاب ہو جائے تو بنی ابی معیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرنا حضرت عمرؓ جیسے صاف اور کھرے بزرگ جو حق بولنے سے کسی کے سامنے باز نہ آتے تھے وہ اگر واقعی حضرت عثمانؓ کے متعلق ایسا یقین یا ظن غالب بھی رکھتے تھے تو جیسا عرض کیا گیا حضرت عثمانؓ کو مجلس شوریٰ کا ممبر ہی منتخب نہ کرتے یا منتخب کرتے تو ان کو صرف رائے دینے کا حق دیتے اور دیگر ارکان سے صاف کہہ دیتے کہ عثمانؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے کیونکہ بنی ابی معیط کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے دبالفاظ دیگر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا والی مقرر کر دیں گے، حضرت عمرؓ جان بوجھ کر انہیں لوگوں کو جن کو اہل نہیں سمجھتے تھے یہ فرما کر خلافت کے لئے کبھی نامزد نہ کرتے کہ انہیں میں سے کوئی ایک منتخب کر لیا جائے، خصوصًا جب ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے جن سے ان کو بقول راوی سب سے زیادہ خطرہ تھا، مودودی صاحب ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکتے تو انہیں واضح ہو جاتا کہ اس وضعی روایت میں حضرت عمرؓ کی زبان سے حضرت علیؓ کے سوائے پانچوں بزرگواروں کو خلافت کے لئے

نااہل قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے، مگر راوی نے اپنے مقاصد کے پیش نظر حضرت عثمانؓ اور دیگر بزرگوں کے کردار میں نقائص نکالنے کی جو کوشش کی ہے اس کا تار پود بکھیر دینے کے لئے صحیح بخاری کی یہ روایت کافی ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۹۹ باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) اور یہ روایت اس وقت کی ہے جب حضرت فاروق اعظمؓ کی زندگی کی امیدیں ختم ہو رہی تھیں اور آپ جوار نبوی میں اپنے مرقد کی فکر میں تھے

فقالوا اوص یا امیر المومنین استخلف قال ما اجد احق بهذا الامر من هؤلاء النفر او الرهط الذین توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو عنهم راض فسمی علیا وعثمان والزبیر وطلحه وسعدا وعبد الرحمن وقال یشهدکم عبد الله بن عمر ولیس له من الامر شیء کهیئة التعزیة له فان اصابت الامرة سعدا فهو ذاك والا فلیستعن به ایکم ما امر فانی لم اعزله عن عجز ولا خیانة

لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین وصیت کر دیجئے اور کسی کو جانشین بنا دیجئے فرمایا اس امر کا مستحق ان چھ آدمیوں سے (یا فرمایا چھ بزرگوں) سے زیادہ کسی کو نہیں پاتا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے پھر آپ نے علیؓ و عثمانؓ و زبیرؓ و طلحہؓ و سعدؓ و عبد الرحمٰنؓ (بن عوف) کے نام لئے اور فرمایا عبداللہ بن عمرؓ تمہارے ساتھ موجود رہیں گے مگر ان کا اس معاملہ سے کچھ تعلق نہیں (گویا آپ نے انہیں صبر کی تلقین کی) اب اگر حکومت سعدؓ کو ملے تو وہ اس کے اہل ہیں ورنہ پھر تم میں سے جو کوئی بھی حاکم بنا لیا جائے اسے چاہئے کہ ان سے مدد لے کیونکہ میں نے جو انہیں معزول کیا تھا تو کسی کمزوری یا خیانت کی بنا پر نہیں کیا تھا۔

یہ ہے اصل صورت حال جو واقعات کے عین مطابق اور صحابہ کرام کے شایان شان ہے، یہ چھ کے چھ حضرات یکساں اہل تھے کہ ملت کی سربراہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کریں، حالات معمول پر رہتے تو ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ کامیاب

ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے اسلام کا نام لینے والا ایک گروہ سیاسی وجوہ سے ایسا پیدا ہو گیا جس نے دعوت محمدیہ کو فنا کرنے کے لئے طرح طرح کے فتنے اٹھائے مودودی صاحب نے ان فتنوں کا سرچشمہ امیر المومنین عثمان رضؓ کو قرار دیکر اور امیر المؤمنین معاویہؓ و دیگر خلفاء پر کیچڑ اچھال کر جو ظلم امت پر کیا ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

ناظرین کرام دونوں روایتیں پیش نظر رکھیں اور دل سے پوچھیں کہ بخاری کی روایت حجت ہے یا وہ مردود روایت جسے مودودی صاحب نے اکابر صحابہ کی تنقیص کے لئے حجت بنایا۔

راویوں کی حیثیت

اب ہم مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت کے راویوں کی نشان دہی کرتے ہیں، جن میں غیر ثقہ منکر الحدیث ومتہم بکذب نہایت بد افعال مینوش و کذاب رافضی راوی بھی شامل ہیں اور یہ بات اہل علم پہ چھوڑتے ہیں کہ ایسی وضعی روایت کو حجت بنانے والے کے متعلق وہ کیا رائے قائم کرتے ہیں

کتاب الاستیعاب کے مولف ابن عبد البر النمری القرطبی متوفی ۴۶۳ھ کے ایک شیخ عبد الوارث بن سفیان یا ابن سلیمان تھے انہی سے اس روایت کا سلسلہ چلتا ہے

حدثنا عبد الوارث بن سفیان قراءۃ منی علیہ من کتابی وھو ینظر فی کتابہ قال حدثنا ابو محمد قاسم بن اصبغ حدثنا ابو عبید بن عبد الواحد البزار قال حدثنا محمد بن احمد بن ایوب قال قاسم وحدثنا محمد بن اسماعیل بن سالم الصائغ حدثنا سلیمان بن داؤد قال حدثنا ابراھیم بن سعد حدثنا محمد بن اسحٰق

ابن عبد البر کہتے ہیں:۔

میں اپنی کتاب میں سے پڑھ کر عبد الوارث بن سفیان کو سنا رہا تھا اور وہ اپنی کتاب میں دیکھ رہے تھے تو انہوں نے کہا ہم سے بیان کیا ابو محمد قاسم بن اصبغ نے ان سے ابو عبید بن عبد الواحد البزار نے ان سے محمد ابن احمد بن ایوب نے قاسم مذکور نے کہا محمد بن اسمٰعیل بن سالم الصائغ اور سلیمان بن داؤد دونوں نے کہا کہ ہم سے یہ حدیث ابراہیم بن سعد نے بیان کی ان سے محمد بن اسحٰق نے بیان کی (ابن شہاب زہری سے سن کر) اور

عن الزھری عن عبید اللّٰہ بن عبد اللّٰہ عن ابن عباس۔	انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے سن کر۔

ابن عبدالبر مولف الاستیعاب کے ان شیخ کا جن سے یہ روایت چلی اسماء الرجال میں سے کسی نے بھی کچھ حال نہیں لکھا، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، میزان الاعتدال تقریب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، تعجیل المنفعۃ، خلاصہ تذہیب، تہذیب الکمال للحافظ صفی الدین احمد اور تاریخ صغیر امام بخاری میں سے کسی میں ان کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، البتہ حافظ ذہبی نے صاحب الاستیعاب یوسف بن عبداللہ معروف بابن عبدالبر کے ترجمے میں یہ لکھ دیا ہے کہ انہوں نے خلف بن قاسم اور عبدالوارث بن سفیان سے حدیث کی سماعت کی تھی، مگر عبدالوارث کا کچھ حال نہ کون تھے کہاں کے رہنے والے تھے کب تھے کچھ نہیں بتایا، عبدالوارث کے شیخ ابو محمد قاسم بن اصبغ کے تلامذہ میں عبدالوارث کا نام تو موجود ہے مگر ولدیت بدل کر یعنی "ابن سفیان" کی جگہ "ابن سلیمان" ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۶۷) لیکن "عبدالوارث بن سفیان" کی طرح "عبدالوارث بن سلیمان" کا بھی کہیں کچھ ذکر نہیں ملتا "سفیان" کی جگہ طباعت کی غلطی سے ممکن ہے "سلیمان" چھپ گیا ہو مگر کس کو صحیح سمجھا جائے کس کو غلط، مجہول الحال اور مفقود الخبر تو دونوں ہیں اس لئے اس حدیث کی بسم اللہ ہی غلط ہے، پھر ابن عبدالبر نے اس کتاب کا نام تک نہ بتایا جس کے دو نسخے تھے ایک میں سے یہ پڑھ رہے تھے اور دوسرے نسخے میں ان کے شیخ عبدالوارث دیکھتے جاتے تھے، کتاب میں صرف یہی حدیث (روایت) تو نہ ہوگی اور بھی حدیثیں (روایتیں) ہوں گی تو کتاب کے نام کے ساتھ مولف کا نام بھی بتانا تھا اور کہنا تھا کہ اپنے شیخ کو پوری کتاب سنا رہے تھے کہ یہ روایت بھی اثنائے قرأت میں آگئی پھر حدثنا عبدالوارث بن سفیان کہنا تو غلط ہوا، کیونکہ عبدالوارث تو چپ چاپ سنتے رہے منہ سے الفاظ نکالتے اور پڑھتے تو خود ابن عبدالبر رہے اس لئے کہنا یہ تھا قرأت علی عبد الوارث بن سفیان فی کتابی وھو یسمع منی وینظر

فی کتابہ" ابن عبد البر نے خود ہی متعدد جگہ ایسے ہی الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً ابن اسحٰق کی کتاب استاد سے پڑھتے ہوتے لکھا ہے۔

فقرأته علی ابی القاسم خلف (ج ۱ صنلہ) اس سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی یہ عبارت ابن عبد البر کے قلم کی نہیں ہے۔

ابو محمد قاسم بن اصبغ۔ عبد الوارث کے یہ شیخ بھی اندلسی تھے اور بنی امیہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے، قرطبہ کے رہنے والے تھے، وہیں جمادی الاولیٰ ۳۴۰ھ میں وفات ہوئی (لسان المیزان) ابن عبد البر صاحب استیعاب کی ولادت ۳۶۸ھ کی ہے گویا ابن عبد البر کی ولادت سے ۲۸ برس پہلے قاسم بن اصبغ مرگئے تھے اس لئے کسی ایک راوی کے واسطے سے ان کا روایت کرنا بالکل قرین عقل ہے، مگر اس واسطے کو معروف و معلوم ہونا چاہئے نہ کہ مجہول الحال و مفقود الخبر۔

ابو عبید بن عبد الواحد البزاز۔ کنیت ان کی ابو محمد تھی اور نام عبید غالباً کتابت کی غلطی سے "ابو" کے بعد "محمد" ترک ہو کر "ابو عبید" ہو گیا، یہ بغداد کے رہنے والے تھے ماہ رجب ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی، پیرانہ سالی کے باعث آخر عمر میں دماغ مختل ہو گیا تھا (انساب سمعانی ورق ۸۷) ابن حجر نے بھی کتاب الضعفاء والمجروحین میں ان کا ذکر کیا ہے (لسان المیزان ج ۴ صنہ۱۲) لیکن ان کے تلامذہ میں ابو محمد قاسم بن اصبغ کا ذکر نہ سمعانی نے کیا ہے نہ ابن حجر نے، ان کے شیوخ میں محمد بن احمد بن ایوب کا نام الاستیعاب کی اس روایت میں بتایا گیا ہے مگر کتب اسماء الرجال میں کسی نے اس طرح نہیں لکھا اور کوئی لکھتا بھی کیسے جب "محمد بن احمد بن ایوب" کی کوئی شخصیت دنیائے رجال میں ہو بھی، چنانچہ اس نام کا حال بھی سن لیجئے۔

محمد بن احمد بن ایوب۔ الاستیعاب میں اس راوی کا یہ نام و ولدیت غلط درج ہے، بیٹے کے نام کے بجائے باپ کا نام لکھ دیا ہے اصل میں "احمد بن محمد بن ایوب" تھا اب دیکھئے یہ احمد بن محمد بن ایوب کون صاحب ہیں، کنیت ان کی "ابو جعفر" ہے جلد ساز تھے یعنی وراقی کا پیشہ کرتے تھے اور محدث ہونے کے مدعی تھے، بغداد کے باشندے

تھے وہیں ۲۲۸ھ میں فوت ہوئے یعنی اپنے شاگرد ابو محمد عبید سے ۴۵ برس پہلے ان کی وفات ہوئی چونکہ ان کے شاگرد اتنے بوڑھے ہو کر مرے تھے کہ پیرانہ سالی کے باعث حواس میں فتور آگیا تھا، یعنی ۹۰ برس کم وبیش عمر تھی اس لئے ۴۰، ۴۵ برس کی عمر میں اپنے استاد سے حدیثیں سنی ہوں گی۔ ان کے شاگرد پر تو کوئی خاص جرح کسی نے نقل نہیں کی ہے سوائے اس کے کہ بڑھاپے میں دماغ مختل ہو گیا تھا مگر خود ان استاد کا حال تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۷۰ تا ۷۱) میں درج ہے، نمونہ کے طور سے اتنی سی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

قال یعقوب بن شیبہ لیس من اصحاب الحدیث وانما کان وراقاً۔

قال ابن عدی روی عن ابراہیم (بن سعد) المغازی وانکرت علیہ و حدث عن ابی بکر (بن عیاش) بالمناکیر قال ابو احمد الحاکم لیس بالقوی عندہم قال ابو حاتم روی عن ابی بکر بن عیاش منکرۃ وروی ابراہیم بن الجنید عن یحییٰ بن معین ہو کذاب۔ یعنی ائمہ رجال کے نزدیک یہ محدث نہیں جلد ساز تھے، ضعیف و منکر حدیثیں بیان کرتے تھے، یحییٰ بن معین جیسے محقق نے ان کو کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال میں (ج ۱ ص ۶۳) روی ابراہیم بن الجنید عن ابن معین قال ہو کذاب اب دیکھئے صاحب استیعاب ابن عبدالبر کے مجہول الحال شیخ عبدالوارث بن سفیان یا سلیمان کے استاد قاسم بن اصبغ نے اس روایت کو احمد بن محمد بن ایوب تک پہنچا کر تحویل یعنی دوسرا سلسلہ اسناد شروع کیا ہے، یعنی عبدالوارث نے کہا کہ قاسم نے ہم سے کہا کہ فقط ابو محمد عبید بن عبدالواحد البزار ہی نے ہم سے یہ روایت بیان نہیں کی بلکہ ایک اور شخص نے اپنے سلسلہ اسناد سے بیان کیا ہے وہ دوسرے کون ہیں؟

محمد بن اسماعیل بن سالم الصائغ۔ یہ تھے تو بغداد کے مگر مکہ مکرمہ میں آکر بس گئے تھے اور وہیں ۸۰ برس کی عمر پا کر وفات ہوئی، قاسم نے جو بنی امیہ کے آزاد کردہ غلام اور قرطبی محدث اندلس تھے ان سے مکہ مکرمہ میں ہی حدیثیں سنی ہوں گی، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۰ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اب ملاحظہ ہو یہ الصائغ صاحب کس

سے روایت کرتے ہیں یعنی سلیمان بن داؤد سے۔

سلیمان بن داؤد۔ اس نام وولدیت کے راویان حدیث بہت ہیں کم از کم چندرہ سولہ کے ترجمے تو کتب میں ہیں، مگر ہر ایک کے نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت تمیز کے لئے لگی رہتی ہے، مشہور محدث صاحب سنن ابوداؤد الطیالسی بھی سلیمان بن داؤد تھے، مگر مشہور اپنی کنیت سے ہیں، لیکن سلیمان بن داؤد نام سے بھی اگر ان کو کوئی کہے تو لازم ہے کہ اس کے بعد الطیالسی ضرور تمیز کے لئے کہا جائے، اسی طرح سلیمان بن داؤد المبارکی (مبارک ایک قریہ کا نام تھا) یا سلیمان بن داؤد الخولانی الدمشقی سلیمان بن داؤد العتکی الزہرانی سلیمان بن داؤد العباسی الہاشمی اسی طرح اور نسبتیں ان ناموں کے ساتھ ہیں، محدثین کا یہ دستور رہا ہے کہ ایسے مبہم ناموں کو سلسلہ اسناد میں بغیر ان کی نسبتی یا نسبی تصریح کے ذکر نہیں کرتے، حضور صاحب ان ناموں کے بعض راوی کم وبیش مجروح یا مشہور کذاب و مفتری بھی ہوں مگر اس روایت میں سلیمان بن داؤد کے نام کو مبہم اسی لئے چھوڑا گیا تھا کہ حسن ظن سے کام لے کر ہمنامون میں ثقہ ہی راوی کا گمان ہو، اگر یہ واقعی ثقہ ہوتے تو یقیناً ان کے نام کے ساتھ تمیز کے لئے مزید نسبی یا نسبتی تصریح کر دی جاتی مگر یہ تو سخت مجروح راوی ہیں اس لئے پردہ پوشی کے لئے ان کے نام کو مبہم چھوڑ دینا مناسب تھا۔

درحقیقت یہ سلیمان بن داؤد المنقری الشاذکونی ہیں متوفی ۲۳۴ھ اصبہانی تھے، مگر بصرہ میں آ کر رہے پھر کوفہ و بغداد میں رہے مرنے سے چند ماہ پیشتر اصفہان گئے وہیں پیوند خاک ہوئے، مشہور شیعہ مولف علامہ شیخ ابن المطہر حلی نے خلاصۃ الاقوال فی معرفۃ الرجال (ص۳۸) میں اپنے شیعہ مذہب کے راویوں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ثقہ لکھا ہے اگرچہ ان کے ضعف کا اظہار بھی کیا ہے، ابن حجر نے (لسان المیزان ج۳ ص۸۴ تا ص۸۵) ان کا مفصل ترجمہ درج کیا ہے، تشیع کا ذکر نہیں کیا مگر ان کے شیعہ مذہب ہونے کا ثبوت تو علامہ شیخ حلی کی شہادت سے ظاہر ہے ابن حجر نے ان کے کتب واخبار کی چوری کی تصریح کی اور ان کے بدافعال ہونے کا بھی ذکر کیا ہے

حضرت لوط علیہ و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی امت مغضوب علیہا سے بھی ان کو کچھ روحانی فیض پہنچا تھا، اسی کے ساتھ یہ نوشی کے بھی رسیا تھے، بغداد میں ایک محلہ درب زمیک تھا، درب کے معنی ہیں راستہ جیسے آج کل فلاں روڈ کہتے ہیں یہ درب دمیک میں رہتے تھے، اس محلہ کو کہتے تھے داخل درب دمیک اکن بہ من الشاذ کوفی (لسان المیزان ص۸۵) یہ ہر وقت حدیث اور اشعار گھڑ لیا کرتے تھے عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کے سامنے ایک کتاب پیش کی گئی، جس میں شاذ کونی کی روایت کردہ حدیثیں تھیں، اسے پڑھکر ان کے چہرے کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا کہنے لگے، اعدد اللہ انکذاب الخبیث جاء الیٰ ھٰھنا کان یفعل کذا وکذا (یہ اللہ کا دشمن یہ کذاب خبیث یہاں تک پہنچ گیا، جا بیا ایسا کام کیا کرتا تھا) کان یرمی بالغلمان یہ لواطت و بدفعلی کرتا تھا، مختصر یہ کہ علما محدیث اس ایرانی راوی کی ذہانت اس کے حافظہ اور واقفیت احادیث ورجال ان سب باتوں کا اعتراف کرتے ہیں مگر بیشتر ائمہ حدیث اس کے کذاب و مفتری اور بدافعال ہونے پر متفق ہیں، یہی وہ سلیمان بن داؤد ہیں جو اس وضعی روایت کے راوی ہیں، یہ وہ پوشی کے تھے ان کا نام بغیر اظہار نسبت مبہم چھوڑ دیا گیا ہے استیعاب میں جو نام غلط چھپ گئے ہیں ان کی تصحیح محض گمان پر نہیں ہے بلکہ قطعیت کے ساتھ ہے، ابو عبید بن عبدالواحد البزار کی تصحیح ابو محمد عبید بن عبدالواحد البزار صحیح نہیں تو معترض صاحب ابو عبید بن عبدالواحد البزار نام کا کوئی راوی ثابت کردیں جو محمد بن احمد بن ایوب سے روایت کرتا ہو، اسی طرح محمد بن احمد بن ایوب کی تصحیح احمد بن محمد بن ایوب کو غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا اور نہ سلیمان بن داؤد نام کا کوئی دوسرا راوی بغیر اظہار نسبت کے بتلایا جا سکتا ہے۔

دو کذاب راوی۔ اس وضعی روایت کا سلسلہ آپ نے دیکھا دو کذابوں پر منتہی ہوتا، ایک تو احمد بن محمد بن ایوب پر جو غیر ثقہ منکر الحدیث اور متہم بکذب ہیں اور دوسرا سلیمان بن داؤد المنقری الشاذ کونی پر جو مشہور شیعہ کذاب و مفتری اور حد درجہ بدافعال شخص تھا، حضرت ابن عباسؓ اور فاروق اعظمؓ پر یہ اتہام انہی دو کذابوں

سلیمان بن داؤد الشاذکونی اور احمد بن محمد بن ایوب ابو جعفر الوراق نے گھڑا ہے اور ان ہی دونوں نے ابراہیم بن سعد ابن اسحٰق اور زہری پر بہتان باندھا اور یہ حضرات ایسی کھلی ہوئی افترائی حدیث کی روایت نہیں کر سکتے تھے، ابراہیم بن سعد کا ابن اسحٰق سے روایت کرنا بھی غلط ہے

ابراہیم بن سعد (بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ابو اسحٰق الزہری) کی ولادت ۱۰۸ھ میں ہوئی ۷۵ برس کی عمر پا کر ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے اور مدینہ کے قاضی رہے تھے (میزان الاعتدال ج ۱ ص۱۰) ابن اسحٰق کی ولادت ۸۵ھ میں ہوئی ابرائی شن کرتے تھے، تیس برس کی عمر میں مدینہ سے نکل کر پہلے مصر گئے "کان خرج من المدینۃ قدیما" (تہذیب التہذیب ج ۹ ص۴۴) ان کے اسکندریہ پہنچنے کا سال ۱۱۵ھ اور بروایت دیگر ۱۱۹ھ بتلایا گیا ہے، اس وقت ابراہیم بن سعد کی عمر سات سال کی و بروایت دیگر ۱۱ سال کی تھی ابن اسحٰق پھر مدینہ واپس نہ آئے، مصر سے عراق چلے گئے اور ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں بغداد میں فوت ہوئے (تہذیب التہذیب) ابراہیم بن سعد کا طلب حدیث کے لئے مدینہ سے باہر جانا ثابت نہیں اس لئے ابراہیم بن سعد کا ابن اسحٰق سے روایت کرنا صحیح نہیں ابراہیم بن حمزہ کا قول امام بخاری نے جو یہ نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن سعد نے مغازی کے علاوہ سترہ ہزار حدیثیں ابن اسحٰق سے روایت کی ہیں، محض بے اصل ہے۔

حضرت ابن عباس رض: حضرت عمر رض نے خلافت کے بارے میں اگر ایک ہاشمی نوجوان حضرت ابن عباس رض سے جن کی عمر اس وقت تیئس چوبیس برس کی تھی، یہ گفتگو کی تھی تو حضرت عمر رض کی تدفین کے بعد ہی جب مجلس شوریٰ بیٹھی تو ابن عباس رض نے ارکان مجلس کو حضرت عمر رض کے ان اقوال سے کیوں مطلع نہیں کیا، جب ساری داستان ختم ہو گئی تو صرف عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رح سے اکیلے کیوں کہا کسی اور سے کبھی اس کا ذکر نہ کیا اور عبیداللہ مذکور نے فقط ابن شہاب زہری سے کیوں اس کی روایت کی ان کے بہت سے شاگرد تھے اور کسی سے کیوں نہیں بیان کیا اور زہری نے امام مالک وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین سے جو ان کے شاگرد تھے کبھی اس کا ذکر کیوں نہ کیا صرف ابن اسحٰق سے کیوں

کیا ابن اسحٰق کے بھی بہت سے شاگرد تھے انہوں نے فقط ابراہیم بن سعد سے کیوں کہا، جن کو شاید دیکھا بھی نہ ہوگا اور دیکھا ہوگا تو سات یا گیارہ برس کے کم سن کو پھر ابراہیم بن سعد نے صرف دو کتابوں ہی سے کیوں بیان کیا اپنے کسی ثقہ شاگرد سے کیوں نہ کہا، یہ آحاد روایت دو کذابوں کی تبلیغ ہے جن کی کذابیت روز روشن کی طرح ہویدا ہے اس کے فقرات کو مودودی صاحب نے امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی کی تنقیص میں صرف کرنا پسند کیا۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی کی وصیتیں

مودودی صاحب نے حضرت فاروق اعظم رضی کی چند وصیتیں نقل کی ہیں ص۹۹ پر فرماتے ہیں

> اسی چیز کا خیال ان کو اپنی وفات کے وقت بھی تھا، چنانچہ آخری وقت میں انہوں نے حضرت علی رضی حضرت عثمان اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو بلا کر ہر ایک سے کہا "اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا" مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے انہوں نے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری شرطوں کے ساتھ ایک شرط یہ بھی شامل کی کہ منتخب خلیفہ سے عہد لیا جائے کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کرے گا، مگر بد قسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی (۳۵ - ۳ - ۲۳ھ - ۵۶ - ۶۶۴۴ء) اس معاملے میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔

یہ بیان از سرتاپا غلط ہے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی امیر المومنین کی حالت ہی ایسی کہاں تھی کہ یوں بلا بلا کر عہد لیں، پھر سوال یہ ہے کہ یہ عہد ان تینوں ہی سے کیوں لیا گیا، باقی تینوں کو پہلے ہی سے الگ کر دیا تھا؟ تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی جن تین سے عہد لیا انہی کو نامزد کر جاتے، اصل یہ ہے کہ جس وقت آپ سے وصیت کے لئے عرض کیا گیا وہ وقت نہ تقریر کا تھا اور نہ وصیت نامہ لکھوانے کا، چند باتیں مختصراً ارشاد فرمائیں، جن میں مودودی صاحب کی بیان کردہ باتوں کا ایک حرف

بھی ہیں (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۹ طبع مصر عنوان قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان)

اوصی الخلیفۃ من بعدی بالمھاجرین الاولین ان یعرف لھم حقھم ویحفظ لھم حرمتھم واوصیہ بالانصار خیرا الذین تبوأ والدار والایمان من قبلھم ان یقبل من محسنھم وان یعفی عن مسیئھم واوصیہ باھل الامصار خیرا فانھم ردء الاسلام وجباۃ المال وغیظ العدو وان لا یوخذ منھم الا فضلھم عن رضاھم واوصیہ بالاعراب خیرا فانھم اصل العرب ومادۃ الاسلام ان یوخذ من حواشی اموالھم وترد علی فقرائھم واوصیہ بذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم ولا یکلفوا الا طاقتھم۔

میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کرنے والوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کا حق پہچانا جائے اور ان کی حرمت کی حفاظت کیجائے اور میں اسے انصار کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں (جنہوں نے پہلے ہی سے مہاجروں کے لئے) ایمان کے ساتھ ٹھکانے کا بندوبست کیا ان کے خطاکاروں سے چشم پوشی کیجائے اور میں اسے شہری باشندوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے پشت پناہ ہیں، آمدنی کا ذریعہ ہیں اور دشمنوں کے لئے پیچ وتاب کا سبب ہیں ان سے صرف ان کا وہی زائد مال لیا جائے جو وہ رضا مندی سے دیں اور میں اسے بادیہ نشینوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ عرب کی اصل ہیں۔ اور اسلام کا مادہ ہیں ان سے جو زکوٰۃ کا مال لیا جائے وہ انہی کے محتاجوں پر تقسیم کر دیا جائے اور میں اسے ذمیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد ہوا ہے پورا کیا جائے ان کی حفاظت کے لئے جنگ کی جائے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔

یہ بھی سنت کے مطابق ان کی مختصر سی تقریر جو انہوں نے اپنے آخری وقت میں معلوم نہیں کس تکلیف میں کی ہو گی، اب ہم مودودی صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے

ہیں کہ صحیح روایت ان کے نزدیک امام بخاری کی ہے یا ابن عبدالبر مصنف الاستیعاب
کی اگر بخاری کی روایت صحیح ہے تو انہوں نے استدلال اس سے کیوں نہیں کیا اور اگر دونوں
اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں تو کیا وہ امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ خاکم بدہن حضرت
فاروق اعظمؓ میں وہی نفاق تھا جو مودودی صاحب کے ہم مشرب لوگ کہتے ہیں کہ جلوت
میں تو وہ بات کہی جو بخاری نے بیان کی اور خلوت میں وہ جو ان راویوں کے زعم میں
انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہی۔

خود ابن جریر طبری نے جو مودودی صاحب کے نزدیک معتبر مورخ ہے "قصہ
الشوریٰ" کے عنوان سے حضرت فاروق اعظمؓ کے متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں جو مجروح
ہو جانے کی حالت میں لوگوں کے یہ عرض کرنے پر فرماتے تھے کہ اے امیر المومنین جانشین
مقرر کیجئے فرمایا تھا "ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے انہیں مقرر کر دیتا میرا رب پوچھتا
تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی کو یہ کہتے سنا تھا کہ وہ اس امت کے امین ہیں، سالم مولیٰ ابو
حذیفہ (موی) زندہ ہوتے انہیں مقرر کرتا، میرا رب پوچھتا تو کہہ دیتا تیرے نبی کو یہ
فرماتے سنا تھا کہ سالم اللہ تعالیٰ کی محبت میں شدید ہے" پھر ان چند صحابہ کے نام
لے کر فرمایا کہ "علی و عثمان تو ابناء عبد مناف" ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے قبیلے سے ہیں اور عبدالرحمٰنؓ (بن عوف) اور سعدؓ (بن ابی وقاص) یہ دونوں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اور طلحہ الخیر اب عینیاشی ہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آخر وقت تک راضی رہے تھے، ان میں سے
کسی کو منتخب کر لینا اور جسے اپنا حاکم و والی بنا لینا تو اس کی اعانت اور مدد پورے
طور سے کرنا فاذا ولوا والیا فاحسنوا موازرته واعینوه (طبری ج ۵ ص ۳۳
طبع اولیٰ) چنانچہ آخر میں یہ بھی فرما دیا تھا کہ تم سیدھے چلے لوگوں کے تمہارے خلاف
ہونے کا تو مجھے خوف نہیں ہے، لیکن مجھے تم سے ڈر ہے تمہارے درمیان اختلاف ہونے
کا ولکنی اخاف علیکم اختلافکم فیما بینکم (ایضاً)

لیجئے مودودی صاحب ہی کے مآخذ طبری سے مروی روایت کی بخوبی تردید ہو

جاتی ہے جس کے چند فقرے انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی تنقیص میں نقل کئے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ کی زبان سے ان اجلّہ صحابہ کا جو وجہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کا اظہار کس خوبی سے کیا ہے اور حضرت طلحہ رضؓ کو "الخیر" سے ملقب کیا ہے اور آخر میں کیسی صحیح پیش گوئی کی ہے کہ اپنے کسی جانشین کے خلاف لوگوں کی مخالفت کا حضرت موصوف کو خوف نہ تھا بلکہ ان کے آپس میں اختلاف پیدا ہو جانے کا ڈر تھا۔ جس کے لئے انہوں نے یہ وصیت کی کہ جسے بھی اپنا حاکم بنا لیا اس کی مدد و اعانت بخوبی کرنا، طبری ہی کی اس روایت سے صحیح صورت حال ہویدا ہو جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے اپنے اس معتبر مورخ کی روایت کو نظر انداز کر کے ایک وضعی تعدات بنی امیہ اور امیر المومنین ذی النورین رضؓ کی منقصت میں چھانٹ لی جس کا تار پود پچھلے اوراق میں درایتاً و روایتاً دونوں طرح بکھیر دیا گیا ہے۔

عہد عثمانی کے عمال حکومت

مودودی صاحب نے اس سے آگے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اہل ایمان کا دل لرزانے والا ہے کہ اکومی ہوائے نفس میں کہاں تک وسواس کا آلہ کار بن جاتا ہے فرماتے ہیں (ص۹۹)

"ان کے (یعنی حضرت عثمان رضؓ کے) عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے وظیفے دئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی سے محسوس کرنے لگے، ان کے نزدیک یہ صلہ رحمی کا تقاضا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے کہ "عمر خدا کی خاطر اپنے اقرباء کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقرباء کو دیتا ہوں" "ابوبکر و عمر بیت المال کے معاملہ میں اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خود بھی خستہ حال رہیں اور اپنے اقرباء کو بھی اسی حالت میں رکھیں، مگر میں اس میں صلہ رحمی کو پسند کرتا ہوں" اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا، ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام

ہی کو پھونک کر رہا"

امیرالمومنین عثمانؓ کے عہد مبارک و مسعود میں جن بعض اموی سادات کو حکومت کے عہدے دئے گئے ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت آگے ملاحظہ ہوں اور بیت المال سے انہیں وظائف دینے کا جو اتہام ہے اس کی صورت حال بھی آگے معلوم ہوگی یہاں ہم عہد عثمانی کے امراء کی فہرست دیتے ہیں جس سے مودودی صاحب کے بیان کی غلطی کھل جائے گی اور جو اتہام انہوں نے حضرت عثمانؓ پر لگایا ہے اس کا بطلان معلوم ہو جائے گا، یہ فہرست متعدد کتابوں سے مرتب کی گئی ہے جن میں طبری اور ابن اثیر بھی ہیں، جو مودودی صاحب کے ہاں اعتبار کا درجہ رکھتے ہیں:۔

فہرست عمال و دیگر عہدہ داران عہد عثمانی

نمبر شمار	نام عہدہ دار	نام عہدہ و علاقہ
۱	حضرت عبداللہ بن الحضرمی	عامل مکہ
۲	" قاسم بن ربیعہ ثقفی۔	" طائف
۳	" یعلی بن امیہ تمیمی صحابی	" یمن
۴	" عبداللہ بن ربیعہ العنبری	" الجند
۵	" عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید مخزومی صحابی	" حمص
۶	" حبیب بن مسلمہ فہری	" قنسرین
۷	" ابوالاعور بن سفیان سلمی ذکوانی	" اردن
۸	" علقمہ بن حکیم کنانی	" فلسطین
۹	" ابو موسیٰ اشعریؓ صحابی	" کوفہ
۱۰	" جریر بن عبداللہ بجلی صحابی	" قرقیسا
۱۱	" اشعث بن قیس الکندی صحابی	" آذربائیجان
۱۲	" عتیبہ بن النہاس	" حلوان

۱۳	حضرت مالک بن حبیب الیربوعی	عامل ماہ
۱۴	" سعید بن قیس	" رے
۱۵	" سائب بن اقرع	" اصفہان
۱۶	" النسیر	" ہمدان
۱۷	" حبیش	" ماسبذان
۱۸	" حکیم بن سلامہ الحزامی	" موصل
۱۹	" عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری صحابی	" مصر
۲۰	" معاویہ بن ابی سفیان رضی اموی صحابی	" شام
۲۱	" عبداللہ بن عامر بن کریز اموی صحابی	" بصرہ

خلافت عثمانی کے ان اکیس مستقل عاملوں میں صرف دو حضرت بنی امیہ سے ہیں ان کے علاوہ ولید بن عقبہ اموی اور سعید بن العاص اموی دو اور حضرات اس خاندان کے ہیں جو یکے بعد دیگرے کوفہ کے والی ہوتے اور معزول کئے گئے، ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری والی ہوتے جو آخر عہد عثمانی تک رہے۔

عاملوں کے علاوہ دیگر مختلف خدمات پر جو حضرات مقرر تھے ان کے نام بھی حسب ذیل ہیں (بحوالہ طبری ج ۵ ص۱۴۳ طبع اولیٰ)

۱	حضرت مروان بن الحکم اموی رض	کاتب
۲	" زید بن ثابت رض	قاضی مدینہ
۳	" ابو الدرداء رض	قاضی دمشق
۴	" عقبہ بن عمرو	افسر بیت المال
۵	" جابر بن فلان المزنی	افسر خراج سواد
۶	" سماک انصاری	ایضاً
۷	" القعقاع بن عمرو	افسر افواج کوفہ

ان سات عہدہ داروں میں بھی صرف ایک صاحب بنی امیہ میں سے تھے

اس فہرست سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے صورت حال مسخ کرنے کی کیسی کوشش کی ہے، ناظرین کرام خود گن لیں کہ ان میں کتنے اموی ہیں، جن بزرگواروں کے تقرر پر مودودی صاحب نے خاص طور پہ اعتراضات کئے ہیں اور ان پر بہتان باندھے ہیں مثلاً حضرت مروان بن الحکم حضرت ولید بن عقبہؓ حضرت عبداللہؓ بن عامرؓ حضرت عبداللہ بن سعدؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ ان کے احوال ان کے ناموں کے تحت ملاحظہ ہوں، اسی طرح بیت المال کے سلسلے میں مودودی صاحب نے جو افترا کیا ہے اسے بیت المال کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے، حضرت عثمانؓ کی زبان سے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے بارے میں انہوں نے جو غلط بیانیاں کی ہیں، ان کا جواب بھی بیت المال کے عنوان کے تحت ملے گا حضرت فاروق اعظمؓ نے جب دیوان مرتب کیا اور مختلف قبائل کے افراد کے وظائف متعین کئے گئے، تو کیا ان میں ان کے قبیلے والے تیمی اور عدوی نہ تھے؟ یہ سب مال بیت المال ہی کا تو تھا، جس سے قریش کے ایک ایک گھرانے کے افراد کو وظائف دئے گئے باقی حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ جس کسی کو کچھ دیا وہ اپنے مال سے دیا جیسا کہ بیت المال کے عنوان سے معلوم ہوگا، اگر مودودی صاحب کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین اصحاب امامت محمدیہ کے ان ائمہ کرام کی کچھ بھی حرمت ہوتی تو ایسی ہوائی باتیں لکھتے وقت ان کا قلم رکتا اور وہ سوچتے کہ کس کے متعلق کیا بات باور کرانا چاہتے ہیں، اگر صحابہ کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہی خیانت مجرمانہ کے مرتکب ہوں تو پھر اس امت کا ٹھکانہ کہاں رہا۔

قبائلی عصبیت

مودودی صاحب نے کیسی صریح غلط بیانی کی ہے کہ حضرت امیرالمومنین عثمانؓ کے طرز عمل سے قبائلی عصبیتیں جاگیں جن کی بنا پر آپ شہید ہوئے اور خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوگیا، نہ کوئی عصبیت جاگی اور نہ کوئی فتنہ اٹھا، کیونکہ حکومت کی تشکیل بالکل عربی ماحول کے مطابق اور ان کی حیات

اجتماعیہ کے مناسب تھی، عہد عثمانی کے آخر میں جو فتنے جاگے ان کی اصل عربی نہیں وہ فتنے
جگانے والے عرب کے باہر سے آئے تھے بلکہ اسلام سے بھی ان کا تعلق منافقانہ تھا ان
فتنوں کو عرب قبائل کی منافست قرار دیکر مودودی صاحب نے تلبیس وافترا کا حق
ادا کر دیا حضرت امیر المومنین عثمان سلام اللہ علیہ کے خلاف شورش بپا کرنے میں عربوں
کا کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ پوری امت اس شورش سے بری ہے۔ البتہ عراق کے دو ایک قبیلوں
کے چند جاہل اور مفسد افراد سبائی مکائد کا شکار ہوگئے جن کی تعداد مسلمانوں کی اجتماعی عددی
قوت کے مقابلے میں ہیچ محض تھی۔

جو امت دو بر اعظموں میں پھیلی ہوئی ہو اس میں سے دو چار ہزار آدمیوں کی
کیا حیثیت ہے اور آدمی بھی وہ جو کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے اور جن کا خود اپنے اپنے شہروں
میں کوئی اثر نہ تھا عبداللہ بن سبا اور اس کے گرگوں نے چھ برس کی لگاتار محنت کے
بعد کوفہ بصرہ اور فسطاط کے چند ہزار آدمیوں کو اگر ورغلا لیا اور ان میں سے بھی اکثر اس
کے اصل عزائم سے بے خبر تھے اسے قبائلی عصبیتوں کا جاگنا کس طرح کہا جا سکتا ہے جب
کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان تینوں شہروں میں ان مفسدوں کی پشت پر اتنے آدمی نہ تھے کہ یہ
لوگ اپنے آپ کو ان بستیوں کا نمائندہ کہہ سکیں، مودودی صاحب کو خود یہ بات تسلیم ہے۔

ہمارے نزدیک یہ امت محمدیہ پر بہتان ہے اور ہم دین اسلام سے اسے غداری سمجھتے
ہیں کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ کو امت میں یا اس کے معتدبہ حصے میں نامقبول باور کرانے
کی کوشش کرے حضرت عثمانؓ کی پشت پر ساری امت تھی اور اگر وہ تمانی کی اجازت دے
دیتے تو محض ان دو ہزار مفسدوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے مرکزوں کی بھی اینٹ سے اینٹ
بجا دی جاتی یا نہیں اس طرح شکنجے میں کس دیا جاتا جس طرح امیر المومنین عبدالملکؒ
کے مبارک عہد میں امیر حجاجؒ نے ان کے کس بل نکال دئے، حضرت عثمانؓ اگر امت میں
نامقبول ہوتے تو کیا ان کی شہادت پر عالم اسلام میں اس طرح آگ لگتی اور حضرت علیؓ
کو اپنی بیعت کی تکمیل میں یوں ناکامی ہوتی؟ اور حضرت معاویہؓ جو قصاص عثمانؓ کے
لئے کھڑے ہوئے تھے وہ اس طرح کامیاب ہو سکتے جیسے ہوگئے۔

جس قسم کی وضعی روایتوں پر مودودی صاحب نے اپنے مضمون کا مدار رکھا ہے اور جس قسم کے وضاع راویوں کو انہوں نے قابل اعتماد سمجھا ہے اگر ہم بھی تحقیق و تفحص کا یہی معیار رکھیں اور اعلیٰ ماخذو مصادر سے ان کی طرح آنکھیں بند کر لیں تو ہم وہ بات کہہ سکتے ہیں جو اس داستان کو بالکل ہی الٹ دے اور جو لوگ مدینہ دہنی سے حضرت عثمانؓ کو متہم گردانتے ہیں انہیں یہ سارا الزام کسی دوسری طرف منتقل ہوتا دکھائی دینے لگے، جو روایتیں کتابوں میں ہیں ان تک تو کسی کی رسائی ہے کسی کی نہیں لیکن امت کے سامنے ایک تحریک موجود ہے جس کا وجود حسی ہے۔ اور جس نے اسلام کی تاریخ کے بجائے خود اپنی جداگانہ تاریخ مرتب کی ہے اور اس تاریخ کو عقیدہ کا درجہ دے دیا ہے ایک غیر جانبدار شخص جب مسلم معاشرے میں آئے گا اور اس گروہ کی باتیں سنے گا جو منبروں پر سنائی جاتی ہیں اور ان کی خاص تبلیغی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں ان سے تو وہ یہ امر اخذ کرے گا کہ

پہلا شخص جس نے عصبیتوں کو جگانے کی کوشش کی وہ حضرت علیؓ ہیں جنھوں نے حضرت صدیق اکبر صلوات اللہ علیہ کی بیعت ہو جانے کے بعد اس کی کوشش کی کہ زینا جتھہ بنا کر اس خلافت کا تختہ الٹ دیں اور اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر گھر گھر گئے اور اپنے حمایتی پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن جب ناکام ہو گئے تو مجبوراً حضرت صدیقؓ سے منافقانہ بیعت کی اور تینوں خلافتوں میں تقیہ کی زندگی بسر کرتے رہے، پھر جب ان کی پارٹی تیار ہو گئی تو انہوں نے عملی کوشش کر کے حضرت عثمانؓ کو قتل کرا دیا اور خود خلیفہ بن بیٹھے لیکن یہ امت جو شروع سے "اہل بیت" کی دشمن چلی آ رہی ہے، اس نے ان کی خلافت نہ چلنے دی، یعنی یہ سب شاخسانہ در اصل خاندانی مناقبت پر مبنی تھا اور دین اسلام محض ایک گھریلو معاملہ ہے۔"

ایک ہاشمی نے امویوں پر برتری قائم کرنے کے لئے (نقل کفر کفر نہ باشد) نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے بعد اس نبوت کا وصی اپنے چچا

کے بیٹے کو بنایا، لیکن اموی بھی بڑے چالاک تھے انہوں نے بڑی تعداد میں منافقانہ اسی ہاشمی کا یہ مذہب "قبول کیا اور اس پر مسلط ہو گئے پھر ہر طرح کوشش کی کہ اس "نبی" کے بعد اس کے گھر والے کسی طرح برسر اقتدار نہ آسکیں اور جب اس "نبی" کے چچا کا بیٹا اپنی پارٹی بنانے میں کامیاب ہو گیا اور خلیفہ وقت کو قتل کرا کے خود خلیفہ بن بیٹھا تو اس کی مخالفت میں یہ لوگ کھڑے ہو گئے تا آنکہ اسے پست کر کے اپنی چودھراہٹ قائم کر لی"

یہ نبی قرآن نام کی ایک کتاب بھی لایا تھا، جس میں اس نے چار سو کے قریب آیتیں اپنی بیٹی اور داماد اور نواسوں کی مدح میں لکھی تھیں تاکہ ان کی بالا دستی قائم رہے مگر دشمنان "اہل بیت" نے یہ آیتیں قرآن میں سے نکال دیں اور تیسرے خلیفہ نے جو اموی تھا قرآن میں سے بہت سی آیتیں نکال دیں، حضور سورہ الم نشرح میں علی کی ولدی کی جو یہ آیت تھی وجعلنا علیا صہرک اسے نکال دیا اور بقول ان کے ایک امام کے عندنا المصحف فاطمۃ، ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد (الکافی ص۲۴۱ طبع ۱۲۷۸ ایران) بخدا اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے، غرض کہ اس اموی خلیفہ نے اس کتاب کو ایسی صورت دیدی کہ اسے خود اس اموی کی بیاض کہا جا سکتا ہے"

روایتیں قبول کرنے کا جو معیار مودودی صاحب نے قائم کیا ہے اوپر کا یہ بیان اور اس سے نکالا ہوا نتیجہ بالکل اس معیار پر پورا اترتا ہے، کیا مودودی صاحب اس بیان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو انہیں اپنی تحریروں سے توبہ کا اعلان کرنا چاہئے اور آئندہ وہی بات کہنی چاہئے جو نصوص صریحہ و ثابتہ کے موافق ہو، صحابہ کرام کے شایان شان ہو اور ان وعدوں کے مطابق ہو جو اللہ تعالے نے اس امت سے کئے اور اس نظام

خلافت کے ذریعہ انہیں پیدا کیا جسے صحابہ کرام نے قائم کیا تھا جس کے نتیجہ میں تین چوتھائی
متمدن دنیا پر اسلام کا پرچم لہرایا اور علم و حکمت کے دریا بہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے غالباً رائے عامہ سے خوف زدہ ہو کر یہ بیان کیا ہے کہ
باغیوں نے:۔

> حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی
> جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد اور ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے
> جوابات دیئے جا سکتے تھے اور بعد میں دیئے بھی گئے۔ پھر فرماتے ہیں
> "اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت
> عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی، مدینہ کے مہاجرین و انصار بھی جو در اصل
> اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے
> ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوتے" (ص ۱۱۷)

لیکن اس بیان کے باوجود انہوں نے حضرت عثمانؓ کی "فرد جرم" بہت اہتمام سے
تیار کی ہے خود وہ بڑے بڑے سب الزام عائد کئے ہیں بلکہ انہی کو "تغیر کا آغاز" قرار دیا ہے
اور صراحتاً کہا ہے کہ تمام مسلمان خصوصاً اکابر صحابہ ان سے ناراض ہو گئے، چنانچہ فرماتے ہیں

"فرد جرم" مرتبہ مودودی صاحب

۱۔ انہوں نے (حضرت عثمان نے) پے در پے بنی امیہ کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے
اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں"
اس ضمن میں فرماتے ہیں: "مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ
دینار) مروان کو بخش دیا۔"

۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے انہوں نے کوفہ کی گورنری پر اپنے
ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ ۔ ۔ ۔ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا۔"

۳۔ اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا۔"
۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کی گورنری سے معزول کرکے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا۔"
۵۔ "حضرت عمرو بن عاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔"
۶۔ حضرت معاویہ سیدنا عمر فاروق کے زمانہ میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے حضرت عثمانؓ نے ان کی گورنری میں شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔
۷۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو انہوں نے اپنا سکریٹری بنا لیا، جس کی وجہ سے سلطنت کے پورے دروبست پر اس کا اثر و نفوذ قائم ہو گیا، اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔"

اب ملاحظہ ہو شیپ کا بند:۔ "ان باتوں کا ردعمل صرف عوام ہی پر نہیں اکابر صحابہ تک پر کچھ اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔"

پھر فرماتے ہیں ص۱۰۹

"یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دیئے جائیں، مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورت حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی۔ اس خاندان (بنی امیہ) کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے، طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے، فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہؓ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم انہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔۔۔۔ فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی، کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لئے

جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹا دئے جائیں اور طلقاء جو فتح کے بعد ایمان لائے تھے امت کے سرخیل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ اسلامی تحریک کی سربراہی کے لئے یہ لوگ موزوں بھی نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ایمان تو ضرور لے آئے تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے ان کو اتنا فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا کہ ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب ماہیت ہو جاتی، وہ بہترین منتظم اور اعلیٰ درجہ کے فاتح ہو سکتے تھے اور فی الواقع وہ ایسے ہی ثابت بھی ہوتے لیکن اسلام محض ملک گیری اور ملک داری کرنے تو نہیں آیا تھا وہ تو اولاً اور بالذات ایک دعوت خیر و صلاح تھا جس کی سربراہی کرنے انتظامی اور جنگی قابلیتوں سے بڑھکر ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت تھی اور اس کے اعتبار سے یہ لوگ صحابہ و تابعین کی اگلی صفوں میں نہیں بلکہ پچھلی صفوں میں آتے تھے۔۔۔۔

تیسرے یہ کہ عملاً ان سے جس کردار کا ظہور ہو رہا تھا وہ اس دور کے پاکیزہ ترین اسلامی معاشرے میں کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت سعد بن ابی وقاص کی جگہ جس ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا، اس کے انتظام سے اول اول اہل کوفہ بہت مطمئن ہوتے مگر بعد میں یہ بات کھلی کہ وہ مے نوش ہے اور اس کے قصے مشہور ہونے لگے، آخر کار ایک روز اس نے نشے کی حالت ہی میں لوگوں کو صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی۔ اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا "اور پڑھاؤں" یہ واقعہ حضرت عثمان تک پہنچا اس پر شہادتیں پیش ہوئیں اور حضرت عثمانؓ نے ولید کے چالیس کوڑے لگوا کر گورنری سے معزول فرما دیا" شمارہ ترجمان القرآن)

ہم نے یہ طویل اقتباسات اس غرض سے پیش کئے ہیں کہ مودودی صاحب کو یہ شکایت نہ ہو کہ ان کے بیان میں قطع و برید کی گئی ہے، اب ہم ایک ایک شق پر سیر حاصل بحث کرنا چاہتے ہیں۔

عزل و نصب

امرا کا عزل و نصب مصالح کے تحت ہوتا ہے جسے ہم عصر لوگ اور ارباب سیاست خوب سمجھتے ہیں، پھر یہی وہ بھی تاریخ جہاں امرا کی خدمات سے سامنے آئیں ان کی موزونیت و غیر موزونیت ثابت ہوا جس وقت جس قسم کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے، انہیں آگے بڑھایا جاتا تھا اس ضرورت ختم ہونے یا مصلحت پیدا ہونے پر انہیں ہٹا لیا جاتا ہے، ایک شخص کی کتنی ہی بڑی خدمات ہوں اور کیسی ہی عظیم الشان اس کی شخصیت ہو لیکن سیاسی تقاضے اگر بدل جائیں تو اسے اپنی جگہ برقرار نہیں رکھا جاتا، ہمارے زمانہ کی ایک مثال سے صورت حال سمجھ میں آجائے گی، دوسری جنگ میں مملکت انگلستان کے کلی اختیارات وزیر اعظم مسٹر چرچل کے سپرد کر دئے گئے تھے اور انہوں نے وہ کارنامے انجام دئے اور محوری طاقتوں پر ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ صدیوں تک انگلستان کے لوگ ان پر فخر کریں گے، مگر جنگ ختم ہوتے ہی انگریز قوم نے مسٹر چرچل کو سیاسی رہنمائی سے الگ کر دیا، اب ایک سطحی دماغ کا شخص اسے انگریز قوم کی احسان فراموشی کہے گا لیکن جو لوگ ایک زندہ قوم کی نفسیات سے واقف ہیں وہ انگلستان کے عوام کی سیاسی سوجھ بوجھ کے قائل رہیں گے، کیونکہ مسٹر چرچل کے وہی اختیارات اگر اب بھی باقی رہتے تو عالمی سیاست میں انتہائی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں اور کچھ تعجب نہ ہوتا کہ خود انگلستان میں انقلاب آجاتا۔

اسی پر قیاس کر کے سوچنا چاہئے کہ امیر المومنین عثمانؓ کے زمانہ میں عرب و جوار کی حکومتیں جو چالیں چل رہی تھیں ان کے لئے ضرورت تھی اس قیادت و جلادت و شہامت کی جو آپ کے مایہ ناز والیوں نے دکھائی، مودودی صاحب خود بھی جس کے معترف ہیں اور جس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت ایسے ہی جوان خون کی ضرورت تھی، صحیح ہے کہ بقول موصوف صاحب سب قابلیت محض انہی امویوں ہی میں نہ تھی مگر ایک بات کا انہوں نے خیال نہ کیا کہ جن دوسروں میں بھی خصوصاً ہاشمیوں میں انہیں عملی سیاست کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ برخلاف اس کے ان اموی جوانوں میں سے ایک ایک پچھلی خلافتوں میں باقاعدہ تربیت حاصل کر چکا تھا انکی اسی اہلیت و صلاحیت کے سبب انہیں آگے بڑھایا گیا اپنے کارناموں سے وہ اس انتخاب کے اہل ثابت ہوتے۔

مودودی صاحب اگر ٹھنڈے دل اور سلامت روی سے احوال ماضیہ کا جائزہ لے سکتے تو ان پر کھلتا کہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ نے اور فاروق اعظمؓ نے بلند پایہ اور اعلیٰ درجہ کے والیوں اور سرداروں کو معزول کر کے ان سے کم درجے کے لوگوں کو امارت عطا فرمائی یا یہ کہ بلند رتبہ حضرات کے ہوتے ہوئے بظاہر نا تجربہ کار جوانوں کو قیادت سپرد کی۔ خود حضرت اسامہؓ کا معاملہ سامنے ہے کہ اس سترہ اٹھارہ برس کے نوجوان کو اس فوج کی کمان دی گئی جس میں حضرت صدیق اکبرؓ و حضرت فاروق اعظمؓ جیسے بزرگ موجود تھے، اور حضرت خالد سیف اللہؓ جیسے سورماؤں کی کمی نہ تھی، حضرت خلیفہ رسول اللہ نے بھی صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود انہی اسامہؓ کی کمان میں فوج روانہ کی۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمیرؓ بن سعید انصاری جیسے بزرگ کو حمص کی ولایت سے معزول کر کے اس علاقہ کو بھی حضرت معاویہؓ کے تحت دیدیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے کامل فاتح و مدبر کو معزول کر کے حضرت عبداللہؓ بن عتبان کو کوفے کا والی بنا دیا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم الاسلام بزرگوں کا افسر حضرت عمروؓ بن العاص کو بنایا، ایسے ہی بیسیوں واقعات ہیں۔

مودودی صاحب کو رشتہ داروں کے بڑھانے پر بڑا اعتراض ہے لیکن کاش وہ عدل سے کام لیتے اور خود حضرت علیؓ کو دیکھتے جنھوں نے چھانٹ چھانٹ کر تمام مناصب حکومت اپنے قریب ترین ناتجربہ کار رشتہ داروں، اپنے چچیرے بھائیوں، بھانجے، سوتیلے بیٹے وغیرہ کو دے دئے، کوفہ میں خود تھے، بصرہ پر حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، مکہ و طائف پر حضرت قثم بن عباسؓ، مدینہ پر حضرت تمام بن العباسؓ، یمن پر حضرت عبید اللہؓ بن عباسؓ، خراسان پر جعدہ بن ہبیرہ (بھانجا) اور امیر عساکر محمد بن علی (اپنے حقیقی فرزند) اور مصر پر اپنے ربیب (سوتیلے بیٹے) محمد بن ابی بکرؓ کو والی بنایا اور وہ بھی حضرت قیس بن سعدؓ جیسے تجربہ کار صحابی ابن صحابی کو الگ کر کے، جس کے نتیجے میں اور انہی کی سوء تدبیر سے مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گیا

مودودی صاحب نے دعویٰ کیا ہے (شمارہ جون ص ۲۵) کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دس سال کے عہد میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹے سے عہدے پر مقرر کیا تھا مگر

یہاں ہم اور بھی نام پیش کر سکتے ہیں مثلاً حضرت قدامہ بن مظعون جمحی رضؓ کا جو ان کے سگے بہنوئی تھے اور انھیں بحرین کی ولایت سپرد کی گئی تھی ان سے ایسا دوہرا رشتہ تھا کہ یہ حضرت عبداللہ اور حضرت ام المومنین حفصہ رضؓ کے سگے ماموں اور سگے پھوپھا تھے۔

ہم پچھلے اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہاشمیوں کا عملی سیاست سے کوئی تعلق نہ رہا تھا اُنہیں ہم اسلام و کفر کی آویزش میں سینہ سپر نہیں پاتے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی مملکت کے نظم و نسق چلانے کا تجربہ کسی ہاشمی کو میسر نہ آیا۔

برخلاف اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہم بنو امیہ کو حکومت نبویہ کے اہم ترین مناصب پر پاتے ہیں، چنانچہ اسی خاندان کے نوجوانوں کو خلافت صدیقی و فاروقی میں بھی نہایت اہم مناصب پر فائز کیا گیا، عرب کا کوئی قبیلہ اور قریش کا کوئی خاندان اس بارے میں بنو عبد الشمس (بنو امیہ) کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی امیہ و بنو عبد الشمس پر انتہائی اعتماد تھا اور آپ دیکھ رہے تھے کہ امت کی قیادت خیر القرون میں اسی خاندان کو کرنی ہے، چنانچہ آپ کے والیوں میں اتنے حضرات بنو عبد الشمس بنو امیہ میں سے تھے۔

فہرست اموی عمال مملکت نبویہ

نمبر شمار	نام	مقام تعیناتی
۱	حضرت عتاب بن اسید اموی رضؓ	عامل مکہ
۲	حضرت ابو سفیانؓ بن حرب	" نجران
۳	حضرت یزید بن ابی سفیان رضؓ	" تیماء
۴	حضرت خالد بن سعید رضؓ	" صنعاء
۵	حضرت عمرو بن سعید رضؓ	" قری عربیہ از تبوک و خیبر و فدک

مقام تعیناتی	نام	نمبر شمار
عامل وادی القریٰ	حضرت حکم بن سعیدؓ اموی	۶
" بحرین	حضرت ابان بن سعیدؓ "	۷
کاتب وحی و مبلغ اسلام مقام حضر موت	حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ "	۸

عہد رسالت میں اسی فیصد عمال بنی امیہ میں سے تھے، گویا مودودی صاحب کے الفاظ میں مرکزی سکریٹریٹ سے لے کر مملکت نبویہ کے تمام اہم ناکوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امویوں کو متعین کر دیا تھا۔

مودودی صاحب نے بزعم خویش ایک کلیہ قائم کیا ہے کہ بنو امیہ سے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ چونکہ طلقاء میں تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انہیں زیادہ مدت تک نصیب نہ ہوئی اس لئے وہ امت کی قیادت کے اہل نہ تھے۔ ان کا یہ کلیہ قطعاً باطل ہے۔

طلقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قریش کو جمع کر کے فرمایا تھا انتم الطلقاء (تم سب آزاد ہو) اس وقت قریش کے اکثر لوگ کافر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہونے کی حیثیت سے یہ حق رکھتے تھے کہ انہیں غلام بنائیں، ان کے بعض لوگوں کو قتل کریں یا انہیں ذلیل کر کے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، آپ قریش کے کردار کی رفعت ان کے تصورات زندگی کی عظمت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ عصبیت کا ایک معمولی پردہ ہے جس کے اٹھتے ہی یہ لوگ انتہائی بلندی تک پہنچ جائیں گے، آپ اپنی قوت تصرف سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا اولین علمبردار ہونے کا شرف اسی قبیلۂ قریش کے لئے مقدر کیا ہے ابتداءً ان کے کفر و شرک کے باوجود ان کی آزادی کا اعلان فرمایا، بنی امیہ کے علاوہ اور سب قریشی ہاشمی وغیرہ اولوالنہیٰ شامل تھے اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ

جو لوگ اسلام کے مخالف تھے وہ برضا و رغبت اور ذوق و شوق کے ساتھ اس دین میں داخل ہوتے۔

طلقاء بالفاظ دیگر احلاف یعنی قریش کی منقبت ہے مگر یہی الفاظ جو ان کی عظمت بیان کرنے کے لئے کہے گئے تھے انہیں ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے برے معنی دیدئے چنانچہ سبائیوں کے یہاں طلقاء کہنا نہایت تحقیر کا کلمہ ہے، شاید اسی ذہنیت کے تحت مودودی صاحب نے بھی اس کی شرح بیان کی ہے۔

لیکن انہیں یاد نہیں رہا کہ اسلام کے مرکزی مقام مکہ معظمہ کا پہلا والی انہی طلقاء میں سے بیس برس کے ایک اموی نوجوان حضرت عتاب بن اسیدؓ کو بنایا گیا تھا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گنتی کے چند دن گزارے تھے اور وہ سب کے سب سابقین اولین جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے جانیں لڑائی تھیں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے، مودودی صاحب سمجھتے ہوں گے کہ ان سابقون کو یہ امر ناگوار گزرا ہوگا مگر تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس پر خوش تھے اور انہیں کسی درجہ میں بھی اس نومسلم اموی نوجوان کا اس عظیم وجلیل منصب پر فائز ہونا ناگوار نہیں ہوا، حضرت عتاب بن اسیدؓ جس طرح عہد نبوی میں مکہ کے والی تھے اسی طرح عہد صدیقی میں بھی رہے اور بعض روایت کے مطابق عہد فاروقی میں بھی کچھ مدت، پھر وفات پاگئے، ان ہی کے فرزند عبدالرحمٰن تھے جنہیں حضرت علی نے یعسوب قریش (سردار قریش) کہا تھا۔

پھر یہی نومسلم قریشی اموی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام کا اظہار کیا تھا ان ہی میں سے ایک کو کتابت وحی کی خدمت سپرد ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو اور ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ کو نجران کا والی بنایا گیا جو نصاریٰ کا مرکز اور بازنطینی حکومت کا ہوا خواہ رہا تھا، حضرت ولید بن عقبہ، حضرت مروان بن الحکم، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم اجمعین تو یہ مودودی صاحب کی تاریخ دانی ہے کہ انہوں نے ان بزرگوں کو طلقاء میں سمجھ لیا اور ان پر یہ لغو اتہام لگایا کہ "وہ آخر وقت تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلام کے مخالف رہے"۔

حضرت ولید بن عقبہؓ اور حضرت مروانؓ دونوں فتح مکہ کے وقت دس گیارہ برس کے لڑکے تھے اور حضرت عبداللہ بن عامر فتح مکہ کے بعد پیدا ہوتے تھے، البتہ حضرت عبداللہ بن سعدؓ جوان تھے لیکن ان کا معاملہ دوسرا ہے، جو ان کے احوال میں زیر بحث آئے گا۔

اگر "طلقاء" میں ہونا مودودی صاحب کے خیال میں کوئی عیب تھا تو وہ ان کے بزرگوں میں ہوگا نہ کہ ان خوردوں میں، ان سب کی تربیت کی اسلام میں ہوئی اور اکابر صحابہ کی صحبت میں پروان چڑھے، نہایت اہم خدمات انہوں نے انجام دیں اور اپنے کارناموں کے بے نظیر آثار اس امت کے لئے چھوڑ گئے لیغیظ بھم الکفار، چنانچہ سبائیت نے کذب وافترا کا طوفان انہی کے خلاف کھڑا کیا کیونکہ انہوں نے ایران اور روم دونوں شہنشاہیتوں کو پامال کر کے اسلام کی سربلندی کا جھنڈا آویزاں کر دیا تھا، اب ہم ان میں سے ہر بزرگ کا ذکر قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں، اسی ضمن میں ان اتہامات کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جو مودودی صاحب نے سبائی راویوں کی کذب بیانیوں کے سہارے امیر المومنین عثمان ذی النورینؓ کے پاکیزہ کردار پر عاید کرنے کی جسارت کی ہے۔

حضرت ولید بن عقبہؓ

اسلام کا یہ بطل جلیل اور امراء اسلام میں بلند رتبہ قائد و مدبر جس کا ذکر مودودی صاحب نے بہت حقارت سے کیا ہے

اس کی شان تو ایسی تھی کہ ہم عصر مسلمانوں کی طرح آج کے مسلمان بھی فخر و انبساط اور ادب و تعظیم سے اس کا ذکر کرتے مگر یہ حضرت ولیدؓ چونکہ نسباً اموی ہیں لہذا ان کے بارے میں مفتریات سبائیہ گھڑ لی جاتی ہے اور امیر المومنین عثمانؓ کے انتخاب کی داد دینے کی بجائے ان پر طعن کا سبب بنایا جاتا ہے۔

حضرت ولیدؓ صغار صحابہ میں ہیں، فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی حاضری کا واقعہ خود ہی بیان کیا ہے (العواصم من القواصم ص ۹۱-۹۲) منقول از مسند امام احمدؒ کہ آپ بھی ان بچوں میں تھے جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ نے سب کے لئے برکت کی دعا کی، تقریب التہذیب میں ہے۔ لہ صحبۃ وعاش الی خلافۃ معاویۃ (آپ کو صحبت نصیب ہوئی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت تک زندہ رہے۔

امیر ولیدؓ کی تمام تربیت حضرت صدیق اکبرؓ نے کی ان کی حیثیت بارگاہ صدیقی میں
وہی تھی جو حضرت ابن عباسؓ کی حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاں کہ باوجود صغر سنی اور نوعمری
اکابر صحابہ کی مجلس میں بار تھا، حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلی خدمت جو ان سے لی وہ فوجی خط و
کتابت تھی جو بصیغہ راز آپ کے اور آپ کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ
کے درمیان ہوا کرتی تھی (طبری ۴: ۲ منقول از العواصم تعلیقہ علامہ خطیبؒ ص ۸۷)
اس کے بعد آپ کو عہد صدیقی میں سالار عسکر حضرت عیاضؓ بن غنم فہری کی مددگار
کی حیثیت سے بھیجا گیا (طبری ۴: ۲۲ حوالہ مذکورہ) پھر ۱۳ھ میں قبیلہ قضاعہ کے صدقات
کی وصولی کے لئے بھیجے گئے، جب شام کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عمروؓ بن العاص
کی طرح ایک فوج کی قیادت آپ کے بھی سپرد کی گئی، حضرت عمروؓ کو فلسطین کی طرف روانہ
کیا گیا اور حضرت ولیدؓ کو شرقِ اردن کی طرف (طبری ۴: ۲۹-۳۰ حوالہ مذکورہ) یعنی حضرت
صدیق اکبرؓ انہیں حضرت عمرو بن العاصؓ ہی کی سی اہمیت دیتے تھے۔
پھر ۱۵ھ عہد فاروقی میں آپ کو جزیرہ کا عامل مقرر کیا گیا (طبری ج ۴) پھر بلاد
بنی تغلب کا امیر بنایا گیا اور یوں شام کے شمالی علاقے کے مسلم کافرعرب آپ کے لشکر میں شامل
ہوئے اور رومیوں کے خلاف جہادوں کا سلسلہ شروع ہوا یہاں آپ نے ان جہادوں کے ساتھ
ساتھ نصرانی عربوں میں موعظہ حسنہ سے تبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ بہت سے نصرانی
نوجوانوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا، جن نصرانی عربوں پر بازنطینی حکومت کا زیادہ اثر تھا وہ
بھاگ کر بازنطینی بیڑے سے جا ملے یہ صورت بغاوت کی تھی، چنانچہ حضرت ولیدؓ نے امیر المومنین
عمر فاروق اعظمؓ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ قیصر روم کو تہدیدی حکم بھیجیں کہ ان لوگوں
کو بلاد اسلامیہ کی طرف واپس کر دیا جائے حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ صورت حال دیکھ کر
انہیں واپس بلا لیا کہ کہیں اپنے دینی جوش میں ان عرب نصرانیوں سے نہ بھڑ جائیں جو اس
وقت عربی قومیت کا خیال کر کے بازنطینی حکومت کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دے رہے
تھے، اس وقت سیاست کا یہی تقاضا تھا کہ اس پرجوش مجاہد کو واپس بلا لیا جائے۔
لیکن امیر المومنین عثمانؓ کے عہد مبارک تک اس جری نوجوان میں جوش جہاد کے

ساتھ تب آچکا تھا، چنانچہ آپ کو کوفہ کا والی بنا دیا گیا اور یہاں آپ پانچ برس تک نہایت کامیابی کے ساتھ نظم و نسق کے علاوہ عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کرتے رہے اور آپ کا شمار کوفہ کے مثالی والیوں میں ہے۔

بروایت تاریخ طبری جو مودودی صاحب کا معتبر مآخذ ہے حضرت ولید بن عقبہ اہل کوفہ کے محبوب گورنر تھے۔

وکان احب الناس فی الناس وارفقھم بھم فکان بذلک خمس سنین ولیس علی دارہ باب (طبری ج ۲ ص ۳۴۰)

(حضرت ولید رضؓ) لوگوں میں لوگوں کے سب سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے ساتھ سب سے زیادہ نرم تھے پانچ سال اس منصب پر رہے مگر آپ کے مکان کا دروازہ تک نہ تھا ہر شخص ہر وقت ان کے پاس جا سکتا تھا۔

علامہ خطیبؒ نے العواصم میں (ص ۱۰۰) طبری کے حوالے سے (۵: ۶۰) امام شعبیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے، آپ کے سامنے امیر مسلمہ بن امیر المومنین عبدالملکؒ کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر ہو رہا تھا تو امام شعبیؒ نے فرمایا۔

کیف لو ادرکتم الولید غزوہ وامارتہ ان کان لیغزو فینتھی الی کذا وکذا ..... ما قصر ولا انتقض علیہ احدٌ حتی عزل عن عملہ وعلی الباب یومئذ عبد الرحمٰن الباھلی، وان کان ممارادعثمان الناس علی بدرہ رأے علی بن الولید) ان یرد علی کل مملوک بالکوفۃ من فضول الاموال ثلاثۃ فی کل شھر یتسعون

کاش تم ولید کا زمانہ پاتے اور ان کے جہادوں اور امارت کا حال دیکھتے وہ جب جہاد پر نکلتے تھے اور دشمن دھاوے بولتے تھے .... اور کسر نہ رکھتے تھے کسی کو ان پر کوئی اعتراض نہ تھا تاآنکہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دئیے گئے اور اس وقت ان کے ایک بڑے سپہ سالار عبدالرحمٰن باہلی دربند کا محاصرہ کئے ہوئے تھے (جو بحر خزر کے کنارے روس کے علاقہ کا مضبوط مورچہ تھا) گویا ان فاسقوں کی ریشہ دوانی کے سبب ولید کی معزولی سے اس وقت امت کو نقصان

> پہنچا) پھر انہوں نے کوفہ کے ہر غلام کو نا یہ مال سے یتی درم ماہوار وظیفہ مقرر کر رکھا تھا کہ اپنا کام چلائیں اور یہ بغیر اس کے تھا کہ ان کے آقاؤں کے وظائف میں کوئی کمی ہو۔ گویا اس طرح موالیوں کی حیثیت عرفی کو بلند کر کے ان کے آقاؤں ہی کی طرح حکومت کا باقاعدہ شہری بنا دیا گیا۔)

یہ ہیں حضرت ولید بن عقبہؓ جن کے تعمیری کارنامے اختصار سے بیان کرنا مشکل ہیں ان ہی کا ذکر مودودی صاحب نے سبائیوں کی روایت کا سہارا لے کر اس حقارت سے کیا ہے کہ ہر باخبر شخص کے دل پر چوٹ لگی ہوگی۔

مودودی صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ حضرت سعدؓ کو موقوف کر کے حضرت عثمان نے اپنے ماں جائے بھائی کو عامل کوفہ مقرر کر دیا مگر وجہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، ہوا یہ کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ روپیہ قرض لیا تھا جس کی ادائگی میں کچھ دیر کی مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مطالبے میں شدت برتی جس سے ان دونوں بزرگوں میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی، اگر یہ روایت صحیح ہے تو بات معمولی تھی، لیکن کوفیوں نے اسے خوب بڑھایا چڑھایا اور فطری مفسدانہ ذہنیت کے تحت ان کی پارٹیاں بن گئیں کچھ لوگ والی کوفہ حضرت سعدؓ کے ساتھ تھے اور کچھ مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ کے یہ صورت حال تشویشناک تھی اور دونوں بزرگوں کو ناگوار، اس لئے حضرت ولیدؓ کو بھیجا گیا اور حضرت سعدؓ کو بلا لیا گیا۔

مودودی صاحب نے ان دونوں کا جو مکالمہ لکھا ہے (ص ۱۵۲) وہ بالکل لغو ہے حضرت سعدؓ جب خلافت ہی سے بے نیاز تھے تو انہیں امارت کی کیا خواہش تھی، وہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف سے نفرت کرتے تھے انہوں نے تو کوفہ چھوڑ دینا غنیمت سمجھا ہوگا بلکہ اسے پسند کیا ہوگا کہ کوفہ کے شرپسند عناصر کی سرکوبی کے لئے حضرت ولیدؓ جیسے والی وہاں پہنچ گئے حضرت سعدؓ نے ایران کا دارالسلطنت مدائن فتح کیا تھا، لہٰذا کوفہ کا ایرانی

عنصر ان سے ویسے ہی خفا تھا اور پھر سبائیوں کو جو ان سے نفرت ہے اس کا کیا کہنا چنانچہ ان کے خلاف پروپگنڈا خوب کیا گیا ہے؛ کچھ جاہل عرب بھی ان منافقوں کے بہکائے میں آگئے اور حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ان کی یہ شکایت کی کہ انہیں نماز پڑھانی نہیں آتی (صحیح بخاری: ج ۱ کتاب الصلوٰۃ ص ۱۰۴ طبع مصر) کوفہ والوں کی یہ ذہنیت دیکھ کر آپ علمائے حق ہی بھی کوفہ کی امامت سے علیحدہ ہو چکے تھے تو حضرت ولیدؓ کے آنے پر سبائی راویوں کی تراشیدہ یہ پھبتی ہوئی باتیں کیوں نہ ہوتیں جنہیں مودودی صاحب نے نقل کیا ہے۔

شرب خمر مودودی صاحب نے حضرت ولیدؓ کے شرب خمر کا اتہام اور ان پر حد جاری ہونے کا واقعہ بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے اتنی اہمیت دیدی کہ دلائل و شواہد پیش کرنے بھی ضروری سمجھے چنانچہ فرماتے ہیں (جزن ص ۲۵۲ تعلیقہ)

> علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس کے نشے کی حالت میں نماز پڑھانے اور اس میں کمر کہنے کا واقعہ مشہور من روایۃ الثقات من نقل اھل الحدیث والاخبار (اہل حدیث اور . روایت کے ثقہ لوگوں کے بیان کے مطابق مشہور ہے) نیز وہ لکھتے ہیں کہ اصمعی ابو عبیدہ ابن الکلبی وغیرہم کا بیان ہے کہ ولید بن عقبہ کان فاسقا شریب خمر (ولید بن عقبہ فاسق تھا اس نے شراب پی)

مودودی صاحب نے حضرت ولیدؓ کے بارے میں مفسدوں اور منافقوں کی بیان کردہ روایت تو نقل کر دی اور اصمعی و ابو عبیدہ اور ابن الکلبی جیسے رافضی سبائی اور کذابوں کی رائے بھی بیان کر دی؛ لیکن صحابہ سے اس افتراء و کذب کی تحقیق ضروری نہیں سمجھی ایک مومن، ایک صحابی، حضرت عثمانؓ کے ماں جائے بھائی. ایک مجاہد کبیر، ایک قابل فخر امیر اور حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کے معتمد کارکن اور پھر ایک گزرا ہوا شخص، کیا اس کی اتنی بھی حرمت نہیں جو ایک معمولی مسلمان کی خدا و رسول نے بتائی ہے

ان کا شخصی عیب بیان کرتے وقت کچھ تو خیال کیا ہوتا ہے، مگر کیوں کرتے نسلی تعصب اور خاندانی انانیت اس کی اجازت کب دیتی ہے، اب ہم ناظرین کرام کو اصل صورت حال بتلاتے ہیں۔

حضرت ولید رضؓ کوفہ کی امارت پر پانچ برس فائز رہے اپنے عدل اپنے علم و فن اپنے رحم و کرم اور اپنے تدبر و سیاست سے اسے ایک مثالی شہر بنا دیا لیکن کوفیوں کا شر پسند عنصر حسب عادت اسے برداشت نہ کر سکا کہ اتنے دن وہاں کوئی والی رہے، ادھر ایک واقعہ ہو گیا کہ ابو زینب ازدی، ابی مورع اور ابو زہیر جنب کے بیٹوں نے ایک صاحب علی بن حیسمان کے ہاں نقب لگائی اور انہیں قتل کر دیا، پڑوس میں اس وقت مشہور صحابی ابو شریح خزاعی رضؓ اور ان کے فرزند ٹھہرے ہوتے تھے، یہ دونوں محترم بزرگ حضرت ولید رضؓ کی قیادت میں جہاد کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے آتے ہوتے تھے ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے ان ظالموں کی یہ حرکت دیکھی اور امیر کے ہاں گواہی دی تو ان مجرموں کو کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا، اس سے ان کے باپ برافروختہ ہوتے انہوں نے حضرت ولید رضؓ کے خلاف محاذ بنا لیا، ان کے ہاں اتفاق سے بنو تغلب میں سے ایک نصرانی شاعر مہمان آتے اور ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے شعر و ادب کے تذکرے ہونے لگے۔

امیر ولید رضؓ کا قاعدہ تھا کہ جب تک مردانے میں رہیں ہر شخص ان کی خدمت میں ہر وقت آ جا سکتا تھا، چنانچہ ابو مورع وغیرہ بھی ایک دن اچانک پہنچ گئے اور دیکھا کہ امیر ولید رضؓ نے جلدی سے ایک خوان تخت کے نیچے کو کر دیا، ان لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید اس نصرانی نو مسلم کی صحبت میں مے نوشی شروع ہو گئی ہے انہوں نے وہ طشت نیچے سے نکال کر دیکھا تو اس میں صرف انگور تھے اب یہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور جب اشراف کوفہ کو اس کی اطلاع ہوتی تو انہوں نے اس گستاخی پر بہت سرزنش کی، مگر امیر موصوف نے چشم پوشی

سے کام لیا نہ انہیں کچھ سزا دی اور نہ امیرالمومنین کو اطلاع کی، اس سے یہ لوگ پشیمان ہونے کی بجائے دلیر ہو گئے اور پھر کسی موقع کی تاک میں رہے، ایک شب اتفاق سے امیر کے ہاں مجمع زیادہ تھا اور جب اجلاس برخاست ہوا تو باقی لوگ چلے گئے، لیکن ابو مورع اور ابو زینب سب کے ساتھ چلے جانے کے بجائے ایک طرف کو چھپ گئے، امیر ولیدؓ نے غالباً تکان کے سبب تکیہ پر سر رکھا تو آنکھ لگ گئی، یہ دونوں چپکے سے بڑھے اور انگلی میں سے انگوٹھی نکال کر بھاگ گئے، امیر ولیدؓ بیدار ہوئے تو انگوٹھی ہاتھ میں نہ دیکھ کر پریشان ہو گئے، ان کی دو بیویاں پردے میں سے دیکھ رہی تھیں، انہوں نے بتایا کہ اس حلیے کے دو شخص کس طرح اچانک انگوٹھی لے کر بھاگ گئے، آپ سمجھ گئے کہ کون تھے، ان کے پیچھے آدمی دوڑائے مگر وہ غائب تھے اور کیوں نہ ہوتے وہ تو مدینہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے، وہاں انہوں نے حضرت امیرؓ پر شرب خمر کا الزام لگایا اور ثبوت میں انگوٹھی پیش کی۔ ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پیتے دیکھا اور دوسرے نے کہا کہ شراب کی قے کرتے دیکھا، یوں امیر ولیدؓ کی طلبی ہوئی آپ نے حلفیہ بیان کیا کہ یہ محض اتہام ہے اور ان گواہوں کی پوری کیفیت بیان کر دی، اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ نقیم الحدود ویبوء شاھد الزور بالنار فاصبر یا اخی (ہم تو حد قائم کریں گے اور جھوٹے گواہوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اے میرے چھوٹے بھائی صبر کر)

یہ ہے وہ کل قصہ جو طبری نے ۳۰ھ کے حوادث کے تحت بیان کیا ہے اس پوری تفصیل میں نہ کہیں نشے کی حالت میں نماز پڑھانے کا ذکر ہے نہ۔ اور پڑھائی تو نہ کہنے کا اور نہ دو رکعتوں اور چار رکعتوں کا۔

مودودی صاحب کے اسی معتبر ماخذ طبری میں صراحتاً مذکور ہے کہ جب امیرالمومنین نے گواہوں سے پوچھا کیا تم نے ان کو (امیر ولید) کو شراب نوشی کرتے دیکھا تھا دونوں نے صاف انکار کیا فقالا لا وخافا (الفتاح ص۱۴۲ طبع اول)

یعنی چشم دید واقعہ کہتے ڈرے اور انکار کیا، گویا ابن عبدالبر سے ایک صدی پہلے کے مورخ نے نماز پڑھانے کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا، استیعاب میں نماز فجر میں چار رکعتیں پڑھانے کی جو وضعی روایت ہے اس کے راوی ضمرہ بن ربیعہ متہم بکذب و ابن شوذب اس واقعہ سے ۶ سال بعد پیدا ہوئے۔

البتہ احادیث میں ایک روایت حضین بن المنذر کی ہے جو صفین میں حضرت علیؓ کے ایک کمانڈر تھے، لیکن نہ وہ اس مزعومہ روایت کے وقت کوفہ میں تھے اور نہ عثمانی عدالت میں ان کی حیثیت گواہ کی تھی اور نہ انہوں نے اپنے بیان کی کوئی سند دی وہ صرف اس موقع پر موجود تھے جب حد جاری کی گئی۔

یہ روایت اس طرح ہے (صحیح مسلم ج ۲ باب حد الخمر ص ۷۰ طبع مصر)

حدثنا حضین بن المنذر ابو ساسان قال شهدت عثمان بن عفان واتی بالولید قد صلی الصبح رکعتین ثم قال ازیدکم فشهد علیه رجلان احدهما حمران انه شرب الخمر واشهد آخر انه رآه یتقیاء فقال عثمان انه لم یتقیاء حتی شربها فقال یا علی قم فاجلده

ہم سے حضین بن المنذر ابو ساسان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں عثمانؓ بن عفان کے حضور اس وقت موجود تھا جب ولیدؓ کو لایا گیا، انہوں نے صبح کی دو رکعتیں پڑھی تھیں اور پھر کہا تھا "اور زیادہ کروں؟" تو اس پر دو آدمیوں نے گواہی دی، ان میں ایک تھا حمران اس نے گواہی دی کہ انہوں نے شراب پی اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے شراب کی قے کرتے دیکھا۔ حضرت عثمان نے فرمایا "قے تو تب ہی کی جب پی" پھر فرمایا "اے علی اٹھو اور اس کے کوڑے لگاؤ" (فاروقی و عثمانی عہد خلافت میں مجرموں کی سزا کا نفاذ حضرت علیؓ کے سپرد تھا۔ م)

فقال علی قم یا حسن فاجلدہ
فقال الحسن ول حارّھا من
تولی قارّھا (فکانہ وجد علیہ)
فقال یا عبداللہ بن جعفر قم
فاجلدہ فجلدہ و علی یعد حتی
بلغ اربعین فقال امسک الخ

(حضرت) علی نے فرمایا، حسن اٹھو اور اس
کے کوڑے لگاؤ (حضرت) حسنؓ نے فرمایا۔
اس کی گرمی اسی کے سپرد کیجئے جس نے اس
کی ٹھنڈک کا مزا لیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا
اے عبداللہ بن جعفر تم کھڑے ہو اور اس
کے کوڑے لگاؤ، چنانچہ انہوں نے کوڑے
لگاتے اور (حضرت) علی گنتے رہے جب
چالیس تک پہنچے تو (حضرت) علی نے فرمایا
بس رک جاؤ۔

(۱) یہ حدیث مسند احمدؒ میں انہی حضین کے حوالے سے تین جگہ مذکور ہے دوسروں میں حضین کا کوئی قول نماز کے متعلق مذکور نہیں، یعنی راویوں نے سمجھ لیا کہ قول حضین کا ہے اور انہوں نے بعد کی شہرت کی بنا پر یہ کہہ دیا اصل واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، البتہ تیسری سند میں حضین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے صبح کی چار رکعتیں پڑھائی تھیں، صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں دو رکعتوں کا ذکر ہے۔

یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ نماز کا ذکر حضین نے کیا ہے اور غالباً اس شہرت کی بنا پر جو روایت بیان کرتے وقت تک ہو چکی تھی، اس قول کا نفس واقعے سے کچھ تعلق نہیں، کیونکہ گواہوں نے جو گواہی دی اس میں نماز کا کوئی ذکر نہیں ایک نے شراب کا پینا بتایا اور دوسرے نے اس کا قے کرنا، اور گواہوں کا یہی بیان حضین نے بھی دیا، لہذا دو یا چار رکعت پڑھانا اور "پھر اور پڑھاؤں" کہنا لوگوں کی اپنی ایجاد ہے اور سبائی لوگ جیسے لطائف و ظرائف وضع کر کے انہیں شہرت دیا کرتے ہیں، اسی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے۔

۲۔ طبری نے ابوزینب اور ابومورع کا انگوٹھی چرا کر مدینہ آکر شرب خمر کی

گواہی دینے کا ذکر کیا ہے اور حدیث زیر نظر میں گواہوں میں ایک نام حمران ہے اور دوسرے کا نام نہیں دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ عدالت میں شرب خمر کی گواہی دینے کی ہمت ابو موسع اور ابو زینب کو نہ ہوئی بلکہ انہوں نے ان دو آدمیوں کو تیار کیا جن میں ایک حمران ہے، اس حمران کی بابت علامہ محب الدین الخطیبؒ نے بتایا ہے (العواصم ص ۹۸ تعلیقہ) کہ یہ شخص امیر المومنین عثمان رضؓ کے غلاموں میں تھا اور منحرا اور خراب تھا اس نے یہ حرکت بھی کی تھی کہ ایک مطلقہ عورت سے عدت کے اندر ہی نکاح کر کے اس کے پاس گیا تھا اس پر ناراض ہو کر حضرت عثمان رضؓ نے اسے اپنی خدمت سے برطرف کر کے شہر بدر کر دیا، یوں یہ شخص کوفہ جا پہنچا اور وہاں بھی بے جا حرکتیں جاری رکھیں، پھر اس نے یہ حرکت کی کہ ایک عابد و صالح شخص حضرت عامر بن قیسؒ کے متعلق جھوٹی باتیں ارباب حکومت کو پہنچائیں، چنانچہ سزا کے بطور اسے کوفہ سے بھی نکال دیا گیا اور یہ شام چلا گیا۔ اب دلچسپ بات یہ ہے کہ امیر ولیدؓ کے بارے میں گواہی دینے یہ پھر مدینہ پہنچ گیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ان سبائیوں کی ملی بھگت تھی اور جس طرح یہ جعلسازی اور فتنہ انگیزی کی باتیں کرتے چلے آتے ہیں ویسی ہی بات یہ بھی تھی۔

حیرت کا مقام ہے کہ مودودی صاحب نے العواصم میں یہ سب تفصیل پڑھی ہوگی پھر بھی انہوں نے یہ روایت اس مستعدی سے بیان کر دی اور صحیح مسلم کی اس حدیث پر غور کرنے کی بھی تکلیف گوارا نہیں کی، حالانکہ ایک عالم کا یہ فریضہ ہے کہ صحابہ کے دور کے واقعات وہ صحاح میں تلاش کرے اور پوری تحقیق کے ساتھ بات کہے اور لکھے اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہوں نے اصمعی ابو عبیدہ اور ابن الکلبی کا بیان بطور حجت پیش کر دیا، کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ان میں سے نہ کوئی شخص امیر ولیدؓ کا ہم عصر تھا اور نہ علماء حدیث کے ہاں ان کے بیان کی کوئی قیمت ہے۔ پھر ابن الکلبی (ہشام بن محمد السائب الکلبی متوفی ۲۰۴ھ) تو رافضی رلعی نہایت

وہ جو غالی سبائی کا بیٹا ہے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں رافضی لیس بثقۃ (رافضی غیر ثقہ تھا) امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے یہ قصہ گو تھا، اس قابل نہ تھا کوئی اس سے روایت کرے دارقطنی نے متروک کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۳ صفحہ ۲۵) اسی طرح ابو عبیدہ و اصمعی ہیں جن دونوں کو ابو زید الانصاری نے کذاب کہا ہے۔ (ایضاً)

رہا ابن عبدالبرؒ کا قول کہ نماز پڑھا کے اور پڑھاؤں کہنے کی بات اہل حدیث اور رواۃ اخبار کے ہاں مشہور ہے تو چند امور پر غور کرنے کے بعد اس قول کو سند بنانا درست ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

۱۔ رواۃ اخبار میں انہوں نے جن تین آدمیوں کا نام لیا ہے ان میں سے جیسا ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں ابن الکلبی سبائی رافضی ہے وہ اگر ہم عصر ہوتا تب بھی اس کی بات نہ سنی جاتی اور باقی دو بھی کذاب ہیں اور اس دور کے ہیں جب امویوں کے خلاف پروپگنڈا انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

۲۔ رواۃ اخبار میں زیادہ معتبر طبری ہیں، لیکن انہوں نے بھی شیعیت کے باوجود نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کی کوئی روایت نقل نہیں کی اور ان کے بیان میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں۔

۳۔ ابن عبدالبر نے اگر "مشہور" بطور اصطلاح حدیث کے بیان کیا ہے تو حدیث موجود ہے، عدالت کے سامنے دو گواہ پیش ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے میں نے شراب پیتے دیکھا دوسرا کہتا ہے کہ شراب کی قے کرتے دیکھا، اسی بیان پر حد جاری ہوتی ہے، کسی گواہ نے "نماز پڑھا کر" اور "پڑھاؤں" کا ذکر نہیں کیا۔

۴۔ حضین جو اس واقعے کے تنہا راوی ہیں اور انہوں نے نماز پڑھا کر اور پڑھاؤں کا ذکر کیا ہے، تو یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا بلکہ بعد میں کبھی بیان کیا ہوگا، جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے دو نے یہ الفاظ حضین کے بیان نہیں کئے جنہوں نے کئے ان میں سے ایک نے کہا کہ چار رکعتیں پڑھائیں

اور ایک نے بتایا دو رکعتیں پڑھاؤں کہا۔

گویا جس شخص پر مدار ہے خود اسی کے کہنے نہ کہنے میں اختلاف ہو گیا تو حدیث کا یہ ٹکڑا خود بخود ساقط الاعتبار ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ حضین نے یہ الفاظ ہی نہیں کہے بعد کے کسی راوی نے ان کی طرف منسوب کر دئیے ہیں البتہ اس زمانے کی بات ہے جب امویوں پر بہتان طرازی ایک طبقے کا شعار ہو گیا تھا لہٰذا ابن عبدالبرؒ کا بیان کسی وجہ میں لائق اعتنا نہیں۔

جب حدیث سب سے اعلیٰ سند کے ساتھ موجود ہے اور ادنیٰ تامل سے اسے دیکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضین نے یہ بیان عدالت کے سامنے نہیں دیا اور نہ یہ کہا کہ میں اس نماز میں شریک تھا تو پھر ان کے بیان کی قیمت ہی کیا رہتی ہے جب کہ خود ایسی سندیں بھی موجود ہیں جن میں حضین کا یہ قول نقل نہیں کیا گیا

تعجب مودودی صاحب پر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے امر واقعہ بنا کر کہہ دیا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھا کر کہا "اور پڑھاؤں" کیا مودودی صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ نماز فجر کی تھی جس کے بعد نوافل نہیں ہیں اور یہ امر تمام علما مذاہب کے ہاں مسلم ہے تو کیا جماعت میں کوئی ایک شخص بھی پڑھا لکھا اور نماز کے مسائل سے واقف نہ تھا جو تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت ٹوک دیتا۔ یا جب امیر ولید نے کہا تھا کہ "اور پڑھاؤں" اسی وقت کوئی ایک نمازی ہی اعتراض کر دیتا، کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ نہ صرف ولید نشہ کی حالت میں تھے بلکہ اور لوگ بھی پئے ہوئے تھے۔ مودودی صاحب کو نماز کا یہ معمولی مسئلہ کیوں یاد نہیں رہا، جامع مسجد کوفہ کے سیکڑوں نمازیوں میں سے کسی کو گواہ نہ بنانا کیا دلیل جھوٹے اتہام کی نہیں۔

امیر ولیدؓ جیسے عظیم المرتبت مجاہد امیر اور صحابی کی توہین و تذلیل کا ایسا ہی شوق تھا تو کم از کم اپنی فقہ کی تو لاج رکھ لیتے جس کی بڑی شہرت ہے اور صحیح مسلم کو سامنے رکھ کر کہتے کہ دو رکعت پڑھا کر کہا اور پڑھاؤں، مگر یہ کرامت اسلام کے اس بطل جلیل اموی امیر رضی اللہ عنہ کی کہ مودودی صاحب کے قلم سے وہ بات نکلی جس پر فقہ کا معمولی

طالب علم بھی ہنسنے بغیر نہ رہے۔

یہ بات صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتی ہے ج ۱ ص ۵۲۴ باب ہجرۃ الحبشہ) کہ بعض صحابہ نے حضرت عبید اللہ بن عدی کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ولیدؓ پر حد کیوں نہیں جاری کرتے، تو حضرت عثمانؓ نے ان کی پوری بات سن کر فرمایا کہ یہ کس قسم کی باتیں ہیں جو میں سن رہا ہوں، کیا میں ان لوگوں پر حق نہیں ہے جیسا ان حضرات کا تھا یعنی حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کا، رہی ولید کی بات تو ہم انشاء اللہ ان پر حد جاری کریں گے، آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور ان کے چالیس درے لگائے گئے اس روایت میں بھی نماز کا ذکر نہیں۔

حضرت عثمانؓ کا حد جاری کرنے میں دیر لگانے کا سوائے اس کے اور کوئی سبب نہ تھا کہ آپ اسے سب بنایا ہوا فتنہ سمجھتے تھے اور آپ کو ان گواہوں کی گواہی پر اطمینان نہیں تھا، اس لئے محض مصلحت کے تحت اور لوگوں کی بدگمانی سے بچنے کے لئے آپ نے یہ سزا دی اور امیر ولیدؓ کو معطل کر دیا کہ سزا دینے کی اصل وجہ کیا ہے اور یہ کہ جھوٹی گواہی دینے کے سبب ان گواہوں نے جہنم میں ٹھکانا بنا لیا ہے۔

امیر ولید بن عقبہؓ کے متعلق مولف کتاب نسب قریش ابی عبد اللہ المصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم المتوفی سنہ ۲۳۶ھ فرماتے ہیں :- ص ۱۳۸

كان من رجال قريش وشعرائهم وكان له سخاء استعمله عثمان بن عفان على الكوفة فرفعوا عليه انه شرب الخمر فعزله عثمان وجلده الحد وقال الحطيئة يعذره:-

شهد الحطيئة حين يلقى ربه
ان الوليد احق بالعذر

یہ قریش کے اکابر اور ان کے شعراء میں تھے اور ان میں سخاوت تھی انہیں (امیر المومنین) عثمانؓ نے کوفہ کا والی بنایا تھا آپ کو ان کے متعلق اطلاع دی گئی کہ شراب پی ہے تو حضرت عثمانؓ نے معزول کر دیا اور حد جاری کی ان کی صفائی میں حطیئہ نے یہ شعر کہے ہیں۔

حطیئہ جب اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا تو گواہی دے گا کہ امیر ولید عذر پیش کرنے میں زیادہ

خلعوا عنا فلک اذحرمت ولو — حق بجانب ہیں انہوں نے تمہاری اس عظمت و
خلوا عنانک لم تخل تجری — شرافت کا پاس نہ کیا جس کا سکہ تم نے بٹھا دیا تھا۔
اگر وہ لوگ پہلیں اس عزو شرف میں چھوڑ دیتے
تو اس کے آثار برابر جاری رہتے (طویل العنان
صاحب شرف وسطوعیم)

فزادوا فیہا من غیر قول الحطیۃ۔ — پھر لوگوں نے اس میں یہ شعر بھی بڑھا دئے جو حطیہ کے کہے نہیں ہیں۔

نادی وقد تمت صلاتھم — نماز ختم ہو چکی تھی مگر وہ نشہ میں وحشت پنے
أأزیدکم ثملا وما یدری — کی وجہ سے پکار اٹھے اور پڑھادوں؟ تاکہ اضافہ
لیزیدھم خمسا ولو فعلوا — کر کے پانچ رکعتیں کر دیں اور اگر لوگ ایسا کرنے
مرت صلاتھم علی العشر — دیتے تو نوبت دس تک پہنچتی

اب دیکھئے جس میں ذرا سی بھی عقل ہوگی وہ سوچے گا کہ جو شخص پہلے دو شعر کہتا ہے ایسی مدح میں جو آدمی کو بے نظیر بتائے وہ بعد کے دو شعر مذمت میں کیسے کہتا لیکن اموی سادات کی عداوت نے ان کی عظمت و شرف پر حرف رکھنے والوں کی عقل اتنی سلب کر لی کہ سلیقے کے ساتھ شعروں میں اضافہ نہ کر سکے۔

قریب العہد اور معتبر ترین نساب کا بیان سامنے رکھو کہ ابن عبد البر صاحب الاستیعاب کی حرکت ملاحظہ ہو (المتوفی ۴۶۳ھ) کہ ان اشعار کو کیا سے کیا کر دیا یعنی عذر کو غدر بنا دیا۔

شھد الحطیۃ یوم یلقی ربہ — حطیہ جس دن اپنے رب کے حضور ہوگا تو گواہی
ان الولید احق بالغدر — دیگا کہ غدر کرنے کا ولید زیادہ حقدار تھا
نادی وقد تمت صلاتھم — نماز ختم ہو چکی تھی کہ نشہ کی بے خبری میں وہ
أأزیدکم سکرا وما یدری — پکار اٹھا کہ اور پڑھا دوں
فابوا ابا وھب ولو اذنوا — لیکن ابو وہب کو لوگوں نے ایسا نہ کرنے دیا اگر اجازت

لقد رنت بين الشفع والوتر
کفوا عنانك اذ جريت ولو
تركوا عنانك لم تزل تجري

ویر ہیتے تو جفت اور طاق رکعتیں سب ملتہ مل جاتیں انہوں نے تمہاری لگام تھام لی جب تم سنا سے ڈھیلا چھوڑ دیا تھا اور اگر وہ اسے اسی طرح رہنے دیتے تو برابر سلسلہ جاری رہتا۔ الفاظ ملاوہی ہیں لیکن پہلے شعروں کی وجہ سے معنی ملتبس ہو گئے ہیں۔

برخلاف اس کے طبری نے بھی یہ دو اشعار اسی طرح نقل کئے ہیں جس طرح زبیری نے (طبری ج ۵ ص ۶۰) اور ساتھ ہی یہ دو شعر بھی جو مدحیہ ہیں۔

ورأوا شمائل ماجد متبرع
يعطي على الميسور والعسر
فنزعت مكذوبا عليك ولم
تردد إلى عوز ولا فقر

لوگوں نے اس ذی مرتبت صاحب فضیلت شخص کی نیک خوئی دیکھی جو اللہ اور مفلس سب پر بخشش کرتا ہے بہتو اس حالت میں معزول کیا گیا کہ تم پر جھوٹ بولا گیا تھا مگر نہ یہ تمہاری شرمندگی کا سبب بنا اور نہ تمہارے فقر کا (یعنی اس اہتمام کے باوجود تمہاری عظمت و شرف کا وہی عالم ہے۔

معلوم ہوا کہ افترا پردازوں نے حطیہ کی طرف وہ اشعار منسوب کر دئیے جو ان کے نہیں ہیں یا امیہ کہ ہم عصر لوگ اور بعد کے اہل علم حضرات حضرت ولید کو شرب خمر کی معصیت سے بری سمجھتے تھے چہ جائیکہ نماز میں "اور پڑھاؤں" کہنے کی بات

ایک دوسرا افترا

معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد البر کو امیر ولید بن عقبہ سے اپنے رجحان طبع کے سبب سے نفرت تھی پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی ام حکیم بنت عبد المطلب کے ان اخوی نواسے کو جو حضرت عثمانؓ کے مادری بھائی بھی تھے قیل کہہ کر جناب امیہ بن عبد شمس کی نسل سے نہیں بلکہ ان کے غلام کی نسل سے بتانے کی مذموم حرکت کی ہے حالانکہ

ان کا نسب شریف مستند کتاب انساب میں اظہر من الشمس ہے پھر اپنی تالیف الاستیعاب میں لکھتے ہیں۔

ولا خلاف بین اھل العلم بتاویل القرآن فیما علمت ان قولہ عزوجل ان جاءکم فاسق ...... نزلت فی الولید بن عقبہ وذلک انہ بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بنی المصطلق (الخ)

جو اہل علم تفسیر قرآن کے ماہر ہیں ان کے مابین اس بارے میں کچھ اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے ان جاءکم فاسق بنباء الخ (جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لائے .....) یہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی المصطلق کی طرف بھیجا تھا الخ

ابن عبدالبر نے اس افسانے کو علماء کے مابین متفق علیہ تو بتا دیا مگر انہوں نے چند باتوں پر غور نہ کیا جو علامہ خطیب نے العواصم میں بیان کی ہیں (ص ۹۱)

۱۔ یہ روایت موقوف ہے مجاہد پر یا قتادہ پر یا ابن ابی لیلیٰ پر یا یزید بن رومان پر اور ان سے سو برس نیچے کے عرصے میں ان روایتوں کے جتنے راوی ہیں وہ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک مجہول ہیں، ان کے احوال تو کیا معلوم ہوتے ان کے نام بھی معلوم نہیں، ایسی منقطع روایتوں کو حجت بنانا جائز کب ہے؟

۲۔ دو روایتیں البتہ موصول کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مطابق ام المومنین ام سلمہؓ کے ایک غلام ثابت سے موسیٰ بن عبیدہ کا روایت کرنا بیان ہوا ہے، یہ موسیٰ بن عبیدہ وہ صاحب ہیں جنہیں امام نسائی، ابن المدینی، ابن عدی اور دوسرے بزرگواروں نے ضعیف کہا ہے، پھر علامہ خطیبؒ فرماتے ہیں میں نے تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب اور خلاصہ تذہیب الکمال میں ام المومنینؓ کے کسی غلام کا نام ثابت نہیں ملاحظہ کیا نہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں بھی نہیں پھر میں نے مسند امام احمد میں ام المومنین ام سلمہؓ کے مجموعہ احادیث میں ان کے

ایک غلام ثابت نام کی تلاش کی لیکن ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جو ان کے کسی غلام ثابت کے نام سے مروی ہو۔

۳۔ ایک دوسری موصول روایت طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے ابن سعد کے حوالے سے جو اپنے والد کا حوالہ دیتے ہیں اور وہ اپنے چچا کا اور وہ اپنے والد کا اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے، حالانکہ ابن سعد سے طبری کی ملاقات کا کوئی امکان نہ تھا اس لئے کہ ابن سعد کی وفات بغداد میں ۲۳۰ھ میں ہوئی اور اس وقت طبری طبرستان میں چھ برس کے بچے تھے۔ علاوہ ازیں ابن سعد اگرچہ ذاتی طور پر ثقہ ہیں لیکن ان کے اوپر کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی مجہول لوگوں پر مشتمل ہے، جن کے احوال علماء جرح و تعدیل کے ہاں نامعلوم ہیں بلکہ یہ نام بھی نہیں ملتے لہٰذا طبری کی یہ روایت بے اصل اور بے پایہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ جو روایتیں موصولاً بیان ہوتی ہیں ان میں سیدہ ام سلمہؓ کے مروی الفاظ میں نام کسی کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ "ایک شخص کو بھیجا"

اب سوچنا چاہئے کہ "ایک شخص" کو ابن عبدالبر نے حضرت ولیدؓ بنا کر علماء پر کیسا اتہام رکھا ہے؟

۵۔ مسند احمد میں امام احمد نے اپنے شیخ فیاض بن احمد رقی سے انہوں نے جعفر بن برقان رقی (صدوق) سے انہوں نے ثابت بن الحجاج الکلابی الرقی (ثقہ) سے انہوں نے عبداللہ بن مالک بن الحارث (مقبول) سے اور انہوں نے امیر ولیدؓ بن عقبہ سے روایت کی فتح مکہ کے وقت وہ بھی دوسرے لڑکوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ نے سب کے سر پر ہاتھ پھیر اس واسطے ان کے اس ستان کے سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی اور آپ نے سب کے لئے دعائیں کیں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۲ طبع اول)

اب دیکھنا چاہئے کہ جو شخص فتح مکہ کے وقت لڑکا ہو کیا وہ کسی مہم پر بھیجا جاتا؟

راویوں کی حیثیت ہم نے تقریب التہذیب سے دی ہے۔
ایک بات اور دیکھنے کی ہے کہ اگر یہ روایتیں جن کا ابن عبد البر نے سہارا لیا ہے، بالفرض صحیح مان لی جائیں اور ہم باور کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ولیدؓ کو فاسق کہا ہے تو کیا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ انہیں اہم ترین خدمات پر مامور کرتے؟
مودودی صاحب نے یہ وضعی روایت تو لکھ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیدؓ بن عقبہ کو بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے اور مدینہ واپس آ کر یہ رپورٹ دیدی کہ قبیلے کے لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے مار ڈالنے پر تل گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر غضبناک ہوتے اور قبیلے کے خلاف ایک مہم روانہ کر دی، قبیلے کے سردار نے مدینہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں، اس پر سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوتی کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آ کر کوئی خبر دے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ" اب دیکھئے اگر واقعی ایسا واقعہ ہوا ہوتا تو حضرت ولیدؓ یقیناً سردار قبیلہ کے آنحضورؐ کی خدمت میں آنے اور اپنی کذب بیانی کا راز فاش ہو جانے کے بعد یا تو مدینہ سے کہیں بھاگ جاتے کہ پھر کسی کو بھی مدینہ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے، خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھر کس طرح آتے اور دوسرا اگر جھوٹ نہیں کہا تھا غلط فہمی ہو گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بلا کر ضرور ڈانٹتے اور ایسی غلط بات بیان کرنے کی وجہ پوچھتے اور اس کی روایت بھی ضرور ہوتی۔
کیا یہ ممکن ہے کہ اتنا بڑا سنگین واقعہ ہو جس پر آیت کا نزول ہو نہ ولید کو آں حضرتؐ بلا کر کچھ کہیں نہ وہ خود حاضر ہو کر معافی مانگیں بلکہ اطمینان کے ساتھ مدینہ

جس طرح رہتے تھے اس طرح رہیں، نہ کوئی ان سے کچھ کہے نہ خود ان کو ندامت ہو
کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ اس کے چند سال بعد حضرت صدیق اکبرؓ انہیں قبیلہ
قضاعہ کے صدقات وصول کرنے پر مامور کریں اور حضرت عمرؓ بھی اہم خدمات پر
مقرر فرمائیں، حضرت ولیدؓ جیسا تفصیلاً بیان ہوا فتح مکہ کے دن کمسن تھے اور بقول
ابن عبدالبر ۸ھ میں بھائیوں کے ساتھ اسلام لائے تھے تو اگر ۶ھ یا ۷ھ میں کہ اس
وقت کافر تھے اور مکہ میں رہتے تھے کمسن تھے تو بنی المصطلق کے صدقات وصول
کرنے کے لئے کیسے بھیجے جاسکتے تھے، یہ سب وضعی باتیں غلط اور منافقین کی اختراع ہیں

حضرت عبداللہ بن عامر اموی رضؓ

یہ صحابی بن صحابی ہیں، جب پیدا ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں لائے گئے، آپ نے گود میں لیا برکت کی دعائیں کیں، لعاب دہن مبارک ان
کے منہ کو لگایا جسے انہوں نے چوسنا شروع کردیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
بنو عبدالشمس! یہ بچہ تم سے زیادہ ہم پر پڑا ہے اب مجھے امید ہے کہ یہ لوگوں کی پیاس
بجھانے والا ہوگا " (کتاب نسب قریش)، یہ اس لئے فرمایا کہ ان کی دادی یعنی ان کے
والد حضرت عامر کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی سیدہ بیضاء
ام حکیم بنت عبدالمطلب تھیں جو بروایت کتاب نسب قریش آپ کے والد
جناب عبداللہ کے توام پیدا ہوئی تھیں (ص ۱۷) آپ کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت
عبداللہ جہاں کہیں پانی کے لئے زمین کھودتے پانی یقیناً نکلتا، آپ پہلے شخص ہیں
جنہوں نے عرفات کے میدان میں حاجیوں کے لئے حوض بنوائے اور ان میں چشموں
کا پانی بھرا اور اہل مدینہ کو اموال کثیرہ جزیلہ تقسیم کئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "ان لہ من الحسنات والمحبۃ
فی قلوب الناس ما لا ینکر (ان کی نیکیاں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی
محبت کی جو کیفیت تھی اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۹
۱۹۰) ان کی فتوحات کا عالم یہ تھا کہ تمام خراسان، فارس کے علاقے، سجستان،

کرمان وغیرہ سب فتح کئے اور غزنہ تک پہنچ گئے، ان ہی کے عہد حکومت میں ایرانیوں کا آخری بادشاہ مارا گیا تھا۔ وقتل یزدجرد فی ولایته واحرم من نیسابور شکراللہ (اور ان ہی کے ہاتھوں یزدجرد بادشاہ ایران مارا گیا اس دشمن اسلام ورسول کے مارے جانے پہ تشکر باری تعالیٰ کے غرض سے نیشاپور سے حج کا احرام باندھا تھا)

کفار سے جہاد اور عظیم الشان فتوحات کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا ایک اور بھی بہت بڑا تعمیری کارنامہ ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مابین صلح کے شرائط آپ ہی نے طے کرا کے امت کو ایک جھنڈے کے نیچے لانے میں مدد دی تھی۔

مودودی صاحب کے نزدیک یہ حضرات محض فاتح اور منتظم تھے لیکن تعلیم دین اور تربیت امت کے اعتبار سے یہ اگلی صفوں کے نہیں بلکہ پچھلی صفوں کے لائق تھے اور تابعین سے بھی ان کا درجہ گرا ہوا تھا - - - - - - مگر ہم دیکھتے یہ ہیں کہ ہم عصر امت نے انہیں اگلی صفوں میں ہی رکھا اور ان کی قیادت میں دین اسلام کی جڑیں تمام بلاد عجم میں مضبوط کر دیں، مودودی صاحب کیا اس کی کوئی توجیہہ کر سکتے ہیں کہ بلاد عجم میں ہزاروں علماء وفقہاء و عباد و زہاد اور محدث جو پیدا ہوتے وہ خود بخود وجود میں آ گئے، کیا ان کے لئے اسلام کے ان عظیم المرتبت قائدوں نے کوئی ماحول پیدا نہیں کیا تھا۔

اگر صحابہ اور ان کی صحبت یافتہ صحابی اولاد بھی اگلی صفوں کی بجائے پچھلی صفوں کے لائق ہوتی تو کیا تین چوتھائی متمدن دنیا کو اسلام کے زیر نگین کر کے اسے نور محمدی سے اس طرح بھر سکتی تھی جس طرح بھر دیا۔ العواصم من القواصم میں حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں علامہ محب الدین خطیب نے حاشیہ پر سچ لکھا ہے کہ

ومثل هولاء الرجال لو كانوا من سلف الانكليز والفرنسين لملئوا عظمتهم في كتب	اگر ان حضرات (ابن عامر وغیرہ) کی طرح کے لوگ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے اسلاف میں ہوتے وہ ان کی عظمت کے احوال اپنی درسی کتب

الدراسة والثقافة والتہذیب | اور ثقافت وتہذیب کی کتابوں میں ہمیشہ
حاشیہ ص ۸۵ | کے لئے محفوظ کرالیتے۔

سبائی راویوں کو حضرت عبداللہ بن عامرؓ کا قصاص عثمانؓ کی طلب میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے ساتھ ہونا کیسے برداشت ہو سکتا تھا اس پر مستزادیہ کہ مجوسی شہنشاہیت کا جنازہ آپ ہی نے نکالا تھا وہ ان کے ہدف ملامت تو ہوتے مگر افسوس اموی دشمنی میں سبائیوں کے اکاذیب کو لوگوں نے باور کرلیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بقول علامہ محب الدین خطیب عظمت اسلاف کے سلسلہ میں ہماری قوم کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ:۔

فقد سلط الشیطان علیہا قلوبًا فاسدۃً تقیض بالسوء وصدق الاکاذیبہا الاکثرون منا فاصبحنا کالامۃ التی لامجد لہا وبنیاھی نائمۃ علی تراث من المجد لا تحلم الانسانیت بمثلہ

العواصم من القواصم حاشیہ ص ۸۵

شیطان نے اس پر قلوب فاسدہ کو مسلط کر دیا ہے جو ہر وقت برائی کی اشاعت کرتی رہتی ہیں اور ہم میں سے اکثروں نے اس کے جھوٹ فریب کو سچ سمجھ رکھا ہے، پس گویا ہم ایسی امت ہیں جو بزرگی سے محروم ہو جب بزرگی کی تقسیم ہو رہی تھی تو یہ امت محو خواب تھی اور ایسی نیند سو رہی تھی کہ انسانیت اس قسم کی نیند کبھی نہ سوئی۔

حضرت عبداللہ بن سعدؓ

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامریؓ بھی منجملہ ان بزرگواروں کے ہیں جن کے متعلق قصے مشہور کر دئے گئے ہیں، حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جس طرح بعض پرجوش قریشی جوان اسلام کے مخالف تھے ایسے ہی احوال ان کے بھی ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث ہاشمی عہد جاہلیت میں اسلام کے سخت مخالف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طنزیہ اشعار کہا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے یہی کیفیت حضرت عبداللہ کی بھی تھی، قریش کے لوگ بعد

میں اسلام کے جس طرح فدائی بنے ایسے ہی انہوں نے بھی دین کی وہ خدمات انجام دی ہیں کہ بشارت نبویہ کے مورد بنے اوران کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

پہلے بحری جہاد کا جو منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا وہ آپ نے اس پر فخر وانبساط کا اظہار کرکے ان سب حضرات کے مقبول بارگاہ خداوندی اور قطعی جنتی ہونے کی بشارت دی تھی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵ طبع مصر) وہ جہاد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر اہتمام کیا گیا تھا، امیر مصر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد نے اس مہم میں پوری امداد دی اور خود ایک فوجی دستے کے ساتھ اس میں شریک ہوئے۔

مودودی صاحب نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی برطرفی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کا ان کی جگہ تقرر اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے یہ بے وجہ ہوگیا تھا اور ایک بے حیثیت شخص اس منصب پر فائز کردیا گیا ہو، مقصد تحقیق ہوتا تو اصل صحیح صورت حال سمجھنے کی کوشش کرکے بات کرتے۔

ہوا یہ کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے جب مصر فتح کرلیا تو آپ ہی وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہا بن سعد ان کے تحت ایک افسر تھے، پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ کو بالائی مصر کا سالار اعلیٰ مقرر کردیا، انہوں نے موجودہ سوڈان کا پورا علاقہ فتح کرکے دارالاسلام میں شامل کردیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مابین اسی زمانہ میں کچھ اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اور ایسا اختلاف انتظامی اور عسکری امراء میں اکثر ہوجایا کرتا ہے، ترقی یافتہ ممالک کی تاریخوں میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

جب امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مصر کے بیت المال کا افسر اعلیٰ بنادیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس تقرر سے ناراض ہوئے اور بارگاہ خلافت میں شکایت کرنے پہنچ گئے، یہ خلاف قاعدہ بات امیر المومنین کو ناپسند ہوئی کہ بغیر اجازت مصر چھوڑ دیا، اس بناء پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ معزول

کرد تے گئے اور مصر کی ولایت حضرت عبداللہؓ کے سپرد کر دی گئی جن کے انتظامی عسکری
اور اقتصادی کمالات کا سکہ بیٹھ چکا تھا اور جو اپنی اہلیت وصلاحیت پوری طرح
ثابت کر چکے تھے۔

حضرت عبداللہؓ کو اچانک اس منصب جلیل پر فائز نہیں کیا گیا بلکہ وہ عہد
فاروقی ہی سے خلافت اسلامیہ کے معتمد ترین کارکنوں میں تھے، انہوں نے والی
مصر ہونے کے بعد وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ بایں شاید بازنطینی حکومت کو
خشکی اور تری میں پے بہ پے شکستیں دیں اور بڑے وسیع علاقے فتح کئے پھر ان کے
زمانہ میں مصر کا مالیہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔

لیکن انہی کے زمانہ میں سبائیوں نے اپنا ایک مرکز فسطاط میں قائم کر لیا تھا،
یہ لوگ خلافت اسلامیہ کو درہم برہم کرنے پہ تلے ہوئے تھے، حضرت عبداللہ نے ان
پر اپنی نگرانی سخت کر دی تھی اور ان کی گوشمالی کرتے رہتے تھے اس لئے ان لوگوں
کو ان سے بھی ایسی ہی عداوت ہے جیسے کوفہ و بصرہ کے والیوں سے تھی ان
کے خلاف بھی برابر پروپگنڈا ہوتا چلا آ رہا ہے۔

اس پروپگنڈے کی ایک بڑی دلچسپ مثال ہے، سیرۃ ابن ہشام میں فتح مکہ
کے احوال کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کے متعلق
حکم دیدیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دئے جائیں۔

کہا گیا ہے کہ ان ہی میں ایک شخص عبداللہؓ بن سعد عامری تھا، اس کے قتل
کرنے کا حکم حضور نے اس سبب سے دیا تھا کہ یہ پہلے مسلمان ہوا تھا اور وحی کو حضور
کے پاس لکھا کرتا تھا پھر یہ مرتد ہو کر قریش سے آملا اور اب اس جنگ میں حضرت عثمانؓ
کے پاس جا چھپا کیونکہ ان کا وہ شریک بھائی تھا، یہاں تک کہ جب مکہ میں اطمینان
ہو گیا تو حضرت عثمانؓ اس کو لے کر حضور کی خدمت میں امن دلوانے کے واسطے آئے
حضور بہت دیر تک خاموش رہے، جب عثمانؓ نے اصرار کیا تو حضور نے فرمایا
"ہاں" اور جب عثمانؓ اس کو لے کر چلے گئے تو حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میں

اتنی دیر تک خاموش رہا تم میں سے کسی نے کھڑے ہو کر اسے قتل نہ کر دیا، انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور آنکھ سے مجھ کو اشارہ فرما دیتے فرمایا "نبی ایسی رکیک حرکت نہیں کیا کرتے" بعد میں عبد اللہ بن سعد دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اس کو کسی جگہ کا حاکم بنا دیا تھا، حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی اس کو حاکم بنایا تھا۔

یہ بیان ہم نے سیرۃ ابن ہشام کے اس ترجمے سے دیا ہے جو شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے کیا ہے (ص، ۴۹۴-۴۹۸) اس میں قابل غور یہ ہے کہ سوائے حضرت عبد اللہؓ کے اور کسی کا نام نہیں دیا گیا، یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سیرۃ دراصل ایرانی فرزند محمد بن اسحٰق کی ہے، اسی کی تلخیص ابن ہشام نے کی لیکن افسوس کہ پھر بھی بعض فضول روایتیں باقی رہ گئیں منجملہ ان کے یہ روایت بھی ہے۔

سنن نسائی میں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے (کتاب المحاربہ ج ۲ ص۱۶۹ طبع مجتبائی دہلی)

اخبرنا القاسم بن زکریا بن دینار قال حدثنی احمد بن مفضل قال حدثنا اسباط قال زعم السدی عن مصعب بن سعد عن ابیہ قال لما کان یوم فتح مکۃ آمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس الا اربعۃ نفر وامراتین وقال اقتلوھم وان وجدتموھم متعلقین باستار الکعبۃ عکرمۃ بن ابی جہل وعبد اللہ ابن خطل ومقیس بن صبابہ وعبد اللہ

ہمیں قاسم بن زکریا بن دینار نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھ سے احمد بن مفضل نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے اسباط نے کہا وہ کہتے ہیں سدی کو مصعب بن سعد کے حوالے سے بیان کرنے کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا (یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص سے) کہ فتح مکہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو امن دیدیا سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے اور فرمایا یہ جہاں ملیں انہیں قتل کر دو اگرچہ کعبہ کے پردوں کی پناہ میں ملیں عکرمہ بن ابوجہل عبد اللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن ابی سرح عبد اللہ بن خطل تو کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے پایا گیا اسے قتل کرنے کے لئے سعیدؓ

بن سعد بن ابی السرح فاما
عبد اللہ بن خطل فادرک و
هو متعلق باستار الکعبة فاستبق
الیه سعید بن حریث وعمار
بن یاسر فسبق سعید عمارا
وکان اشب الرجلین فقتله واما
مقیس بن صبابة فادرکه الناس
فی السوق فقتلوه واما عکرمة
فرکب البحر فاصابتهم فقال اصحاب
السفینة اخلصوا فان الهتکم
لا تغنی عنکم شیئا ههنا فقال
عکرمة والله لئن لم ینجنی من البحر
الا الاخلاص لا ینجینی فی البر
غیره اللهم ان لک علی عهدا
ان انت عافیتنی مما انا فیه ان آتی
محمدا صلی اللہ علیه وسلم حتی
اضع یدی فی یده فلاجدنه
عفوا کریما فجاء فاسلم واما
عبد اللہ بن ابی سرح فانه اختبی
عند عثمان بن عفان فلما دعا
رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم
الناس الی البیعة جاء به حتی
اوقفه علی النبی صلی اللہ علیه وسلم

حریث اور عمارؓ بن یاسر دوڑے اور سعید عمار پر بازی لے
گئے کیونکہ دونوں میں وہی زیادہ جوان تھا اور اسے قتل کر دیا
مقیس بن صبابہ کا یہ ہوا کہ لوگوں نے اسے بازار میں دیکھا اور
قتل کر دیا ہے عکرمہ تو وہ سمندر کی راہ بھاگ گئے سو وہاں طوفان آیا
تو کشتی والوں نے کہا: خالص اللہ سے لو لگاؤ کیونکہ
تمہارے دوسرے معبود آج کچھ کام نہ آئیں گے عکرمہ
نے اس پر کہا اگر سمندر میں اخلاص کے بغیر نجات نہیں
مل سکتی تو خشکی پر بھی اس کے علاوہ اور کوئی چیز
نجات دینے والی نہیں خدایا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں
کہ اگر موجودہ مصیبت سے تو مجھے نجات دیدے تو محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں اپنا
ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً انہیں معاف
کرنے والا اور احسان کرنے والا پاؤں گا چنانچہ آئے اور مسلمان
ہو گئے رہے عبداللہ بن ابی سرح تو وہ حضرت عثمانؓ کے
پاس چھپ گئے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
لوگوں کو بیعت کے لئے بلوایا تو حضرت عثمان نے انہیں
لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا اور
عرض کیا یا رسول اللہ عبداللہ کی بیعت قبول کیجئے
آپ نے اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف تین دفعہ دیکھا گویا
انکار کرتے رہے اور تیسری دفعہ کے بعد ان سے بیعت
لی پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں سے
کوئی بھلا آدمی ایسا نہ تھا کہ جب مجھے اس کی بیعت
لینے سے ہاتھ روکتے ہوئے دیکھا تھا تو اٹھ کر اسے

قال یا رسول اللہ بایع عبد اللہ
قال فرفع رأسہ فنظر الیہ
ثلاثاً کل ذلک یأبی فبایعہ بعد
ثلاث ثم اقبل علی اصحابہ فقال
اما کان فیکم رجل رشید یقوم
الی ھذا حیث رآنی کففت یدی
عن بیعتہ فیقتلہ فقالوا وما
یدرینا یا رسول اللہ ما فی نفسک
ھلا أومأت الینا بعینک قال
انہ لا ینبغی لنبی ان یکون لہ
خائنۃ اعین۔

قتل کر دیتا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں
کیا خبر تھی کہ آپ کے جی میں کیا ہے، آپ نے آنکھ
سے اشارہ کیوں نہ کر دیا تو آپ نے فرمایا نبی کے
لئے جائز نہیں کہ اس کی آنکھ خیانت کرنے
والی ہو۔

یہ ہے وہ شہرت یافتہ عام روایت جس پر تکیہ کر کے ایرانی نژاد محمد ابن اسحٰق
نے چاروں آدمیوں سے صرف حضرت عبداللہ کا نام لینا ضروری سمجھا اور اپنی طرف سے
یہ اضافہ کر دیا کہ وہ اول اسلام لائے اور کتابت وحی پر فائز ہوتے پھر مرتد ہو کر قریش
سے آملے اور لوگوں نے پھر اس بات کی خوب شہرت دی۔

یہ عبداللہ بن سعد نسباً اموی نہ تھے، قریش کے قبیلہ بنو عامر بن لوی سے تھے
سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بن الحارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک
بن حسل بن عامر بن لوی، حضرت عثمان ذی النورینؓ کے دودھ شریک بھائی البتہ تھے
مصعب زبیری مؤلف نسب قریش متوفی سنہ ۲۳۶ھ حضرت عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح
کے بارے میں لکھتے ہیں:-

کان اخا عثمان بن عفان من الرضاعۃ
واستامن لہ عثمان یوم فتح مکۃ من
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامنہ (ص ۴۳۰)

وہ عثمانؓ بن عفان کے دودھ شریک بھائی تھے فتح مکہ
کے دن حضرت عثمانؓ نے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے امان کی درخواست کی آپ نے انکو امان دیدی

ان حضرت عبداللہ بن سعد کے بھائی ادریس الاکبر کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن ادریس الاکبر تھے جو دمشق سے امیر المومنین معاویہؓ کے انتقال کی خبر امیر مدینہ ولید بن عتبہ کے پاس لائے تھے اور انھوں نے ہی ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ سے نئے خلیفہ کی بیعت لینے کے لئے امیر مدینہ کو کہا تھا۔ (ایضاً)

رہی خود یہ روایت تو نہ اس کی اندرونی شہادت اسے قابل قبول ثابت کرتی ہے اور نہ بیرونی۔

اندرونی نقص

(۱) مجرم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو تو حسب فرمان خداوندی اور شعار صحابہ اس کا امکان نہ تھا کہ صریح اجازت لئے بغیر کوئی شخص کھڑے ہو کر کسی کو قتل کر سکتا لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کبھی نہیں فرما سکتے تھے کہ بیعت لینے سے مجھے ہاتھ روکتے دیکھا تو اٹھ کر قتل کیوں نہ کر دیا صریح حکم ہے لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ (اللہ اور اس کے رسول کے ہوتے ہوتے پیش قدمی مت کرو)

۲۔ عبداللہ بن خطل کے قتل کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے (کتاب المغازی ج ۳ ص ۲۲ طبع مصر)

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ یوم الفتح وعلی راسہ المغفر فلما نزعہ جاء رجل فقال ابن خطل متعلق باستار الکعبۃ فقال اقتلہ۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں جب داخل ہوئے تو سر پہ خود پہنے ہوئے تھے اسے جب اتارا تو ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو (بخاری کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب حضرت سعید بن حریث ہی تھے۔

گویا جن لوگوں کے قتل کا حکم آپ دے چکے تھے انہیں بھی صحابہ نے یونہی قتل نہیں کر دیا بلکہ دوبارہ حکم لیا پھر قتل کیا، اس صورت میں حضرت عبداللہ کا معاملہ خود

قابل غور ہوجاتا ہے، علاوہ ازیں آدمی نے کیا ہی گناہ کیا ہو جب وہ تائب ہوکر پیش ہو تو اس کی توبہ بہر حال قبول ہوگی، اگرچہ وہ مرتد ہو چکا ہو اور اگرچہ وہ اسلام کا سخت ترین دشمن ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تائب کی توبہ قبول کی ہے اور کبھی بیعت سے ہاتھ نہیں روکا، دوسرے یہ کہ اگر آپ کے نزدیک ان کا قتل ضروری تھا صاف کہہ دینے میں کیا چیز مانع تھی؛ صحابہ تو اپنے باپ بیٹے کو بھی قتل کر دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے، ایسے بیسیوں واقعات صحاح میں ہیں، لہٰذا اس حدیث کا یہ ٹکڑا جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کسی طرح قابل قبول نہیں، یہ اضافہ راوی کا معلوم ہوتا ہے یہی حال حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ خود چلے گئے ہوں گے جیسا کہ ایک تحریک کا سخت مخالف ڈر کر بھاگ جایا کرتا ہے، یہ روایت خود بتا رہی ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی پر کیسا اعتماد تھا، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل بھی کعبہ میں پناہ لینے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیتا تو اسے امان مل جاتی

بیرونی شہادت

ان داخلی اسقام کے علاوہ بیرونی حیثیت سے بھی اس حدیث کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ اس حدیث کی سند میں تین کوفی ہیں۔ قاسم بن زکریا، احمد بن مفضل اور سدی، ان میں قاسم تو ثقہ ہیں، لیکن احمد بن مفضل شیعی ہیں اور سدی بھی (تقریب التہذیب) علاوہ ازیں احمد بن مفضل نے سدی کا سماع صحیح ظاہر نہیں کیا بلکہ مشتبہ بتایا پھر سدی کی یہ تعریف بھی ہے کہ "یہم" انہیں وہم زور جاتا ہے، اس طرح یہ حدیث روایتاً بھی قابل اعتماد نہیں، کیونکہ ان میں ایسے آدمی ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے متعلق طعن آمیز بات کہنے میں اپنے عقائد کی رو سے ثواب کی امید تھی۔

صحیح بخاری میں فتح مکہ کی تفصیلات میں حضرت عبداللہ کے متعلق کوئی روایت نہیں، نیز یہ کہ کتابت ہی پر فائز ہو کر مرتد ہو جانے کا صرف ایک واقعہ تاریخ میں گزرا ہے ملاحظہ ہو یہ ایک نصرانی شخص تھا جن میں سے بعض لوگ جب بیان قرآنی مسلمان ہو گئے ہیں اس غرض سے تھے کہ پھر مرتد ہو کر لوگوں کو بتا دیں کہ دین حق ہوتا تو ہم اس

پتا قائم رہتے (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۸۲-۲۸۳، الباب علامۃ النبوۃ)
"یہ ایک نصرانی شخص تھا، جو اسلام لایا سورۂ بقرہ اور آل عمران بھی پڑھ
لیں پھر نصرانی ہو گیا اور کہا کرتا تھا کہ محمد بس اتنا ہی جانتے ہیں اجو
میں لکھ دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو مار دیا جب دفن کیا گیا تو زمین
نے باہر پھینک دیا، لوگوں نے کہا کہ یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کی
حرکت ہے کہ لوگوں کے جانے کے بعد انہوں نے قبر کھود کر ہمارے
آدمیوں کو باہر ڈال دیا، دوبارہ اور گہری قبر کھود کر دفن کیا، زمین نے
اسے پھر باہر پھینک دیا، تب لوگوں نے جانا کہ یہ آدمی کا کام نہیں اور
پھر اسے یونہی ڈال دیا۔"

اب شیعی راویوں کو یہ دو واقعے نظر آئے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا بعض لوگوں کو فتح مکہ کے دن قتل کرنا اور ایک کاتب وحی کا مرتد ہو جانا، لہٰذا یہ
دونوں باتیں حضرت عبداللہؓ بن سعد کے متعلق مشہور کر دیں جو مصر کے والی تھے
اور سبائیوں پر سخت، چونکہ وہ قتل نہیں کئے گئے اس لئے وہ روایت وضع کر لی جو
نسائی کی روایت کا آخری ٹکڑا ہے، لیکن یہ بھول گئے کہ جس شخص کی توبہ قبول کر لی
جاتی ہے اس کے پچھلے گناہ سب دھل جاتے ہیں اور یہ بھی بھول گئے کہ حضرت
فاروق اعظمؓ ان کی پچھلی زندگی کو موجب عیب سمجھتے تو انہیں کبھی ایسی ذمہ داری کا
کام سپرد نہ کرتے جس کا ذکر اوپر گزرا۔

حضرت سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ | حضرت ولیدؓ کی معزولی کے بعد کوفہ
کی گورنری حضرت سعید بن العاص
اموی کے سپرد کی گئی، امیر المومنین چاہتے تھے کہ جو طرز عمل حضرت ولیدؓ کا تھا وہی
بعد میں جاری رہے۔

حضرت سعید بن العاص اموی بھی صغار صحابہ میں ہیں، وفات نبوی کے وقت
ان کی عمر نو برس کی تھی، انہی کا لطیفہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا تھا

کہ بدر کے دن میں نے تمہارے والد عاص کو نہیں قتل کیا تھا، تو آپ نے عرض کیا کہ امیرالمومنین اگر آپ ہی میرے باپ عاص کو قتل کرتے تب کیا بات تھی وہ باطل پر تھا اور آپ حق پر تھے، (الاصابہ بذیل ذکر سعید)

حضرت سعیدؓ اس شان کے مومن تھے، آپ کی تربیت اکابر صحابہ نے کی تھی قرآن مجید کے بڑے عالم تھے اور عربی پر عبور تھا اور زبان کی صحت کے بارے میں حجت سمجھے جاتے تھے، چنانچہ جب امیرالمومنین عثمانؓ نے قرآن مجید کو ایک حرف پر مجتمع کیا اور باقی متداول قرأتوں کی ممانعت کردی تو جن بزرگوں کے سپرد قرآن پاک کے دوسرے نسخے کی کتابت تھی ان میں حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے ساتھ حضرت سعیدؓ کو بھی مصحف شریف کی نقل پر مامور کیا تھا، اور ان بزرگوں نے صحف صدیقی کی نقلیں کرکے مختلف علاقوں کو روانہ کی تھیں، جن میں کا ایک نسخہ تاشقند میں اب بھی موجود ہے۔

اس بہترین علمی اور دینی خدمت کے علاوہ آپ جہادوں میں بڑا نام پیدا کر چکے تھے چنانچہ طبرستان کے جہاد میں کمان آپ ہی کے سپرد تھی اور چونکہ اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کو جنت کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اس لئے اس اموی بطل عظیم کی قیادت میں اجلّہ صحابہ نے اس میں شرکت کی اور ہاشمی حضرات میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ وغیرہم سب ساتھ گئے تھے اور یہ معرکہ حضرت سعیدؓ نے سر کیا تھا (طبری ج ۵ ص ۵۷)

ان علمی اور سیاسی خدمات کے سبب انہیں کوفہ کی ولایت سپرد کردی گئی اور انہوں نے وہاں حضرت ولیدؓ کی پوری پوری جانشینی کی لیکن سبائی تحریک یہاں جڑ پکڑ چکی تھی اس لئے بعض حوادث رونما ہوئے، مودودی صاحب نے نہایت غلط طریقہ سے اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ کیا ہے (ص ۱۱۶)

"ایک مرتبہ بصرہ میں ان کے گورنر سعید بن العاص کے طرز عمل سے ناراض ہوکر کچھ لوگوں نے بغاوت برپا کرنے کی کوشش کی بھی تو عوام

نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لوگوں کی بیعت کی تجدید کے لئے پکارا تو لوگ بغاوت کے علم برداروں کو چھوڑ کر بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔"

اصل تو یہ واقعہ بصرہ کا نہیں بلکہ کوفہ کا ہے (طبری ۵، ۴۳) بتانا یہ ہے کہ حضرت ولیدؓ کے خلاف جن لوگوں نے محاذ قائم کیا تھا، ان کے سربراہوں میں اشتر نخعی اور اس کے ساتھی بھی تھے اور یہ گروہ جماعت سے وابستہ باوقار شہریوں کا نہ تھا بلکہ سبائیوں کا تھا۔ موصوف صاحب اسے پی گئے، اشتر نے پچھلی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ اس لئے اس کے دل میں ریاست امارت کی خواہش پیدا ہو گئی تھی امزاج میں تبختر تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے اس کے قلبی احوال کے تحت قابل اعتنا نہیں سمجھا اور کوئی عہدہ نہیں دیا، اس کی تلخی اسے بہت تھی، حضرت ولیدؓ کی معزولی میں جب ان لوگوں کو کامیابی ہوئی تو پھر اس نے توقعات قائم کیں کہ اپنے گروہ کی اس کامیابی سے عنان پیاپی اہمیت جتا کر ان کا لیڈر بن جائے، لیکن حضرت سعیدؓ کے تشریف لانے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا، مگر رہا موقع کی تاک میں۔

اتفاق سے ایک دن حضرت طلحہؓ کی سخاوت کا کچھ ذکر چل پڑا، حضرت سعیدؓ نے فرمایا اگر نشاستج جیسی جاگیر میرے پاس ہوتی تو میں بھی تم لوگوں کی خدمت کرتا، اس پر عبدالرحمٰن بن خنیس اسدی نے کہا "کاش آپ ملطاط کی زمین حاصل کریں" اشتر اور اس کے ساتھی اس پر برافروختہ ہو گئے اور عبدالرحمٰن سے کہا "تم ہماری زمینوں کی آس لگاتے ہو" عبدالرحمٰن کے والد نے کہا "تمہا ایسے ہی لئے تو کر تم فائدہ اٹھاؤ گے" یہ سنتے ہی اشتر وغیرہ لوگوں نے ان دونوں باپ بیٹے کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

حضرت سعیدؓ کی موجودگی میں ان لوگوں کی گستاخی ناقابل برداشت تھی مگر آپ نے چشم پوشی کی اور بنی اسد کو جو یہ حادثات سن کر قصر امارت کے دروازے پر جمع ہو گئے تھے بطائف وہاں سے ہٹایا ورنہ بڑا خون خرابہ ہوتا، اشراف کوفہ نے اشتر وغیرہ کی یہ ناشائستہ اور متمردانہ حرکت دیکھ کر امیر المومنین عثمانؓ کی خدمت میں درخواست بھیجی

کہ ان مفسد لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے، چنانچہ ان لوگوں کو شام بھیج دیا گیا، وہاں حضرت معاویہؓ نے ان کی مدارات کی اور رفق و نرمی سے انہیں سمجھایا، طبری نے (۵:۸۶) حضرت معاویہؓ کی تقریر نقل کی ہے مجملاً اس طرح ہے۔

"آپ لوگ عرب میں پختہ عمر اور فصیح البیان ہیں اور اسلام کے سبب آپ کی حیثیت بن گئی ہے، دنیا کی قوموں پر آپ کو غلبہ ملا ہے اور ان کی شان و املاک پر آپ قابض ہو گئے ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ قریش سے برافروختہ ہیں حالانکہ اگر قریش نہ ہوتے تو آپ پہلے ہی کی طرح ذلیل رہتے، آپ لوگوں کے ائمہ آج آپ کی ڈھال ہیں لہٰذا اپنی ڈھال کی آڑ میں حائل مت ہو جیئے، آج آپ کے ائمہ آپ کی بے راہ روی پر صبر کرتے ہیں، آپ کی بھاری غلطیاں بھی برداشت کر لیتے ہیں، لہٰذا آپ کو ان حرکتوں سے رکنا پڑے گا ورنہ پھر اللہ آپ کو ایسے لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالے گا جو آپ کو سزائیں دیں گے اور پھر ان پر صبر کرنے کی آپ کو کچھ داد نہیں دیں گے اس طرح رعیت پر وبال لانے کے سبب آپ بھی اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد ان کے شریک سمجھے جائیں گے۔"

اس پر صعصعہ بن صوحان نے کہا: "آپ کب تک حکومت اور قریش کی باتیں ہم سے کرتے رہیں گے، عرب نے ہمیشہ اپنی تلوار کے زور پر روزی کمائی ہے اور قریش محض تاجر تھے۔" حضرت معاویہؓ نے فرمایا "تیری ماں تجھے روئے میں اسلام کی بات کرتا ہوں اور تو جاہلیت کی باتیں سناتا ہے۔" صعصعہ نے یہ بھی کہا تھا "یہ جو آپ ڈھال کی بات کرتے ہیں تو ہم جب اس ڈھال کو پھاڑ ڈالیں گے اس وقت ڈھال ہماری ہو گی۔" (یعنی جب ہم اپنے والیوں کو قتل کر دیں گے خود حکومت سنبھال لیں گے۔)

یہ تھے عزائم ان عراقی سبائیوں کے، حضرت معاویہؓ نے ان لوگوں کو پھر حمص بھیج دیا، جہاں کے والی حضرت عبدالرحمٰن بن خالد سیف اللہ تھے، انہوں نے ان لوگوں کی خوب گوشمالی کی اور انہیں شیطان کا آلہ کار بتایا، پھر طریقہ یہ رکھا کہ جب وہ نکلتے انہیں اپنے

ساتھ پیدل چلنے پر مجبور کرتے اور انہیں ڈانٹتے رہتے پھر صعصعہ سے پوچھتے "اب مجھ سے اس طرح کی بات کیوں نہیں کرتا جو مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو سعید اور معاویہ سے کرتا رہا ہے" تو وہ اور اس کے سب ساتھی کہتے "ہم توبہ کرتے ہیں آپ ہمیں معاف کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے" (طبری ۵: ۸۸۰۸۷)

غرض کہ سال بھر میں آپ نے انہیں تکلے کی طرح سیدھا کر دیا، پھر فرمایا کہ جاؤ امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے معافی مانگو، چنانچہ ان سب کی طرف سے اشتر نخعی مدینہ حاضر ہوا اور سب کی طرف سے معافی چاہی اور امیر المومنین کے سامنے عاجزانہ توبہ کا اظہار کیا، آپ نے اسے اور سب کو معاف دے کر اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اشتر جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو وہاں کوفہ سے آیا ہوا ایک خط رکھا تھا کہ جلدی پہنچو ہم نے سب انتظام کر لیا ہے، دوسرے لوگ تو اپنی توبہ پر قائم رہے اور کوفہ جانے سے انکار کر دیا مگر اشتر توبہ توڑ کر وہاں جا پہنچا اور اس مفسد گروہ میں مل گیا جو خفیہ خفیہ حکومت کے خلاف اپنا جتھہ بنا رہا تھا۔

امیر سعیدؓ اس وقت مدینہ گئے ہوتے تھے، جب واپس آئے اشتر اور اس کے ساتھیوں نے راستہ روک دیا اور اشتر نے آپ کے ایک غلام کو قتل بھی کر دیا، امیر سعیدؓ نے اس وقت خونریزی پسند نہ کی اور واپس ہو گئے۔ حضرت امیر المومنین نے پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیج دیا اور تمام اہل کوفہ نے تجدید بیعت کی۔ اشتر وغیرہ کا گروہ اتنا قوی نہ تھا کہ حضرت سعیدؓ کو قوت سے واپس کر سکتا، کیونکہ اہل کوفہ ان سے خوش تھے، یہ امیر سعیدؓ کا صبر و ضبط تھا جو آپ واپس ہو گئے ورنہ اہل شہر آپ کا ساتھ دیتے، یہ بیان سب طبری کا ہے اور طبری ہی کے بیان سے ثابت ہے کہ اپنی علمی صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امیر سعیدؓ موسی نے عہد فاروقی ہی میں اہم حیثیت اختیار کر لی تھی وہ لکھتے ہیں :-

فلم یمت عمر حتی کان سعید من رجال الناس (ج ۳ ص ۱۳۳)	حضرت عمرؓ کے وفات پانے سے پہلے ہی حضرت سعیدؓ اکابر امت میں شمار ہونے لگے تھے۔

جرجان و خراسان و طبرستان کے وسیع ممالک کے فاتح جنہوں نے مشرق بعید

میں مملکت اسلام کی بنیادیں استوار کیں، اشاعت دین کی راہیں کھولیں، مودودی صاحب نے ان کو ہدف اعتراض بناتے اور واقعات کو مسخ کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے کہ جیسے لوگ واقعی حضرت سعیدؓ سے ناراض تھے اور اسی سبب انہیں معزول کیا گیا یہ سراسر باطل ہے اور واقعات کے خلاف ہے۔

حضرت مروان رضؓ

حضرت مروان بن الحکمؓ صغار صحابہ میں ہیں، فتح مکہ کے وقت نو دس برس کے اور بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ عمر کے تھے، کچھ لوگوں نے ان کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے، مثلاً تقریب التہذیب میں ہے ــــ لا یثبت لہ صحبۃ (ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں) لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے کہ فتح مکہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سب قریش حاضر ہوئے اور بچے بھی حضور میں پیش کئے گئے، جن کے سروں پر آپ نے ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعائیں کیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہی کے خاندان بنو عبد مناف کا ایک اموی نونہال آپ کی زیارت سے محروم رہے حضور صاحب وہ حضرت عثمانؓ کا چچازاد بھائی بھی ہو۔

حافظ ابن حجر ہدی الساری میں ان کے متعلق لکھتے ہیں لہ رؤیۃ یعنی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا، تاریخ خمیس میں ہے وکان مروان قد لحق النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۲، ص ۳۱۰) یعنی (حضرت) مروانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے، پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اہل شام کے نزدیک ان کا صحابی ہونا مسلم تھا، گھر کے لوگ اپنے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں، علاوہ ازیں کسی ہم عصر نے یہ نہیں کہا کہ حضرت مروانؓ کو دیدار نبوی کا شرف حاصل نہیں تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (منہاج السنہ ج ۳: ۱۸۹) واختلف فی صحبتہ (ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے) پھر فرماتے ہیں ومروان من اقران ابن الزبیر (اور مروان تو ابن الزبیر کے ہم عمر ہیں) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں ھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ (البدایہ ج ۸، ص ۲۵۷) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (مروانؓ) صحابی ہیں، ایسی صورت میں تحدی کے ساتھ یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی

کہ وہ صحابی نہیں البتہ روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں، لیکن اس شان کے کہ صحابہ نے ان سے روایت کی ہے امام ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں (العواصم ۸۹-۹۰)

مروان رجل عدل من كبار الامة عند الصحابة والتابعين وفقهاء المسلمين۔ اما الصحابة فان سهل بن سعد الساعدي روى عنه واما التابعون فاصحابه في السن وان جازهم باسم الصحبة في احد القولين واما فقهاء الامصار فكلهم على تعظيمه واعتبار خلافته والتلفت الى فتواه والانقياد الى روايته واما السفهاء من المؤرخين والادباء فيقولون على اقدارهم

صحابہ و تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک مروان اس امت کی عظیم شخصیتوں میں اور نہایت ثقہ صحابہ میں سے (حضرت) سہل بن سعد الساعدی نے ان سے روایت کی ہے اور تابعین میں سے ان کے ہم عمر صحابہ نے اگر ان پر دو قولوں میں سے ایک کے مطابق صحابیت کا اطلاق جائز ہو رہے شہروں کے فقہاء تو وہ سب کے سب ان کی تعظیم پر ان کی خلافت کی حجیت پر ان کے فتاوی کے لائق اعتنا ہونے پر اور ان کی روایات کی پیروی پر متفق ہیں اور جو نا سمجھ مورخ اور ادیب ہیں وہ اپنے ظرف کے مطابق (ان کے خلاف) باتیں بناتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے، تابعین میں سے حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کی روایت بھی حضرت مروانؓ سے صحیح بخاری میں موجود ہے (ج ۱ ص ۲۱۲،۲۱۳ طبع مصر باب التمتع والاقران والافراد بالحج) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان سب بزرگوں کی تفصیل دی ہے، جنہوں نے حضرت مروانؓ سے روایتیں کیں، مثلاً حضرت سعید بن المسیب اور ان کے ہم رتبہ حضرات عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام مخزومی، حضرت عروۃ الزبیر، حضرت عراک بن مالک الغفاری حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد وغیرہم یہ سب کے سب حضرات کبار فقہاء میں ہیں، حتیٰ کہ حضرت عبدالرزاق نے بھی ان سے روایت کی ہے جبکہ اہل یمن ہیں

امان میں شیعیت کی رمق بھی تھی۔

پھر مؤطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی وغیرہ صحاح کی عظیم ترین کتابوں میں حضرت مروانؓ کے ارشادات، فتاویٰ اور قانونی فیصلے مندرج ہیں اور انہیں فقہاء اسلام شرعی نظائر کی حیثیت دیتے ہیں، گویا اسلامی فقہ میں حضرت مروانؓ کی حیثیت بہت بڑی ہے، حافظ ابن حجرؒ ھدی الساری میں لکھتے ہیں۔

قال عروۃ بن الزبیر کان مروان لایتھم فی الحدیث وقد روی عنہ سھل بن سعد الساعدی الصحابی اعتمادًا علی صدقہ وقد اعتمد مالک علی حدیثہ ورایہ والباقون غیر مسلم۔	(حضرت) عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ (حضرت) مروانؓ حدیث میں غیر متہم ہیں ان سے (حضرت) سہل بن سعدؓ صحابی نے ان کے صدق پر اعتماد اور بھروسہ کرکے روایت کی ہے اور امام مالکؒ نے ان کی حدیث اور رائے پر اعتماد کیا ہے اور مسلم کے سوائے باقی محدثین نے بھی۔

بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اخرج اھل الصحاح عدۃ احادیث عن مروان ولہ قول مع اھل الفتیا (صحاح ستہ میں حضرت مروانؓ سے متعدد احادیث کی روایت کی گئی ہے اور اہل فتویٰ ان کے اقوال (اپنے فتاویٰ میں) بطور سند پیش کرتے ہیں؛ تاریخ خمیس میں ہے:۔

وکان مروان فقیھا عالما ادیبا	(حضرت) مروانؓ فقیہہ و عالم اور ادیب تھے

پھر ان کی عبادت اور تقویٰ نے انہیں اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز کر دیا تھا تلاوۃ کلام پاک کا ایسا عشق تھا کہ من اقرء الناس القرآن کہلاتے تھے، البدایہ والنہایہ ہی میں یہ روایت ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی تحریک سے کچھ پہلے امیر المومنین حضرت معاویہؓ یہ فرما کر حضرت مروانؓ کو جانشین نامزد کرنے کا خیال کر رہے تھے کہ وہ کتاب اللہ کے قاری اللہ کے دین کے فقیہہ اور حدود اللہ قائم کرنے میں شدید ہیں القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ الشدید فی حدود اللہ (ج ۸، ص ۲۵۷) لیکن سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ایسا نہ ہو سکا پھر جب حضرت مروانؓ

کے منسا آ رائے خلافت ہونیکا موقع آیا اور لوگ اس کی اطلاع دینے رات کے وقت ان کے پاس گئے تو دیکھا خیمے میں شمع روشن ہے اور کلام پاک کی تلاوت میں مشغول ہیں رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے تھے، جناب جعفر الصادق کی یہ روایت البدایہ والنہایہ میں بسند صحیح امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ حضرت مروانؓ کی امامت میں حضرت حسنؓ و حسینؓ برابر نمازیں ادا کیا کرتے تھے، ایسے عالم و فاضل پاک سیرت بزرگ کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۱۱۵)

"دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی مامورییت تھی، ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کرڈالے جاتے تھے، علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے، تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیرخواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔

یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لئے مشکل ہی قابل برداشت ہوسکتا تھا، اسی بنا پر دوسرے لوگ تو در کنار خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لئے مشکلات پیدا کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری مروان پر عاید ہوتی ہے، حتی کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ "اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرواکے چھوڑے گا، اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت نہ محبت "

مودودی صاحب نے اتنے بہت سے الزامات تو عاید فرمائے اور ان میاں بیوی کی گھر کے اندر کی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گفتگو بھی سن لی اور ان پر بہت سے وہ کام

بھی کھل گئے جو حضرت عثمانؓ کے علم کے بغیر حضرت مروانؓ نے گھڑ لئے، اگر مثال ایک بھی پیش نہ کی، کم از کم ایک ہی بات ایسی ثابت کر دیتے جس سے حضرت مروانؓ کی غداریاں کھلتیں اور صحابۂ کرام کے سامنے جو وہ ہٹ دھرمی سے تقریر کیا کرتے تھے ان کا کچھ تو پتہ چلتا۔

قارئین کرام کو سوچنا چاہئے کہ ہم حضرت مروانؓ کی وہ عدالت وجلالت و عظمت وبندگی دیکھیں جو مؤطا شریف، بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتی ہے اور ان کے متعلق وہ رائیں دیکھیں جو صحابہ وتابعین اور فقہاء و علماء اسلام نے ان کے بارے میں دی ہیں، یا ان خرافات کو تسلیم کریں جو بعد کے مصنفوں نے بے سروپا سبائی روایات کی بناء پر کتابوں میں بھر دی ہیں، جن کے حوالے مودودی صاحب نے دیئے ہیں، سچ فرمایا امام ابن العربیؒ نے واما السفهاء من المورخين والادباء فيقولون على اقدارهم (اور رہے یہ ناسمجھ مورخ اور ادیب تو یہ اپنے ظرف کے مطابق باتیں بناتے ہیں)

مودودی صاحب نے کس بے باکی سے حضرت عثمانؓ پر یہ بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا! حالانکہ یہ افترا محض ہے، امام ابن العربیؒ فرماتے ہیں (العواصم ۱۰۰-۱۰۱)

واما اعطاؤه خمس افريقيه لواحد فلم يصح على انه قد ذهب مالك وجماعة الى ان الامام يرى رأيه فى الخمس وينفذ فيه ما ادّاه اليه اجتهاده وان اعطاؤه لواحد جائز وقد بينا ذلك فى موضعه	رہا ان کا افریقہ کا خمس کسی ایک شخص کو دیدینا تو یہ صحیح نہیں، باوجود اس کے کہ (حضرت) امام مالک اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ امام کو یہ اختیار ہے کہ خمس کے متعلق جو کچھ رائے قائم کرتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے، اور یہ کہ کسی ایک شخص کو بھی وہ (یعنی پورا خمس دیدینا جائز ہے، ہم نے یہ مسئلہ اسی کی جگہ پر واضح اور مدلل (دیکھئے اپنی دوسری کتابوں میں)

مودودی صاحب نے اگر کتب حدیث کا مطالعہ ٹھنڈے دل سے کیا ہوتا تو انہیں خمس وفیٔ کے بارے میں ائمہ کے مواقف کا علم ہوتا، مگر ان کا مقصد چونکہ بنی امیہ اور حضرت عثمانؓ پر طعن ہی ہے، اس لئے انہوں نے عدل وخرد سب کو خیرباد کہہ کر واہی روایات کا سہارا لینے میں باک نہیں کیا، خمس اور فیٔ کی آمدنی غیر مقصود وغیر متعین اور غیر مستقل ہوتی ہے اور امام اپنے مصالح کو اچھی طرح سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ امر قطعی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ روپیہ حضرت مروان کو نہیں دیا۔

ابن خلدون جیسے محقق مورخ نے بتایا ہے کہ افریقہ کے مال غنیمت میں خمس حضرت مروان کو عطا نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے اسے خرید لیا تھا وہ لکھتے ہیں۔

وارسل ابن الزبیر بالفتح والخمس فاشتراہ مروان بن حکم بخمس مائۃ الف دینار وبعض الناس یقول اعطاہ ولا یصح (ج ۲، ص ۱۲۹)	(حضرت) ابن زبیرؓ نے فتح کی خوش خبری اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ (مدینہ) بھیجا جسے (حضرت) مروان نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ (حضرت) عثمانؓ نے (حضرت) مروانؓ کو دیدیا تھا ہرگز صحیح نہیں۔

مودودی صاحب کے نزدیک ابن خلدون کا یہ بیان معتبر نہ ہو تو ان کتب میں جن کے حوالے انہوں نے دیتے ہیں، امیرالمومنین حضرت عثمانؓ ذی النورین کا یہ ارشاد تو انہوں نے ضرور پڑھا ہوگا جو بدگویوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:۔

واما اعطاءھم فانی ما اعطیھم من مالی ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد من الناس۔	اور میرا اپنے (اقارب) کو عطیات دینا سو جو کچھ میں نے ان کو دیا ہے اپنے ہی مال سے دیا ہے مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ لوگوں میں سے کسی ایک کے لئے

تمام حاضرین صحابہ وتابعین نے امیرالمومنین کے اس بیان کی صداقت کو تسلیم کیا، مودودی صاحب نہ مانیں اور پانچ لاکھ دینار مروانؓ کو بخش دینے کا راگ الاپتے جائیں مگر اپنے ہی ماخذ طبری میں وہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے جب

حضرت عبداللہ ابی سرحؓ سے فرمایا تھا کہ اگر وہ تونس کا علاقہ فتح کرلیں گے تو انہیں مال غنیمت کا پچیسواں حصہ بطور انعام دیا جائے گا (طبری ۵: ۴۹ طبع مصر ج ۱ ص ۲۸۱۴-۲۸۱۵ طبع یورپ) چنانچہ ایسا ہی ہوا، انہوں نے یہ سب علاقہ فتح کرکے چار حصہ مال غنیمت فوج میں تقسیم کردیا اور خمس جو مرکز کو بھیجنا تھا اس کا پانچواں حصہ خود رکھ لیا، جب آپ کے بعض ساتھیوں نے امیرالمومنین سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے حکم سے انہوں نے کیا ہے اگر تم لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو ہم یہ حکم منسوخ کردیں گے ان لوگوں کے کہنے پر آپ نے حضرت عبداللہ کو لکھا کہ وہ رقم بیت المال کو بھیج دیں چنانچہ انہوں نے بھیج دی، اتنا بڑا انعام واپس لئے جانے کے باوجود حضرت عبداللہؓ بددل نہیں ہوئے اور برابر فتوحات میں مشغول رہے اور نظم ونسق کو مستحکم بناتے رہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ جو امام اپنی قوم کی مرضی کا اس درجہ لحاظ رکھتا ہو کہ اپنے ایسے اختیار کے باوجود جو اللہ اور اس کے رسول کا بخشا ہوا تھا، اپنا حکم واپس لے لے تو وہ امام کہیں ایسا کرسکتا تھا کہ قوم کی مرضی کے خلاف ۵ لاکھ دینار کی اتنی بڑی رقم ایک شخص کو دیدے پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اہل مدینہ اعتراض کرتے لیکن ایسا کوئی اعتراض ان کی طرف سے منقول نہیں، لہٰذا یہ افسانہ صرف ان مصنفین اور کذابین کا وضع کیا ہوا ہے، جنہوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کردیا۔

ہاں حضرت عثمانؓ نے اپنی آخری عمر میں اپنا تمام مال اپنے اعزہ واقرباء میں تقسیم کردیا تھا اور اپنے فرزندوں کو بھی مثل دوسروں کے رکھا (طبری ۵: ۱۰۳) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (العواصم ص ۱۰۷، تعلیقہ)

وقالوا انی احب اھل بیتی واعطیھم	لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں سے محبت کرتا
فاما حبی لھم فانہ لم یمل معھم حتی	ہوں اور انہیں روپیہ دیتا ہوں، تو جہاں تک محبت کا تعلق
جوربل احمل الحقوق علیھم واما	ہے تو یہ ان کے سبب ظلم کی طرف مجھے نہیں لے جاتی
اعطائھم فانی انما اعطیھم من	بلکہ میں ان سے حقوق لیتا ہوں (یعنی وہ غلطی کریں
مالی ولا استحل اموال المسلمین	تو باز پرس کرتا ہوں) اور رہا میرا انہیں دینا تو میں انہیں

لنفسی ولا لاحد من الناس وقد کنت اعطی العطیۃ الکبیرۃ الرغیبۃ من صلب مالی ازمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر وانا یومئذ شحیح حریص افحین اتت علیّ اسنان اھل بیتی وفنی عمری وودعت الذی لی فی اھلی قال الملحدون ما قالوا۔

صرف اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کا مال نہ اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے آدمی کے لئے میں اپنے خالص مال میں سے بڑے نفیس عطیات انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانہ میں بھی دیا کرتا تھا حالانکہ میں اس زمانہ میں کنجوس اور حریص تھا اب جبکہ میں اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ معمر ہوں اور میری عمر ختم ہو رہی ہے اور میں نے اپناسب کچھ اپنے گھر والوں کے حوالے کر دیا ہے تو یہ ملحد لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

ان سبائی ملحدوں نے امیرالمومنین عثمان رضؓ کے اس طرح اپنا مال تقسیم کر دینے کو بھی ذریعہ طعن بنایا اور خدا و رسول و اہل ایمان کے اس محبوب پر بیت المال میں خیانت کا الزام لگایا اور رشتہ داروں سے غیر معتدل محبت کا بہتان اس پر لگا، حیرت مودودی صاحب جیسے لوگوں پر ہے، جو ان ملاحدہ و زنادقہ کے مفتریات نقل کرتے وقت آج بھی نہیں ہچکچاتے جب کہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو چکی اور وہ دور بھی گزر چکا اور اس کے مسائل ختم ہو چکے۔

شوروی حکومت مئی ۱۹۶۵ء کے ترجمان القرآن میں شوروی حکومت کا عنوان قائم کر کے مودودی صاحب نے صلہ ۱۸۳ سے جو بحث کی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسلام میں شوریٰ کا جو تصور ہے وہ اپنی جگہ ہے اسے موجودہ مغربی جمہوریت سے کچھ تعلق نہیں، ہم پہلے بیان کر چکے کہ نصب امام یا تشکیل حکومت کے سلسلے میں اللہ کی کتاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے کوئی متعین طریقہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، حکومت کی جو بھی ہیئت ترکیبی ہو وہ درست ہوگی بشرطیکہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو۔

دو چار دس پانچ افراد کا ایسا گروہ جو اپنی پشت پر رائے عامہ کی طاقت کے بغیر اگر کسی برپا شدہ حکومت کو بدلنا چاہے گا یا اسے بدلنے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائے گا تو حسب فرمان خدا و رسول نیز حسب اجماع صحابہ وہ باغی قرار پائے گا اور اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کر دے گا۔ کائناً من کان (خواہ کوئی ہو)

نصب امام کے سلسلے میں مودودی صاحب نے حضرت فاروق اعظمؓ کی جس آخری تقریر سے یہ استنباط کرنا چاہا ہے کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر کوئی شخص جائز اور آئینی طور پر امام نہیں بن سکتا تھا ان کی توجیہہ کا بے پایہ ہونا ہم خود حضرت فاروق اعظمؓ کے اپنے عمل سے ثابت کر چکے کہ یہ صورت اس وقت کی ہے جب کوئی امام موجود نہ ہو یا جانے والا امام کوئی وصیت نہ کر سکا ہو۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک عصر میں حکومت کی ہئیت ترکیبی کے بارے میں کوئی بات استصواب رائے عامہ سے طے ہو جائے اور تعامل صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہو تو وہ بات دستور اساسی کی ایک دفعہ ہو جائے گی اور اسی کے مطابق آئندہ کام ہوتا رہے گا، البتہ جب کسی دوسرے وقت مسلمان اس دفعہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کریں تو اپنی اکثریت یا ارباب حل وعقد کے اجماع سے تبدیل کر سکتے ہیں، نیا آئین مرتب ہو سکتا ہے۔

امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت ہنگامی حالت میں ہوئی اور خلافت کے بارے میں وصیت کرنے کا آپ کو موقعہ نہ ملا تو سنت خلفاء کے مطابق یہ ضروری ہو گیا کہ انتخاب کے ذریعہ امام کا تقرر ہو، بدقسمتی سے جن لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا اور سب سے پہلے بیعت کی وہ ارباب حل و عقد تو کیا ہوتے خود مودودی صاحب کے قول کے مطابق اپنے اپنے علاقوں کے بھی نمائندے نہیں تھے اس لئے حضرت علیؓ کی خلافت کی آئینی حیثیت ان کی شہادت تک معرض بحث رہی، ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کسی کو ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض نہ تھا اور نہ کوئی شخص ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر کھڑا ہوا تھا اور نہ کسی کا یہ مقصد تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ نہ رہیں لیکن پیچیدگی پیدا ہوتی تھی اس بات سے کہ ان

کی خلافت کا اعلان حضرت عثمانؓ کے قاتلوں نے کیا تھا اور ان باغیوں نے جو عالم اسلام میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے، صحابہ اور امت کو خصوصاً خون عثمانؓ نہ لے سکنے کی وجہ سے اس طریقہ انتخاب پر اعتراض تھا، مودودی صاحب نے اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی بیعت کی تکمیل کا جو دعویٰ کیا ہے اور ارباب حل وعقد کا آپ کی خلافت پر متفق ہونے کے جو خیالی دلائل دئے ہیں، واقعات سے ان کی توثیق نہیں ہوتی اور نہ صحابہ کرام کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس موضوع پر مزید بحث ہم حضرت علیؓ کی خلافت کے عنوان کے تحت کریں گے۔

یہاں ہم یہ مسئلہ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیرالمومنین معاویہؓ پر ہم عصر امت نے اجماع کیا اور آپ متفق علیہ امام تسلیم کئے گئے، مودودی صاحب نے آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت سے جو بحث کی ہے اور اسے بادشاہی بلکہ مستبدانہ تغلب ثابت کرنا چاہا ہے، اس واہی خیال کی تائید بھی واقعات سے نہیں ہوتی، صحابہ کرام نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا (اجماع کا سال) یہ کیسی کھلی دلیل ہے کہ امیرالمومنین معاویہؓ صلوات اللہ علیہ کے سربراہ خلافت ہونے سے امت نے کیسا اطمینان کا سانس لیا تھا اور کس خوش دلی اور طمانیت قلب سے آپ کی بیعت کی تھی۔

اب امیرالمومنین معاویہؓ کا یہ حق تھا کہ سنت صدیقی وفاروقی کے مطابق اپنے بعد خلافت کے لئے کسی شخص کو نامزد کر جائیں، اس بارے میں رائج الوقت آئین کے مطابق آپ کو کسی مشورے کی ضرورت نہ تھی، چونکہ گزشتہ احوال آپ کے سامنے تھے اس لئے آپ نے ضروری سمجھا کہ محض ارباب حل وعقد ہی سے نہیں بلکہ تمام علاقوں کے سربرآوردہ لوگوں سے استصواب کر کے اپنا ولی عہد منتخب کریں، چنانچہ ایسا ہی آپ نے کیا، و شناسے سیاست اسلامی کے عظیم ترین رکن حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کی تحریک پر امیر یزید بن امیرالمومنین معاویہؓ کا مبارک نام تجویز کیا گیا، ہر طرف سے اس کی تائید ہوئی، اس وقت جتنے اکابر صحابہ تھے اور امہات المومنین تھیں صلوات اللہ علیہن وعلیہم سب اس بارے میں امیرالمومنین معاویہؓ کے ہم نوا تھے اس طرح یہ اصول طے ہوا کہ جانے والے امام کا جانشین اس کا فرزند ہو سکتا ہے اس اجماع کے بعد اب

اس کی ضرورت نہیں رہی کہ ہر جانے والا خلیفہ اگر اپنے بعد اپنے فرزند کے لئے وصیت کرنا چاہے تو اول رائے عامہ سے استصواب کرے، جب دستور میں ایک دفعہ استصواب رائے عامہ اور اجماع سے منظور ہو گئی تو وہ متفق علیہ آئین کا جزو بن گئی اور اس پر عمل کی مشروعیت کا مسئلہ طے ہو گیا۔

اسی اصول کے مطابق امیر المومنین یزیدؓ نے اپنے فرزند امیر معاویہ ثانی کو خلیفہ نامزد کیا اور جب امیر المومنین معاویہ ثانی بغیر وصیت کئے وفات پا گئے تو ارباب حل و عقد نے باہم مشورے سے امیر المومنین حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا، آئینی حیثیت سے صرف یہ اموی خلافت ہی حق تھی کیونکہ اسے ارباب حل و عقد نے قائم کیا تھا، اسی وجہ سے بنو ہاشم اور اکابر صحابہ نے عبداللہ بن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی، ان سب کی ہمدردیاں دمشق کی آئینی خلافت کے ساتھ وابستہ تھیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے اعزہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ ان کی وفات کے بعد حضرت ابن الزبیرؓ کی حکومت میں نہ رہیں بلکہ شام چلے جائیں۔ ان حضرات نے اسی پر عمل کیا، حضرت علی بن عبداللہ بن العباسؓ امیر المومنین عبدالملکؓ کے ہاں محترم و معزز بھائی کی حیثیت سے مقیم تھے۔

جب امیر المومنین عبدالملکؒ نے ابن الزبیرؓ پر فتح پائی تو سب بنو ہاشم اور تمام وہ صحابہ جنہوں نے ان سے بیعت نہیں کی تھی وہ سب امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے اور سوائے خوارج کے کوئی نہ رہا جو اس بیعت میں داخل نہ ہوا ہو حتیٰ کہ سبائیوں نے بھی تقیۃً یہ بیعت کر لی اور یوں اموی خلافت میں استحکام آیا جس کے نتیجہ میں نمن چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور تین براعظموں پر پرچم اسلام لہرایا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد عرب کسی غیر اموی کی خلافت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، چنانچہ اہل مدینہ اور امراء عساکر کی بہت بھاری اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی تھی (صحیح بخاری جز ۲، کتاب الاحکام ص ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷) سے تو یہ

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے حق میں اتنے لوگوں نے بھی رائے نہیں دی جنہیں شمار کے قابل کہا جا سکے اور اسی لیے حضرت علیؓ کی حکومت متزلزل رہی اور ہر اعتبار سے حضرت معاویہؓ کی طرف امت کا رجحان ہوتا چلا گیا، یہ تاریخی حقائق ہیں انہیں خیالی روایتوں سے دبایا نہیں جا سکتا۔ اس سلسلے میں مودودی صاحب نے جن وضعی روایات کا سہارا لے کر اوراق سیاہ کئے ہیں ان پر تبصرہ عنوان خلافت کے تحت کیا جائے گا۔

بیت المال

مودودی صاحب نے شمارہ مئی ۱۹۶۵ء (ص ۲۰۸) سے بیت المال کے امانت ہونے کے تصور کے تحت جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے ہمیں اتفاق ہے اور ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے تمام خلفاء نے بیت المال کو امانت سمجھا اور کسی وقت اسے اپنی ملکیت نہ جانا۔ اس میں سے جو خرچ کیا اس کے لئے شریعت کے احکام کو پیش نظر رکھا، خلافت کی پوری تاریخ میں صرف ایک واقعہ امیر المومنین المتقی باللہ کا ہے کہ انہوں نے بیت المال سے سات لاکھ دینار تعمیرات کے لئے قرض لئے تھے لیکن افسوس کہ اسے ادا نہ کر سکے چونکہ کل چھ برس خلیفہ رہے اور عین جوانی میں وفات پائی (تاریخ الخلفاء بروایت صولی) یہ روایت ہم اس لئے قبول کرتے ہیں کہ صولی کی ہے جو امیر المومنین کے ہم عصر تھے، گویا چھ سو برس کی تاریخ میں صرف یہ واقعہ ہے اور وہ بھی بیت المال پر تصرف کرنے کا نہیں بلکہ قرض لینے کا۔

مودودی صاحب، اور دوسرے لوگ جو حضرت معاویہؓ سے لے کر بعد کے سب خلفاء پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور جس طرح چاہتے تھے اس میں تصرف کرتے تھے ان میں سے جو حضرات بدنیت نہیں ہیں بلکہ غلط فہمی کا شکار اور دشمنان صحابہ و خلفاء کے پروپیگنڈے سے متاثر ہیں ان کی غلط فہمی ہم رفع کرنا چاہتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ کی مستقل آمدنی امیر المومنین معاویہؓ کے عہد مبارک میں ان مدوں سے تھی (۱) زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) عشر (۴) خراج (۵) عشور (۶) لاوارث غیر مسلم کا ترکہ (۷) تدارنہ

فتوح (۹) الکورد (۱۰) الخمس (۱۱) فئ وغیرہ آخر الذکر غیر مستقل حدیں تھیں۔ ہم یہاں بخوف طوالت صرف خمس اور فئ سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مملکت اسلامیہ کی آمدنی میں یہ دو مدیں بہت اہمیت رکھتی ہیں اگر انہیں سمجھ لیا جائے تو بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی، علاوہ میدان جنگ میں جو مال حاصل ہوا سے غنیمت کہا جاتا ہے، اس کے چار حصے فوج پر تقسیم کرتے جاتے تھے اور پانچواں حصہ مرکز کو بھیج دیا جاتا تھا، اس پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کئے جاتے تھے ایک حصہ امیر المومنین کے ذاتی اخراجات کے لئے تھا اور چار حصوں میں ایک حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا تھا، باقی یتامیٰ، مساکین اور مسافرین وغیرہ کے لئے تھا۔

فئ وہ منقولہ اور غیر منقولہ جائداد تھی جو بغیر جنگ کے حاصل ہو، اس کے بھی اسی طرح پانچ حصے کئے جاتے تھے اور ان ہی مدوں میں خرچ ہوتا تھا، علماء و فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور فی الحال اس پر بحث نہیں کرتے، کیونکہ یہ ایک مستقل عنوان ہے، ہم صرف تعامل خلفاء کو دیکھتے ہیں۔

امام جب غنیمت اور فئ میں اپنا حصہ لے لے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتی تھی اور جب تک وہ اپنے منصب پر فائز رہتا اسے اس مال میں تصرف کا وہی حق تھا جو ہر آدمی کو اپنے مال میں ہوتا ہے، غنیمت اور فئ کا مال شریعت اسلام کے مطابق حسب فرمان الٰہی ایک غیر مقصود غیر متعین اور غیر مستقل مال ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آمدنی کو الانفال کہا ہے (ثانیہ آمدنی)

اب یہ اتفاق تھا کہ عہد صدیقی ہی سے جنگوں کا سلسلہ مستقل طور پر شروع ہو گیا، اس طرح مسلمانوں کو بے حد و بے حساب دولت ملنے لگی اور امیر المومنین کا پانچواں حصہ اتنا کثیر ہونے لگا جس کا ہم اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لئے ضروری ہوا کہ ہر صاحب مال آدمی کی طرح امیر المومنین کا بھی اپنا بیت المال ہوا اور اس کا اپنا عملہ ہو، خلفاء کرام ؓ لوگوں کو جو انعام و اکرام دیتے تھے وہ سب ان کے اسی نجی بیت المال سے ہوتا تھا، چونکہ دونوں کے لئے لفظ بیت المال ہی مستعمل ہے اس لئے لوگوں نے دھوکہ

کھایا اور سمجھے کہ یہ داد و دہش سب عام بیت المال سے ہوتی تھی۔

اگر ہم تھوڑا سا بھی غور کریں تو عام بیت المال کے اخراجات کی جو مدیں متعین ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان میں بے اعتدالی کا امکان نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی سے دیوان کا محکمہ قائم تھا۔ جس کے تحت تمام مملکت کے عرب اور غیر عرب افراد وظیفہ پاتے تھے۔ اس کی تفصیل امام شافعیؒ نے کتاب الام میں دی ہے (ملاحظہ ہو ج ۴، ص ۸۰ طبع مصر مکتبۃ الازہریہ) یہ نظام امام موصوف کے زمانے تک جاری تھا۔ اس میں بعض گھروں کا تقدم و تاخر حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا اور پھر امیر المومنین محمد المہدی العباسیؒ کے عہد مبارک میں گویا اس وقت تک اس نظام کا پوری طرح قائم رہنے کا یہ دستاویزی ثبوت موجود ہے اور یہ عصری شہادت ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ یقیناً قائم رہا کیونکہ امور خلافت میں اختلال تو بنی بویہ کے استیلاء کے بعد آیا۔ اس نظام کے تحت مملکت اسلامیہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ کا مستحق ہو جاتا تھا اور مملکت اسلامیہ دار الاسلام کے ہر شہری کی بنیادی ضرورتوں کو کفیل تھی۔

پھر بنو ہاشم اور بنو المطلب کا جو حصہ تھا اس کے بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے مگر خلفاء کا تعامل یہ ہے کہ اموی اور عباسی خلافتوں میں یہ روپیہ برابر تقسیم ہوتا تھا۔ امویوں کے زمانہ میں جن افسروں کے ذریعہ اس کی تقسیم ہوتی تھی وہ عریف کہلاتے تھے اور عباسیوں کے زمانہ میں انہیں نقیب کہا جاتا تھا، ہم نے اپنی کتاب "تحقیق سید و سادات" میں اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔

چنانچہ اپنے وقت میں ہر خلیفہ نے اس پورے نظام کو زیادہ سے زیادہ رفاہی بنانے کی پوری کوشش کی، اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، یہاں ہم صرف ایک متعصب غیر مسلم سر ولیم میور کا بیان دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو عرب اینڈ منسٹر دشق مؤلفہ حسنی)

"ایک بڑی قوم اپنا تمام مالیہ تمام غنیمت اور فتوحات کو اس طرح آپس میں بانٹ لے اصلاً کی بنا پر اول تو یہ کہ مساویانہ اخوت پر پھر فوجی امتیازات پر اور پھر

روحانی درجات پر یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی غالباً دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی۔"

اس بے نظیر اور عظیم الشان نظام کا صدیوں برقرار رہنا اس کی اجازت کب دیتا ہے کہ خلفاء اسلام عام بیت المال میں خلاف قاعدہ کوئی تصرف کر سکتے اور اگر کرتے تو کیا مسلم معاشرہ اس سنام اعلیٰ تک پہنچ سکتا تھا، جہاں تک پہنچا کہ اہل عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، خلفاء اسلام نے رفاہ عام کے امور کو جس طرح ترقی دی اور قدم قدم پر اور عہد بعہد ہم جس کے ارتقائی منازل دیکھتے ہیں، ان کے باوجود اگر لوگ ان پر عام بیت المال میں ناجائز تصرف کا بہتان رکھتے ہیں تو رکھیں، مگر وہ وعید بھی ذہن میں رہے جو بہتان طرازی اور افتراء پردازی پر قرآن مجید میں ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھی چاہئے کہ جہاں خلیفہ اپنے خمس اور فئی میں تصرف کا پورا حق رکھتا تھا وہاں یہ بات بھی تھی کہ منصب سے معزول ہونے یا وفات پانے پر خلیفہ کا وارث خلیفہ ہوتا تھا نہ اس کے شرعی وارث، تاریخ کا معمولی مطالعہ بھی جنہوں نے کیا ہوگا انہیں یہ چیز ملی ہوگی کہ جس وقت خلیفہ کی آنکھ بند ہوتی تھی اس کے محل کا ایک ایک کمرہ سربمہر کر دیا جاتا تھا اور نئے خلیفہ کے تقرر پر کھولا جاتا تھا، جانے والے خلیفہ کے کپڑوں تک کا وارث ہونے والا خلیفہ ہوتا تھا، اس لئے کہ خلیفہ کے تصرف میں جو کچھ ہوتا وہ مرکزی حکومت کی ملکیت سمجھی جاتی تھی، وہ منصب پر فائز ہونے تک بے شک ہر قسم کے اختیارات کا حق رکھتا تھا، مگر دور حکومت ختم ہوتے ہی اس کے مالکانہ اختیارات بھی سلب ہو جاتے تھے اور اس کی منقولہ و غیر منقولہ سب جائداد اس کے جانشین کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان کی زکوٰۃ کا روپیہ ہزار دینار ہوتا تھا (امام ذہبی المنتقی ص ۴۹۰) خلیفہ ہونے سے پہلے بھی حضرت علیؓ کی مالی حیثیت اگرچہ کم نہ تھی مگر ایسی بھی نہ تھی کہ اتنی زکوٰۃ نکالتے، وہ تو جب مرکزی حکومت کی جائداد ان کے تصرف میں آئی اور غنیمت و فئی کا بیسواں حصہ ان کی طرف منتقل ہوا تب مال و دولت میں اتنا کثیر اضافہ ہوا کہ ہزار دینار زکوٰۃ نکالتے تھے۔

مودودی صاحب نے اس سلسلے میں ایک وضعی مردود روایت بیان تو کر ڈالی، مگر سند میں اس کی پیش کیا ہے۔ ابن ابی الحدید اور الامامہ والسیاسۃ کے مولف جیسے غالی رافضیوں کو بہر غضب یہ ڈھایا ہے کہ تمام اہل تحقیق کی رائے اور تحقیق سے اغماض کرکے مصنف اس کتاب الامامہ کا قرار دے لیا ہے، کتاب المعارف کے مصنف علامہ امام ابی محمد بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ کو حالانکہ روز روشن کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ الامامۃ والسیاسۃ نہ ان کی تصنیف سے ہے اور نہ قدماء میں سے کسی نے ان کی تصانیف میں اسے شامل کیا ہے اور نہ ان کی کسی تصنیف خصوصاً المعارف کے مضامین سے اس کے مندرجات کی کوئی مناسبت و مماثلت ہے۔

وضعی روایت | مودودی صاحب بیان فرماتے ہیں (شمارہ مئی ۱۹۶۵ء کتاب ص ۹۰)

"حضرت علیؓ کا جس زمانہ میں حضرت معاویہؓ سے مقابلہ درپیش تھا لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس طرح حضرت معاویہؓ لوگوں کو بے تحاشا انعامات اور عطیے دے دے کر اپنا ساتھی بنا رہے ہیں آپ بھی بیت المال کا منہ کھول دیں اور روپیہ بہا کر اپنے حامی پیدا کریں، مگر انہوں نے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ "کیا تم چاہتے ہو میں ناروا طریقوں سے کامیابی حاصل کروں۔"

ایک صحابی اور کاتب وحی کی امانت و دیانت پر غالی رافضیوں اور سبائیوں کی مفتریات کا سہارا لے کر وہی شخص ایسا بیان دے سکتا ہے جس کے دل میں صحابہ کی عظمت کا شائبہ نہ ہو اور جو خیر القرون اور پہلی صدی ہجری کی امت کو دین فروش اور بے ضمیر سمجھے۔

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کو مودودی صاحب جب ان معاملات میں سند مانتے ہیں تو کیا انہوں نے اصل کتاب نہج البلاغۃ میں حضرت علیؓ کے ایک خطبہ کے وہ فقرات نہیں ملاحظہ فرمائے جن میں بالفاظ واضح اپنے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ معاویہؓ کے ساتھی تو بلا کسی عطیہ اور بخشش کے ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور میں

تمہیں عطیات کے علاوہ امدادی رقوم بھی دیتا ہوں مگر پھر بھی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو۔ نہج البلاغۃ کے متعلقہ خطبہ ۱۸۰ کے فقرات یہ ہیں:۔

اولیس عجبا ان معاویۃ یدعو الجفاۃ الطغام فیتبعونہ علی غیر معونۃ ولا عطاء (الی آخرہ) یعنی کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہؓ تو تند مزاج جفاکاروں کو دعوت دیتے ہیں اور وہ بغیر کسی بخشش و عطیہ کے ان کی پیروی کرتے ہیں اور میں تمہیں تمہارے معینہ عطیوں کے علاوہ امدادی رقوم دیتا ہوں پھر بھی تم مجھ سے پراگندہ و منتشر ہو جاتے ہو اور مخالفتیں کرتے ہو (نہج البلاغۃ)

ملاحظہ کیا آپ نے مودودی صاحب کی بیان کردہ مرفوعہ روایت کی خود حضرت علیؓ کے قول سے کیسی کچھ تردید و تکذیب ہو گئی! اب دیکھئے ایک دوسرے شیعہ مورخ ابن جریر طبری خاص عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کے لئے "بیت المال کا منہ کھولنے" کی تدبیر تو خود حضرت علیؓ ہی کی جانب سے ہوئی تھی وہ لکھتے ہیں:۔

ولما فرغ علیؓ من بیعۃ اھل البصرۃ نظر فی بیت المال فاذا فیہ ستمائۃ الف وزیادۃ فقسمھا علی من شھد معہ فاصاب کل رجل منھم خمسمائۃ خمسمائۃ وقال لکم ان ظفرکم اللہ عزوجل بالشام مثلھا الی اعطیاتکم

طبری ج ۵ ص ۲۲۳ طبع اولیٰ

(حضرت) علی جب اہل بصرہ کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے جائزہ بیت المال کا لیا ساٹھ لاکھ سے زیادہ رقم اس میں تھی جو انہوں نے ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو ان کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے ہر شخص کے حصے میں پان پانسو کی رقم آئی پھر ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ملک شام میں تمہیں فتحیاب کرے تو اتنی ہی رقم عطیوں کے علاوہ تمہیں ملے گی۔

طبری جس کے حوالے مودودی صاحب نے بار بار دیتے ہیں، ان کے نزدیک بڑا معتبر مآخذ ہے اس کی مندرجہ بالا عبارت سے زیادہ اور کیا ثبوت "بیت المال کا منہ کھولنے" اور اموال المسلمین کو حضرت علیؓ ہی کی جانب سے اپنے حامیوں میں

تقسیم کئے جانے کا ہو سکتا ہے مگر پالنسو روپیہ فی کس انعامات ملنے اور اتنی رقم کے وعدوں کے باوجود یہ عراقی کرایہ کے سپاہی MERCENARY ایسے نابکار اور بے وفا ثابت ہوتے کہ حضرت موصوف کو بار بار ان کے شکوے اور مذمت میں ایسے کلمات کہنے پڑے جو مولف نہج البلاغۃ نے ان کے متعدد خطبات میں لکھے ہیں مثلاً

منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا یجیب اذا دعوت (نہج البلاغۃ)	میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو نہ کہنا مانتے ہیں اور نہ پکار کا جواب دیتے ہیں

دوسرے خطبے میں اپنے آدمیوں کو بیوفائی سے بددل ہو کر یوں بددعا دیتے ہیں

قاتلکم اللہ لقد ملاتم قلبی قیحا شحنتم صدری غیظاً (ایضاً)	اللہ تم لوگوں کو ہلاک کر دے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینہ کو غصہ سے

آخر میں کرایہ کے ان سپاہیوں کی نافرمانیوں کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت علیؓ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے کس حسرت سے فرماتے ہیں۔

واللہ ان معاویۃ صارفنی بکم صرف الدینار بالدرہم فاخذ منی عشرا منکم واعطانی رجلاً منہم (نہج البلاغۃ قسم اول ص ۲۵۴)	قسم بخدا میں آرزو کرتا ہوں کاش معاویہ مجھ سے تمہارا مبادلہ کر لیں جس طرح اشرفیاں روپوں سے بدلی جاتی ہیں وہ مجھ سے دس آدمی تم میں سے لے لیں اور اپنا ایک آدمی مجھے دیدیں۔

ان دونوں بزرگواروں علیؓ و معاویہؓ کے پوزیشن کا فرق خواہ کی رعایا اور لشکریوں کی اطاعت و فرمانبرداری کے اعتبار سے اول سے آخر تک قائم رہا یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ تو تقریباً بیس برس سے ملک شام میں مثالی حکمران رہے تھے اور اپنے حسن تدبیر اور صد درجہ حلم و کرم سے رعایا و لشکریوں میں اس درجہ محبوب تھے کہ ادنیٰ اشارے پر تمام لشکری اپنی جانیں لڑا دینے کو ہر وقت تیار رہتے تھے اور اب تو اپنے امام مظلوم کے قاتلوں اور بلوائیوں سے جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے جس کا اقرار مودودی صاحب کو بھی ہے (شمارہ جون صفحہ ۴۶) قصاص لینے کا ایسا جوش تھا کہ انہیں کسی مزید عطیہ و معاوضہ ملنے کا خیال بھی نہ ہو سکتا اور نہ تھا برخلاف اس کے عراقیوں کو گھمنڈ اس بات کا تھا کہ جس سیاسی

انقلاب کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کو زمام خلافت ہاتھ میں لینے کا موقع ملا وہ ہم ہی نے برپا کیا تھا، ہم ہی نے لوگوں سے ان کی بیعت کرائی ہم ہی ان کی حربی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ہمارا کہنا انہیں بہر حال کرنا ہوگا اور ہمارے مطالبات ماننے پڑیں گے، الاشتر سبائی لیڈر حضرت علیؓ کا سب سے زیادہ معتمد علیہ تھا اس کے ساتھیوں اور اپنے رشتہ داروں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے وہ مجبور تھے، مودودی صاحب کو خود بھی اس بات کا اقرار ہے (شمارہ جولائی ص ۳۳ ۳۴-۳۳) کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا...... ان حالات میں وہ انہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں، حضرت علیؓ کے حامیوں میں اکثریت سبائی عراقیوں کی تھی وہ اپنے ان ساتھیوں کے مطالبات پورا کرنے اور ان پر روپیہ صرف کرنے کے لئے مجبور بھی تھے، ڈکا خویہ جیسے آزاد مورخ کا یہ قول مودودی صاحب کی کتب ماخذ کی تصریحات پر بنی ہے کہ: "بلوائیوں کے جم غفیر نے (حضرت) علیؓ کو خلافت دلوائی اور طلحہؓ و زبیرؓ کو ان کی بیعت کرنے پر مجبور کیا...... علی کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے حامیوں کی خواہشات کو پورا کریں جو بہرحال غیر مناسب و متناقض ہوتی تھیں (انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا) [ملے] ان تاریخی حقائق کی روشنی میں ابن ابی الحدید کی مردود روایت کے سہارے مودودی صاحب کا بیان قطعاً غلط ہے

[ملے] THE MASS OF THE MUTINEERS SUMMONED ALI TO THE CALIPHATE, AND COMPELED EVEN TALHA AND ZUBAIR TO DO HIM HOMAGE ...... IT WAS NECESSARY THAT HE (ALI) SHOULD ACCOMMODATE HIMSELF TO THE WISHES OF HIS SUPPORTERS WHICH, HOWEVER, WERE INCONSISTENT. (ENCY BRIT. VOL XEP. IC 11. P.25, 20)

لغو اتہام

مودودی صاحب نے ایک اور وضعی روایت کے چند الفاظ الامامۃ والسیاسۃ کے حوالے سے نقل کر کے حضرت عقیلؓ بن ابی طالب پر اتہام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ (ص ۹۰)

> ان سے (حضرت علیؓ سے) خود ان کے بھائی حضرت عقیلؓ نے چاہا کہ وہ بیت المال سے ان کو روپیہ دیں مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی مسلمانوں کا مال تمہیں دیکر جہنم میں جائے"

ایک غالی مصنف کی کتاب سے مندرجہ بالا چند لفظ نقل کرتے وقت مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت عقیلؓ قصاص خون عثمانؓ کے مطالبے میں چونکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے لہذا وضعی روایتوں میں ان کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا گیا ہے اس لئے ایک بے سند روایت قبول کرتے وقت جو ان کے ماخذ میں محض لفظ "ذکروا" کے ساتھ درج ہے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی مگر وہ ایسا کیوں کرتے جب مقصد ہی حضرت معاویہؓ اور ان کے عامیوں کو ہدف ملامت بنانے کے لئے واہی روایتوں کا سہارا لینا تھا۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اپنے ماخذ الامامۃ والسیاسۃ کا حوالہ دیکر بھی راوی کے بیان کا اخفا کرنے اور اپنے مطلب کے چند لفظ لے لینے میں ایسی تدلیس و تلبیس کا مظاہرہ کیا ہے جو ان کے درجے اور علمی مرتبے کے منافی ہے۔

سبائی راویوں کو حضرت عقیلؓ کا اپنے بھائی کے خلاف حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینا بہت اکھرتا تھا۔ خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں ان کے اپنے گھرانے کے متعدد اشخاص اور عزیز قریب جن کا ذکر مودودی صاحب نے بھی کیا ہے (شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء ص ۳۳۳) نہ صرف ان کی خانہ جنگیوں میں ان کے ساتھ رہے تھے بلکہ گورنری وغیرہ عہدوں پر بھی مامور رہے ہیں لیکن کسی عقیلی کا نام نہ ان کے عمال حکومت میں کہیں ملتا ہے اور نہ ان میں سے کسی نے جمل و صفین کی لڑائیوں میں ان کا ساتھ دیا حالانکہ کئی فرزندان عقیل حضرت علیؓ کے داماد بھی تھے، ظاہر ہے کہ حضرت عقیلؓ اور ان کے فرزند طلب قصاص خون عثمانؓ میں حضرت علیؓ کے طرز عمل اور

پالیسی کے خلاف تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے مؤلف نے جو اس زمانہ سے تقریباً دوسو پونے دوسو برس بعد کتاب تالیف کی ہے۔ حقیقت حال کی پردہ پوشی کے لئے پہلے تو حضرت عقیل رضؓ کا ایک مکتوب بنام حضرت علیؓ وضع کر کے نقل کیا ہے، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں عمرہ کے لئے گیا تھا دیکھا کہ "عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ بصرہ جا رہے ہیں، انہوں نے نکث بیعت کیا ہے، تم پر الزام قتل عثمانؓ عائد کیا ہے" در کبوا علیک قتل عثمان"۔ بہت سے باغی اور اوباش ان کے ساتھ ہو گئے ہیں بنی امیہ کے "زنادہ الطلقاء" میں سے چالیس سوار بھی عبداللہ بن ابی سرح کے ساتھ معاویہ کے پاس جا رہے تھے، مجھے تمہاری سلامتی کا خوف ہے لکھو تو میں تمہارے بھتیجوں اور تمہارے باپ کی اولاد (بنی اخیک و بنی ابیک) کو تمہاری مدد کے لئے بھیج دوں"۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ کا جو مکتوب وضع کیا ہے اس میں سبائی طرز پر یہ لکھوایا ہے کہ قریش آج تمہارے بھائی کے خلاف لڑنے کو اسی طرح مجتمع ہو گئے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے میرے حق کو جھٹلا دیا۔ میرے فضل کا انکار کیا، اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کی ہے اور میرے ابن عم (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے) کی حکومت و سلطنت مجھ سے چھینے ہیں و سلبتنی سلطان ابن عمی میں ان کے خلاف جہاد کروں گا، تمہیں اپنے بیٹوں اور اپنے باپ کی اولاد (بنی ابیک) کو میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ اس وضعی مراسلت کے دو تین مہینے بعد ہی مودودی صاحب کے اس معتبر مولف نے حضرت عقیل رضؓ کو پیرانہ سالی میں کہ اس وقت ۷۵ برس کے لگ بھگ تھے، آٹھ سو میل کی طویل مسافت طے کرا کے مدینہ سے کوفہ محض اس غرض سے پہنچا دیا کہ قحط پڑ جانے سے بوجہ گرانی اشیاء ان پر کچھ قرض ہو گیا اس کی ادائیگی کے لئے بھائی کے پاس آئے تھے چنانچہ قدوم عقیل بن ابی طالب علی معاویۃ" کے عنوان سے وہ روایت لکھی ہے جس کے چند لفظ مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں، یعنی حضرت عقیل رضؓ کو جب کوفہ اپنے بھائی کے پاس راوی نے پہنچا دیا تو لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے خوش آمدید کہا، پوچھا آپ کیسے آئے کہا "تم وظیفہ اب تک نہیں ملی، ہمارے ملک میں

قحط پڑ جانے سے گرانی اشیاء کی ہے، مجھ پر قرض بہت ہو گیا، اس لئے آیا ہوں کہ میری مدد کرو" حضرت علیؓ نے کہا بخدا میرے پاس اپنے وظیفے کی رقم کے سوا اور کچھ نہیں وہی تم لے جا سکتے ہو حضرت عقیلؓ نے فرمایا تو کیا میں حجاز سے یہاں تمہارے وظیفہ کی رقم وصول کرنے آیا ہوں، اس سے میرا کیا بھلا ہو گا، میری حاجت کیسے پوری ہوگی، یہ سنکر راوی نے حضرت علیؓ کے منہ سے یہ فقرے ادا کرائے ہیں هل تعلم لي مالا غيره ام تريد ان تحرقني الله في نار جهنم في صلتك باموال المسلمين یعنی کیا تم سمجھے ہو کہ میرے پاس اس کے سوا اور مال ہے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کا مال تمہیں دیدوں کہ اللہ جہنم کی آگ میں مجھ کو جھونک دے پھر حضرت عقیلؓ کے منہ سے کہلوایا ہے، واللہ اب تو میں اس شخص کے پاس چلا جاؤں گا جو تم سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے اس سے مراد ان کی حضرت معاویہؓ سے تھی چنانچہ راوی لکھتا ہے کہ وہ کوفے سے سیدھے دمشق جا پہنچے، حضرت معاویہؓ نے ان کا اکرام کیا، اہل شام سے یہ کہہ کر تعارف کرایا هذا سيد قريش وابن سيدها یہ قریش کے سردار اور سردار قریش کے فرزند ہیں، پھر انہیں بقول اس جھوٹے راوی کے اور کچھ نہیں تو تین لاکھ اشرفیاں دلوائیں وامر له معاوية بثلاثمائة الف دينار (الامامه والسیاسه ج ۱ ص ۸۴) یہ ہے لغو روایت جس کے چند لفظ تو مودودی صاحب نے لئے روایت پوری بیان کرنے کی ہمت یقیناً اسی خوف سے نہیں ہوئی کہ اس کا ہر فقرہ ساختگی کی غمازی کر رہا ہے، مودودی صاحب کی نیت نیک ہوتی تو یہ غور کرتے کہ حضرت عقیلؓ نسباً ہاشمی ہونے کی بنا پر بیت المال میں نہ صرف واجبی حق خمس کا رکھتے تھے بلکہ دیوان فاروقی کے مطابق وہ ادسان کے بیٹے مزید حقدار تھے، ایسا اگر کوئی واقعہ پیش بھی آیا تو انہیں ان کا حق دینا اور قرض ادا کرنا مسلمانوں کے مال میں تصرف کس طرح کہا جا سکتا تھا یہاں ہم امام شافعیؒ کی کتاب الام سے استشہاد کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو گا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بیت المال میں بنو ہاشم کا حق تھا (ملاحظہ ہو ج ۴ ص ۱۴۸)

عن جعفر بن محمد عن ابن ابيه ان حسنا وحسينا وعبد الله بن عباس	جعفر بن محمد (بن علی بن حسین) سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد کا حوالہ دیا کہ حسن و حسین عبد اللہ بن عباس و

وعبد اللّٰہ بن جعفر سألوا علیًا ۔ نصیبھم من الخمس فقال ھو لکم حق ولکنی محارب معاویۃ فان شئتم ترکتم حقکم منہ ۔

عبداللہ بن جعفر نے حضرت علیؓ سے خمس میں سے اپنا حصہ مانگا انہوں نے کہا وہ تمہارا حق ہے مگر میں اس وقت معاویہؓ سے جنگ میں مشغول ہوں اس لئے اگر تم چاہو تو اس وقت اس میں سے اپنا حصہ نہ لو۔

امام شافعیؒ کی اس روایت سے جو باسناد صحیح بیان ہوتی ہے، جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے استحکام کے لئے بیت المال مسلمین میں سے بے دریغ روپیہ صرف کر رہے تھے، وہاں مودودی صاحب کی بیان کردہ اس موضوع روایت کا بھی ابطال ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت عقیلؓ کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو حضرت علیؓ جو بیت المال میں بنو ہاشم کا حق مانتے تھے، ادائیگی سے انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن یہ سارا قصہ ہی وضعی و من گھڑت ہے اور حضرت عقیلؓ کے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے کی لغو تاویل کے لئے گھڑ لیا گیا ہے

شہادت و مظلومیت عثمان ذی النورینؓ

مودودی صاحب کا عنوان ہے "دوسرا مرحلہ" (شمارہ ترجمان القرآن صفحہ ۱۴۵ من کتاب ۱۱۶) اس میں فرماتے ہیں:-

"حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو اگرچہ بہت سے لوگوں کو ناگوار تھا لیکن بحیثیت مجموعی ان کی خلافت میں خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا کہ عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک بھی دل میں لانے کے لئے تیار نہ تھے۔"

لکھنے کو تو عمومیت کا اظہار کیا ہے مگر ان بہت سے لوگوں میں دو چار کے نام بھی مودودی صاحب نے نہیں لکھے جو حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کے خلاف تھے یعنی انہیں یہ ناگوار تھا کہ انہوں نے اپنے قریبی عزیزوں کو حکومت کے مناصب پر اس طرح فائز

کر دیا کہ "خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں" آگیا (ص ۱۰۵ جون)

اگر کسی مہاجر کا، کسی انصاری کا یا عرب کے کسی ذی اقتدار شخص کا نام مودودی صاحب نے لکھا ہوتا تو اس پر غور کیا جاسکتا تھا لیکن نام کسی کا وہ کیسے بتا سکتے تھے جب کہ صورت حال یہ تھی اور وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مخالفین کا ایک نہایت مختصر گروہ ان لوگوں کا تھا جنہیں عوام میں نہ کوئی مقبولیت حاصل تھی اور نہ کسی شہر میں ان کی عددی قوت ایسی تھی کہ وہاں وہ امت کے متفق علیہ امام اور اس کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف بغاوت کرسکیں، صراحت کرنے کی تو انہوں نے ہمت نہیں کی مگر ہم بتاتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن سبا کے جال میں پھنس جانے والے ہزار دو ہزار آدمیوں کا مختصر گروہ تھا مودودی صاحب خود معترف ہیں (جون ص ۲۵۴-۲۵۵ وکتاب ص ۱۱۷)

یہی وجہ ہے کہ جو مختصر گروہ ان کے (یعنی امیرالمومنین حضرت عثمان صلوٰۃ اللہ علیہ کے) خلاف شورش برپا کرنے اٹھا اس نے بغاوت کی، دعوت عام دینے کی بجائے سازش کا راستہ اختیار کیا۔ اس تحریک کے علمبردار مصر، کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے باہم خط و کتابت کرکے خفیہ طریقے سے یہ طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ پر دباؤ ڈالیں، انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو نیا دہ تو بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دیئے جاسکتے تھے اور بعد میں دیئے بھی گئے۔

پھر باہمی قرارداد کے مطابق یہ لوگ جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی، مصر کوفہ اور بصرہ سے بیک وقت مدینہ پہنچے، یہ کسی علاقہ کے نمائندے نہ تھے بلکہ سازشانہ سے انہوں نے اپنی ایک پارٹی بنائی تھی، جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی۔

مدینہ کے مہاجرین و انصار بھی جو در اصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہم نوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے، مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انہوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمان رضی کو گھیر لیا۔"

یہ بیان مودودی صاحب کو بھی اس حد تک تسلیم ہے کہ وہ اسے پیش کرنے پر مجبور ہو گئے اسے جب کوئی غیر جانبدار شخص دیکھے گا، تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ مودودی صاحب نے جن تفصیلات کے ساتھ حضرت عثمان رض کی فرد جرائم مرتب فرمائی ہے وہ خود ان کے دل کی آواز ہے، اس سے ہم عصر امت کسی درجہ میں بھی متفق نہ تھی، حضرت امیر المومنین اور ان کے عاملوں کی مقبولیت و محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ جو حکومت دو براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی، اس میں سے ابن سبا اور اس کے خاص چیلوں کو چھ برس کی مسلسل جدو جہد کے بعد صرف چند ہزار آدمی مل سکے اور وہ بھی کسی ایک علاقے کے نہیں بلکہ متفرق بستیوں میں سے یعنی کسی ایک اسلامی بستی میں بھی ان کی عددی قوت اتنی نہ تھی کہ وہاں کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں۔

پھر ان گمراہ لوگوں میں بھی سب کے سب ایسے نہ تھے کہ دل سے اس تحریک کے مقاصد سے متفق ہوں بلکہ چند باتوں کو غلط رنگ میں پیش کر کے وقتی طور پر انہیں اپنا شریک بنا لیا جاتا تھا، کبھی کہتے کہ یہ قریش سب عالم اسلام پر حاوی ہو گئے ہیں کبھی کہتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار بعض اوقات ان کو چھوڑ کر یہ دور کے لوگ کیسے حاکم ہو گئے۔ غرض یہ کہ عربوں کو قریش کے خلاف اور عجمیوں کو عربوں کے خلاف ابھارنے کی کوشش کرتے تو تھے۔ مگر اپنی جمعیت نہ بنا سکے۔

چند سازشی ایسے البتہ تھے کہ بالآخر وہ ہنگامہ بپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس کے لئے انہوں نے وہ چال چلی کہ حضرت علی رض کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابو بکر وغیرہ کے ذریعہ خلیفہ مظلوم پر مہلک حملہ کرا کے ایسا فتنہ کھڑا کر دیا کہ عالم اسلام تہہ و بالا ہو گیا۔ مودودی صاحب نے امیر المومنین ذی النورین رض کی شہادت پر غم و غصہ کا تو اظہار کیا ہے، مگر بات پوری نہیں لکھی تاکہ پتہ چل جاتا کہ امیر المومنین ذی النورین کی شہادت میں

امت کو کچھ دخل نہیں، اور محض چند بد باطن اور شریر النفس لوگوں کی یہ سب کارروائی تھی
صورت یہ ہوئی کہ چھ برس تک مسلسل کوشش کے بعد کوفہ، بصرہ اور فسطاط
کے مرکزوں کے تحت یہ لوگ چند ہزار آدمیوں کو اس مقصد سے منظم کر سکے کہ حضرت عثمان رض
کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی کوشش کریں۔ جب ایک دفعہ کامیاب ہو جائیں تو پھر
قریش کی خلافت قائم نہ ہونے دیں، جیسا کہ حضرت معاویہ رض کے سامنے انہوں نے اپنی حماقت
سے اظہار بھی کر دیا (ملاحظہ ہو عنوان سعید بن العاص)

ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ ناصحوں، عابدوں کے بھیس میں ایک ایک شہر میں مسافرانہ آتے
اور کہتے کہ ہم فلاں امیر کے مظالم سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں، کیونکہ تمہارا امیر اچھا ہے۔ لوگ
تعجب کرتے کہ امیر المومنین نے اس شہر میں ایسے ظالم شخص کو کیوں بھیجا ہمارے جیسے امیر
کو کیوں نہ بھیجا۔ اسی طرح ہر شہر میں دوسرے شہر کے والی کے خلاف پروپیگنڈا کرتے یہ سب تفصیل
طبری میں ہے۔

حضرت عثمان رض کو جب اس قسم کی خبریں پہنچیں تو صحابہ کرام کا ایک وفد آپ نے مرتب
کیا اور تحقیقات کے لئے انہیں مختلف علاقوں میں بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رض کو کوفہ
حضرت اسامہ بن زید رض کو بصرہ، حضرت عبداللہ بن عمر رض کو شام اور حضرت عمار بن یاسر رض کو مصر
بھیجا۔ ان کے علاوہ اور لوگ دوسرے مختلف شہروں میں بھیجے گئے۔ یہ سب حضرات پوری طرح
تحقیق کر کے واپس آئے اور بتایا کہ کسی جگہ کوئی بے چینی نہیں سب لوگ اپنے اپنے والیوں
سے خوش ہیں۔ حضرت عمار رض جب مصر پہنچے، روایت میں کہا گیا ہے کہ سبائیوں نے ان سے
رابطہ قائم کر لیا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مدینہ جانے سے انہیں مصر ہی میں روک لیا تھا اور
اپنا ہمنوا و ہمصفیر بھی بنا لیا۔ عامل مصر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اس صورت
حال سے مطلع کیا تو آپ نے حکم بھیجا کہ انہیں یہاں بھیجدو۔ حضرت عمار مدینہ کب واپس آتے
وہ کیا رپورٹ انہوں نے خلیفہ وقت کو اس خدمت کو انجام دہی کی پیش کی جس کے لئے
وہ مصر بھیجے گئے تھے؟ اس کا کچھ حال کسی مورخ نے بیان نہیں کیا۔ اس بارے میں آگے
بضمن جنگ صفین گفتگو آ رہی ہے۔

بہرحال سبائیوں نے حج کے بہانے اور حاجیوں کے بھیس میں مصر اور کوفہ و بصرہ سے اپنے آدمی اکھٹے کئے اور حج کو جانے کی بجائے مدینہ پر چڑھ دوڑے ان میں اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ سے ان کو جو شکایتیں تھیں وہ بیان کیں اور جو اعتراضات تھے وہ پیش کئے۔ امیرالمومنین نے انہیں مطمئن کر دیا۔ صحابہؓ کرام نے بھی انہیں سمجھایا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ البتہ ایک مطالبہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو والی بنا دیں۔ آپ نے فرمایا تم کسے چاہتے ہو تو انہوں نے حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ کا نام لیا۔ ان کے نام فرمان ولایت دیدیا گیا اور یہ لوگ واپس ہو گئے۔

یہاں ان لوگوں کی یہ چال دیکھنی چاہیئے کہ انہوں نے اس والی مصر حضرت عبداللہ بن سعد کی معزولی کا مطالبہ کیا، جو مستقر خلافت سے دور تھے اور جہاں کی رعایا میں ذمیوں کی تعداد بہت تھی اور جہاں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، گویا عالم اسلام کے تمام والیوں میں ایک حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ ہی ایسے نظر آتے جن کی معزولی کا یہ لوگ مطالبہ کر سکتے تھے۔ ان باغیوں میں کوفہ اور بصرہ کے لوگ بھی تھے جنہیں عادت تھی کہ والیوں کا تبادلہ کرانے کا مطالبہ کرتے رہیں، مگر اس موقعہ پر صرف ایک والی کی معزولی کا مطالبہ کیا اور ان کی جگہ چاہا کسے؟ ایک ناتجربہ کار مغلوب الغضب نوجوان حضرت علیؓ کے سوتیلے بیٹے کو کیونکہ انہیں آئندہ اسی سے کام لینا تھا۔

اب ایک قافلہ کوفہ روانہ ہوتا ہے، ایک بصرہ اور ایک مصر، لوگ اطمینان کا سانس لیتے ہیں، تین روز کے بعد مختلف سمتوں میں جانے والے یہ تینوں قافلے اچانک واپس آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں امیرالمومنین کا ایک غلام ملا ہے جو والی مصر کے نام ان کا مہر شدہ حکم لئے جا رہا تھا کہ محمد بن ابی بکر وغیرہ جب پہنچیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ بعض نے خط کا مضمون قدرے مختلف بیان کیا ہے۔

حضرت مسلمہ انصاریؓ نے یا بروایت دیگر حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ تو مختلف سمتوں میں گئے تھے، تین دن میں تو ایک دوسرے سے بہت دور ہونا چاہیئے

تھا تم اچانک اور ایک ساتھ کیسے پہنچ گئے یہ تمہارا بنایا ہوا منصوبہ معلوم ہوتا ہے۔
(طبری ج ۵ ص ۱۰۵ طبع اول)

ان لوگوں نے جواب میں کہا فضعوہ علی ما شئتم لا حاجۃ لنا الی ھذا الرجل لیعتزلنا (آپ لوگ جو چاہیں وہ معنی پہنائیں۔ ہمیں اس شخص (یعنی امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی) ضرورت نہیں اسے چاہئے کہ ہمارا پیچھا چھوڑدے) یہ جواب صاف بتا رہا ہے کہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی بات تھی۔

ہوا یہ تھا کہ جب یہ قافلے روانہ ہوئے تو دو آدمی مدینہ ہی میں رہ گئے یعنی اشتر نخعی اور حکیم بن جبلہ، یہ سب کارروائی ان کی تھی۔ انہوں نے صدقات کے مواشی خانے کے ایک غلام کا ضمیر خریدا اور اس کے ہاتھ حضرت ذی النورین امیر المومنین کی طرف سے والی مصر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد کے نام ایک خط لکھا جس کے الفاظ مختلف راویوں نے مختلف لکھے ہیں اور اس شخص کو ہدایت کی کہ مصر کو اس طرح روانہ ہو کہ ان کے ہاتھ پڑ جائے چنانچہ یہ شخص اسی طرح چلا کہ جیسے لوگوں سے کترا کر نکلنا چاہتا ہے اور ایسی حرکتیں کیں کہ خواہ مخواہ قافلے والے اس کی طرف متوجہ ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرنا تھا انہیں یہ تو معلوم تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ والی مصر ہیں مگر یہ خبر نہ تھی کہ اس وقت وہ مستقر چھوڑ چکے تھے اور امیر المومنین کی اجازت سے مدینہ آرہے تھے۔ جس وقت ان مصریوں کا قافلہ حاجیوں کے بھیس میں روانہ ہوا ہے حضرت عبداللہ اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ معاملہ کچھ اور ہے، چنانچہ انہوں نے امیر المومنین کی خدمت میں ایک تیز رو قاصد بھیجا اور مدینہ حاضر ہونے کی اجازت مانگی جو یہاں سے بھیجدی گئی۔ اور عبداللہ مصر سے روانہ ہوگئے، ابھی فلسطین میں داخل ہوئے تھے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ امیر المومنین کی شہادت کی اطلاع ملی کہ اسی تھے وہیں رک گئے (طبری ج ۵ ص ۲۰۲)

ان کے مصر سے ہٹتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی حذیفہ جو آپ کے سخت مخالف اور سبائی پارٹی کے سرگرم رکن تھے وہ مصر پر قابض ہوگئے لیکن باغیوں

کہ ان باتوں کی خبر کہاں تھی؛ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ اس خط کا شاخسانہ کھڑا کر کے ہم اپنا موقف مضبوط بنا سکیں گے، مگر ہوا الٹا اور تمام عالم اسلام میں ان لوگوں سے نفرت پھیل گئی۔

یہ روئیداد طبری جیسے شیعہ مصنف کی کتاب میں ہونے کے باوجود لوگ حضرت عثمانؓ یا حضرت مروان پر یہ خط لکھنے کا الزام رکھتے ہیں یا شبہ کرتے ہیں، مگر انہیں سوچتے کہ جب بارگاہ خلافت سے حضرت عبداللہ کو مدینہ کی اجازت بھیجدی گئی تھی تو ان کے نام کوئی خط کیسے بھیجا جاسکتا تھا۔ غرض سبائیت زدہ تو حضرت مروانؓ کو متہم کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ خط تحریر کیا تھا اور ایک گروہ نے حضرت علیؓ کو متہم کیا ہے بلکہ دے خویہ نے اپنے مضمون "خلافت" کے حاشیہ پر اس بات کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ خود حضرت عثمانؓ کو یہ شبہ تھا کہ اس میں حضرت علیؓ کا کوئی ہاتھ تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برطانیکا گیارھواں ایڈیشن جلد ۵ صفحہ ۲۵)

لیکن یہ سب کارستانی سبائیوں کی تھی حضرت علیؓ کا دامن اس سازش سے بالکل پاک ہے جیسا انہوں نے متعدد موقعوں پر بقسم شرعی اپنی بریت کا اظہار کیا ہے۔

اب آگے کا یہ بیان تو مودودی صاحب کا صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ سے معزول ہوجانے کے مطالبہ پر یہ لوگ کس طرح مصر تھے پھر آپ کو شہید کرنے پر تل گئے اور کس طرح اہل مدینہ نے ان لوگوں کو مار بھگانے کی اجازت امیرالمومنین سے کی مگر انہوں نے کسی طرح یہ اجازت نہ دی بلکہ فرمایا کہ جو شخص میری بیعت پر قائم رہنا چاہتا ہے وہ ہتھیار رکھ دے اس سلسلے میں اہل مدینہ کے اصرار اور آپ کے انکار کی جو روئیداد ہے اس کا بیان کرنا موجب طوالت ہوگا۔ حضرت کعب بن مالک انصاریؓ نے چار شعروں میں سب نقشہ کھینچ دیا ہے۔

---

a THE HISTORY OF THE LETTER TO ABDALLAH BIN SARH SEEMS TO HAVE BEEN A TRICK PLAYED ON THE CALIPH WHO SUSPECTED ALI OF HAVING HAD A HAND IN IT.

فکفّ یدیه ثم أغلق بابه | وأیقن أن الله لیس بغافل

انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ روک لیے پھر اپنا دروازہ بند کر لیا | اور یہ یقین جانا کہ اللہ غافل نہیں ہے

وقال لأهل الدار لا تقتلوهم | عفا الله عن کل امرئ لم یقاتل

اور گھر کے محافظوں سے فرمایا نہیں قتل مت کرو | اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بخشے جو لڑائی سے ہاتھ روکے

فکیف رأیت الله صبّ علیهم | العداوة والبغضاء بعد التواصل

تو پھر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں باہمی محبت و الفت کے بعد کیسا بغض و عداوت انکے اندر ڈال دی

وکیف رأیت الخیر أدبر بعده | عن الناس إدبار الریاح الجوافل

اور دیکھ لو کہ ان کے (عثمان رضی کے) بعد کس طرح لوگوں کے درمیان سے خیر و برکت ایسے اٹھ گئی جیسے آندھی اڑا لیجاتی ہے

یہ ہے صحیح صورت حال اور اس سے ہر منصف مزاج شخص یہ تسلیم کرے گا کہ مودودی صاحب نے جو عنوان قائم کئے ہیں "تغیر کا آغاز، پہلا مرحلہ، دوسرا مرحلہ اور تیسرا مرحلہ" اور ان کے تحت یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عثمان رضی کے خلاف امت میں عام بے چینی تھی اور روز بروز بڑھ رہی تھی، یہ سب محض ان کی خیالی منظر کشی ہے۔ حقیقتاً ایسی کوئی بات نہ تھی اور تمام عالم اسلام اپنے اس مثالی امام کے زیر سایہ روز افزوں ترقی کر رہا تھا، ظاہری اور باطنی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ارتقائی منزلیں سرعت سے طے ہو رہی تھیں، دشمنان امت ان ترقیوں سے خار کھا رہے تھے انہوں نے یہ سب فتنہ برپا کر کے عالم اسلام کے جسم میں وہ ناسور پیدا کر دیا جس کا اندمال ممکن نہیں۔

حضرت عثمان رضی کے خلاف نہ کہیں عام بے چینی تھی اور نہ ان کی شہادت میں امت کا کوئی ہاتھ ہے، اگر خاکم بدہن حضرت عثمان رضی سے کسی درجہ میں امت ناراض ہوتی تو کیا ان کی شہادت سے یہ عالم ہوتا کہ جیسے سارا جہان تہ و بالا ہو گیا ہو، آخر اور بھی بڑے بڑے لوگ قتل ہوتے ہیں، کسی کے قتل پر بھی امت میں ایسی آگ لگی جیسے حضرت عثمان رضی سید المظلومین صلوٰۃ اللہ و سلام علیہ کی شہادت پر ہے؟

جس شخص کو انصاف کے ساتھ عہد عثمانی اور اس کے بعد کے حالات مطالعہ کرنے کی توفیق ہو گی، اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ حضرت عثمان رضی سے زیادہ محبوب خلیفہ کوئی

ہیں، عقیدت واحترام اور تعظیم وتکریم کے مستحق تو پہلے اور بعد کے خلفاء ہوتے ہیں لیکن جسے محبوبیت کہتے ہیں وہ تو عثمانؓ پر ختم ہو گئی، یہ محبوبیت ایسی مثالی تھی کہ شاعر اپنی محبوبہ سے کہتا ہے۔

أُحِبُّكَ والرحمٰن حبّ قریشٍ عثمان

بخدا میں تجھ سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی قریش کو عثمانؓ سے

بیعت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب نے حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت پر البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:۔

"وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد دوسرے شخص جن کو امت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علیؓ ہی ہیں۔"

حضرت علیؓ کے مقام ومرتبہ کا ہمیں انکار نہیں، لیکن ان کی خلافت کا یہ استحقاق حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کسی اعلان کے مطابق ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس بارے میں صحیح بخاری سے حضرت عبدالرحمٰن کا بیان تو یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں بہت ہی کم لوگوں نے رائے دی تھی (ملاحظہ ہو ج ۳ کتاب الاحکام ص ۲۴۵ ص ۲۴۶)

اما بعد یا علی انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علی نفسک سبیلا	اما بعد! اے علی! میں نے لوگوں کی یہ بات دیکھی کہ وہ عثمان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔ لہٰذا تم اپنے دل میں کسی خیال کو جگہ مت دو۔

اصل صورت یہ تھی جو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جن چھ بزرگوں کو حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے بعد نامزد کیا تھا کہ وہ آپس میں کسی ایک پر مجتمع ہو جائیں تو ان میں سے چار حضرات نے برضا ورغبت اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور خلافت کے خیال سے دستبردار

ہو گئے تھے۔ ان میں سے ہر صاحب ہر اعتبار سے یکساں عظمت و حرمت رکھتے تھے۔ مودودی صاحب کا یہ خیال محض جذباتی ہے کہ "ان میں سے حضرت علیؓ ہر لحاظ سے پہلے نمبر پہ تھے"۔ حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اگر ایسا ہوتا تو انہی پہ اتفاق کر لیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا استحقاق محض اس وجہ سے تھا کہ باقی حضرات الگ ہو چکے تھے اور جو دو بچے تھے ان میں سے ایک امیدوار خلافت یعنی طلحہ شہید ہو چکے تھے۔ اگر حالات معمول پر ہوتے اور حضرت عثمانؓ کی وفات طبعی ہوتی اور وہ بے وصیت کئے اس دنیا سے جاتے تو ایک درجہ میں یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی طرف نگاہیں اٹھتیں۔

بلکہ اغلب یہ ہے کہ انتخاب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ہوتا، کیونکہ وہ سابقیت کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملی سیاست میں نمایاں حصہ لے چکے تھے یعنی وہ جیسے بے جگر مجاہد اور عظیم فاتح تھے اسی شان کے ساتھ انہیں جہانبانی کا بھی تجربہ تھا اور وہ عملی ثبوت دے چکے تھے کہ بستیاں کیسے بسائی جاتی ہیں اور شہروں میں میزان عدل کیسے قائم کی جاتی ہے اور نظم و نسق کیسے چلایا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ایسا کوئی کارنامہ ہی نہیں۔ حضرت سعدؓ خلافت و امارت سے چنداں بے نیاز تھے اور ان کے پیش نظر صرف اتنا تھا کہ مسلمان اپنا سیاسی نظام کیسا ہی رکھیں مگر آپس میں لڑنے سے گریز کریں۔ البتہ اگر قربانی کی ضرورت ہو اور ملت کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائیں اس لئے انہوں نے اپنی ساری عمر قربانیوں اور ان کوششوں میں گزاری اور زندگی کا مقصد سوائے اعلائے کلمۃ اللہ کے اور کچھ نہ رکھا یہ وہی تو ہیں جن کی تکبیر سے ایوان کسریٰ گونجا۔ حالات معمول پر ہوتے تو عجب نہیں جو ہم چوتھا خلیفہ حضرت سعدؓ ہی کو پاتے، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آخر وقت اپنی جانشینی کے لئے ان ہی کا نام خاص طور سے لیا تھا۔

پھر اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کو کسی کے حق میں وصیت کرنے کا موقع ملتا تو حضرت زبیرؓ کو اپنے بعد کے لئے نامزد کرتے

آپ نے آخر وقت میں اپنے مال اور اہل و عیال کے بارے میں بھی وصیت انہی کو کی تھی اور اپنی زندگی میں بھی اپنے بعد انہی کو خلافت کے لئے زیادہ موزوں سمجھتے تھے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۰۲ طبع مصر)

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال اخبرنی مروان بن الحکم قال اصاب عثمان بن عفان رعاف شدید سنۃ الرعاف حتی حبسہ عن الحج واوصی فدخل علیہ رجل من قریش قال استخلف قال وقالوہ قال نعم قال ومن فسکت فدخل علیہ رجل آخر احسبہ الحرث فقال استخلف فقال عثمان وقالوا؟ فقال نعم قال ومن؟ فسکت قال فلعلھم قالوا الزبیر قال نعم قال اما والذی نفسی بیدہ انہ لخیرھم ما علمت وان کان لاحبھم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد ماجد (عروہ ابن الزبیر) کے حوالے سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے (حضرت) مروان بن الحکم نے بیان کیا کہ جس سال نکسیر کی وبا پھیلی تو حضرت عثمانؓ پر بھی نکسیر کا سخت حملہ ہوا حتیٰ کہ آپ حج کو بھی نہ جا سکے اور وصیت تک کر دی اتنے میں قریش میں سے ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دیجئے فرمایا "کیا لوگ کہہ رہے ہیں؟" انہوں نے عرض کیا "جی ہاں" فرمایا کس کو؟ تو اس پر وہ چپ ہو گئے اتنے میں ایک اور صاحب حاضر ہوئے انہیں یہ خیال ہے کہ وہ الحرثؓ تھے انہوں نے بھی عرض کیا "کسی کو جانشین مقرر کر دیجئے" پوچھا کیا لوگ کہہ رہے ہیں" عرض کیا "جی ہاں" فرمایا کس کو تو وہ چپ ہو گئے پھر آپ نے فرمایا شاید زبیر کا نام لے رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں" فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ میری دانست میں سب میں بہترین شخص ہیں اور وہ ان سب سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ اگلے خلیفہ حضرت زبیرؓ ہی ہوں گے، وہی اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے محترم و محبوب تھے ان کے معتمد کہ متعدد اجلہ صحابہ نے انہیں اپنا وصی بنایا تھا اور وہ نہایت شفقت و محبت

امانت سے اپنے فرائض پورے کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ابن مسعودؓ حضرت مقدادؓ حضرت مطیع بن الاسودؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع نے حضرت زبیرؓ ہی کو اپنا وصی بنایا تھا اور آپ کی شان یہ تھی کہ ان سب کے اہل وعیال کی پرورش اپنے مال سے کرتے تھے اور ان کے اموال کو محفوظ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے آپ کے بعد برسوں میں وہ قرض ادا کیا۔

ان امور کی روشنی میں مودودی صاحب کا یہ لکھنا مبالغہ آمیز ہے کہ حضرت علیؓ سے افضل کوئی شخص نہ تھا۔ صحیح اور معتدل رائے یہ ہے کہ وہ بھی منجملہ ان بزرگواروں کے تھے جن پر نگاہیں اٹھ سکتی تھیں۔

چنانچہ شیعہ مورخ طبری کی روایت میں (ج ۵ ص ۱۵۵) ہے کہ مصری بلوائیوں نے اول حضرت علیؓ کو خلافت پیش کی کوفیوں نے حضرت زبیرؓ کو اور بصریوں نے حضرت طلحہؓ کو، ان تینوں حضرات نے آمادگی ظاہر نہ کی تب ان سب نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے پاس وفد بھیجا، طبری کے الفاظ ہیں:۔

فبعثوا الی سعد بن ابی وقاص وقالوا انک من الشوریٰ فرأینا فیک مجتمع فاقدم نبایعک فبعث الیھم انی وابن عمر خرجنا منھا فلا حاجۃ لی فیھا!	تب انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس وفد بھیجا کہ آپ اہل شوریٰ میں سے ہیں اور ہم سب کا آپ کے بارے میں اتفاق رائے ہے لہٰذا آپ تشریف لے آئیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں آپ نے انہیں یہ جواب بھیجا کہ میں اور ابن عمر اس معاملہ سے نکل چکے ہیں اور مجھے اس میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔
ثم انھم اتوا ابن عمر عبد اللہ فقالوا انت ابن عمر فقم بھذا الامر فقال ان لھذا الامر انتقاما واللہ لا اتعرض لہ فالتمسوا غیری	تب وہ (حضرت) عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ (حضرت) عمرؓ کے فرزند ہیں لہٰذا آپ خلافت کے لئے کھڑے ہو جائیے آپ نے فرمایا یہ وہ معاملہ ہے کہ اس کا انتقام لیا جائے گا بخدا میں اپنے آپ کو اس کے پیش نہیں کروں گا تم کسی اور کو تلاش کرو۔

یہ ایک شیعی مصنف کا بیان ہے جو مودودی صاحب کا ماخذ بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانے کی خواہش الگ الگ مختلف گروہوں کی تھی۔ لیکن ان حضرات سے مایوس ہو کر انہوں نے سب کے اتفاق رائے سے جس شخص کی خدمت میں وفد بھیجا وہ اول حضرت سعدؓ تھے اور پھر حضرت ابن عمرؓ گویا باغی اور مفسد بھی یہ جانتے تھے کہ اس ماحول میں اگر کسی شخص پر اجماع ہو سکتا تھا تو وہ حضرت سعدؓ کی ذات تھی اور ان کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی، مودودی صاحب کا یہ قول باطل ہے کہ حضرت علیؓ سب سے افضل تھے۔

عقد بیعت

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے (ص ۱۲۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا "یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اعتبار سے انہوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔"

یہ بیان بھی محض خیالی اور جذباتی ہے، اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے، کیا انہیں معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ کی جہادی خدمات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تھیں اور عہد رسالت کے ان جہادی معرکوں میں بھی وہ منفرد نہ تھے۔ دیگر صحابہ حضرت حمزہؓ حضرت سماک ابو دجانہ انصاریؓ حضرت زبیرؓ وغیرہم نے بڑھ بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ مسلمانوں پر بعد میں جو مصیبتیں آئیں اور جیسے قوی دشمنوں سے انہیں برسرپیکار ہونا پڑا، ان میں حضرت علیؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا حالانکہ ان کی جوانی کا عالم تھا۔ عہد رسالت کے بعد کسی ایک جہاد میں بھی ان کا نام نہیں ملتا برخلاف اس کے حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ رہتی دنیا تک یہ امت ان پر فخر کرے گی اور ان کی احسان مند رہے گی لہذا حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ کی موجودگی میں نہ سابق خدمات کا ذکر کیا جا سکتا تھا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے قرابت کا، کیونکہ ایک آپ کے ماموں ہیں اور ایک سگی پھوپی کے بیٹے۔ علاوہ ازیں خلافت کے معاملہ میں رشتہ داری کبھی وجہ امتیاز و استحقاق نہیں سمجھی گئی اور نہ قواعد دینیہ کے تحت سمجھی جا سکتی ہے، وہاں تو محض مصالح ملیہ پر مدار کا تھا۔ یہ تقریباً اگر کی ہوگی تو صحابہ کرام نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے کی ہوگی جو آپ کو خلیفہ بنانے میں اپنی عافیت سمجھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ جس طرح آپ کی سیاست پر غالب آ کر وہ اپنے مقاصد پورے کر سکتے تھے اس طرح دوسرے کے تحت امکان نہ تھا۔

اگر اہل مدینہ اور اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا ہوتا اور آپ کی بیعت پر اجماع کر لیا ہوتا تو وہ واقعات کیوں رونما ہوتے جو بعد میں ہوئے اور آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت کیوں آخر تک زیر بحث رہتی اور کیوں آپ صفین میں ثالثی پر راضی ہو کر ثالثوں کے فیصلے کا اپنے آپ کو پابند بناتے اور کیوں ثالثوں کا فیصلہ آپ کے خلاف ہوتا اور ہم یہ کیوں دیکھتے کہ ثالثوں کے فیصلے کے بعد آپ کے علاقے یکے بعد دیگرے بغیر کسی جنگ کے آپ کے تصرف سے نکلتے چلے گئے اور کیوں آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ سے بیعت کرتے اور کیوں اس اجتماع کی خوشی میں صحابہ کرام اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھتے، اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت اجماعی نہیں تھی۔

پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر اہل مدینہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر حضرت علیؓ کی بیعت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکے ہوتے اور ان کی بھاری اکثریت نے بیعت کر لی ہوتی تو جن لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنایا تھا وہ مدینہ کی فضا کو اپنے لئے ناسازگار کیوں پاتے اور کیوں ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح آپ کو کوفہ لے جائیں جو ان لوگوں کا گڑھ تھا۔ چنانچہ کوفہ ایسے گئے کہ پھر پلٹ کر نہ کبھی دیار رسول (مدینہ منورہ) آئے اور نہ حج کے لئے مکہ معظمہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

حضرت مرتضیٰ برائے اقامت حج بذات خود نتوانست نمود بلکہ بعض سنین نائب ہم نتوانست فرستاد۔ . . . حال آنکہ خلفائے سابق اقامت

حج بنفس خود میکردند الا بعذر و اقامت حج ضمیمہ خلافت بود بلکہ از
خواص خلیفہ (ازالۃ الخفاء ص ۱۳۴)

اگر کہا جائے کہ جنگوں کی وجہ سے آپ کو مدینہ سے نکلنا پڑا تب بھی سوال ہے
کہ مستقر خلافت مدینہ ہی کیوں نہ رکھا اور کیوں وہاں سے تمام تعلقات منقطع کر کے کوفہ کو
دار الخلافہ بنایا جو لوگ سیاست عالم سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ اپنے دار الحکومت
سے کتنی ہی مدت تک کتنی ہی دور رہے وہ اپنا دار الحکومت نہیں بدلتا جب تک وہ اس
پر مجبور نہ ہو جائے۔

اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہٗ کے آخری پچیس سال دکن میں گزرے اور وہیں وفات
پائی، لیکن دار الحکومت شہر دہلی رہا اور برابر اسی کو سیاسی مرکز کی حیثیت حاصل رہی اسی
طرح حضرت علیؓ بھی مدینہ کو اپنا دار الخلافہ رکھ سکتے تھے۔ مگر ہم دیکھتے یہ ہیں کہ ان کے عہد
میں مدینہ طیبہ اپنی مرکزیت کھو چکا تھا اور سیاسیات اسلامیہ میں اہل مدینہ کی حیثیت ارباب حل و عقد
کی نہیں تھی بلکہ ادنیٰ و اعلیٰ کسی معاملہ میں اہل مدینہ کی رائے حجت نہیں سمجھی جاتی تھی یہ کیسی جیتی اور عملی دلیل ہے
کہ اہل مدینہ کی اکثریت نے آپ سے آئینی بیعت نہیں کی تھی اور جنہوں نے کر لی تھی وہ آپ کے ساتھ کوفہ
آ گئے تھے۔

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے (ص ۱۳۲)

پھر مسجد نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین و انصار نے ان کے ہاتھ
پر بیعت کی، صحابہ میں صرف سترہ یا بیس ایسے بزرگ تھے جنہوں نے بیعت نہیں
کی، اس روداد سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؓ کی خلافت قطعی
طور پر ٹھیک ٹھیک ان ہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن پر خلافت
راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے انہوں
نے خلافت حاصل کرنے کی برائے نام بھی کوشش نہیں کی، لوگوں نے خود
آزادانہ مشاورت سے ان کو خلیفہ منتخب کیا، صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کے
ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا

مودودی صاحب کا یہ کہنا تو کچھ غلط نہیں کہ حضرت علیؓ زبردستی اقتدار پر از خود قابض نہیں ہوتے، مگر اس تاریخی واقعہ سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک اندوہناک انقلاب کے ذریعہ وہ برسراقتدار آئے تھے اور انقلاب پیدا کرنے والے ہی انہیں خلیفہ بنانے میں پیش پیش رہے تھے، لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ اہل مدینہ نے آزادانہ مشاورت سے انہیں خلیفہ منتخب کیا تھا اور صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان سے بیعت کرلی تھی اور یہ کہ صرف سترہ یا بیس بزرگ ایسے تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔

آزادانہ مشاورت سے خلیفہ منتخب نہ ہونے کی حتمی دلیل تو یہ ہے کہ صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کی سیاسی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا، قواعد شرعیہ کے مطابق جب ایک شخص سے بیعت کرلی جائے تو پھر اس کے سیاسی اقدامات میں اس کا ساتھ دینا لازمی ہے، اقدام سے پہلے ہر شخص کو موافق و مخالف رائے دینے کا حق ہے لیکن جب امام فیصلہ کرے تو پھر امام کی متابعت سے گریز کا کوئی جواز نہیں، مفترض الطاعۃ کے معنی ہی یہ ہیں کہ صرف امام کے اجتہاد پر عمل ہو اور یہی صحابہ کرام کا معمول تھا اور دین کا یہی اصول انہوں نے امت کو سکھایا ہے جس پر یہ امت عمل کرتی چلی آئی ہے سیاسی اقدامات تو اپنی جگہ رہے جہاں سوائے امام کے کسی کا اجتہاد چل ہی نہیں سکتا اور سب کو اس کی اطاعت لازم ہے اور اس سے گریز اسی وقت ہو سکتا ہے، جب کتاب و سنت کے مطابق اسے معصیت الٰہی سمجھ لیا جائے لاطاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ علمی اور فقہی مسائل میں بھی وہ امام کے اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے، اگرچہ ان کا فتویٰ ان کے اپنے مذہب پر ہو اس کی ایک واضح مثال ہمیں صحیح مسلم میں ملتی ہے (ج ۱ ص ۵۱۵ طبع مصر)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں طواف بیت اللہ اور صفا مروہ کی سعی کے بعد عمرہ پورا کرکے احرام کھول دیا تھا۔ اور پھر حج کے لئے احرام باندھا، آپ فرماتے ہیں میں یہی فتویٰ بھی دیا کرتا تھا لیکن خلافت فاروقی میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ فتوےٰ دینے میں جلدی

نہ کیجئے، امیر المومنین نے اس میں کچھ ترمیم کی ہے۔ چنانچہ میں نے اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو میں نے فتویٰ دیا تھا وہ رک جائیں اور ابھی احرام نہ کھولیں، امیر المومنین تشریف لا رہے ہیں، ان کے حکم کا انتظار کیا جائے"

اسی طرح امیر المومنین عثمان رضؓ نے جب حج کے موقع پر قصر نہیں کیا اور نماز پوری پڑھی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے اس پر اعتراض کیا، آپ نے قصر نہ کرنے کی وجہ بتا دی تو حضرت عبد الرحمٰنؓ پھر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے اور یہ بات بتائی انہوں نے فرمایا "اختلاف ٹھیک نہیں مجھے جب اطلاع ملی کہ انہوں نے چار رکعتیں پڑھی ہیں تو میں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی پڑھیں، البتہ اب وہی ہو گا جو آپ فرماتے ہیں (طبری ۵: ۵۶۔ ۵۷ منقول از العواصم ص ۸۰)

صحابہ کرام جب اجتماعی عبادات میں اپنا فقہی اجتہاد چھوڑ دیتے تھے تو سیاسی، معاملات میں بدرجہ اولیٰ وہ امام کا اتباع واجب جانتے تھے، لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ جمل و صفین کی جنگوں میں شرکت سے اکابر صحابہ اور امت کی عظیم اکثریت نے احتراز کیا، صحاح میں صحابہ کے ایسے اقوال متعدد جگہ مروی ہیں جن سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ ان جنگوں میں شریک ہونا درست نہیں سمجھتے تھے، اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو مفترض الطاعۃ نہ سمجھا اور ایسا وہ سمجھ نہیں سکتے تھے اگر ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوتے اور آئینی انتخاب ہوا ہوتا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ترجمان القرآن شمارہ جون ص۲۵۹)

"ابن عبد البر کا بیان ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر آٹھ سو ایسے اصحاب حضرت علیؓ کے ساتھ تھے جو بیعت الرضوان کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے"

ابن عبد البر کا زمانہ جنگ صفین سے سوا چار سو برس بعد کا زمانہ ہے اس لئے خود ان کا تو کوئی بیان شریک جنگ کی حیثیت سے ہو نہیں سکتا اور کسی عینی شاہد کے بیان کا کوئی سلسلہ اسناد انہوں نے پیش نہیں کیا۔ لہٰذا یہ قول چانڈو خانے کی گپ سے زیادہ کیا حقیقت

رکھ سکتا ہے۔ مودودی صاحب الاستیعاب اور الاصابہ فی تمیز الصحابہ ان دونوں کتابوں سے جو احوال صحابہ پر مشتمل ہیں، ان صحابہ کی فہرست مرتب کرکے بتائیں جو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ محض اصحاب بیعت الرضوان اور اکابر و مشہور صحابہ تو کیا ان سب کو ملا کر اگر ان صحابہ کو بھی شامل کر لیں جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے اور پھر ایسے سو حضرات کے نام بھی وہ صحیح حوالوں سے نکال سکیں جو صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے تو ہم بیعت الرضوان میں شریک ہونیوالے آٹھ سو صحابہ کو صفین میں حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے تسلیم کر لیں گے۔
صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی طرف شریک ہونے والے صحابہ میں صرف بیس پچیس سے زیادہ نام اکابر کے نہیں نکالے جا سکتے اور جن پر صحابیت کا اطلاق ہوتا ہے وہ دونوں طرف سو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھے، جمہور صحابہ کرامؓ اور امت کی بھاری اکثریت ان جنگوں سے محترز رہی اور جو حضرات شریک ہوتے رہے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے وہ ساری عمر ان اقدامات پر پشیمانی کا اظہار اور استغفار کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: (منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۱۹-۲۲۰)

كان ترك القتال خيرا للطائفتين مع ان عليا كان اولى بالحق هذا قول احمد واكثر اهل الحديث واكثر ائمة الفقهاء وهو قول اكابر الصحابة والتابعين لهم باحسان وهو قول عمران بن حصينؓ وكان ينهى عن بيع السلاح في الفتنة وهو قول اسامة بن زيدؓ ومحمد بن مسلمة وابن عمر وسعد بن ابي وقاص واكثر من بقي من السابقين الاولين من المهاجرين والانصا

دونوں فریقوں کے لئے جنگ سے احتراز بہتر تھا اگرچہ حق سے حضرت علیؓ زیادہ قریب تھے یہ قول ہے امام احمد اور اکثر اہل حدیث کا اور اکثر ائمہ فقہاء کا اور یہی قول ہے اکابر صحابہ اور خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا اور یہی قول تھا حضرت عمران بن حصینؓ کا وہ ان جنگوں میں ہتھیاروں کی خرید و فروخت سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہتھیاروں کی فروخت فتنہ انگیز ہوگی اور یہی قول تھا حضرت اسامہ بن زیدؓ کا، حضرت محمد بن مسلمہ کا، حضرت ابن عمر کا، حضرت سعد بن ابی وقاص کا اور ان بزرگوں میں سے اکثر کا جو سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین و انصار اس وقت موجود تھے اسی لئے اہل

ولهذا كان من هب اهل السنة الامساك عما شجر بين الصحابة فانه قد سبقت فضائلهم ووجبت موالاتهم ومحبتهم	اہل سنۃ کا یہ مذہب ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے بارے میں زبان وقلم کو روکیں کیونکہ ان کے فضائل سب سے زیادہ ہیں اور ان کی موالات ومحبت واجب ہے۔

اگر صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے حضرت علیؓ کو امام مفترض الطاعۃ سمجھا ہوتا یا حضرت معاویہؓ کو وہ باغی جانتے تو ان کا یہ مذہب نہ ہوتا بلکہ حسب فرمان خداوندی اور حسب اصول شرعیہ ان پر واجب تھا کہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیکر حضرت معاویہؓ سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں جب تک انہیں زیر نہ کرلیں۔

صحیح صورت حال یہ ہے اور اسی کی تائید واقعات ثابتہ سے ہوتی ہے کہ تعلیمات نبویہ کے مطابق جمہور صحابہ کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور صلح وصفائی سے نزاعی مسائل کا تصفیہ پُرامن ماحول میں کریں۔

نزاعی مسئلہ صرف یہ تھا کہ امت کے متفق علیہ امام کو جن لوگوں نے ظلماً اور بغیر کسی حجت کے شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام خداوندی کے مطابق واجب القتل ہیں اور جب تک چن چن کر انہیں قتل نہ کردیا جائے اسوقت تک احکام شرعیہ کی بجاآوری کی تکمیل نہیں ہوگی۔

اسی مسئلے سے خلافت کا یہ ذیلی مسئلہ پیدا ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت چونکہ ان باغیوں اور مفسدوں نے اپنے زور سے قائم کی ہے اور یہی اس خلافت پر حاوی ہیں، لہٰذا اس طریقہ انتخاب کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے از سر نو انتخاب ہو۔

حضرت علیؓ کی شخصیت اور صحابہ کرام میں ان کی حیثیت کے بارے میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا اگر واقعی وہ اجماع صحابہ کے ذریعہ برسر اقتدار آتے ہوتے تو جمہور صحابہ وتابعین ان کا ساتھ دیتے اور ان کے مخالف باغی قرار پاتے۔

لیکن صورت حال یہ تھی کہ جب فسادیوں نے ان کی خلافت کا اعلان کیا اور سب سے پہلا شخص جس نے ان سے بیعت کی وہ الاشتر نخعی تھا اور انہی لوگوں کے اجتماع میں اس خلافت کا فیصلہ کیا گیا تھا تو اس وقت صحابہ کرام کے تین طبقے ہوگئے، ایک قلیل تعداد والے

تو بیعت کرلی خواہ بجبر جیسا طبری وغیرہ کی روایتوں میں ہے، دوسری جماعت صحابہ نے ان کی خلافت کو ناجائز سمجھا اور وہ مدینہ طیبہ سے چلے گئے اور بعد میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ باقی بھاری اکثریت نے بیعت کرنے سے توقف کیا اور اپنا مسلک یہ اختیار کیا کہ ان کی خلافت برپا رہنے دی جائے اور ان کے زیر نگیں علاقے میں امن قائم رکھا جائے تا آنکہ امت ان پر مجتمع ہو جائے۔

جو صحابہ اس خلافت کا انعقاد ناجائز سمجھتے تھے ان کا موقف یہ تھا کہ قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور صحابہ کے عام اجماع میں اس خلافت کی آئینی حیثیت کے بارے میں فیصلہ ہو۔ ان کے مقابلہ میں کسی نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جمہور صحابہ نے صرف بیعت سے توقف کیا اور قاتلوں کے متعلق باہمی سمجھوتے کی طرف دعوت دی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اور آپ کا فرمانا بالکل درست ہے اور واقعات کے عین مطابق ہے کہ

لم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان اشد الناس حرصا علی ان لا یکون قتال وکان غیرہ احرص علی القتال منہ

حضرت معاویہؓ ان میں نہیں تھے جو جنگ کی ابتدا کرنا چاہتے ہوں بلکہ سب لوگوں سے زیادہ ان کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو یہ تو دوسرے لوگ تھے جو ان سے جنگ پر تلے ہوتے تھے۔

سبائی لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک حضرت معاویہؓ موجود ہیں، دنیا میں وہ محفوظ نہیں رہ سکتے اور تخریب ملت کے لئے ان کے جو عزائم ہیں وہ پورے نہیں ہو سکیں گے، اسی لئے انہیں سب سے زیادہ فکر حضرت معاویہؓ ہی کو زیر کرنے کی تھی اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے حضرت معاویہؓ کی مدد کی اور یوں سبائی لوگ اپنے مقاصد میں ناکام ہو گئے، ناکامی کا بدلہ لغو اور جھوٹی روایتیں وضع کر کے ان کی تشہیر سے لیا۔

ان امور کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کی بھاری اکثریت نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی، مگر یہ ضروری سمجھا کہ نظم و نسق کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہ کریں اور بالفعل ان کی خلافت اس امید پر تسلیم کریں کہ باہمی توافق سے کوئی اجماعی فیصلہ

ہو جائے گا، اسی لئے وہ مقدور بھر جنگوں سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔

بیعت جن الفاظ میں ہوتی تھی وہ صحاح میں مرتسم ہیں، چنانچہ موطا شریف صحیح بخاری میں وہ بیعت نامہ مذکور ہے جو حضرت ابن عمرؓ نے امیر المومنین عبد الملکؒ کو بھیجا تھا جو آپ کے شاگرد اور خورد تھے: طبقے کے اعتبار سے بھی تابعی ہیں لیکن ان کے منصب کی عظمت کا تقاضا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے اول ان کا نام لکھا اور پھر اپنا (موطا شریف بروایت امام محمدؒ) صحیح بخاری کے الفاظ یوں ہیں (ج ۴، ص ۲۴۵ طبع مصر باب کیف یبایع الامام الناس)

الی عبد اللہ عبد الملک امیر المومنین انی اقر بالسمع والطاعۃ لعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین علی سنۃ اللہ وسنۃ رسولہ فیما استطعت

اللہ کے بندے عبد الملک امیر المومنین کی جناب میں! میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے بندے عبد الملک کی بات سنوں گا اور مقدور بھر اطاعت کروں گا (میرا یہ اقرار) اللہ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت پر ہے

ان الفاظ کے ساتھ جب بیعت کی جائے تو اس کا امکان باقی رہتا ہے کہ امیر المومنین کے سیاسی اقدامات میں ان کی متابعت سے گریز کیا جا سکے، گزشتہ واقعات کے بارے میں اپنے ذاتی رجحان اور ظن و تخمین کی بجائے ہم عصر لوگوں کا زاویۂ نگاہ اور عمل دیکھنا چاہیے۔

واقعات ثابتہ کی روشنی میں اور قواعد شرعیہ کو سامنے رکھ کر جو صحابہ کرام ہی سے سیکھتے ہیں، صورت حال کا جو تجزیہ ہم نے پیش کیا ہے اس میں کچھ ہم منفرد نہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بیان اوپر گزر چکا، اب ملاحظہ ہو ابن خلدونؒ کا تجزیہ (مقدمہ ص ۱۵۰ طبع مصر)

فاما وقعۃ علی فان الناس کانوا عند مقتل عثمان متفرقین فی الامصار فلم یشھدوا بیعۃ علی والذین شھدوا فمنھم من بایع ومنھم من توقف حتی یجتمع الناس ویتفقوا علی امام کسعد وسعید وابن عمر واسامۃ بن زید والمغیرۃ بن شعبۃ وعبد اللہ

رہا حضرت علیؓ کا واقعہ تو حضرت عثمان کی شہادت کے وقت لوگ مختلف شہروں میں متفرق تھے اور بیعت کے وقت حاضر نہ تھے اور جو حضرات موجود تھے ان میں سے بعض نے بیعت کر لی اور ان میں بعض وہ ہیں جنہوں نے توقف کیا تاآنکہ لوگ اجماع کریں اور ایک امام پر متفق ہو جائیں مثلاً حضرت سعد حضرت سعید حضرت ابن عمر حضرت اسامہ بن زید حضرت مغیرہ بن شعبہ

من ساءهم وقدامة بن مظعون وابی سعید الخدری وکعب بن عجرۃ و کعب بن مالک والنعمان بن بشیر وحسان بن ثابت ومسلمۃ بن مخلد وفضالۃ بن عبید وامثالھم من الاکابر الصحابۃ۔	(حضرت) عبداللہ بن سلام (حضرت) قدامہ بن مظعون (حضرت) ابو سعید خدری (حضرت) کعب بن عجرۃ (حضرت) کعب بن مالک (حضرت) نعمان بن بشیر (حضرت) حسان بن ثابت (حضرت) مسلمہ بن مخلد (حضرت) فضالہ بن عبید وغیرہم اور ان جیسے دوسرے اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مودودی صاحب نے اپنی فہانت کا عجیب ثبوت دیا ہے کہ یہ اور ان جیسے دو چار بزرگوں کے اور نام کتابوں میں دیکھ کر انہوں نے لوگوں کو یہ باور کرانا چاہا کہ بس یہی سترہ یا بیس صحابہ بیعت سے الگ رہے تھے، معمولی عقل کا آدمی بھی شیخ الاسلام یا مورخ ابن خلدون یا دوسرے بزرگوں کے اس قسم کے بیانات سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا جو مودودی صاحب نے نکالنے کی کوشش کی ہے بلکہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ یہ چند نام بطور نمونہ دئے گئے اور یہ ایسے بڑے لوگ ہیں جن کے نام پڑھ کر اندازہ ہو جائے گا کہ بات ایسی آسان نہیں جیسی مودودی صاحب نے سمجھ لی بلکہ ایک جم غفیر تھا جس نے بیعت سے توقف کیا تھا اور ان سب کا موقف یہ تھا کہ جب تک احوال پر امن نہ ہو جائیں اور اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کی امامت پر سب مجتمع نہ ہوں، اس وقت تک آئینی بیعت نہ کی جاتے، چنانچہ حضرت علیؓ کے مقتول ہونے تک آئینی بیعت نہیں کی گئی۔

اگر مودودی صاحب کے خیالی نظریے کی بنا پر یہ سمجھ لیا جائے کہ واقعی یہ پندرہ بیس بزرگ ہی بیعت سے رکے رہے تو حضرت علیؓ کو متفق علیہ امام ماننا پڑے گا ان کے مخالف باغی قرار پائیں گے، لیکن ساتھ ساتھ ان سب کو بھی غدار سمجھنا ہوگا جنہوں نے صفین کے معرکے میں حضرت علیؓ کا ساتھ نہیں دیا، سبائیوں نے جس طرح روایات وضع کی ہیں ان کا مقصد ہی یہ ہے کہ امت مسلمہ صحابۂ کرام سے بدظن رہے۔

لیکن صحابۂ کرام اور ان کا اتباع کرنے والی امت کا مذہب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ چوتھے بالفعل خلیفہ حضرت علیؓ ہی تھے اگرچہ امت کا ان پر اجماع نہ ہو سکا، مگر

ساتھ ہی وہ تمام صحابہ کرام کو جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی ان کے مواقف میں حق پر جانتے ہیں اور اس دور کو دورِ فتن کہتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے سلسلے میں امت میں فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

"مبداء این فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند نہ منتظم نشود۔

ازالۃ الخفاج ا ص ۱۵۲)

پھر شیعہ کے دعوے "استخلافِ مرتضیٰ و اولاد او" کے بارے میں بالفاظ واضح اس حقیقت ثابتہ کا اظہار کیا ہے کہ:۔

"در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچ گاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا دامان قیامت منصور نشوند و ہیچ گاہ خلافت ایشان علیٰ وجہہا صورت نگیرد بلکہا نہ میان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول گردد، وخدائے تعالیٰ میفرماید ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون وان جندنا لہم الغالبون o وللخلفاء الذین ہم خلفاء الانبیاء حقًا اسوۃ المرسلین فہم المنصورون وہم الغالبون۔

ازالۃ الخفاء ج ا ص ۲۸۲

حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام فتن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے توفیق دی کہ حضرت معاویہؓ امیر المومنین صلوٰۃ اللہ علیہ پر امت نے اجماع کر لیا۔

امت کا یہ مذہب محض عقیدت کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس دور کے احوال سے بڑے بڑے شرعی مسائل سامنے آتے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سبیل نکلی اور مسلمانوں میں یہ سلیقہ پیدا ہوا کہ:۔

۱۔ آئینی اور بالفعل حکومت کا فرق سمجھیں۔

۲۔ جماعت کے اندر اگر جو لوگ اختلاف کریں اور اس میں شدت آجاتی حتیٰ کہ نوبت شمشیر کشی تک پہنچے تو امت کو اس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے یعنی اکثریت کو غیر جانبدار

ہو جانا چاہئے تاکہ امن جلد قائم ہو۔

۳۔ جو دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان جنگوں میں کن آداب کی پابندی کریں یعنی نہ ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کریں، نہ مقتولوں کی بے حرمتی ہو نہ مال و اسباب لوٹا جائے اور نہ فتح پانے کے بعد ان کی حرمت پر حرف آنے دیا جائے۔

۴۔ جب جنگ ختم ہو جائے اور ایک فریق کامیاب ہو، تو پھر تمام اندرونی کدورتیں صاف کر دی جائیں اور سب اس طرح گھل مل جائیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا اور اس بات کا اہتمام رکھیں کہ پرانی باتوں کا ذکر نہ آنے پائے۔

۵۔ اخلاف کا فرض ہے کہ گزشتہ سب بزرگوں کی یکساں تعظیم و تکریم کریں ان کے مواقف میں فریق نہ بنیں اور اختلاف کو ہوا دینے سے گریز کریں، صحابہ کرام اور خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کا یہی مذہب رہا اور اب تک ہے۔

دنیا کی تاریخ بنانے والی قوموں میں سے کونسی قوم ہے جو خانہ جنگی میں مبتلا نہیں ہوئی اور جس کے آپس کے نظریاتی اختلاف سے قیمتی جانیں ضائع نہیں ہوئیں، مگر ان سب قوموں کا یہ شعار رہا کہ اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کا تذکرہ ادب و تعظیم سے کریں خود ہمارے سامنے کفار کے احوال موجود ہیں، ان کے ادباء و شعراء اور تاریخ نویس لوگوں کی تصنیفات ان کی قوموں کے سامنے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے معاملات میں فریق نہیں بنتے اور دو مخالف گروہوں کے نظریات و اعمال میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اخلاف اپنے اسلاف سے بدظن نہ ہوں، انگلستان، فرانس اور امریکہ کے ادیبوں، مورخوں اور سوانح نگاروں کی تصنیفات دیکھنے سے ہمارے اس بیان کی توثیق ہوگی مگر یہ بدقسمتی قوم ہماری ہے کہ ہم میں ایسے بر خود غلط اور تخریبی عزائم رکھنے والے لوگ سامنے آتے رہتے ہیں جن کی طلاقت لسانی اور زور قلم اس پر صرف ہوتا ہے کہ بزرگان پیشین پر سب و شتم ہوتا رہے ان سے بدظنی بڑھتی رہے اور یہ نہیں جانتے کہ جب افراط پردازی اور حق پوشی کے ذریعہ وہ کسی کی توصیف اور کسی کی تنقیص میں مبالغہ کریں گے تو دوسرا بھی منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتا ہے۔

یہ تو مودودی صاحب ہی جیسے لوگ ہیں جن کی مبالغہ آمیزی اور جانبداری کے سبب عظیم و محترم ہستیاں زیر بحث آتی ہیں بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو ہماری طرح اعتدال کو کام میں لائیں اور بے لاگ طور سے صحیح صورت حال پیش کریں ورنہ عموماً اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم۔

قصاص امیر المومنین عثمان ذی النورینؓ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جون ص ۲۷۱ و ص کتاب ۱۴۴)

"حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے، ایک طرف حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ و زبیر اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی، ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو اور جو طریقے چاہے اسے پیدا کرنے کے لئے استعمال کرے یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لئے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلاشبہ دوسرے لوگ اس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے، لیکن کسی حکومت سے مطالبہ کا یہ کونسا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ آپ سرے سے اس حکومت کو جائز حکومت ہی اس وقت تک تسلیم نہ کریں جب

تک وہ آپ کے اس مطالبہ کے مطابق عمل درآمد کر دے۔

حضرت علیؓ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر ان سے اس مطالبے کے آخر معنی کیا تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؟ کیا وہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے ڈالیں؟ اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ وہ مدینہ جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثاء سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جا سکتی تھی، بصرہ کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کی بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام الگ درہم برہم ہو جائے، شریعت الٰہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جا سکتا۔

اور اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے اٹھے، مرکزی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے خون عثمانؓ کے مطالبے کا حق اول تو حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمانؓ کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا، تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر وہ یہ مطالبہ کرنے کے مجاز بھی ہو سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کی گورنری کی حیثیت میں حضرت عثمانؓ سے رشتہ جو کچھ بھی تھا معاویہ بن ابی سفیان سے تھا، شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی، اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جا سکتے تھے اور مجرمین کو گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے، گورنر کی حیثیت سے انہیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقہ سے بیعت ہو چکی تھی اس کی خلاف

کوان کے زیر انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیر انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقے پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے؟"

مودودی صاحب نے غالباً رجحان طبعی سے مجبور ہو کر واقعات ثابتہ سے آنکھیں بند کر لیں اور صورت حال کا ایک ذہنی نقشہ مرتب کر لیا، چنانچہ اس کے مطابق جو عمارت کھڑی کی اس کی ایک ایک خشت کج رکھی۔ یوں وہ اپنی بنائی ہوئی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں اور ضلّوا فاضلّوا کا مصداق بنے ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو۔

۱۔ ان کے مزعومات میں پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ راشد و مرشد حضرت عثمان صلوٰۃ اللہ علیہ کے قتل کو معمولی آدمی کا قتل سمجھ لیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ مقتول کے وارث باقاعدہ عدالت میں قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن مطالبہ کیا ایک طرف تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت طلحہ و زبیر رضؓ نے اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضؓ نے شام کے گورنر ہونے کی حیثیت سے حالانکہ وہ شام کی گورنری ان کی ریشہ دوانی تھی"

مودودی صاحب ذرا سمجھ سے کام لیتے اور دیکھتے کہ امام مظلوم کا یہ قتل ایک فرد کا قتل نہیں تھا، نتائج و عواقب کے اعتبار سے پوری امت کا قتل تھا یعنی اس جنایانہ اقدام نے سیاسیات اسلامیہ میں وہ تباہ کن سلسلہ شروع کر دیا جس سے فتنوں کے دروازے کھل گئے اس لئے اشد ضرورت تھی اور امت کے اصحاب الرائے پر واجب تھا کہ سبائی بلوائیوں کی اس فتنہ پرور تحریک کا قلع قمع کریں اور اس ملعون عنصر سے امت کو نجات دلاتے کیونکہ یہ معاملہ تو اس وقت عالم اسلام کے سیاسی مستقبل کا معاملہ بن گیا تھا۔

۲۔ یہ کس نے کہا کہ خون عثمان کے قصاص کا معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے باقاعدہ پیش نہیں کیا گیا سب جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ اہتمام سے پیش کیا گیا، لیکن حضرت علیؓ نے نقد عن لینے سے اپنی بے بسی اور معذوری ظاہر کی، کیونکہ یہی قاتل تو ان کے گرد و پیش

سکے ان کی حکومت کے کرتا دھرتا بنے ہوئے تھے خود ان کے ماخذ البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۲۲۷ میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور دیگر صحابہ کرام نے قصاص خون عثمانؓ لئے جانے کا حضرت علیؓ سے ابتدا ہی میں مطالبہ کیا طلبوا منه اقامة الحد والاخذ بدم عثمان مگر انہوں نے یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کیا کہ قاتلوں کو ہمارے مقابلہ میں قوت ہے لہٰذا اس وقت قصاص لینے کا امکان نہیں انه لایمکنه ذلک یوم ھذا مودودی صاحب کے دوسرے ماخذ شرح نہج البلاغۃ نیز طبری میں جس کا حوالہ انہوں نے خود دیا ہے، یہ بیان ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے مطالبہ کرنے پر حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا تھا کہ:۔

انی لست اجھل ما تعلمون ولکن کیف لی بقوۃ والقیتا المجلبون علی حد شوکتھم یملکوننا ولا نملکھم	میں ناواقف نہیں ہوں (اس حکم اخذ قصاص سے) جس کو تم جانتے ہو لیکن مجھ میں یہ قوت (قصاص لینے کی) کہاں ہے اور وہ لوگ (بلوائی گروہ) اپنی پوری قوت و شوکت پر ہے اور ہم ان پر قدرت نہیں رکھتے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تو قصاص لینے کی کارروائی کی جا سکے گی، مگر دن پر دن گزرتے گئے اور کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

۳۔ اگر یہ بلوائی محض قاتل ہوتے تب بھی قصاص لینا کچھ مشکل نہ تھا لیکن حضرت علیؓ کی بیعت خلافت میں ان کے نہ صرف پیش پیش ہونے بلکہ دوسروں سے بجز بیعت کروانے سے معاملات خلافت میں وہ اس طرح دخیل ہو گئے کہ صورت حال انہوں نے بدل دی، وہی سبائی لیڈر الاشتر جس نے اُس وقت کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان میں اسے بٹھا کر پوچھا تھا کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو صاف کہہ دیا تھا کہ یا تو خلافت چھوڑ دو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے (البدایہ والنھایہ ج ۷، ص ۱۸۰) وہی الاشتر، حضرت علیؓ کا مشیر خاص بنا ہوا تھا، ان مایوس کن حالات میں کہ حضرت علیؓ کی جانب سے قصاص لینے کی کوئی امید نہ تھی، سب اصحاب الرائے کی نظریں بالآخر مکہ معظمہ کی جانب

اکٹھے تھیں، جہاں مادر مومنین حضرت عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور بعض دوسری امہات المومنین موجود تھیں، نیز خلفائے ثلاثہ کے صاحبزادے اور اجلہ صحابہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور متعدد صوبجات کے عثمانی گورنر مثلاً بصرہ سے حضرت عبداللہ بن عامرؓ یمن سے حضرت یعلیٰ بن امیہؓ کوفہ سے حضرت طلیحہ بن عدیؓ اور ایک جماعت صحابہ کی مجتمع تھی فاجتمع فیہا خلق من سادات الصحابہ (البدایہ ج ۷ ص ۲۳۰) مجلس مشاورت میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے دریافت کرنے پر قصاص کن سے لینا ہے عرض کیا گیا:۔

انھم معروفون وانھم بطانۃ علی ورؤساء اصحابہ (اخبار الطوال ص ۵۲)	یہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں یہ سب علیؓ کے معتمد رازدار اور ان کے رفقاء کے سربراہ ہیں۔

اس وقت قاتلین میں کچھ مدینہ میں کچھ بصرہ و کوفہ وغیرہ میں تھے اس لئے مختلف تجویزیں زیر بحث آئیں آیا مدینہ جاکر پھر حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا جائے یا شام میں حضرت معاویہؓ سے مدد لی جائے چونکہ مقصد مجرمین سے قصاص لے کر سیاسی نظام اسلامی کی حرمت کے تحفظ سے تھا، اس لئے یہ دونوں تجویزیں مسترد کردی گئیں، سابق عامل بصرہ کی تجویز پر پہلے بصرہ پھر کوفہ کا پروگرام بنایا گیا کہ مفسدین کی سزاد ہی سے حالات کی اصلاح کی جائے، حضرت علیؓ کو ان کی حالت بے بسی پر چھوڑ دیا جائے، فتح الباری میں محدث المہلب کا یہ قول نقل ہے کہ:۔

ان احداً لم ینقل ان عائشۃ ومن معھا نازعوا علیاً فی الخلافۃ ولا دعوا احد منھم لیولوہ الخلافۃ۔ (ج ۱۳، ص ۴۱)	کسی ایک محدث (ومولف) نے یہ روایت نقل نہیں کی (حضرت) عائشہؓ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے خلافت کے معاملہ میں علیؓ سے کوئی تنازعہ کیا اور نہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں کسی کو طلحہؓ یا زبیرؓ کی خلافت پر قائم کیا جائے۔

مودودی صاحب کو کتب تاریخ کے مطالعہ سے اس واقعہ کا ضرور علم ہوگا کہ:۔

۴۔ حضرت علیؓ یوں تو اقامت حدود واخذ قصاص میں اس درجہ شدید تھے کہ امیر المومنین

فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہؓ نے جب ایرانی سردار ہرمزان کو اپنے والد محترم کے قتل کی سازش کے شبہ میں قتل کر دیا تھا، حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کہ ہرمزان مقتول مسلمان تھا میرے چچا عباسؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، اس کے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتے مگر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن مشہور روایت کے مطابق ہرمزان کے فرزند کو خون بہا دے کر اس مقدمہ کو فیصل کر دیا تھا لیکن بارہ برس کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن اس ایرانی سردار ہرمزان کے قصاص کے طے شدہ مقدمہ کو بازیہ نمبر کیا اور از سر نو بغیر عدالتی کارروائی شروع کرنے کے حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبید اللہ کو نہ تیغ کرنے کے لئے گرفتار کرانا چاہا وہ اپنی جان بچا کر مدینہ سے دمشق حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ ایرانی سردار کا قصاص لینے میں تو یہ شدت اور حضرت عثمانؓ کے قصاص خون سے یہ غفلت ان کے اس طرز عمل کے تضاد و تباین کا سبب ان کی بے بسی و مجبوری ہو یا بد دیانت تساہل"۔ اس پر گفتگو مقصود نہیں، مودودی صاحب کو جب یہ تسلیم ہے (شمارہ جون ص ۲۶۵) کہ قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، ان کی فوج میں شامل تھے اور یہ چیز ان کے لئے بدنامی کا موجب بھی ہوئی اور فتنے کا موجب بھی"۔ اسی کے ساتھ وہ حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں (ایضاً ص ۲۶۴) کہ "میں ان لوگوں (قاتلین عثمانؓ) کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں"۔ صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں باوجود مطالبہ قصاص کے ان لوگوں سے جو قابو یافتہ تھے اور سیاست وقتی میں دخیل ہو گئے تھے قصاص کیسے لیا جاتا بقول کہ :-

وہی قاتل وہی حاکم وہی منصف ٹھہرے ؛ اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پہ

۵۔ البدایہ و طبری وغیرہ کے حوالہ سے مودودی صاحب خود ہی فرماتے ہیں:

"حضرات طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے (حضرت علیؓ سے) ملے اور کہا کہ ہم نے اقامت حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے آپ اب ان لوگوں (یعنی قاتلوں) سے قصاص لیجئے"۔

یہ مشروط بیعت جو ان کے مآخذ البدایہ کے الفاظ میں اقامۃ المحل ودو الاخذ بخون عثمان کے لئے سؤس الصحابہ نے کی تھی یقیناً اسی عہد قصاص خون عثمان کو پورا کرنے اور کرانے کے لئے تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر منجملہ چودہ سو صحابہ جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل تھے وہ سالہا سال پہلے کر چکے تھے، مودودی صاحب کو انکار کی غالباً جسارت نہ ہوگی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس خیال سے کہ قریش کی نگاہوں میں بھی حضرت عثمانؓ معزز و محترم ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معتمد رسول (سفیر) کی حیثیت سے انہیں مکہ معظمہ اسی مقصد سے بھیجا تھا کہ قریش کو یہ پیغام پہنچائیں کہ ہم لڑنے نہیں آئے عمرہ کرکے لوٹ جائیں گے مکہ میں آنے میں مزاحم نہ ہوں، قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر دئے گئے بقول علامہ شبلیؒ

یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی تمام صحابہ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک متہم بالشان واقعہ ہے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہے۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۵۳)

خبر چونکہ مصدقہ نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے ایک دست مبارک کو دوسرے پر رکھ کر فرمایا ھذہ یدی وھذہ ید عثمان یہ ہمارا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ان کی جانب سے خود ہی بیعت کی اسلامی لٹریچر کے علاوہ شیعوں کی مستند کتاب الروضہ (کافی کلینی ص ۱۵۱) میں بھی اس واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر ہے وضرب باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان اسی کو ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب (ج ۲ ص ۴۱۸) میں کلینی ہی کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے :-

" حضرت رسول خدا یک دست خود بر دست دیگر زد و برائے عثمان بیعت کرد"

اللہ تعالےٰ نے سورۃ فتح کی یہ آیتیں نازل فرمائیں:۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذا یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم (الیٰ آخرہ)

یقیناً اللہ راضی ہوا ان مومنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے (اے رسول) بیعت کر رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے

اللہ پاک کا یہ ارشاد اور رضا اور اس کے محبوب رسول کا اپنے مقدس ہاتھ کو عثمان رضؓ کا قرار دینا ایسی لاثانی خوش بختی و فضیلت حضرت عثمانؓ کی ہوتی جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی ہے

دست او دست نبی دست نبی دست خدا
دست حق باشد از یں حضرت عثمان غنیؓ

پھر اسی سورۃ فتح کی مزید آیتوں میں رسول خدا سے بیعت کرنے والوں کو خدا سے بیعت کرنے والا قرار دیکر عہد توڑنے والے کو اس کے ذاتی نقصان کی اور عہد پورا کرنے والے کو اجر عظیم کی خبر دی گئی اور فرمایا گیا۔

انّ الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرًا عظیما۔

جو لوگ تم سے (اے رسول) بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کی ذات کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اس کو عنقریب اجر عظیم دے گا۔

خدائے علیم و خبیر ہی کے علم میں تھا کہ قصاص عثمان رضؓ کی جو بیعت لی جا رہی ہے وہ اس موقع کی نہیں کہ عثمان رضؓ زندہ بچ آئیں گے بلکہ آئندہ اندوہناک موقع کی ہے جب سبائیوں کی منظم سازش سے حضرت عثمانؓ خلیفۂ وقت کی حیثیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو حکموں کی تعمیل کرتے ہوئے انتہائی مظلومیت سے مقتول ہوں گے

ایک یہ کہ عثمان رضؓ جو قمیص (عبائے خلافت) اللہ تمہیں پہنائے اسے لوگوں کے مطالبہ پر تن سے نہ اتارنا، دوسرے یہ کہ خبردار! مسلمان کی تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے۔" یہ تھے وہ حالات و محرکات طلب قصاص کے نہ کہ کوئی وقتی و سیاسی غرض مصلحت جیسا مودودی صاحب نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسرے صحابہ جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اپنے اس عہد کو جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اللہ سے کیا تھا پورا کرنے اور کرانے اور منصب خلافت کی حرمت کے تحفظ کے لئے اٹھے تھے، رہے حضرت علیؓ تو وہ اپنے حالات کے لحاظ سے قصاص لینے سے معذور تھے اور قاتلین عثمانؓ اور بلوائیوں کی قوت سے اپنی خلافت کے استحکام کے منتظر رہے، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بہ مقاتلات در (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۷۷)

۶۔ سبائی بلوائیوں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ کارگذار و تجربہ کار عمال عہد عثمانی خصوصاً حضرت معاویہؓ کو جن سے انہیں زیادہ خطرہ تھا برطرف کرادیں حضرت علیؓ کے مخلص اصحاب الرائے کی انہوں نے ایک نہ چلنے دی، حضرت علیؓ کی بیعت ابھی ادھوری ہی تھی، نصف امت یا اس سے زیادہ نے بیعت نہیں کی تھی اور قریہ بہ قریہ مسلمانوں کے قلوب امام مظلوم کے اس طرح ذبح کردیے جانے سے مجروح و متالم تھے کہ انہوں نے بلوائیوں سے مودودی صاحب کے مآخذ البدایہ کی روایت کے مطابق یہ فرما کر کہ قسم بخدا اگر تم نے مجھے قتل کردیا تو میرے بعد نہ تم میں باہمی مودت رہے گی نہ کبھی تم سب اکٹھے نماز ادا کرو گے اور نہ سب اکٹھے ہو کر پھر کبھی دشمنوں سے مقابلہ کرسکو گے۔ واللہ لئن قتلتمونی لا تحابوا بعدی ولا تصلوا جمیعاً ابداً ولا تقاتلوا بعدی عدواً جمیعاً ابداً (ج ۷ ص ۱۸۰) اور اپنے عزیزوں، وصلیوں کو عدم تشدد کا قطعی حکم دے کر اسی مبارک ہاتھ میں جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فرمایا تھا قرآن شریف تھام کر تلاوت میں مشغول ہوگئے، قاتل خبیثوں نے اسی ہاتھ کو مجروح کرکے پیشانی مبارک پر ضرب لگائی۔ خون پاک کا فوارہ چھوٹ کر چند قطرے قرآن

مجید کی سورۃ البقرہ کی اس آیت پر پڑے فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ صحابہ کرام نے اس آیت کے مضمون کو منتقم حقیقی کا تقدیری اشارہ سمجھا یعنی خدا کی ذات تم کو کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے جلد ہی تمہارے قاتلوں اور دشمنوں سے نمٹ لے گا چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے چن چن کر قاتلوں سے بدلہ لے لیا۔

مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ سوائے شام کے باقی تمام ممالک میں بیعت کی تکمیل ہوگئی تھی، اس تصور کی غلطی ہم پچھلے اوراق میں ثابت کر چکے کہ صحابہ کرام اور امت کی اکثریت اگر اس خلافت کی آئینی حیثیت تسلیم کر چکی ہوتی تو حضرت علیؓ کے تمام اقدامات میں ان کا ساتھ دیتی، مگر اس بھاری اکثریت نے ساتھ دینے نیز قتال و جدال سے احتراز کیا، یہ ان بزرگوں کی امن کوشی تھی، وہ چاہتے تھے کہ حالات معمول پر آجائیں اور قاتل کیفر کردار کو پہنچیں۔

صحابہ کرامؓ کی یہ کیسی امن پسندی تھی اور کس درجہ ان کی تعمیری ذہنیت تھی کہ جب مختلف عاملوں کو برطرفی کے فرمان پہنچے تو بے تامل الگ ہوگئے، ورنہ ان کی یہ حیثیت تھی کہ ہر جگہ وہ علم بغاوت بلند کرسکتے تھے، صرف ایک حضرت معاویہؓ رضوان اللہ علیہ تھے جنہوں نے بیعت سے انکار کردیا تھا مگر اس طرح کہ حضرت علیؓ کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ انہیں اطمینان تھا کہ حضرت ام المومنینؓ جن کے ساتھ اکابر صحابہ کے علاوہ برطرف شدہ والی تھے ان کی مساعی کامیاب ہوجائیں گی اور امت خانہ جنگی سے بچ جائے گی۔

جنگ جمل

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے بیعت الرضوان کے تحت اپنی ذمہ داری سمجھی اور امت کی ماں ہونے کا یہ تقاضا جانا کہ امت کی اصلاح کے لئے کھڑی ہوں آپ کے گرد تمام وہ صحابہ و دیگر حضرات جمع ہوگئے جنہیں صورت حال اندوہناک معلوم ہوتی تھی اور جو اپنی یہ حیثیت پہچانتے تھے کہ رائے عامہ کی وہ تنظیم کرکے امت کو اس نابکار ٹولی سے نجات دلاسکیں گے۔

اس تحریک کے لئے مکہ اب موزوں جگہ نہ تھی، کیونکہ حاجیوں سے یہ شہر خالی ہوچکا تھا اس لئے بصرہ تجویز کیا گیا، کیونکہ سبائیہ کا وہ بھی ایک مرکز تھا اور یہاں کی بھی ایک ٹولی قاتلو

میں شامل تھی۔ ان حضرات نے یہ سوچا اور بالکل صحیح کہ اگر وہاں کی رائے عامہ کو وہ ہموار کر سکے تو سبائیہ کا ایک مرکز ٹوٹ جائے گا اور اس کے بعد کوفہ کی ٹولی کی نوبت آئے گی۔

تمام اہل سیر اس امر پر متفق ہیں کہ ام المومنین نے بصرہ کے باہر قیام فرمایا، کیونکہ آپ وہاں کے نظم و نسق میں اختلال پیدا کرنا نہیں چاہتی تھیں اور یوں جب آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے تقریروں کا سلسلہ شروع کیا تو ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی مودودی صاحب بھی اس سے متفق ہیں (جون ص ۳۶۴)

حضرت عبداللہ بن عامرؓ کی جگہ اب حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے والی عثمان بن حنیف تھے انہوں نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا موقف اختیار کریں عمران بن حصینؓ اور ہشام بن عامر انصاری نے مشورہ دیا کہ بالکل خاموشی اختیار کی جائے (طبری ۵: ۱۷۴، ۱۷۵ منقول از العواصم ص ۱۵۲) لیکن انہوں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ان کے خلاف عملی کاروائی کرنے پر تیار ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بصرہ میں اختلاف پڑ گیا اور یہ اختلافات تک تدریجی مقاتلہ عملی بن گیا بہت سے لوگ حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کچھ لوگوں نے عثمانؓ بن حنیف کا ساتھ دیا اب بھی بات بگڑی نہ تھی مگر عثمان بن حنیف نے اصحاب جمل پر حملہ کر دیا اور اس طرح تعمیری کام میں صورت خرابی کی پیدا ہو گئی (طبری ۵: ۱۷۵ منقول از العواصم ص ۱۵۵) اصحاب جمل اپنی مدافعانہ جنگ میں کامیاب ہوئے اور بصرہ پر ان کا قبضہ ہو گیا خود بصریوں نے عثمان بن حنیف کو پکڑ کے ان کی داڑھی نوچ لی، لیکن اصحاب جمل نے انہیں چھڑا لیا اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے (طبری ۵: ص ۱۷۸ منقول از العواصم ص ۱۵۶)

بہرحال بصرہ پر اصحاب جمل کا قبضہ ہو جانے کے باوجود سبائیوں کا سرغنہ حکیم بن جبلہ خاموش نہیں ہوا بلکہ اپنی فساد انگیزی پر قائم رہا، چنانچہ اس نے علانیہ حضرت ام المومنین کی اسائت ادب کا ارتکاب کیا، جس پر ایک خاتون نے اسے ڈانٹا کہ گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے، اس نے برافروختہ ہو کر اس عفیفہ کو قتل کر دیا اس کی اس حرکت سے آگ لگ گئی، حکیم کے تین سو آدمی اس کی حمایت کو آگئے اور یوں دوبارہ جنگ چھڑ گئی

تا آنکہ یہ لوگ قتل کر دیئے گئے، اب اصحاب جمل کی طرف سے اعلان ہوا کہ جتنے لوگوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی ان میں سے جو شخص بھی یہاں ہو اسے لایا جائے، بصرہ کے لوگ ان لوگوں کی حرکتوں سے اتنے مشتعل تھے کہ ان میں سے ایک ایک آدمی کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا جاتا اور قصاصاً قتل کر دیا جاتا (طبری ۵: ص ۱۸۰)

حضرت علیؓ مدینہ سے بصرہ تشریف لے آئے تو سبائیہ کی بھی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ آ گئی، یہاں آ کر صحیح صورت حال معلوم ہوئی اور بجائے جنگ چھیڑنے کے افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہو گیا، مجاہد کبیر حضرت قعقاع بن عمرو تمیمیؓ کی کوشش سے سب غلط فہمیاں رفع ہو گئیں اور فریقین اس پر متفق ہو گئے کہ قاتلان عثمانؓ کو صفوں سے نکال دیا جائے اور بعد کو فریقین مل کر ان کی سرکوبی کریں، اس اتفاق و اتحاد کی فضا کو مزید مستحکم کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اصحاب جمل کے پاس بھیجدیا اور حضرت طلحہؓ نے اپنے فرزند محمد کو حضرت علی کے پاس، ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں (۷: ۲۳۹) نیز طبری (۵: ۲۰۲-۲۰۳) و منہاج السنہ (۲: ۱۸۵، ۳۰ : ۲۲۵، ۲۴۱)

فاطمأنت النفوس وسكنت واجتمع كل فريق بأصحابه من الجيشين فلما أمسوا بعث عليؓ عبد الله بن العباس إليهم وبعثوا محمد بن طلحة السجاد إلى علي وعولوا جميعا على الصلح وباتوا بخير ليلة لم يبيتوا بمثلها للعافية وبات الذين أثاروا أمر عثمان بشر ليلة باتوها قط وقد أشرفوا على الهلكة وجعلوا يتشاورون ليلتهم كلها حتى اجتمعوا على

سب کے دل مطمئن ہو گئے اور قرار آ گیا اور دونوں فریق اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ ٹھہر گئے جب رات ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اصحاب جمل کے پاس بھیجدیا اور ان حضرات نے حضرت محمد بن طلحہ سجاد کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجدیا اور سب کے سب صلح کی طرف جھک گئے اور رات کو ایسی چین کی نیند سوئے کہ ویسی نیند ابتک نصیب نہیں ہوئی تھی لیکن جنہوں نے (حضرت) عثمان کے بارے میں فتنہ کھڑا کیا تھا ان کی نیند حرام ہو گئی اور موت سامنے نظر آئی ساری رات یہ لوگ مشورے کرتے رہے تا آنکہ خفیہ طریقہ پر جنگ چھیڑ دینے پر انہوں نے اتفاق

انشاب الحروب فی الفتنۃ واستتروا
بذلک خشیۃ ان یفعلن بہا ولوا
من الستر فقبل والمع العلس رُما
شیئ بعضم جبر انفسم سوا الیٰ
ذلک الامر انسدلا

کرلی اس چیز کو سب سے پوشیدہ رکھا کہ کہیں لوگوں
کو ان ناپاک گٹھ جوڑ کی ہوا نہ لگ جائے چنانچہ
صبح اندھیرے یہ لوگ اٹھ گئے کہ ان کے گھروں کی انہیں
پہچان نہ سکے اور پھر انہیں جو کچھ کرنا تھا اس کو کر گزرے
یعنی اصحاب جمل پر حملہ کیا انہوں نے سمجھا کہ حضرت علی
کی طرف سے غدر کیا اور حضرت علی نے اصحاب جمل کی
طرف سے یوں جنگ چھڑ گئی۔

حضرت معاویہؓ اس تمام عرصہ میں بالکل خاموش رہے حضرت علیؓ کی مخالفت کا ادنیٰ خیال بھی ہوتا تو ان کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی زبردست فوجیں لے آتے حضرت علیؓ کو ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہ رہتا لیکن حضرت معاویہؓ اور اصحاب جمل کا مقصد فساد نہیں تھا وہ تو تعمیری انداز میں امت کو اس تخریبی تحریک سے جو سبائیوں نے پیدا کی تھی نجات دلانا چاہتے تھے جنگ جمل سے پہلے جو فضا قائم ہو گئی تھی، وہ اگر برقرار رہتی یعنی دونوں لشکر الگ الگ پڑے رہنے کے بجائے یکجا ہو گئے ہوتے تو سبائیوں کو غداری کا موقع نہ ملتا اور امت کی تاریخ بدل جاتی مگر جو ہونا تھا ہو گیا۔

کاش مودودی صاحب تعصب سے بالا ہو کر ام المومنین اور اکابر صحابہ کے موقف اور عملی اقدامات کی صحیح نوعیت معلوم کرتے اور دشمنان صحابہ کی وضعی روایتوں پر توجہ کرنے کے بجائے روایت و درایت سے واقعات کا تجزیہ کرتے تو کیوں اس مصیبت میں مبتلا ہوتے کہ جس ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اسے یہ کلمۂ جاہلیت کا پیرو بتاتے اور سبائی ٹولی کی غداری سے لڑائی چھڑ جانے کے نتیجہ میں امت کی اس ماں کو شکست خوردہ فریق کی اصل قائد کہہ کر خوشی سے بغلیں بجاتے یہ تصور مودودی صاحب کا بہت سطحی ہے کہ مقصود محض قاتلوں سے قصاص لینا تھا یا حضرت علیؓ کی خلافت ناگوار تھی یا اپنی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ قول محدث المہلب کا صحیح نقل کیا ہے۔

ان احداً لم ینقل ان عائشة ومن معها نازعوا علیاً فی الخلافة ولا دعوا احد منهم لیولوہ الخلافة۔

(ج ۱۳، ص ۳۱)

کسی ایک (محدث) نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی کہ (حضرت) عائشہ نے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے خلافت کے معاملہ میں علیؓ سے تنازعہ کیا اور نہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں سے کسی کو (مثلاً طلحہ وزبیر کو) خلافت پر قائم کیا جائے۔

یہ سب تصورات صحابہ کرام کے دشمنوں نے قائم کئے ہیں جن کا اعادہ مودودی صاحب نے ابو مخنف وغیرہ سبائی راویوں کے سہارے کیا ہے وہاں تو مقصود یہ تھا کہ قصاص سے کو آئندہ کے لئے سدباب کر دیا جائے کہ آفاقی لوگ نظام سیاسی پر اس طرح حاوی ہو سکیں اور ارباب حل وعقد کے بجائے نظم مملکت میں اس طرح من مانی کرنے لگیں کہ خلافتِ اسلامیہ ان کے مقاصد سلفیہ کی تابع ہو جائے۔

غلط تصور مودودی صاحب نے ایک ادنیٰ ناپاک تصور یہ قائم کیا ہے اور طبقات ابن سعد پر تکیہ کر کے اپنی ہوائے نفس کے تحت اسے صحیح باور کر لیا کہ جو اموی سادات حضرت ام المومنین کے ساتھ تھے، مثلاً حضرت سعید بن العاصؓ حضرت مروان بن الحکمؓ اور عبداللہ بن عامرؓ وہ منافقانہ اس گروہ با صفا میں شامل ہو گئے تھے ان کا دل یہ چاہتا تھا کہ حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ اور دوسرے صحابہ کرام کو قتل کر دیں چونکہ مودودی صاحب کے دل ان اموی صحابہؓ اور اموی سادات کرام کی طرف سے صاف نہیں ان کے متعلق ہر قسم کی روایت قبول کرنے پر تیار رہتے ہیں اس لئے انہوں نے یہ واہی اور بے سروپا روایت قبول کر لی جسے معمولی سمجھ کا آدمی بھی قبول نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عامر اموی جو عہد عثمانی کے آخر تک والی بصرہ تھے اور عثمان بن حنیف کے آنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے تھے انہوں نے ام المومنین سے عرض کیا تھا کہ مرکز بنانے کے لئے بصرہ موزوں ہے (العواصم ص ۱۴۰) اور واقعی وہ موزوں ثابت ہوا تو وہاں کے بزاروں لوگ ام المومنین کے ساتھ ہو گئے، اب مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ: "سعید بن العاصؓ نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا "اگر تم قاتلین عثمان کا بدلہ لینا

چاہتے ہو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں۔" پھر اس قول کی توضیح یوں فرماتے ہیں (ص ۱۲۸)

"اس کا (یعنی حضرت سعیدؓ کا) اشارہ حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ بزرگوں کی طرف تھا کیونکہ بنی امیہ کا عام خیال یہ تھا کہ قاتلین عثمان صرف وہی نہیں ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا بلکہ وہ سب لوگ جنہوں نے وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ کی پالیسی پر اعتراض کئے تھے اور وہ سب لوگ بھی قاتلین عثمان ہی ہیں جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر قتل عثمانؓ کے روکنے کے لئے نہ لڑے۔

مروان نے کہا کہ نہیں ہم ان کو (یعنی طلحہؓ و زبیرؓ اور علیؓ) کو ایک دوسرے سے لڑائیں گے، ان دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائے گا اور فتحیاب ہوگا وہ اتنا کمزور ہو جائے گا کہ ہم بآسانی اس سے نمٹ لیں گے، اس طرح ان عناصر کو تے ہوئے یہ قافلہ بصرے پہنچا اور اس نے عراق سے اپنے ہزار حامیوں کی ایک فوج اکٹھی کر لی۔"

مودودی صاحب نے وضعی روایتوں سے یہ خیالی نقشہ تو مرتب فرما لیا اور دو بزرگوں کی خفیہ گفتگو بھی سن لی، مگر اتنا اندازہ تو ہر شخص لگا سکتا ہے کہ ان راویوں کو یہ خفیہ گفتگو جب معلوم ہو گئی تھی تو ام المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ ہما کو بھی ضرور معلوم ہو گئی ہو گی پھر انہوں نے اس کا کیا اثر لیا اور بنو امیہ سے کیا معاملہ رکھا اور کیوں یہ حضرات ان کی غلطی جانتے ہوئے ان کے کہنے میں آ گئے۔

مودودی صاحب نے یہ روایت لے کر اور اس کی توجیہ کر کے ثابت کر دیا کہ جو سادات کا تذکرہ کرتے ہوتے وہ عدل اور عقل سے کام نہیں لے سکتے، کیا انہیں معلوم نہیں کہ حضرت سعید بن العاص حضرت مروان رضی اللہ عنہما خود مدینہ میں موجود تھے اور اس گروہ میں شامل جو امیر المومنین عثمانؓ صلوٰۃ اللہ علیہ کی حفاظت کے لئے گھر کے اندر اور باہر موجود تھا اسی گروہ میں حضرت محمد بن طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ وغیرہ بھی تھے اس حال

حضرت محمدؓ کا رجز تھا۔

انا ابن من حامی علیہ بالحسن   ورده احزاباً علی رغم معتق

میں اس کا بیٹا ہوں جس نے ان کی حفاظت احد کے دن کی تھی اور کافروں کے لشکروں کو معد کے علی الرغم بھگا دیا تھا، معد قریش کے جدا علیٰ ہیں اور "علیہ" میں ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے گویا حضرت محمدؓ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی حفاظت ایسی ہی تھی جیسے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابن الزبیرؓ کو جو عقیدت امیر المومنین عثمانؓ سے تھی اس کا تو کہنا ہی کیا، ان کی یہ عقیدت اس وقت بھی قائم تھی جب انہوں نے امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت سے انکار کیا اور امیر المومنین عبدالملک سے ان کی لڑائیاں ہوئیں، بجدہ حروری کے سامنے حضرت عثمانؓ کے فضائل پر جو انہوں نے تقریر کی تھی وہ کتابوں میں موجود ہے مودودی صاحب نے غالباً پڑھی ہوگی۔

العواصم میں ہے (ص ۱۳۲)

وقد روی عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ قال کنت مع عثمان فی الدار فقال اعزم علی کل من رای ان علیہ سمعاً وطاعۃ الا کف یدہ وسلاحہ ثم قال قم یا ابن عمی وعلی ابن عمر سیفہ متقلد فاخبر بہ الناس فخرج ابن عمر والحسن بن علی

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ فرماتے ہیں "میں اس دن (حضرت) عثمان کے ساتھ گھر میں موجود تھا آپ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے اوپر میری بات سننی اور اطاعت کرنی واجب سمجھتا ہے میں اس سے پوری قوت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اپنا ہاتھ اور اپنا ہتھیار روک لے پھر آپ نے فرمایا "اے ابن عمر اٹھو اور لوگوں کو بتا دو (حضرت) ابن عمر اس وقت تلوار لگائے ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے نکل کر لوگوں کو اطلاع دیدی نتیجہ میں ابن عمر اور حسن ابن علیؓ نکل آئے۔

سب سے آخر میں عبداللہ بن الزبیرؓ نکلے تھے کیونکہ امیر المومنین جب شہادت کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے اپنی تحریری وصیت حضرت عبداللہؓ ہی کے ہاتھ حضرت زبیرؓ کو بھیجی تھی

گویا حضرت زبیرؓ امیر المومنین کے وصی تھے اور آپ نے ان کے مال اور اولاد کی حفاظت و پرورش اپنے ذمہ لی تھی اور آپ ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، ان سب امور کے عینی شاہد حضرت مروانؓ و حضرت سعیدؓ تھے، تو ان امور کی موجودگی میں حضرت سعیدؓ اور حضرت مروانؓ کے مابین وہ ناپاک گفتگو کیسے ہو سکتی تھی جو مودودی صاحب نے نقل کی ہے اور تمام امور کا عینی شاہد ہونے والا کوئی شخص یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور مہاجرین و انصار نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مدافعت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور ان بے دین و ملحد سبائیوں کی طرح آپ پر اعتراضات کرتے رہتے تھے افسوس کہ اموی سادات کی عداوت میں مودودی صاحب کو یہ خیال نہیں رہتا کہ ان کی مزعومات کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے، ان کا یہ قول قطعاً باطل ہے کہ ام المومنینؓ کے ساتھیوں میں کچھ حضرات ایسے تھے جو اصحاب جمل اور حضرت علیؓ کو لڑانا چاہتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ صلح ہی کیوں ہوتی، تمام تاریخیں متفق ہیں کہ صلح ہوتی، مگر یہی سبائی تھے جنہوں نے اصحاب جمل پر اندھیرے میں حملہ کیا، اموی سادات جو طالبان قصاص تھے۔ سب ام المومنین اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ رہے اور جان کی بازی لگاتے رہے۔

قاتل طلحہؓ

حضرت مروانؓ پر مودودی صاحب نے حضرت طلحہؓ کے قتل کا بہتان باندھا ہے اور صفحہ ۱۳۰ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:۔

> علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت طلحہؓ کا قاتل مروان ہے، البدایہ میں علامہ ابن کثیر نے بھی مشہور روایت اسی کو مانا ہے (ج ۷، ص ۲۴۷)"

ابن کثیر کے بارے میں مودودی صاحب کی یہ صریحاً غلط بیانی ہے کیونکہ البدایہ کے صفحہ ۲۴۷ پر انہوں نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ کسی انجان شخص کا پھینکا ہوا تیر یہ سہم غرب" جنگ کے دوران حضرت طلحہؓ کے آ لگا تھا پھر یہ کہہ کر کہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تیر مروان بن الحکم نے مارا تھا واللہ اعلم [illegible] کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے جس صفحہ کا حوالہ دیا ہے اس پر تو قد قیل کے ساتھ صاف لکھ دیا ہے کہ ان الذین رملا غیرہ

وھو اعندی اقرب یعنی حضرت طلحہؓ کے جس نے تیر مارا وہ ان کے (حضرت مروانؓ)
سوائے اور کوئی تھا اور یہ بات میرے نزدیک زیادہ قریب صحت ہے" اس درجہ صراحت
کے بعد مشہور روایت پر اظہار شبہ واللہ اعلم بھی لکھ دیا ہے، مودودی صاحب کا یہ فرمانا
کہ ابن کثیر نے مشہور روایت اسی کو مانا ہے" کیا احقاق حق و غلط بیانی نہیں رہے ابن
عبدالبر کے ثقات تو الاستیعاب (ج ۱ ص ۲۰۷) پر جس کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا
ہے جن "ثقہ راویوں" کی سند سے حضرت مروانؓ پر جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ کے تیر مارنے
کی وضعی روایتیں لکھی ہیں، ان میں ایک صاحب تو عبدالسلام بن صالح ہیں جنہیں امام
ذہبی نے مکرر شیعہ (شیعی جلد) لکھا ہے، العقیلی نے رافضی خبیث کہا ہے ابن عدی نے
متہم بکذب نسائی نے غیر ثقہ اور الدارقطنی نے فرمایا ہے کہ یہ خبیث رافضی حدیثیں
وضع کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کلب العلویۃ خیر من بنی امیۃ یعنی علوی لوگوں کے
کتے بنی امیہ سے اچھے ہوتے ہیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۰۶) اسی قماش کے اور بھی
راوی ہیں تو ان پر "ثقات" کا کیا اعتبار، مودودی صاحب کو جب یہ اقرار ہے کہ جنگ جمل
کے موقع پر حضرت علیؓ کی فوج میں وہ قاتلین عثمانؓ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کے
درمیان مصالحت ہوگئی تو ہماری خیر نہیں (شمارہ جون ص ۲۶۵) ساتھ ہی اس کا بھی
اقرار ہے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ قصاص خون عثمان کے طالب تھے ان حالات میں اموی
سادات کے بغض و عناد سے اگر بالاتر ہو کر غور فرما لیتے تو واضح ہو جاتا کہ جو لوگ قصاص
عثمانؓ کے بارے میں مصالحت ہو جانے سے اپنی خیر نہیں سمجھتے تھے، انہوں نے ہی ان
دونوں طالبان قصاص طلحہؓ و زبیرؓ کو قتل کرنے میں اپنی عافیت سمجھی تھی، حضرت مروانؓ
پر قتل طلحہؓ کا بہتان عاید کرنے سے بھی ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب اموی سادات
کے بارے میں اپنے طبعی رجحان سے عدل و انصاف نہیں کر سکتے۔

موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب کے طنز و تعریض کا سب سے زیادہ نشانہ امیر المومنین حضرت

معاویہؓ کی عدیم النظیر شخصیت ہے حالانکہ اصحاب کرام کے نزدیک وہ معیاری حکمران اور ان کے متفق علیہ امام تھے ان کی امامت پر صحابہ نے بالکل اسی طرح اجماع کیا تھا جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تھا ان کی خلافت کو آئینی حیثیت سے وہ بالکل وہی درجہ دیتے تھے جو پہلے تینوں خلفاء کا تھا مودودی صاحب یا کوئی دوسرا شخص صحیح اور مستند حوالوں سے کسی طرح یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ صحابۂ کرام نے ان کی اور پہلے تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی فرق کیا ہو اور کربھی سکتے تھے کیسے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی فیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا آپ نے فرمایا ہے کہ بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی جب ایک نبی کی وفات ہوجاتی تو اس کی جگہ دوسرا قائم ہوجاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے، فرمایا جو پہلے آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرتے رہو اللہ تعالٰی ان کی رعایا کے بارے میں ان سے خود باز پرس فرمانے والا ہے۔ (متفق علیہ)

گویا خلفاء کی تعداد دو چار کی نہیں ہے، جیسا کہ اپنے آپ کو صحابہ کرام سے زیادہ عقل مند اور ان سے زیادہ دین کی سمجھ کا زعم رکھنے والے برخود غلط لوگوں کا خیال ہے اور اللہ تعالٰی نے خلافت کا وعدہ کرتے وقت صرف تیس برس کے لئے وعدہ کیا تھا اور نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ وضعی حدیث میں کہا گیا ہے جس کی قلعی ہماری پہلی کتاب میں کھول دی گئی ہے، بلکہ آپ نے صراحت فرما دی کہ جب فتنے بپا ہوں اور امت کے اندر غلط عقائد و تصورات پھیلانے والے لوگ پیدا ہونے لگیں تو اس وقت

اہل حق کی نجات صرف اس میں ہوگی کہ جماعت اور اس کے امام سے وابستہ رہیں (بخاری و مسلم) جو شخص یا گروہ اس نظام خلافت سے ہٹ کر فرقہ بندی کی کوشش کرے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جماعت کی راہ کے علاوہ کوئی راہ تلاش کرنا چاہے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا (النساء ۱۷) اور جو شخص جماعت کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہوگا، وہ اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کردے گا۔

صحیح مسلم باب حکم فرق امر المسلین وھو مجتمع ص ۱۳۷ ج ۲ طبع مصر

عن عرفجة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقول من اتاکم وامرکم مجتمع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ	حضرت عرفجہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے آئے اور تمہارا ایسا نظام کسی ایک شخص پر اجماع سے قائم ہو چکا ہو، اور وہ چاہے کہ تمہاری حکومت میں اختلال پیدا کرے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہے تو اسے قتل کردو۔

ایسی کوئی ایک دو حدیثیں نہیں ہیں بلکہ بیسیوں ہیں جن سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی خلافت کا نظام صدیوں تک قائم رہے گا اور یہ کہ وہ نظام حق ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہم ابتدائی اوراق میں کافی وشافی بحث کر چکے ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت کا فرق قائم کر کے اس نظام کو باطل کہا ہے جو امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد مبارک سے امت میں رائج ہوا اور اجماع صحابہ کرام سے جس کی بنیاد رکھی گئی اس طرح وہ سمجھ لیں کہ کہاں کھڑے ہیں۔

اب ہم اس سے بڑے اعتراض پر آتے ہیں، جو مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے سلسلے میں امیر المومنین عثمانؓ پر عاید کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی معناً کوشش کی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنا کر دراصل اموی خلافت کا ڈول ڈالا تھا اور ان کا مقصد تھا کہ کسی طرح تمام دنیائے اسلام پر ان کے گھر والوں کا قبضہ ہو جائے۔

فرماتے ہیں (شمارہ جون ص ۲۵۳)

انہوں نے حضرت معاویہؓ کو ایک ہی صوبہ کی گورنری پر مسلسل ۱۶-۱۷ سال مامور رکھا حالانکہ حضرت عمرؓ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ کسی شخص کو ایک ہی منصب کی حکومت پر زیادہ مدت تک نہ رکھتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً ادل بدل کرتے رہتے تھے اور یہی تدبر کا تقاضا بھی تھا، مگر حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے اسے ملحوظ نہ رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے حضرت عثمانؓ نے انہیں سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا، یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔

شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا، حضرت معاویہؓ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا

مودودی صاحب نے یہاں ایسی تلبیس سے کام لیا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے ان کے بیان کے مطابق حضرت معاویہؓ عہد فاروقی میں چار سال تک صرف دمشق کے والی رہے گویا ان کے نزدیک تصرف دمشق ہی کا تھا، یہ منطق ایسی ہے جیسے خلیفہ بغداد اور شاہ دہلی کی مروجہ اصطلاحوں کا مطلب یہ نکالا جائے کہ ان کی حکومت بس ان شہروں کے حدود میں تھی۔

حضرت معاویہؓ کے تحت شام کا سب علاقہ تھا اور اس علاقہ کا پورا رقبہ خود حضرت

فاروق اعظمؓ نے رفتہ رفتہ حضرت معاویہؓ کے تحت کر دیا تھا ابھی پچھلے اوراق میں ہم حضرت عمیرؓ بن سعد انصاری کا واقعہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے انہیں حمص کی ولایت سے معزول کر کے یہ علاقہ حضرت معاویہؓ کی تحویل میں دیدیا تھا (ملاحظہ ہو جامع ترمذی ج ۲، ص ۲۲۵ ابواب المناقب طبع دہلی) اس روایت کی سند نہایت قوی ہے اور اس کے سب راوی اہل السنۃ ہیں۔

عن ابی ادریس الخولانی قال لما عزل عمر بن الخطاب عمیر بن سعد عن حمص ولّی معاویۃ فقال الناس عزل عمیرا ولّی معاویۃ فقال عمیر لا تذکروا معاویۃ الا بالخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھد بہ۔

حضرت ابو ادریس خولانی فرماتے ہیں جب حضرت عمرؓ بن الخطاب نے عمیر بن سعد کو حمص سے معزول کر کے معاویہؓ کو وہاں کا حاکم بنایا تو لوگوں نے کہا عمیر کو معزول کر دیا اور معاویہ کو حاکم بنا دیا اس پر حضرت عمیرؓ نے فرمایا معاویہ کا جب ذکر کرو بھلائی کے ساتھ کرنا کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے "خدایا اس کو ہدایت کا ذریعہ بنا"

امام ابوبکر ابن العربیؒ نے صراحت کی ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ہی نے شام کا پورا علاقہ حضرت معاویہؓ کے تحت کر دیا تھا (العواصم) اور ساتھ ہی فرماتے ہیں۔

بل انما ولاہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ لانہ ولّی اخاہ یزید واستخلفہ یزید فاقرہ عمر لتعلقہ بولایۃ ابی بکر لاجل استخلاف والیہ لہ فتعلق عثمان بعمر واقرہ

بلکہ حقیقتاً تو انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا اس لئے کہ انہوں نے ان کے بھائی یزید کو مقرر کیا اور یزید نے انہیں اپنا جانشین بنایا اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی طرف سے مقرر ہونے کا خیال کر کے انہیں برقرار رکھا کیونکہ ان کے (یعنی حضرت صدیقؓ کے) والی نے انہیں اپنا جانشین بنایا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی پیروی کی اور انہی کو برقرار رکھا۔

حضرت فاروقؓ کے عہد میں تمام شام کا علاقہ حضرت معاویہؓ کی ولایت میں ہونے کے

بڑے قوی اور حتمی دلائل میں منجملہ ان دلائل کے البدایۃ والنہایۃ میں ہے (ج ۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵ منقول از العواصم ص ۲۰۹)

لما قدم عمر الشام وتلقاہ معاویۃ فی موکب عظیم فاستنکر عمر ذلک واعتذر لہ معاویۃ بقولہ۔

جب حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے اور حضرت معاویہؓ ان کے استقبال کے لئے سواروں کے عظیم الشان جلوس کے ساتھ حاضر ہوئے عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا حضرت معاویہؓ نے اس پر یہ عذر پیش کیا۔

انا بارض جواسیس العدو فیھا کثیرۃ فیجب ان تظھر من عز السلطان ما یکون فیہ عز الاسلام واھلہ ویرھبھم

ہم ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس بہت ہیں اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کی ایسی شان وشوکت ظاہر کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے شایان شان ہو اس طرح ہم ان پر رعب ڈال سکیں گے۔

فقال عبد الرحمٰن بن عوف لعمر ما احسن ما صدر عما اوردتہ فیہ یا امیر المومنین۔

اس پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا "امیر المومنین دیکھئے کس خوبی کے ساتھ یہ اپنے آپ کو اس الزام سے بچا لے گئے جو آپ نے ان پر عائد کیا۔"

فقال عمر من اجل ذلک جشمناہ ما جشمناہ۔

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہی سبب تو ہم نے ان پر ایسی ذمہ داری ڈالی ہے۔

صحیح ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ اپنے والیوں کو جلد از جلد بدلتے تھے بلکہ بسا اوقات ایک ہی برس کے بعد بدل دیتے جیسے حضرت عمارؓ کو بدل دیا تھا۔ لیکن یہ علاقہ شام کا تھا، جو سیاسی حیثیت سے اہم علاقہ تھا اسے شخصیت حضرت معاویہؓ کی تھی کہ آپ نے انہیں مستقلاً وہاں رکھا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ وہ صرف چار برس رہے تھے اس کی دلیل نہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ انہیں بعد میں نہ رکھتے کیونکہ آپ کو اچانک اسی گروہ کے ایک پیش رو نے شہید کردیا تھا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ ہنگامے بپا کئے۔

مودودی صاحب نے ایک اور بات پر غور نہیں فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کا تقرر

ان کے برادر بزرگوار حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بعد کیا گیا تھا، گویا مودودی صاحب کے تصور کے مطابق آل ابی سفیان کی ملوکیت کی بنیاد حضرت فاروق اعظمؓ رکھ گئے تھے بلکہ ان سے بھی پہلے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے مرکزی سکریٹریٹ کے ساتھ عرب کے سب اہم مقامات پر امویوں کو فائز کیا تھا اور آخر وقت تک رکھا۔ اور آپ کے بعد خاص طور پر حضرت عتابؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر یہ حضرت صدیق اکبرؓ ہی تھے، جنہوں نے حضرت یزید بن ابوسفیانؓ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت ولیدؓ بن عقبہؓ کو اپنی خلافت کے اہم ترین کارپردازوں میں رکھا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

گویا مودودی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو جو آداب سیاست سکھانے چاہے ہیں اور والیوں کو ادل بدل کرنے کا گر انہیں بتانا چاہا ہے وہ افسوس ہے کہ ان کی سمجھ میں نہ آیا اور ایسی غلطیاں کر گئے کہ امویوں کی یہ ملوکیت" قائم ہونے کی راہیں خود بخود کشادہ ہوتی چلی گئیں۔

مودودی صاحب نے دوسرے الفاظ میں وہی بات کہی ہے جو شیعہ مصنفین کہتے آئے ہیں، چنانچہ مولف "مصباح الظلم" نے متعدد جگہ بتغیر الفاظ کہا ہے کہ

"خلافت راشدہ نے اس کی ضرورت دیکھی کہ بنی امیہ ضامند رکھے جائیں اس لئے دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ کے قاعدہ پران کو شام کا ملک دیدیا گیا۔"

مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی غلطی اور خلافت کے لئے حضرت معاویہؓ کی منصوبہ بندی تو ظاہر فرما دی مگر یہ بتانے سے قاصر ہے کہ عہد عثمانی وفاروقی وصدیقی و عہد نبوی میں ان سے کون سی ایسی بات ظاہر ہوتی جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ مرکز کے تابع رہنے کی بجائے مرکز کو اپنا تابع رکھنا چاہتے تھے، مرکز کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی وفاداری اور مرکز کا ان پر انتہائی اعتماد تو دلیل اس بات کی ہے کہ حضرت معاویہؓ امت کے عظیم ترین ائمہ میں ہیں اور جہانبانی و نظم ونسق میں مثالی کہ تینوں خلافتوں میں ایک جگہ رہے۔

رہا حضرت علیؓ سے بیعت نہ کرنا اور قصاص عثمانؓ کا مطالبہ لے کر کھڑا ہونا تو یہ ان

کا فرض تھا، سیاسیات اسلامیہ کے ارتقاء میں انہوں نے جو عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں وہ انہیں تباہ کیسے ہونے دیتے اور کیوں اس کے روادار ہوتے کہ چند بے ننگ و نام لوگ مرکز خلافت پر چڑھ دوڑیں، امت کے متفق علیہ اور محبوب ترین امام کو شہید کردیں اور اپنی مرضی کی خلافت بپا کر کے تمام عالم اسلام کی سیاست پر قابض ہو جائیں۔

حضرت معاویہؓ بیٹھے تو شام میں تھے، مگر ان کی نگاہوں میں پورے عالم اسلام کا حال و استقبال تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؓ کی قیادت کا ان لوگوں کے ہاتھوں کیا حال ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ حضرت ام المومنین صلوٰۃ علیہا کی تعمیری کوششیں اسی نابکار ٹولی نے کس طرح غارت کردیں۔

مودودی صاحب کا یہ تصور کہ علوی خلافت آئینی تھی اور تمام بلاد اسلامیہ میں ان کی بیعت کی تکمیل ہو گئی تھی اور جمہور صحابہ و تابعین نے انہیں اپنا امام تسلیم کر لیا تھا، صحیح نہیں اس کی حقیقت پر ہم پچھلے اوراق میں روشنی ڈال چکے ہیں اس لئے حضرت معاویہؓ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا اور نہ صحابہ کرام نے کبھی کہا کہ انہوں نے امام جماعت سے بغاوت کا ارتکاب کیا تھا۔

اگر صحابہ کرام نے انہیں باغی اور خارجی سمجھا ہوتا تو وہ سب کے سب حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے حضرت معاویہؓ کے مقابلے پر جمع ہو جاتے اور اس وقت تک چین نہ لیتے جب تک کہ وہ مغلوب نہ ہو جاتے، لیکن دیکھتے ہم یہ ہیں کہ جب صفین میں جنگ بند ہوئی تو معاملہ ثالثوں پر ڈال دیا گیا اور ثالثوں نے فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں نہیں کیا، اور پھر جب ان کی شہادت ہو گئی تو حضرت معاویہؓ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی اور ممالک اسلامیہ میں سوائے خوارج کے باقی سب نے بیعت کرلی، اس سال کا نام عام الجماعت رکھا گیا اور تمام صحابہ کرام جو اس وقت زندہ تھے انہوں نے اپنا متفق علیہ امام تسلیم کر لیا، گویا مودودی صاحب کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ پوری امت نے قرآن مجید کا حکم پس پشت ڈال دیا اور جس شخص کا قتل واجب تھا اسی کی سپرد امت کی زمام کار کردی۔

قتل عمارؓ مودودی صاحب نے بڑی تحدی سے حضرت علیؓ کو حق پر اور حضرت

معاویہؓ کو باطل پر قرار دیا ہے اور یہ وہ موقف ہے جو آج تک کسی ایسے شخص نے اختیار نہ کیا جو دین کا علم رکھتا ہو اور سنت نبویہ اور جماعت صحابہ سے اپنے کو وابستہ سمجھتا ہو
مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۳۲۴ - ۳۲۵)

پھر اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نص صریح کے طور پر یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون، وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، حضرت عمار کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضور کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تقتلك الفئة الباغية (تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا) مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابو داؤد طیالسی وغیرہ کتب حدیث میں حضرات ابو سعید خدری، ابو قتادہ انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، حذیفہ، ابو ایوب انصاری، ابو رافع، خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابو الیسر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہیں ابن سعد نے بھی یہ حدیث کئی سندوں سے نقل کی ہے، متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ میں متذبذب تھے حضرت عمار کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون علامہ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر آثار یہ بات منقول ہے کہ عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا اور یہ صحیح ترین احادیث میں سے ہے، یہی بات حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھی ہے: دوسری جگہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں یہ قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور

اہل السنۃ اس بات پر متفق ہو گئے درانحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا"

یہ طویل بیان محض یہ بات ثابت کرنے کے لئے دیا گیا ہے کہ صفین میں حضرت علی کی طرف سے عمارؓ کا قتل ہونا بتایا جاتا ہے، اس لئے حضرت معاویہؓ باغی قرار پائے ظاہر ہے کہ نص قرآنی کے مطابق باغی گروہ سے قتال واجب ہے، حتیٰ تفیئ الیٰ امر اللہ (یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے) مودودی صاحب نے قتل عمار کو حق و باطل کا معیار تو قرار دیدیا اور حدیث کو نص صریح بھی بتا دیا لیکن وہ اس کی کیا توجیہہ کریں گے کہ۔

۱۔ حضرت عمار کے قتل کے بعد حضرت علیؓ نے اپنا موقف بدل دیا اور جنگ سے ہاتھ روک لیا حالانکہ "باغی" گروہ سے جنگ کی ابتدا انہوں نے کی تھی، ایک روایت بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس سے ادنیٰ ثبوت اس کا دیا جا سکے کہ جنگ کے لئے حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی تھی۔

حسب فرمان خداوندی حضرت علیؓ کا فرض تھا کہ بہر طور جنگ جاری رکھتے اور تمام صحابہ کا یہ فرض تھا کہ وہ اس بارے میں حضرت علی کا ساتھ دیتے۔

۲۔ صحابہ کرام کے جو موقف حضرت عمارؓ کے قتل سے پہلے تھے ان میں جو غیر جانبدار تھے مثلاً حضرت سعدؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہما وہ اپنی غیر جانب داری پر قائم رہے، جو حضرات حضرت علیؓ کے مخالف تھے جیسے حضرت عقیلؓ بن ابی طالب، حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہما وہ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔

۳۔ جو حضرات حضرت علیؓ کے ساتھ تھے انہوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا علاوہ ازیں یہ "نص صریح" اور "حق و باطل" کی بات کرنے والے اس کی کیا توجیہہ کریں گے کہ:۔

(الف) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ جمل تک حضرت علیؓ کے ساتھ تھے لیکن صفین میں شریک نہیں ہوئے اور مدینہ جا بیٹھے (الاصابہ بذیل عنوان خالد زید)

(ب) اور حضرت جریر بن عبداللہؓ جنگ جمل کے بعد تک حضرت علیؓ کے ساتھ تھے پھر آپ کو حضرت معاویہؓ کے پاس بیعت لینے کے لئے شام بھیجا گیا، وہاں کے احوال دیکھے

سلئے انہیں حضرت معاویہؓ نے روک لیا، یہاں اشترنے ان کے خلاف محاذ بنا لیا کہ معاویہؓ سے مل گئے، آپ نے آکر وہاں کے احوال بیان کئے اور یہ بھی سنا کہ آپ کے متعلق کیا کیا باتیں کہی گئیں، لہٰذا آپ بددل ہو کر مدینہ چلے گئے اور پھر وہاں سے شام، آپ صورت حال اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور امت کی نجات حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں سمجھ لی۔

(ج) حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ نے مصر کا والی بنایا اور آپ نے وہاں کا نظم و نسق خوبی کے ساتھ سنبھال لیا، حضرت معاویہؓ بن خدیج وغیرہ اکابر کی قیادت میں وہاں بھی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے، بیعت علیؓ سے منحرف تھی اور ان کا موقف تھا کہ اگر اس خلافت پر اجماع امت ہو گیا تو ہم بھی بیعت کر لیں گے ورنہ نہیں، حضرت قیس نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ امن سے رہیں تو ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی اور آپ کے سب حقوق وہی ہوں گے جو اور مسلمانوں کے ہیں، اس طرح وہاں کی فضا نہایت پرامن تھی، مگر یہاں ان کے خلاف بھی محاذ بنا لیا گیا کہ معاویہؓ سے مل گئے ہیں جو بیعت نہ کرنے والوں سے جنگ نہیں کرتے حضرت قیسؓ نے بار بار لکھا کہ میرا عمل تعمیری ہے اور صحیح سیاست پر مبنی اس طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہتے، اگر اشتر وغیرہ نہ ملنے اور انہیں معزولی کا حکم بھیج دیا گیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر والی بنائے گئے جنہوں نے جا کے جنگ چھیڑ دی اور پھر ان حضرات نے حضرت معاویہؓ سے مدد مانگی، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہاں جا کر حالات پر قابو پا لیا اور یوں مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے جاتا رہا، حضرت قیسؓ اس صورت حال سے بددل ہو کر مدینہ جا بیٹھے یہ روایات نہیں ہیں تاریخی حقائق ہیں اب سوال ہے یہ کہ کیا ان سب نے اللہ کا کلام پس پشت ڈال دیا اور اس حدیث کو بھی اہمیت نہیں دی ہے؟

صحابہ کرام میں سے اس حدیث کو جتنے راویوں کے نام مودودی صاحب نے دیتے ہیں ان کے موقف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت عثمانؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو رافعؓ حضرت ابن مسعودؓ تو اس وقت وفات پا چکے تھے لہٰذا ان کے موافقت کا کیا ذکر اور حضرت عمار کا تو خود یہ قصہ ہی ہے حضرت

خزیمہ بن ثابت رضؓ بھی حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھے اور مقتول ہو گئے۔

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضؓ جن سے صحیح بخاری کی روایت ہے نیز حضرت ابو ہریرہ رضؓ اپنی غیر جانب داری پر قائم رہے، حضرت ابو قتادہ رضؓ حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھے اور یہ قطعی ہے کہ ان سب نے حضرت معاویہ رضؓ سے بعد میں بیعت کر لی، اور سب نے امیر یزید رضؓ کی ولایت عہد کی بھی بیعت کی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ مودودی صاحب کی خیالی باتوں کے باوجود حضرت معاویہ رضؓ کے ساتھ رہے اور پھر بعد میں ان کی طرف سے والی بھی رہے حضرت عمرو بن العاص بدستور حضرت معاویہ رضؓ کے ساتھ رہے ان کی طرف سے ثالث بنے اور حضرت علی رضؓ کے خلاف فیصلہ دیا۔

اب تین ہی صورتیں رہ جاتی ہیں (۱) تمام صحابہ مع حضرت علی رضؓ کے خدا و رسول کے احکام سے بے پرواہ تھے (۲) یہ حدیث غلط ہے اور ایسی کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی (۳) حضرت معاویہ رضؓ باغی نہیں تھے اور حضرت عمار کے قتل کا وہ مفہوم نہ تھا جو لیا جاتا ہے ان کا جنگ صفین میں شریک ہو کر مقتول ہونا بہت مشتبہ ہے۔

پہلی بات کسی مومن کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی، دوسری بات کوئی علم حدیث رکھنے والا نہیں کہہ سکتا، لہٰذا سوائے تیسری بات کہنے اور سمجھنے کے کوئی چارہ نہیں رہتا، یعنی یہ کہ حضرت عمار رضؓ کے قتل کی ذمہ داری حضرت معاویہ رضؓ پر نہیں بلکہ اسی نابکار گروہ پر ہے جس نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف ہنگامہ بپا کر کے امت میں اختلاف کا دروازہ کھولا۔

حضرت عمار کے قتل کی بنیاد تو اسی گروہ نے اسی وقت رکھ دی تھی جب مصر میں انہیں مدینہ کو واپسی سے روک لیا تھا، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ نے ایک وفد تمام مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں صورت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا حضرت عمار کے سپرد مصر کے احوال معلوم کرنے تھے، وفد کے سب ارکان ... اپنا دورہ پورا کر کے مستقر پر واپس آ گئے اور گواہی دی کہ کسی جگہ امت میں بے چینی یا والیوں کے خلاف کوئی شکایت نہیں، صرف حضرت عمار لوٹ کر نہ آئے (طبری ج ۵ ص ۹۹) نیز ابن خلدون

کتاب ثانی ج ۴) میں صراحتاً بیان ہے کہ مصر میں حضرت عمارؓ کا میل جول ابن سبا (عبداللہ بن السوداء) رخالد بن ملجم و سودانی حمران و کنانہ بن بشر سے ہوگیا تھا خود وہاں رک گئے تھے، یا بقول مورخین طبری و ابن خلدون، لوگوں نے انہیں روک لیا تھا۔ حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ وہ قتل کر دئے گئے۔ واستبطاء الناس عمارا حتی ظنوا انہ قد اغتیل (ایضاً طبری) یہ بھی کہا گیا ہے کہ عامل مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے سبائی گروہ سے ان کے میل جول کی اطلاع امیرالمومنین کو بھجوا دی تھی لیکن کسی نے یہ نہ بتایا کہ حضرت عمارؓ مصر سے مدینہ واپس آئے یا نہیں آئے تو کب اور جس خدمت پر مامور ہو کر بھیجے گئے تھے اس کی انجام دہی کی کیا رپورٹ پیش کی۔

جنگ جمل میں انہیں موجود بتایا جاتا ہے اور مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ان ہی کی وجہ سے حضرت زبیرؓ مذبذب ہو گئے تھے، لیکن مودودی صاحب نے یہ نہ سوچا کہ حضرت زبیرؓ حضرت ام المومنینؓ کے ساتھ تھے جو تمام اہل ایمان کی ماں ہیں اور حق ادھر ہی تھا جدھر وہ تھیں اور حجت وہی ہے جو ان کا اجتہاد تھا۔ ان کا یہ منصب نص قرآنی سے ثابت ہے چنانچہ تمام صحابہ مع پہلے تینوں خلفاء کے ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیتے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے، لہٰذا حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی طرف ہوتے بھی تو یہ فیصلہ کن بات نہ تھی اور اگر ہوتی تو پھر تذبذب کا کوئی سوال نہ تھا۔ حضرت زبیرؓ ان کی موجودگی کو اپنی بد ملطروی" کے لئے دلیل قاطع سمجھتے۔

وہاں دراصل صورت یہ تھی کہ فریقین کے درمیان اختلاف مٹ چکا تھا اور باہمی صلح ہو گئی تھی صرف صبح کو رسمی کارروائی مکمل ہونے کا انتظار تھا، اب جو جنگ چھڑ گئی تو حضرت زبیرؓ کا تذبذب بجا تھا، وہ جانتے تھے کہ ان کی طرف سے نہیں چھڑی اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بھی نہیں چھڑ سکتی تھی اس لئے وہ اس وقت اندازہ نہ لگا سکے کہ صلح ہو چکنے کے بعد جنگ چھیڑ دینے کی ذمہ داری کس پر ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ان کا اپنا ارشاد موجود ہے (ج ۲، ص ۳۹۱ باب برکۃ الغازی فی ماله طبع مصر)

عن عبد اللہ بن الزبیر قال لما وقف الزبیر یوم الجمل دعانی فقمت الی جنبہ فقال یا بنی انہ لا یقتل الیوم الا ظالم او مظلوم وانی لا ارانی الا سا قتل الیوم مظلوما.....	عبداللہ بن الزبیر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں جب حضرت زبیر جمل کے دن کھڑے ہوئے مجھے بلایا اور میں ان کے پہلو میں جا کھڑا ہوا، آپ نے فرمایا بیٹا آج جو قتل ہوگا وہ یا ظالم ہوگا یا مظلوم اور میں اپنے متعلق دیکھتا ہوں کہ آج مظلوم قتل ہوں گا (آگے ذکر مال کے متعلق وصیت کا ہے۔م)

اس بیان میں نہ حضرت عمارؓ کی موجودگی کا ذکر ہے، جنہیں مودودی صاحب نے حضرت ام المومنین کے مقابلے میں حق و باطل کا معیار قرار دے دیا ہے اور نہ اس واہی اور بے اصل اور قطعی وضعی روایت کا ذکر ہے جسے مودودی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو بلا کر انہیں وہ بات یاد دلائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائی تھی کہ تم دونوں ناحق علیؓ سے لڑو گے اس لئے یہ دونوں صاحب الگ ہو گئے، حضرت علیؓ اگر ایسی کوئی بات فرماتے تو اس کا موقع وہ تھا جب فریقین پہلی دفعہ ایک دوسرے سے ملے تھے اسی طرح جنگ کا امکان پہلے ہی ختم ہو جاتا اور صلح کی بات چیت کی ضرورت ہی نہ رہتی، سب ان کی بیعت میں داخل ہو جاتے۔

پھر سوال یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات کہی تھی تو یہ بزرگوار اکیلے ہی اکیلے کیوں چپکے سے الگ ہو گئے، انہیں حضرت ام المومنینؓ سے عرض کرنا چاہئے تھا اور اپنے ساتھیوں میں اعلان کرنا چاہئے تھا تاکہ مسلمانوں کی جانیں ضائع نہ ہوتیں، کون تھا جو ان کے بیان میں شک کرتا۔

غرض یہی واہی روایتیں ہیں جن کے ذریعہ عوام کو بے چین اور گمراہ کیا جاتا ہے حضرت ام المومنین وہاں پر امن مقاصد کے لئے تشریف لے گئی تھیں، اگر عثمان بن حنیف اپنے بزرگ ساتھیوں کی رائے مان لیتے اور حکیم بن جبلہ وغیرہ سبائیوں کی شرانگیزی سامنے میں نہ آتے تو بصرہ میں کوئی ہنگامہ نہ ہوتا اور رائے عامہ حضرت ام المومنین کے حق میں استوار ہو جاتی یعنی سبائیوں کے خلاف وہاں ایک طاقتور جماعت کی تنظیم کر کے ان کا ایک مرکز تو ڑ

دیا جاتا، یہی بات حکیم بن جبلہ کو نظر آئی تھی اس لئے اس نے جنگ چھیڑ دی اور یہی بات
تھی جس کی بناء پر فریقین میں مصالحت اور یکجہتی پیدا ہوتے کو سبائیوں نے اپنی موت جانا اور
انہوں نے مصالحت و یکجہتی کی نوبت نہ آنے دی۔

الفئة الباغية

حضرت عمارؓ کے مقتول ہونے کے بارے میں وضعی روایتیں
پر جو مودودی صاحب کی کتب مآخذ میں ہیں، واقعات کی
روشنی میں نظر ڈالنے اور تأملاً غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ ان کی ہلاکت
کی ذمہ داری بھی وہی باغی ٹولی سبائیوں کی تھی جس نے حضرت عثمان غنیؓ کے مظلومانہ قتل
کا ارتکاب کیا تھا ان ہی سبائی باغیوں کے نرغے میں آکر جنہیں ملعونون علی لسان محمد
صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۷) ایک ارشاد نبوی میں ملعون فرمایا گیا تھا حضرت
عمارؓ جنگ صفین سے دو سال قبل اور حضرت عثمانؓ کی شہادت سے چند ماہ پہلے ۳۵ھ
میں ہی جب وہ تحقیق حال کے لئے مصر بھیجے گئے تھے ہلاک ہو گئے تھے، جنگ جمل و صفین میں
ان کی موجودگی کی روایتیں تو صرف اس غرض سے وضع کی گئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت عمارؓ سے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ تقتلك الفئة
الباغية وہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کر کے انہیں باغی جماعت قرار دیا جائے
دلائل ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ ۳۵ھ میں امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال پر مختلف شہروں میں طعن و تشنیع
کا شیوع جب زیادہ ہونے لگا، اس کی خبریں اہل مدینہ کو پہنچیں بقول مورخین (طبری ج ۵
و ابن خلدون کتاب ثانی ج ۴) صحابہ کی ایک جماعت نے امیر المومنین کے پاس آکر ان حالات
سے مطلع کیا اور طلب مشورہ پر۔

قالوا نشير عليك ان تبعث رجالا
ممن تثق بهم الى الامصار حتى
يرجعوا اليك باخبارهم
(طبری و ابن خلدون)

ان حضرات نے کہا کہ مشورہ ہمارا یہ ہے کہ معتبر و
معتمد آدمیوں کو مختلف شہروں میں بھیجئے تاکہ وہاں
کے حالات کی خبریں آپ کو لاکر دیں۔

۲۔ امیر المومنین نے اکابر صحابہ میں سے مندرجہ ذیل حضرات کو جو ان کے معتمد علیہ تھے مختلف مقامات کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔

(الف) حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو کوفہ بھیجا گیا، یہ بدری صحابی تھے خیبر کا موجب یہودی ان ہی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا، انصار صحابہ میں سے تھے تبوک کے غزوہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر نائب مقرر کیا تھا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کی خانہ جنگیوں سے علیحدہ رہے، حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ب) حضرت اسامہ بن زیدؓ بصرہ کے حالات معلوم کرنے بھیجے گئے وہ حب رسول اللہ کہلاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے قبل ان ہی کو جیش کا سردار مقرر کیا تھا جس میں اکابر و اجلہ صحابہ شامل تھے، یہ بھی ایام فتنہ میں علیحدہ رہے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔

(ج) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، یہ ملک شام بھیجے گئے، بدر و احد کے علاوہ سب غزوات میں شریک ہوکر بیعت الرضوان میں سب سے پہلے انہوں نے ہی بیعت کی تھی، خانہ جنگیوں سے قطعاً علیحدہ رہے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے انہیں "رجل صالح" فرمایا تھا نہایت درجہ نیک عابد و زاہد تھے۔

(د) حضرت عمار بن یاسرؓ۔ سابقون الاولون میں سے تھے انہوں نے اور ان کی والدہ ماجدہ نے جو بنو مخزوم میں سے ابو حذیفہ بن مغیرہ کی لونڈی تھیں اسلام کی خاطر بڑے مظالم سہے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے خلافت میں ان کو کوفہ پر عامل مقرر کیا تھا، مگر جلد ہی معزول کر دیا تھا کیونکہ بروایت طبری (ج ۳ ص ۲۴۱) اہل کوفہ نے حضرت عمارؓ کے بارے میں یہ شکایت کی کہ جس منصب پر وہ ہیں اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اہل کوفہ ان پر جھپٹ پڑے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بلا بھیجا تو وہ کوفہ سے ایک وفد اپنے ساتھ لے کر چلے اور ایسے لوگوں کو ساتھ لیا جن کو وہ اپنا موافق سمجھتے تھے لیکن وہ ثابت ہوئے ان سے بھی سخت جن کو وہ چھوڑ کر آئے تھے، عمارؓ ان پر جزع و فزع کرنے لگے، کسی نے پوچھا کیوں جزع و فزع کرتے ہو؟ کہا میں اپنی خلافت کو ممدوح نہیں سمجھتا ہوں مگر اس واقعہ کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا گیا

نیز، مختار ثقفی کا چچا سعد بن مسعود ثقفی اور جریر بن عبداللہ جہاں کے ساتھ گئے تھے انہوں نے ان کے متعلق کچھ لگایا بجھایا اور حضرت عمرؓ کو ان کی بعض ناپسندیدہ باتوں کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کردیا اور پھر کوئی منصب ان کو نہ دیا" حضرت عمارؓ جب ۳۵ھ میں مصر بھیجے گئے تھے اس وقت ان کی عمر نوے برس کے لگ بھگ تھی ان حضرات کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی دوسرے مقامات کو روانہ کئے گئے تھے۔

(۳) یہ سب اکابر صحابہ جو حالات کی تحقیق و تفتیش پر متعین ہوتے تھے ظاہر ہے کہ امیر المومنین کے معتمد علیہ تھے ان میں سے کسی کو نہ پہلے سے امیر المومنین کی ذات سے کوئی شکایت تھی اور نہ بعد میں شکایت و ناراضی کی کوئی وجہ پیدا ہوئی، حضرت عمارؓ کے سوائے سب حضرات نے واپس لوٹ کر بیان کیا کہ ہم نے نہ تو عمال اور والیان صوبہ کی کوئی برائی دیکھی اور نہ عوام و خواص کو ان کی شکایت کرتے ہوئے پایا (طبری ج ۵ ص ۹۹ و ابن خلدون کتاب ثانی)

(۴) حضرت عمارؓ کے مصر بھیجے جانے سے پہلے امیر المومنین کو ان پر بھی ویسا ہی اعتماد و اعتبار تھا جیسے اپنے دوسرے نمائندہ حضرات پر تھا وہ جس وقت مدینہ سے بھیجے جا رہے تھے اگر حضرت عثمانؓ سے ان کو پہلے سے خود اپنے متعلق یا امیر المومنین کی سیاست کے متعلق کچھ شکایتیں ہوتیں یا امیر المومنین کو ان سے ہوتیں تو نہ امیر المومنین ان کو بھیجتے اور نہ وہ اپنا بھیجا جانا پسند کرتے امیر المومنین کا ان کو تحقیق حالات کے لئے مصر بھیجنا اور ان کا اس خدمت کی انجام دہی قبول کر کے مصر جانا دلیل اس امر کی ہے مصر جانے سے پہلے نہ امیر المومنین کو ان سے کوئی شکایت تھی اور نہ انہیں امیر المومنین سے کوئی گلا شکوہ تھا۔

اب دیکھئے مودودی صاحب کے مآخذ (الامامۃ السیاسۃ ج ۱ ص ۳۲) والاستیعاب ج ۲ ص ۴۲۲) وغیرہ میں جو یہ روایتیں ہیں کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی شکایتوں کا ایک بڑا طومار لکھ کر کہ سنت رسول اللہ و سنت شیخین کے خلاف تم نے عمل کیا ہے حق اللہ و رسولہ" اور ذوالقربیٰ و یتامیٰ و مساکین کے حقوق تلف کر کے خمس افریقہ مروان کو بخش دیا اور اپنے عزیز و رشتہ داروں کو بے تحاشا روپیہ دے دیا اپنی زوجہ سیدہ

نائلہ اور اپنی دختر عائشہ اور اپنے بیٹوں کے لئے محلات بنوادئے نیز ان تمام اتہامات کا ذکر تھا جو مودودی صاحب کی حضرت عثمانؓ پر عاید کردہ فرد جرم میں شامل ہیں حضرت عمارؓ مع دس آدمیوں کے جن میں حضرت مقدادؓ بن الاسود بھی شامل بتائے گئے ہیں یہ تحریر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دینے کے لئے گئے، راستہ میں ایک ایک کر کے سب ساتھی ان کے مع مقدادؓ کے تو کھسک گئے، یہ تنہا رہ گئے، جس وقت مکان میں اجازت لے کر داخل ہوئے، روایت میں بیان ہے کہ مروان اور بنی امیہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے حضرت عمار نے وہ تحریر پیش کی پوچھنے پر اقرار کیا کہ یہ تحریر میں نے لکھی ہے، لیکن اپنے ساتھیوں کے نام بتلانے سے انکار کیا اس پر حضرت عثمانؓ نے انہیں خوب پٹوایا اور خود بھی زدوکوب کیا وضرب عثمان معهم حتی فتقوا بطنه (الامامہ ج ۱ ص ۳۲) (والاستیعاب) (اور عثمان نے اوروں کے ساتھ انہیں مارا، یہاں تک کہ ان کا پیٹ پھٹ گیا) بیہوشی کے عالم میں عمارؓ کو مکان کے باہر حضرت عثمانؓ نے پھنکوا دیا۔ یہ سارا واقعہ مصر جانے سے پہلے کا گھڑا گیا ہے، مصر جانے کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ اس میں حضرت ولیدؓ بن عقبہ کے شرب خمر کی سزا نہ دینے کا ذکر ہے جو پانچ سال پہلے ۳۰ھ کا واقعہ ہے اور پچھلے صفحات میں جس کا ذکر آ چکا ہے، غرض کہ اسی قسم کے اور بھی قصے گھڑے گئے ہیں ان میں سے بعض کو ڈاکٹر طہ حسین نے اپنی کتاب "عثمان" میں بھی لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے حضرت عمارؓ کو لونڈی بچہ کہہ کر خود اس قدر مارا تھا کہ بیہوش ہو گئے تھے اور ام سلمہؓ اور عائشہؓ نے آنحضرت کے کچھ بال، کپڑا اور جوتا نکالا اور فرمایا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال، ان کا کپڑا اور جوتے ہیں ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑے رہے ہو لوگ چلا اٹھے اور حضرت عثمانؓ آپے سے باہر ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں۔" (ص ۲۴۵) پھر بھی حقیقت ان روایتوں کے وضعی ہونے کی ہوتی تو جس وقت حضرت عثمانؓ نے ان سے اہل مصر کی شکایتوں کی تحقیق کے لئے کہا تھا تو حضرت عمارؓ صاف کہتے کہ ہم دوسروں کی شکایتوں کی تحقیق کرنے کیا جائیں، ہمیں تو خود ہی تم سے بہت سی شکایتیں ہیں اور اگر ان شکایتوں کا اظہار نہ کیا تھا تو کیوں دل میں کینہ و بغض ایسی حالت میں لئے

رہے جب کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مخلص سمجھ کر شکایات کی تحقیقات کے لئے بھیجا۔
حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوتا کہ ان کو مجھ سے شکایتیں ہیں اور ان کا دل میری طرف سے
صاف نہیں ہے تو وہ ان کو مصر کیوں بھیجتے کسی اور کو بھیجتے، یقیناً حضرت عثمانؓ کو ان پر پورا
اعتماد تھا اور ان کو مدینہ سے مصر جانے کے قبل تک حضرت عثمانؓ سے کوئی شکایت کسی قسم
کی نہ تھی، اگر بھی شکایت ہوتی تو یہ نہ خود جاتے اور نہ حضرت عثمانؓ ان کو بھیجتے اور حضرت
عثمانؓ کے مخلص و مشیر دوسرے صحابہ بھی ایسی صورت میں حضرت عمارؓ کا مصر یا کسی جگہ بھی
تحقیقات کے لئے بھیجا جانا مناسب نہ سمجھتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ مصر جانے سے پہلے عمارؓ
کا دل حضرت عثمانؓ کی طرف سے بالکل صاف تھا، وہ دیگر صحابہ کی طرح امیر المومنین عثمانؓ
کے مخلص تھے اور بطیب خاطر ان کی بیعت میں داخل ہوئے تھے وہ کم و بیش چالیس سال سے
حضرت عثمانؓ کے حالات و خصائل سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ حضرت
عثمانؓ کیسے منکسر المزاج حلیم الطبع اور سخی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے چہیتے
ہیں کہ یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں ان کی زوجیت میں دیں اور جب دوسری صاحبزادی
کا بھی ان کی زوجیت میں انتقال ہو گیا تو فرمایا ہمارے پاس کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہم عثمانؓ
ہی سے اس کا عقد کر دیتے، حضرت عمارؓ کے تو آنکھوں دیکھے یہ واقعات تھے کہ آنحضرتؐ اپنے
صحابہ سے تو بے تکلف ملتے تھے جب آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ عثمانؓ آ رہے ہیں تو پھر اہتمام فرماتے
اور ارشاد کرتے ایسے شخص سے ہم کیوں نہ شرم کریں جس سے خود ملائکہ شرماتے ہیں، عثمانؓ
کی وہ خوش نصیبانہ فضیلت دیکھی تھی جو کسی صحابی کو حاصل نہ ہوئی، یعنی آنحضور نے اپنے
ایک دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی جانب سے بھی بیعت کی تھی اور
جیش العسرت کے لئے جو گراں بہا مال اور سامان کی امداد حضرت عثمانؓ نے پیش کی تھی
اور ایسے متعدد مالی جہاد پر آنحضور کی زبان مبارک سے بار بار جنتی ہونے کی بشارتیں حضرت
عمارؓ نے اپنے کانوں سے سنی تھیں اور غزوہ تبوک میں ان ہی کی امداد سے حضرت عمارؓ کو شریک
ہونا نصیب ہوا تو ان جیسے بہت سے حالات و واقعات کے شاہد عینی ہونے کے باوجود حضرت
عمارؓ کو حضرت عثمانؓ سے کیوں ایسی کوئی شکایت ہوتی جو سبائی راویوں نے وضع کی ہیں وہ دیگر صحابہ

کی طرح حضرت عثمان رضؓ کے مخلص تھے اور معتمد علیہ نمائندے کی حیثیت سے مصر گئے تھے

(۵) حضرت عمار رضؓ جو امیر المومنین کے معتمد علیہ نمائندے تھے ان کو دوران قیام مصر اگر کوئی شکایت پیدا بھی ہوئی ہوگی تو وہاں کے عمال حکومت سے ہو سکتی تھی نہ کہ امیر المومنین سے اور یہ تو بالکل عیاں ہے کہ مصر جانے سے پہلے نہ انہیں امیر المومنین سے کوئی شکایت تھی اور نہ امیر المومنین کو ان سے ورنہ بصورت دیگر نہ انہیں مصر بھیجا جاتا اور نہ وہ اپنا بھیجا جانا پسند کرتے پھر آخر کیا وجہ تھی جیسا مورخین کا بیان ہے کہ عمار رضؓ وہاں جا کر بیٹھ رہے اور مدینہ آکر اپنی تحقیقاتی رپورٹ بھی امیر المومنین کو پیش نہ کی۔

(۶) جو دوسرے صحابہ حضرت عمار رضؓ کی طرح دوسرے علاقوں کو بھیجے گئے تھے انہوں نے تو واپسی پر نتائج تحقیقات سے امیر المومنین اور اہل مدینہ کو مطلع کر دیا تھا پس اگر عمار رضؓ مصر سے مدینہ واپس آتے ہوتے تو وہ بھی اسی طرح اپنے نتائج تحقیقات سے مطلع کرتے امیر المومنین کی خدمت میں حاضری کا موقع کسی وجہ سے نہ مل سکا تھا تو دوسروں کو توحالات سے آگاہ کرتے بطور خود نہ بیان کرتے تو ان کے دوست احباب خصوصاً حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضؓ و اسامہ بن زید رضؓ و عبداللہ بن عمر رضؓ تو ضرور پوچھتے اور کہتے کہ ہم نے اپنے علاقوں میں عمال حکومت و خلیفہ وقت کے خلاف کوئی شکایت نہیں سنی تم تو بتاؤ تم نے مصر میں کیا حال دیکھا مگر کسی مورخ نے یہ نہیں بتایا کہ عمار رضؓ نے مدینہ آکر اپنے نتائج تحقیقات سے امیر المومنین یا کسی دوسرے شخص کو مطلع کیا وہ اگر مدینہ واپس آئے تو آخر کیوں چپ سادھ گئے اور خاموشی سے گھر میں بیٹھ رہے۔

(۷) کوئی عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ خلیفہ وقت کے معتمد و مخلص نمائندے کی حیثیت میں حضرت عمار رضؓ مصر ایک معینہ عرصہ کے لئے بغرض تحقیقات جائیں اور جیسا طبری کی روایت میں ہے وہاں جا کر رک جائیں یا روک لئے جائیں خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل میں تو جائیں مگر اپنے رک جانے کے اسباب سے یہ جانتے ہوئے بھی خلیفہ کو مطلع نہ کریں کہ وہ اور سب صحابہ میرے منتظر ہوں گے اور معینہ وقت سے زیادہ رک جانے سے مضطرب و پریشان رہیں گے۔

(۸) طبری کی روایت میں حضرت عمار رضؓ کے مصر میں رک جانے کی وجہ سیف بن عمر الاسدی

الکوفی مصنف کتاب الفتوح والردۃ کے حوالہ سے یہ بتائی گئی ہے اور طبری ہی سے دوسروں نے نقل کر کے شہرت کی ہے کہ (طبری ج ۵ ص ۹۹ و ترجمہ ابن خلدون جزو ثانی ص ۲۱۹)

"مصر میں ایک گروہ نے جن میں عبداللہ بن السوداء (جو ابن سبا کہلاتا تھا) و خالد بن ملجم و سودان بن حمران و کنانہ بن بشر شامل تھے، عمار کو اپنی جانب مائل کر کے روک لیا اور اپنا ہمنوا و ہم صفیر بنا لیا"

ابن خلدون مزید لکھتے ہیں کہ ابن سبا:۔

امیر المومنین عثمانؓ پر اکثر طعن و تشنیع کرتا اور خفیہ اہل بیت کی دعوت دیتا اور کہتا کہ محمد (صلعم) پھر واپس آئیں گے، جیسے عیسیٰ واپس آئیں گے، علیؓ بن ابی طالب وصی رسول اللہ ہیں، عثمانؓ اور ان کے پیشوا ابوبکرؓ و عمرؓ نے جبراً و غصباً بغیر کسی استحقاق کے خلافت لے لی۔ غرض لوگوں کو اس قسم کی تعلیم دیتا اور امیر المومنین عثمانؓ اور ان کے عمال کے خلاف برانگیختہ کرتا اور ان کو طعن و تشنیع سے یاد کرتا تا آنکہ بعض بعض شہر والے میں عوام الناس ان باتوں کی طرف مائل ہو گئے اور ایک دوسرے سے خط و کتابت کرنے لگے اسی گروہ کے ساتھ خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر وغیرہم تھے پس ان لوگوں نے عمارؓ کو مدینہ جانے سے روک لیا" (ترجمہ ابن خلدون ج ۲ صفحہ ۱۸)

حضرت عمارؓ کے متعلق یہ بقول کس قدر باطل ہے کہ ابن سبا اور اس کے چیلوں چانٹوں کے بہکانے میں آکر وہ ان کے ہمنوا و ہم صفیر بن گئے، مصر جانے تک تو امیر المومنین کے مخلص و معتمد علیہ تھے برسوں سے ان کی بیعت اطاعت میں داخل تھے ایک یہودی کے کہنے سے جو منافقانہ اسلام میں داخل ہوا تھا، سابقون الاولون کے زمرے کے ان صحابی نے خلیفہ وقت کی بیعت اطاعت کا جوا یکایک اپنے گلے سے اتار پھینکا اور ان کے جانی دشمن بن گئے حالانکہ تقریباً چالیس برس سے حضرت عثمانؓ کے حضائل حمیدہ شاندار اسلامی خدمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دوہری قرابت کے حالات سے کماحقہ واقف تھے

۹۔ طبری میں مندرجہ بالا روایت نیز اسی قماش کی متعدد روایتیں سیف بن عمر الاسدی الکوفی کے حوالے سے ہیں اس راوی کا زمانہ بھی اس عہد سے جس کے واقعات بیان کر رہا ہے، تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کا ہے، امیر المومنین ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوا تھا۔ ائمہ رجال نے اس کو ضعیف و متروک و غیر ثقہ زندیق کہا ہے اور لکھا ہے کہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا اور زندیقیت سے بھی متہم تھا۔ کان سیف یضع الحدیث واتھم بالزندقۃ (میزان الاعتدال ج ا ص ۴۳۸) پھر جعفر الجعفی جیسے غالی رافضی و دیگر مجہولین سے روایت کرتا ہے اس اعتبار سے بھی حضرت عمارؓ کی سبائیت زدگی کی روایت وضعی و باطل ہے خصوصاً ان کی صحابیت و سابقیت کے لحاظ سے کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ و حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو غاصب خلافت جان کر سبائیوں کی اس باغی جماعت میں شامل ہو جاتے جنہوں نے بعد میں حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، انہیں اگر مصر میں اپنی تحقیقات کے سلسلہ میں سبائیوں کے عزائم کا سراغ مل گیا تھا اسی لئے ان سے رابطہ پیدا کر کے ان کے راز معلوم کرنے کی غرض سے انہیں رکھنا پڑا تھا، تو سبائیوں کی اسی باغی ٹولی نے اپنے راز کے افشا ہو جانے کے خوف سے جیسا کہ اسی راوی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے حضرت عمارؓ کو مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا راوی کے الفاظ ہیں (طبری ج ۵ ص ۹۹)

واستبطاء الناس عماراً حتی ظنوا انہ قد اغتیل۔ اور عمارؓ کو لوگوں نے روک لیا حتیٰ کہ لوگوں نے گمان کر لیا کہ وہ دھوکہ سے مار ڈالے گئے۔

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں حضرت عمار والی حدیث تقتلک الفئۃ الباغیۃ میں الفئۃ الباغیۃ سے مراد اسی باغی گروہ سے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی ملعون فرمایا گیا تھا حضرت علیؓ نے اس گروہ کو جب وہ نواح مدینہ کے ذی المروۃ و ذی خشب میں آکر ٹھہرے ملعون فرمایا تھا اور کہا تھا لقد علم الصالحون ان جیش ذی المروۃ وذی خشب ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (طبری ج ۵ ص ۱۰۴) اسی ملعون باغی گروہ نے امیر المومنین

عثمانؓ کے مخلص و معتمد علیہ نمایندے حضرت عمارؓ کی افشائے راز کے خوف سے مصر سے مدینہ آتے ہوئے دھوکہ سے ہلاک کر دیا پھر امیر المومنین کو محصور کر کے بحالت تلاوت قرآن مجید شہید کیا۔

۱۰۔ اس حدیث کو حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کرنے کی غرض سے حضرت عمارؓ کے مدینہ میں بوقت شہادت عثمان غنیؓ موجود ہونے اور اس کے بعد جنگ جمل و صفین میں ان کی شرکت کے قصے اسی طرح گھڑ لئے گئے جس طرح بے شمار روایتیں بنی امیہ اور حضرت معاویہؓ کی منقصت میں وضع کی گئیں روایت پرستی کے سبب مورخین و مصنفین نے ذاتیاً غور کئے بغیر اپنی تالیفات میں درج کیا۔

مدینہ میں حضرت عمارؓ کی موجودگی کی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ مصری سبائی حضرت علیؓ و طلحہؓ و عمارؓ سے سلسلہ مراسلت رکھتے تھے مدینہ پہنچکر اپنا پیغامبر بھی رات کے وقت ان تینوں حضرات کے پاس بھیجا تھا، حضرت عثمانؓ کو جب اطلاع ہوئی دوڑے دوڑے حضرت علیؓ کے گھر گئے اور کہا یہ بلوائی تمہاری بات سنتے ہیں تم ان کے پاس جاؤ کہہ سنکر لوٹا دو پھر عمارؓ کو علیؓ کے ساتھ جانے کو بلوایا انہوں نے انکار کیا، پھر سعدؓ بن ابی وقاص کو بلوا کر عمارؓ کے پاس بھیجا کہ علیؓ کے ساتھ جانے پہ آمادہ کریں، سعدؓ تو ادھر عمارؓ کے پاس یہ کہنے پہنچے ھذا علیؓ یخرج فاخرج معہ وارددھولاء القوم عن امامک (طبری ج ۵ ص ۱۱۰) کہ علیؓ تو جارہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جا کر اپنے امام (یعنی امیر المومنین عثمانؓ) کا پیچھا ان لوگوں سے چھڑاؤ، راوی کی یہ لغو بیانی ملاحظہ ہو کہتا ہے کہ سعدؓ کے پیچھے پیچھے ہی حضرت عثمانؓ نے کثیر بن الصلت ایک اور شخص کو بھی یہ کہہ کر دوڑا دیا جا کر سن کر آؤ سعدؓ عمارؓ سے کیا کہتے ہیں، کثیر نے جا کر جیسے ہی دروازے کے سوراخ سے ایک آنکھ لگا کر جھانکنا چاہا عمارؓ کی نظر پڑ گئی وہ جا تو اٹھا اس کی آنکھ پھوڑنے کو دوڑ پڑے کثیر الٹے پاؤں بھاگ آیا سعدؓ نے ہر چند عمارؓ سے کہا جاؤ علیؓ کے ساتھ چلے جاؤ اور بلوائیوں کو دفع کرو مگر وہ کسی طرح نہ مانے صاف کہہ دیا کہ میں قیامت تک بھی عثمان کو ان لوگوں سے نہ بچاؤں گا۔ سعد ناکام لوٹ آئے اور یہ سب ماجرا آکے سنایا حضرت عثمانؓ ان ہی کی

کوتاہی بتاتے رہے کہ عمار سے بات ٹھیک طور سے نہ کی ہوگی۔

غرض یہ ہے وہ وضعی داستان جس سے بوقت یورش بلوائیاں حضرت عمارؓ کے مدینہ میں موجود ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے، داستان کے گھڑنے والے نے جہاں اس وقت کی دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور حکمراں امیر المومنین عثمان غنی صلواۃ اللہ علیہ کی عاجزی و بیچارگی و بے بسی کا جن کا حکم افریقہ سے ترکستان وخراسان تک اور شام سے یمن تک چلتا تھا یوں مضحکہ اڑایا ہے وہیں صحابہ کرام کی خلیفہ وقت سے بیعت سمع و طاعت کا بھی کیسا بھونڈا نقشہ کھینچا ہے۔

شیعہ مورخ ابن جریر طبری کی روایتوں میں جیسا آپ ملاحظہ کر چکے ہیں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمارؓ کا دوران قیام مصر میں سبائی بلوائیوں سے رابطہ قائم ہو گیا تھا اور وہ ان کے ہمنوا بن گئے تھے، سنی مورخ ابن کثیر نے ایک صحابی کا سبائیوں کا ہمنوا ہو جانا لغو و باطل جانا اس لئے انہوں نے ان کے مصر بھیجے جانے کا ذکر ہی سرے سے حذف کر دیا اور حضرت عثمانؓ سے ان کی دشمنی و عناد کا سبب یہ بتایا کہ عباس بن عتبہ بن ابولہب کو عمارؓ کسی وقت گالی دے بیٹھے تھے جس پر امیر المومنین نے تادیباً زجر و توبیخ اور ملامت کی تھی اس لئے انہوں نے بلوائیوں کے معاملے میں حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کا ساتھ دینا پسند کیا حالانکہ اہل مدینہ صحابہ وغیر صحابہ سب ہی شریعت مطہرہ کے واضح احکام کی متابعت میں اپنے امام اور امیر المومنین کی تعمیل حکم اپنے اوپر لازم سمجھے ہوتے تھے۔ ابن کثیر ہی نے بلوائیوں کے قرب مدینہ میں پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:۔

فلما اقتربوا من المدینۃ امر	بلوائی جب مدینہ کے قریب پہنچے حضرت عثمانؓ
عثمان علی بن ابی طالب ان یخرج	نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے پاس جائیں
الیھم لیردھم الی بلادھم	اور قبل اس کے کہ وہ شہر مدینہ میں داخل ہوں انہیں
قبل ان یدخلوا المدینۃ	ان ہی کے شہروں کی جانب واپس لوٹا دیں۔

(البدایہ ج ۷ ص ۱۷۱)

پھر طبری کی روایت سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ عمارؓ کو ساتھ لیجانے کی بھی ہدایت کردی

گئی تھی وامسلان یا خذ معہ عمار بن یاسر (البدایہ ج ۷ ص ۱۷۱) نیز لکھا ہے کہ حضرت عمارؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ جانے سے قطعی انکار کیا اور سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ فابی عمار کل الاباء وامتنع اشد الامتناع (ایضاً) اب یہاں پھر یہی سوال حل طلب رہتا ہے کہ حضرت علیؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے ہوتے ہوئے جو حضرت عمار سے ہر حیثیت میں بمراتب بلند تر صاحب اثر ورسوخ تھے راوی نے ایسی اہمیت اور خصوصیت اس معاملہ میں حضرت عمارؓ کی کیوں اور کس مقصد سے بیان کی ہے کہ بغیر ان کے جائے بلوائی نہ ہٹتے حالانکہ بلوائیوں سے افہام وتفہیم کا کام حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ عمارؓ کی بہ نسبت کہیں زیادہ خوبی وخوش اسلوبی سے انجام دے سکتے تھے اور انہوں نے انجام بھی دیا تھا خود مودودی صاحب فرماتے ہیں (شمارہ جولائی ص ۲۵۵) کہ بلوائیوں کے جتھے۔

"جب مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے جھڑک دیا اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دیکر حضرت عثمان کی پوزیشن صاف کی، مدینہ کے مہاجرین اور انصار بھی جو در اصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل وعقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے"

حضرت علیؓ نے جب بقول مودودی صاحب بلوائیوں کے الزامات کی تردید کرکے حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کر دی تھی تو حضرت عمارؓ کی نظروں میں بھی جنہیں حضرت علیؓ کا پُراوفادار وعقیدت مند بتایا جاتا ہے، وہ بدرجہ اولیٰ حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کرکے خلیفہ وقت کی اطاعت کے لئے انہیں ہموار کر سکتے تھے خصوصاً جب کہ بقول مودودی صاحب مدینہ کے سب مہاجرین وانصار بلوائیوں سے الگ تھلگ رہے ان ہی مورخین نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ مدنی صحابہ کی جماعت جن کی تعداد تیس نفوس تھی، بلوائیوں کو دور کرنے اور ہٹا دینے میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی ان میں ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے جو سابقیت وعلوئے منزلت اور اسلامی خدمات اور اثر ورسوخ کے اعتبار سے کہیں بلند مرتبہ وبرتر تھے مثلاً حضرت سعید بن زیدؓ جو عشرہ مبشرہ کے بزرگ تھے

حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبان وحی میں سے تھے، حضرت کعب بن مالکؓ جو بیعت عقبہ ثانیہ اور تمام غزوات کے شریک تھے حضرت حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر و مداح رسول، حضرت جبیر بن معطمؓ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بوقت واپسی سفر طائف کفار قریش کے علی الرغم اپنے جوار میں لیا تھا، حضرت حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے اور زمانہ نبوت کے قبل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خلوص محبت کا رکھتے تھے دولت مند تھے، حضرت زیدؓ بن حارثہ ان ہی کے ذریعہ خدمت میں پہنچے تھے اسی طرح دیگر صحابہ تو پھر ایسے ممتاز و باثر اصحاب کی موجودگی میں حضرت عمارؓ کو بلانے کے لئے جوان حضرات سے کم حیثیت کے تھے۔ بار بار لوگوں کو دوڑانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں راویوں نے اسی مقصد سے تراشی ہیں کہ حضرت عمارؓ کو اس زمانہ میں مدینہ میں موجود بتائیں تاکہ بعد میں اولاً جنگ جمل پھر صفین میں ان کے موجود اور شامیوں کے ہاتھ سے مقتول ہو جانے سے حضرت معاویہ و اہل شام کو باغی ٹولی (الفئۃ الباغیۃ) کہنے کی دلیل مل سکے ورنہ جو حقیقت ہے وہ خود طبری کی روایت سے منکشف ہو جاتی ہے کہ حضرت عمارؓ کو بلوائیوں کی ٹولی نے اپنا راز فاش ہو جانے کے خوف سے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دھوکہ سے ہلاک کر دیا۔ وقتلہ اغتیل۔

۱۱۔ پچھلے اوراق میں ذکر اس وضعی روایت کا آچکا ہے کہ حضرت عمارؓ کو علوی لشکر میں دیکھ کر حضرت زبیرؓ لڑائی سے کنارہ کش ہو گئے تھے، گویا راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ الفئۃ الباغیۃ والی حدیث کو ذہن میں رکھ کر ہی تو علٰحدہ ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہ اکیلے اکیلے کیوں الگ ہو جاتے انہیں لازم تھا اپنے ساتھیوں خصوصاً حضرت ام المومنین کو متنبہ کر کے لڑائی بند کرا دیتے کم از کم اپنے لخت جگر حضرت عبداللہؓ کو سختی سے ہدایت کرتے، روایت گھڑنے والے نے ان باتوں کا لحاظ نہ کیا۔

جنگ جمل ہی کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوفہ سے فوجی امداد حاصل کرنے کی غرض سے جو وفد بھیجے گئے تھے ایک کے ساتھ حضرت عمارؓ کو بھی بھیجا گیا تھا حالانکہ تعامت

میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور الاشتر اسی غرض سے بھیجے گئے تھے، والی کوفہ اس وقت حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ تھے جنہوں نے بالاعلان کہہ دیا تھا کہ خلیفہ شہید عثمانؓ کی بیعت میری گردن میں بھی ہے اور علیؓ کی گردن میں بھی ہے پہلے تو قاتلوں سے قصاص لیا جائے گا اور بعد میں اور امور طے ہوں گے وہ رشتہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بھتیجے داماد تھے اور الاشتر کا وطن کوفہ تھا جہاں اس کا قبیلہ آباد تھا ان دونوں کا کوفہ بھیجا جانا تو مفید مطلب ہوسکتا تھا مگر عمارؓ سے تو کوفہ کے لوگ جیسا کہ طبری ہی کی روایت سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس وقت سے ناراض تھے جب کوفہ کے والی مقرر ہو کر گئے تھے اور اہل کوفہ ہی کی شکایتوں پر انہیں برطرف کر دیا گیا تھا اس کے بعد انہیں کوئی منصب بھی نہ دیا گیا، ایسے شخص کا فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے جانا الٹا موجب ناکامی کا ہوتا صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت محض وضعی ہے۔

۱۲۔ جنگ صفین میں حضرت عمار کی نبرد آزمائی اور مقتول ہونے کی داستان جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا لہجہ اور عبارت کے فقرات ہی ساختگی کی غمازی کرتے ہیں، ابن جریر طبری نے قال ابومخنف کی تکرار کے ساتھ یہ روایتیں درج کی ہیں ابو مخنف کے آباو اجداد عراقی لشکر میں اپنے قبیلہ و خاندان کے ساتھ موجود تھے اس کی روایتیں عراقیوں کی طرفداری اور شامیوں کی مذمت کا رنگ لئے ہوتے ہیں، ابو مخنف ہی تو مقتل حسین کا مؤلف بھی ہے کربلا میں اس نے عراق کے ممتاز لوگوں میں سے شمر بن ذی الجوشن کو جو حضرت علیؓ کے رشتے میں سالے ہوتے تھے نیز شبث بن ربعی کو ایسا فسق القلب ظاہر کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے سینے پر چڑھ کر ذبح کرنے اور سر اتارنے کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا جنگ صفین میں اسی راوی ابو مخنف نے ان دونوں کو حضرت علیؓ کا ایسا پرجوش حامی ظاہر کیا ہے کہ دوران جنگ حضرت معاویہؓ سے مثلاً شبث بن ربعی کی یہ گفتگو ہونا بیان کی ہے۔

شبث بن ربعیؓ:- معاویہ! خدا تجھے ہدایت دے! کیا تو عمارؓ کو قتل کر دے گا۔

معاویہ:- مجھ کو کون چیز اس کے قتل سے مانع ہوگی، واللہ اگر مجھے موقع ملا تو میں عثمانؓ

کے غلاموں کے بدلے اس کو مار ڈالوں گا۔"

ابو مخنف اس گفتگو سے یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ صفین کے معرکے میں حضرت عمارؓ نہ صرف بذاتہ شریک تھے بلکہ علوی لشکر میں ان کی موجودگی عام لشکریوں یا کم از کم سرداران لشکر کے نزدیک دلیل اس بات کی تھی کہ اگر عمارؓ شامی لشکر کے ہاتھ سے قتل ہوں تو وہ الفئۃ الباغیۃ قرار پائے گا۔ عمر بھی ان کی بانوے ترانوے برس کی بیان کی گئی ہے لکھا ہے کہ جسمانی طور سے وہ اس قدر کمزور تھے کہ ہتھیار اٹھاتے ہاتھ لرزنے لگے تھے۔ لیکن گھمسان کی لڑائی کے وقت اسی مشہور کذاب راوی کے بیان کے مطابق وہ یہ کہتے ہوئے نبرد آزمائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے (طبری ج ۶ ص ۲۱)

"اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تیری مرضی اسی میں ہے کہ میں اپنے کو اس دریا میں پھینک دوں تو میں بیشک ایسا ہی کرتا اور اگر تیری خوشنودی اس میں جانتا کہ تلوار کی نوک اپنے پیٹ پر رکھ لوں اور اس کو اس زور سے دباؤں کہ پشت سے نکل جائے تو میں بلاشبہ ایسا ہی کرتا۔ اے اللہ آج کے دن میں ایسا کام کیا چاہتا ہوں کہ تو ان فاسقین سے جہاد کرنے سے زیادہ اس سے راضی ہوگا۔ وانی لا اعلم الیوم عملاً ھو ارضی للہ من الجہاد ھولاء للفاسقین۔"

اس عراقی شیعہ اخباری ابو مخنف نے حضرت عمارؓ کی زبان سے شامی یعنی "فاسقین" سے جہاد کرنے سے زیادہ جس کام کو رضائے الٰہی کا مستوجب بتایا ہے وہ شامیوں کے ہاتھ سے ان کا مقتول ہو جانا کہہ کر الفئۃ الباغیۃ کا لیبل اہل شام پر لگاتا ہے۔ چنانچہ عمارؓ کا لوگوں کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دیتے اور یہ کہتے ہوئے لشکر شام کی طرف چلنے کی داستان گھڑی ہے۔ وقد فتحت ابواب الجنۃ وتزینت الحور العین "دروازے جنت کے کھل گئے سیہ چشم حوریں بناؤ سنگھار سے ہیں۔" پھر کہتا ہے کہ صفین کی وادیوں میں سے کسی وادی پر سے وہ نہ گزرتے مگر صحابہ رسول اللہؐ ان کے ساتھ ہوتے جاتے حتیٰ کہ حضرت ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ تک پہنچ گئے جو علوی لشکر کے علم بردار

گئے ان کو بھی ساتھ لیا، حضرت عمرو بن العاصؓ کا مقابلہ ہوا تو عمارؓ کے منہ سے یہ پھر تما غلطبات کہلوائی کہ "تو آج ہی اس لشکر کے علمبردار سے نہیں لڑتا تین بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس علمبردار سے لڑ چکا ہے اور آج یہ چوتھی مرتبہ ہے کیا تجھے یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عمار کو گروہ باغی مارے گا"

ترجمہ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ۳ ص ۴۰ تیز طبری ج ۶ ص ۲۲)

ابو مخنف کو جسے سب ہی ائمہ رجال نے کذاب کہا ہے صحابہ کے حالات سے صحیح واقفیت نہ تھی ذرا دیکھئے یہاں کیسی غلط بات کہہ گیا، حضرت ہاشم بن عتبہؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لاتے تھے اور حضرت عمرو بن العاصؓ فتح مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے حضرت ہاشمؓ سے عہد رسالت میں ان کی نبرد آزمائی لغو و باطل ہے، پھر ان کے ہی منہ سے ان کے مقتول ہو جانے اور فئۃ باغیۃ کا لیبل ان پر اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کرنا بیان کیا ہے گویا وہ "قاسقین" کا مقابلہ کرنے اسی لئے چلے تھے اور دوسرے صحابہ بھی اپنی جانیں ان کے ساتھ دینے پر اسی لئے مستعد ہوئے تھے کہ یہ لیبل حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر چسپاں کر سکیں، غرض کہ اس قماش کی وضعی اور بے پایہ روایتوں سے حضرت عمارؓ کا صفین کے معرکہ میں شریک ہو کر مقتول ہو جانا تو اہل شام کو باغی گروہ قرار دیتے ہیں کے لئے گھڑا ہے، کوفہ کی ٹکسالوں میں صدہا روایتیں گھڑی گئیں حتیٰ کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کی اپنے والد سے گفتگو بھی وضع کی گئی اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی جواب تصنیف کیا گیا کہ جو لوگ عمارؓ کو ہماری تلوار کے نیچے ڈال گئے وہی ان کے قاتل اور وہی فئۃ باغیۃ ہیں پھر کسی نے اپنی ذہانت سے یہ تاویل بھی کر ڈالی کہ باغیہ سے مراد بغاوت ہی نہیں بلکہ باغیہ بمعنی طالبہ ہے اور ہم لوگ قصاص عثمانؓ کے طالب ہیں اس لئے فئۃ باغیہ ہیں، یہ سب سوال وجواب واقعہ سے تقریباً دو صدی بعد خود ہی تصنیف کر کے مشتہر کر دئے گئے جو روایت پرستی کی وجہ سے کتب تاریخ کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی مندرج ہیں ان سب موضوعات کی تردید و تکذیب ایک ایسی مستند تاریخی دستاویز سے ہو جاتی ہے جو اسی زمانے یعنی

۳۷ھ ہی میں قلم بند کی گئی تھی یعنی خود حضرت علیؓ کا گشتی مراسلہ جو اس وجہ مستند ہے کہ کتب تاریخ و تذکرہ کے علاوہ نہج البلاغۃ کے مصنفین نے بھی اسے درج کیا ہے اسی سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

گشتی مراسلہ

من کتاب علیہ السلام الی الامصار یقتص فیہ ماجری بینہ وبین اھل الشام

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب (علی) علیہ السلام کا جو تمام شہروں (کے لوگوں) کو بھیجا گیا جس میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے جو ان کے اور اہل شام کے درمیان پیش آیا۔

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام ولم نستزیدھم ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء

(نہج البلاغۃ جزو ثانی ص ۱۵۹)

اور ہمارے معاملہ کی ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام سے مقابلہ ہوا یہ ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ اور نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ ایک ہے سوائے اس کے کہ ہم اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

حضرت عمارؓ اگر جنگ صفین میں علوی لشکر کی جانب سے لڑتے ہوئے اہل شام کے ہاتھوں مقتول ہو جاتے تو حضرت علیؓ کے اس گشتی مراسلہ کا جو صفین سے واپسی کے بعد لکھا گیا تھا نہ یہ لہجہ ہوتا اور نہ حضرت علیؓ لڑائی بند کر کے نزاعی معاملہ کے تصفیہ کے لئے ثالثی منظور کرتے بلکہ حسب فرمان خداوندی اس وقت تک لڑائی جاری رکھتے کہ اہل شام جو تقتلک الفئۃ الباغیۃ کے اعتبار سے باغی قرار پائے ہوتے اللہ کے حکم کے سامنے جھک نہ جاتے حتی تفئ الی امر اللہ کیا مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال یہ کہنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اس معاملہ میں حکم الٰہی کا لحاظ نہ کیا اور باغی

جماعت کو زیر کرنے کے بجائے ان سے صلح مصالحت کرنے کے لئے ثالثی کی تجویز قبول کرلی اور اپنے اس گشتی مراسلہ میں اشارتاً بھی اس بات کا اظہار نہ کیا کہ عمارؓ شامیوں ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمارؓ کا قاتل گروہ ہی باغی ہے برخلاف اس کے حضرت علیؓ نے کس وضاحت کے ساتھ ان ہی شامیوں کو اپنا جیسا مومن بتا کر ان سے اپنے اختلاف کی وجہ قصاص خون عثمانؓ کا معاملہ بیان کیا ہے حضرت علیؓ نے گشتی مراسلہ کی تحریر و تشہیر اور جنگ بندی کرنے سے بالفاظ دیگر قولاً اور فعلاً ثابت کر دیا کہ اہل شام کو وہ باغی گروہ نہیں سمجھتے تھے کہ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عمارؓ اہل شام کے ہاتھوں مقتول نہیں ہوتے، مقتول ہوتے تو حضرت علیؓ اہل شام کو باغی قرار دیکر ان سے لڑائی جاری رکھتے نہ لڑائی بند کرتے اور نہ ثالثی قبول کرتے ان کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہے کہ عمارؓ جنگ صفین میں ہرگز مقتول نہیں ہوتے جیسا ہم تفصیلاً بیان کر چکے وہ سبائی باغی ٹولی کے ہاتھوں پہلے ہی مقتول ہو چکے تھے نہ مصر سے جہاں امیر المومنین عثمانؓ کے معتمد علیہ نمائندے کی حیثیت سے بغرض تحقیقات گئے تھے مدینہ واپس آسکے نہ جنگ جمل و صفین میں موجود تھے اور نہ شامیوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے

جنگ صفین تو جیسا خود حضرت علی کا قول نقل ہو چکا ہے قصاص خون عثمانؓ کے نزاعی معاملہ کی وجہ سے ہوتی تھی دونوں فریق کی دعوت ایک ہی تھی بغاوت کا اس سے کیا تعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے ابن کثیرؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

انه قال لا تقوم الساعة حتى تقتل فئتان عظيمتان تقتل بينهما مقتلة عظيمة دعواهما واحدة (البدایہ ج ۷، ص ۲۷۴)	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ دو عظیم گروہ آپس میں بڑی خونریزی کریں گے اور دعوت ان دونوں کی ایک ہی ہوگی۔

"فئتان عظیمتان" سے صاف ظاہر ہے کہ عراقی و شامی افواج ہی مراد ہو سکتی ہیں جن میں یہ "مقتلہ عظیمہ" واقع ہوا، اگر حضرت عمارؓ قتل ہوئے ہوتے تو ضرور اشارہ ان کا اس میں ہوتا، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا صحابی ہونا قطعی طور سے مسلم ہے علامہ

سمہودی کی کتاب وفاء الوفاء میں جو حدیث ان الفاظ میں ہے یا عمار الا تقتلک اصحابی تقتلک الفئۃ الباغیۃ (اے عمار! تجھے میرے صحابی نہیں قتل کریں گے بلکہ باغی گروہ تجھے قتل کرے گا) قاتلان عثمانؓ کا باغی گروہ ہونا مسلّم ہے اسی باغی گروہ نے حضرت عمارؓ کو جیسا کہ تفصیلاً بیان ہوا قتل کیا تھا، قاتلان عثمانؓ میں کوئی صحابی شامل نہ تھے

ثالثی

صفین میں فریقین کے لشکریوں کی تعداد دو لاکھ بیان کی گئی ہے، سوا لاکھ عراقی لشکر کے ساتھ پچھتر ہزار حضرت معاویہؓ کی شامی افواج کے یہ کثیر التعداد جنگجو کم و بیش تین مہینے تک ایک دوسرے کے مقابل صف آرا رہے درمیان میں چھوٹی بڑی جھڑپیں بھی ہوتی جو شمار میں ستّر سے ایک سو دس تک بتائی جاتی ہیں۔

مودودی صاحب نے اپنے مأخذ البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۱۱۹) میں اس واقعہ کا حال ضرور پڑھا ہوگا کہ عیسائی بادشاہ قیصر روم نے جس کی افواج کو حضرت معاویہؓ متعدد معرکوں میں شکست دے چکے تھے مملکت اسلامی کی سرحدات کے قریب اپنے فوجی دستے اس مقصد سے مجتمع کرنے شروع کر دئے تھے کہ عراقی اور شامی افواج خانہ جنگی کے نتیجہ میں گھٹ گھٹا کر جب کمزور و درماندہ ہو جائیں تو یکایک حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کا خاتمہ کر دے اس خطرے کا احساس سب سے پہلے حضرت معاویہؓ کو ہوا چنانچہ انہوں نے قیصر کو تہدیدی مراسلہ بھیجا کہ تیری فوجوں نے اگر اس طرف کا رخ کیا تو میں اور میرے چچا کے بیٹے (علی بن ابی طالب) تیرے مقابلے میں فوراً صلح کر لیں گے لاصطلحن انا وابن عمی پھر ہم دونوں کی متحدہ افواج تیرے ملک پر چڑھائی کر کے تجھے نکال باہر کر دیں گی کہتے ہیں کہ قیصر نے اس سے متاثر ہو کر ہی اپنے فوجی دستے ہٹا لئے تھے، عیسائی مورخین نے البتہ یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قیصر کے حملے کے پیش نظر امن وامان قائم رکھے جانے کا معاہدہ اس شرط پر اس سے کر لیا تھا کہ ایک معینہ رقم اسے سالانہ پیش کر دی جایا کرے گی، واقعہ کی نوعیت بہرحال کچھ ہو حضرت معاویہؓ اس خطرہ کو ضرور محسوس کر رہے تھے کہ اس لڑائی میں اسلامی لشکروں کی حربی قوت اگر کمزور پڑ گئی تو دشمن اسلام قوتوں کا مقابلہ کون کر سکے گا، مورخین کا بیان ہے کہ دونوں لشکروں میں ایسے لوگ بھی تھے جو یہ سوچنے لگے تھے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے

اور ایچی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی پر امن معقول حل تلاش کیا جاتے سبائی پارٹی کے کچھ ایسے لوگ بھی علوی لشکر میں شامل تھے جنہوں نے پہلے بھی اصحاب جمل اور حضرت علیؓ کے مابین صلح و مصالحت کو ناکام بنا کر جنگ چھڑوئی تھی وہ صفین میں اشتعال انگیزی سے چوکنے والے تھے، چنانچہ خونریز جھڑپوں کے درمیان ہی ایک ایک گھمسان کا ایسا رن پڑ گیا کہ تمام دن اور ساری رات انتہائی خونریز لڑائی جاری رہی کلہ گویوں کے سرگاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے رہے۔

واستمر القتال فی ھذہ اللیلۃ کلھا وھی من اعظم اللیالی شراً بین المسلمین وتسمی ھذہ اللیلۃ لیلۃ الھریر (البدایہ ج ۷ ص ۲۷۱)	اور اس رات میں یہ لڑائی پوری رات جاری رہی اس رات کا شمار مسلمانوں کے درمیان انتہائی پرفتن راتوں میں ہے اور اس رات کو لیلۃ الہریر سے موسوم کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ج ۷، ص ۲۷۴) میں بیہقی کی روایت سے لکھا ہے کہ فریقین کے ساٹھ ہزار سپاہی اس لڑائی میں قتل ہو گئے تھے۔

وکان اھل الشام ستین الفاً فقتل منھم عشرون الفاً وکان اھل العراق مائۃ وعشرین الفاً فقتل منھم اربعون الفاً (ایضاً)	اہل شام کی ساٹھ ہزار فوج میں سے بیس ہزار قتل ہوئے اہل عراق کے ایک لاکھ بیس ہزار میں سے چالیس ہزار مقتول ہوئے۔

عراقی فوج گو تعداد میں شامیوں کی بہ نسبت تقریباً دوگنی تھی لیکن پچھلے اوراق میں خود حضرت علیؓ ہی کا قول نقل ہو چکا ہے، معینہ وظیفے کے علاوہ عطیات کے لالچ میں بہت سے سپاہی ایسے بھرتی ہو کر آتے تھے جو آزمودہ کار سپاہی پیشہ نہ تھے برخلاف ان کے شامی افواج میں اکثر وہی دستے شامل تھے جو بارہا قیصر روم کی باقاعدہ تربیت یافتہ فوجوں کو شکست پر شکست دے چکے تھے اور اس لڑائی میں تو ایک ایک شامی مسلمان بزرگ زمانہ اپنے خلیفہ شہید مظلوم کے قصاص کا حملہ آوروں سے بدلہ لینے کے لئے جو اس کے وطن عزیز پر چڑھ آتے تھے بیتاب تھا، اس لئے اس خونریز معرکے میں شامی فوج

کا پلہ بھاری رہنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی مگر کلمہ گویوں کی اس کثیر تعداد کا یوں فنا ہوجانا ایک المیہ تھا، اس بھیانک خونریزی کا منظر سخت سے سخت دل کو بھی خون کے آنسو رلا دینے کو کافی تھا اور حضرت معاویہؓ کی تو سرشت ہی میں رافت بالرعیت و شفقت علی المسلمین کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، نیز انہیں تو عیسائیوں کے خلاف جہادی مہموں میں آزمو کار مجاہدین کی شدید ضرورت تھی وہ اس بھیانک خونریزی کے خیال سے تڑپ ا صبح ہوتے ہی یہ کہتے ہوتے کہ لوگ جب یوں فنا ہوگئے تو حفاظت سرحدوں کی کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا۔ قد فنی الناس فمن للثغور ومن لجهاد المشركين والكفار (البدایہ ج ۷ ص ۲۷۲) انہوں نے قرآن شریف بلند کرا کے اعلان کرایا۔ ھذا بیننا و بینکم (یہ ہمارے تمہارے درمیان حکم ہے) مودودی صاحب نے جو ظاہر ہے حضرت معاویہؓ اور دیگر عظماء و خلفاء بنی امیہ کی تحقیر و تضحیک میں ہر وضعی روایت قبول کر لیتے ہیں، مشہور کذاب اخباری ابو مخنف کی اس روایت پر اعتماد کرلیا کہ شامی فوج کو منہزم ہوتے دیکھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو یہ ترکیب سو جھادی کہ نیزوں پر قرآن شریف آویزاں کرکے جنگ بندی کی اپیل کر دو مخالف فوج میں تفرقہ پڑ جانے سے ہمیں موقع مل جائے گا، چنانچہ اس بارے میں ترجمان شمارہ جولائی ۱۹۶۵ء)

"یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حَکَم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا"

حضرت معاویہؓ کی ان کے نزدیک یہ اگر ایک جنگی چال تھی تو حضرت علیؓ کی ایسی ہی کارروائی کو وہ پھر کیا کہیں گے، کیا انہوں نے اپنے ماخذ طبری (ج ۵ ص ۱۱۹) میں ایک شیعہ ثقہ راوی عمار الدھنی کی یہ روایت نہیں ملاحظہ کی کہ جنگ جمل میں خود حضرت علیؓ نے قرآن شریف بلند کرا کے اسے حَکَم بنانے کی دعوت دی تھی ان دونوں بزرگ صحابیوں اور کاتبان وحی کے یکساں طرز عمل کے بارے میں جو مزید خونریزی روکنے کے مقصد سے تھا یہ فرق و امتیاز پیدا کرنا کہ حضرت علیؓ کا قرآن اٹھوانا تو خلوص نیت سے تھا اور حضرت معاویہؓ کی یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حَکَم بنانا سرے سے مقصود

ہوا نہ تھا" گیا مودودی صاحب کے "بغض معاویہؓ" کا کھلا ہوا ثبوت نہیں۔

مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے چند لفظ نقل کر کے حضرت معاویہؓ پر جنگی چال چلنے کا فتویٰ تو صادر فرمادیا، لیکن اسی سلسلے میں اس کذاب راوی کے دوسرے فقرے جن سے اس کی کذب بیانی کا راز فاش ہوتا تھا، مودودی صاحب پی گئے، صرف اتنا لکھ دیا کہ "حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو" حالانکہ طبری کی روایت میں جس کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے، ابو مخنف نے حضرت علیؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ تم لوگ لڑائی برابر جاری رکھو کیونکہ یہ لوگ یعنی:۔

"معاویہؓ و عمرو بن العاص و ابن ابی معیط و حبیب ابن مسلمہ و ابن ابی سرح و ضحاک ابن قیس یہ لوگ نہ دین والے ہیں نہ قرآن والے (لیسوا باصحاب دین ولا قرآن) میں توان لوگوں کو تم سے کہیں زیادہ جانتا ہوں کیونکہ بچپن میں بھی ان کی سنگت میں رہا ہوں اور بڑے ہو کر بھی (قد صحبتھم اطفالا و صحبتھم رجالا) یہ بچپن میں بڑے شریر تھے اور بڑے ہو کر بھی رہے انہوں نے جو قرآن بلند کئے وہ اسے جانتے ہی نہیں جو اس میں ہے (لا یعلمون بما فیھا) انہوں نے تو محض دھوکہ و فریب و مکر سے اٹھایا ہے (طبری ج ۶ ص ۲۷)

اب دیکھئے حضرت علیؓ نے اپنے گشتی مراسلہ میں جس کا مضمون اوپر نقل ہو چکا ان ہی اہل شام کو جن سے صفین میں ان کا مقابلہ ہوا اتنا ہی جیسا مومن بتایا ہے مگر یہ کذاب راوی ابو مخنف جس کی روایت سے مودودی صاحب چند لفظ نقل کر رہے ہیں ان ہی مومنین کو جو سب کے سب صحابہؓ ہیں اور اسلامی خدمات و اشاعت دین میں جن کے عظیم الشان کارنامے ہیں حضرت علیؓ ہی کی زبان سے بے دین اور کافر کہلوا رہا ہے اس پر مستزاد یہ کہ حضرت ضحاک بن قیسؓ و حضرت ولید بن ابی معیط کو جو حضرت علیؓ سے سن و سال میں بیس بیس چھوٹے تھے ان ہی کی زبان سے بچپن اور جوانی کا ساتھی و ہم جلیس

بھی کھلوا رہا ہے، حیرت ہے کہ مودودی صاحب نے اس کذاب راوی کی ایسی لغو روایت کے چند لفظ تو ان دونوں جلیل القدر صحابیوں حضرت معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ پر چوٹ کرنے کے لئے لے لئے باقی فقرات کا شاید اس خوف سے اخفا کر دینا مناسب جانا کہ یہ "ترجمان القرآن" پڑھنے والے ان صحابیوں کو یہ لیسوا باصحاب دین ولا قرآن" بالفاظ دیگر بے دین اور کافر قرار دیا جانا قبول کرنے کو تیار نہ ہو سکیں گے، ابو مخنف کی ان اکاذیب کے باوجود یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے قرآن کو حکم بنائے جانے کی دعوت کو سب نے قبول و منظور کر لیا، برخلاف حضرت علیؓ کے قرآن بلند کرا کے حکم بنانے کی دعوت کو اصحاب جمل نے ان کی یہ جنگی چال" سمجھ کر مسترد کر دیا تھا، کیونکہ صلح مصالحت ہو جانے کے بعد بھی سبائیوں نے جیسا کہ مودودی صاحب کو تسلیم ہے اپنی خیر منانے کے لئے شب خون مار کر جنگ کی آگ بھڑکا دی تھی، صفین میں تو ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا، حضرت علیؓ اور عراقیوں کی اکثریت نے جو منہ زور جنگ لڑ رہے تھے اس دعوت کو بلا تذبذب قبول کر لیا صرف وہ قلیل جماعت معترض رہی جو بعد میں خوارج کہلائی۔

تقرر حکمین

ثالث مقرر کرنے کے بارے میں شامی کیمپ میں تو دیگر امور کی طرح کامل اتفاق رہا، حضرت علیؓ کے کیمپ میں اور باتوں کی طرح اس میں بھی اختلاف پیدا ہوا، حضرت علیؓ نے پہلے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کرنا چاہا۔ مودودی صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے لوگوں نے کہا یہ تو تمہارے بھائی تمہاری ذات کے مثل ہیں ہم تو ایسا دوسرا شخص چاہتے ہیں جس کا تمہارے اور معاویہ کے ساتھ برابر کا تعلق ہو، ھو منک ومن معاویۃ سواء حضرت علیؓ نے پھر الاشتر کا نام پیش کیا اور کہا یہ تو میرا عزیز نہیں ہے لوگوں نے اس کے نام پر بھی اعتراض کیا کہ ساری آگ تو اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے، مودودی صاحب اس کو پی گئے شاید اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ کا اپنے خاص آدمیوں سے کسی کو اپنی جانب سے ثالث مقرر کرنا تو اسی سبب سے تھا کہ قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکنے میں وہ اپنا پہلو خود ہی کمزور سمجھ رہے تھے لوگوں نے

یہ کہہ کر الاشتر تو صحابی بھی نہیں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کا اسم گرامی پیش کیا بالآخر حضرت علیؓ نے بھی مان لیا اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حضرت ابوموسیٰؓ کا نام لے کر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ فیصلہ صادر کریں خواہ میری گردن کاٹ دئے جانے کے بارے میں کیوں نہ ہو، یہ قول ان کا مشہور کوفی راوی ابو محمد سلیمان بن مہران الکاہلی الکوفی کی سند سے نقل ہوا ہے جو مودودی صاحب کے یہاں خاصا مقبول ہے پوری عبارت یہ ہے:۔

قال حدثنی من سمع علیا یوم صفین وھو عاض علی شفتہ لو علمت ان الامر یکون ھکذا ما خرجت اذھب یا موسیٰ فاحکم ولو بحز عنقی۔
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۸۳ طبع اول)

سلیمان بن مہران نے کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے دن حضرت علیؓ کے منہ سے سنا تھا وہ اپنا ہونٹ چبلتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر میں یہ جانتا کہ معاملہ کی یہ صورت ہو جائے گی تو خروج ہی نہ کرتا چلو ابوموسیٰ فیصلہ صادر کردو خواہ میری گردن ہی کاٹنے کے بارے میں ہو۔

ثالثی نامہ ثالثی نامے کے دو پرت لکھے گئے، جس پر فریقین کے علاوہ ان کے معتمد علیہ اشخاص میں سے تیس بتیس افراد کے دستخط بطور گواہ و شاہد ثبت ہوتے اکثر مورخین نے ثالثی نامے کے مضمون کو پورا نقل نہیں کیا صرف ابتدائی چند فقرے درج کر دئے ہیں اخبار الطوال کے مولف ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری نے جو اپنے مشہور ہم وطن مورخ ابن قتیبہ کے ہم عصر تھے ثالثی کی اس اہم دستاویز کو بہ تمام و کمال درج کیا ہے ابن جریر طبری نے ابو مخنف کی سند سے ثالثی نامہ کا جو مضمون نقل کیا ہے اس میں سے یہ اہم فقرہ جس سے ثالثوں نے فریقین سے اللہ کے نام پر فیصلے کی پابندی و اتباع کا موثق عہد لیا تھا حذف کر دیا گیا ہے وہ مضمون یہ تھا:۔

واخذ عبد اللہ بن قیس و عمرو بن العاص علی علی و معاویۃ عھد اللہ و میثاقہ بالرضا بما حکما بہ فی کتاب اللہ و سنۃ نبیہ ولیس

عبد اللہ بن قیس (ابوموسیٰ الاشعری) اور عمرو بن العاص نے علیؓ و معاویہؓ سے اللہ کے نام پر موثق عہد و اقرار لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کے فیصلے پر راضی ہوں گے جو کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت کی بنیاد پر کیا جائے

لهما ان ينقضا ذلك ولا يميلا الى غيره	علیؓ و معاویہؓ کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ ثالثوں کے فیصلے کو توڑ دیں اور اس کے برخلاف کسی اور طرف مائل ہوں
(اخبار الطوال دینوری)	

ابو مخنف کا ثالثی نامے کے اس اہم فقرے کو ترک و حذف کر دینا صاف ظاہر ہے اسی کذب بیانی کی غرض سے تھا کہ حضرت علیؓ نے ثالثوں کا فیصلہ ٹھکرا دیا تھا اس بارے میں گفتگو آگے آرہی ہے۔

ثالثی نامے کی عبارت یوں شروع ہوتی ہے:۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم۔ هذا ما تقاضى عليه علي بن ابي طالب ومعاوية بن ابي سفيان قاضى عليٌ على اهل الكوفة ومن معهم من شيعتهم من المؤمنين والمسلمين وقاضى معاوية على اهل الشام ومن كان معهم من المؤمنين والمسلمين الى آخره) (طبری ج ۶ ص ۲۹)	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علیؓ و معاویہؓ نے عہد کیا ہے علی نے اہل کوفہ اور ان لوگوں کی جانب جو مومنین و مسلمین میں سے ان کے ساتھ اور ان کے طرفدار ہیں اور معاویہؓ نے اہل شام اور ان لوگوں کی طرف سے جو مومنین اور مسلمین میں سے ان کے ساتھ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت کے الفاظ سے یہ حقیقت نکھر کے سامنے آجاتی ہے کہ ثالثی کی تجویز نے حضرت علیؓ کی وہ حیثیت ختم کر دی جو بیعت خلافت سے انہیں حاصل ہوگئی تھی ثالثی نامہ کی رو سے حضرت علیؓ اہل عراق کے امیر رہے اور حضرت معاویہؓ اہل شام کے امیر تسلیم کر لئے گئے اور یوں دونوں ایک سطح پر آگئے۔

ثالثی نامہ میں ثالثوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ امر متنازعہ کے بارے میں لوگوں کی شہادت لیں اور بیانات شہادت کو قلم بند کرتے جائیں ثم يكتبان شهادتهما (طبری ج ۶ ص ۳۰)

اجتماع حکمین اور فیصلہ

ثالثوں کو تحقیقات کرنے کے لئے چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی ساتھ ہی یہ ہدایت بھی تھی کہ بضرورت اس مدت میں اور اضافہ کیا جا سکتا ہے ثالثی نامہ ۱۳ ماہ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا تھا، اور شعبان

سنہ مذکور میں یعنی چھ ماہ بعد ثالثوں کا اجتماع ہوا، گویا تقریباً چھ مہینے تحقیقات میں صرف ہوئے حسب قرارداد فریقین کو ثالثوں کا فیصلہ سننے کے لئے اپنے ساتھ چار چار سو اشخاص کے اس اجتماع میں لے آنے کی اجازت تھی اور خود ثالثوں نے بھی اپنی جانب سے عظمائے امت کو مدعو کیا تھا، حضرت معاویہؓ مع اپنے چار سو ساتھیوں کے موقع پر موجود تھے حضرت علیؓ نے بذات خود حاضری سے گریز کیا شاید اس لئے کہ فیصلہ کے اپنی موافقت میں ہونے کا انہیں یقین نہ تھا؛ اس لئے اپنی جانب سے اپنے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیج دیا تھا،

جیسا ہم بتا چکے ہیں مورخین نے ثالثی نامہ کا مضمون تو نقل کیا ہے اکثر نے خلاصہ اور ایک نے پورا مضمون درج کیا ہے۔ لیکن تقریباً چھ ماہ تک تحقیقات کرنے اور گواہوں کے بیانات قلم بند کرنے کے بعد جو عدالتی تجویز ثالثوں نے تحریر کی تھی وہ روایات کے انبار میں گم ہے، اس کا متن کہیں نہیں ملتا، مسعودی جیسے شیعہ مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ ثالثوں میں سے کسی نے زبانی تقریر نہیں کی (مروج الذہب ج ۲ ص ۱۱۳) چونکہ ثالثوں کا فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف تھا ابو مخنف نے اس کے متن کا اخفاء کر کے روایتیں وضع کر ڈالیں اور یہ ظاہر ہے کہ واقعہ صفین اور تحکیم (ثالثی) کی روایتیں ابن جریر طبری نے ابو مخنف ہی سے لی ہیں اور قال ابی مخنف کی تکرار سے درج کر ڈالی ہیں، بعد کے مورخین نے طبری سے نقل کیا ہے، مودودی صاحب نے ابن اثیر والبدایہ والنہایہ وغیرہ کے حوالے تو دئے مگر یہ نہ سوچا کہ ان سب نے ایک دوسرے سے ہی نقل کیا ہے، لہذا بعد کے لوگوں کے بہت سے نام دینے سے بات معتبر نہیں بن جاتی۔ مودودی صاحب نے ابو مخنف کی وضعی روایت کے حوالے سے فرما دیا کہ حضرت علیؓ کے ثالث حضرت ابو موسیٰؓ نے کھڑے ہو کر کہہ دیا کہ میں اور میرے دوست عمرو بن العاصؓ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ کو الگ کر دیں لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں آپ لوگ جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنا لیں اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا ان صاحب نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ) کو معزول کر دیا ہے میں بھی انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو قائم کرتا ہوں

کیونکہ عثمان رضؓ کے ولی اور ان کے خون کے دعویدار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔"

یہ روایت خالص سبائی ٹکسال کی ہے۔ مودودی صاحب اسے مستند سمجھنے سے پہلے چند باتوں پر غور کر لیتے تو نہ خود گمراہ ہوتے اور نہ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے۔

انہیں اعتراف ہے اور سب کے نزدیک مسلم کہ اس اجتماع میں فریقین کے چار چار سو نمائندے شریک تھے اور غیر جانبدار حضرات کی بھی ایک جمعیت موجود تھی جن میں اس عہد کی اعلیٰ منزلت ہستیاں شامل تھیں گویا کم و بیش ایک ہزار چیدہ مسلمانوں کا اجتماع تھا، اس وقت کے بہت سے صحابہ و تابعین شریک تھے جو دور دراز مقامات یمن و حجاز و مصر و شام و عراق سے طویل مسافتیں طے کر کے آئے تھے اور ثالثوں کی شش ماہہ تحقیقات کے نتائج کی روشنی میں ان کی عدالتی تجویز سننے کے جو کتاب اللہ اور سنت عادلہ جامعہ غیر مختلف فیہا کی رو سے بدلائل و براہین قلم بند کی گئی تھی مشتاق تھے اگر واقعہ اسی طرح کا ہوتا جس کا نقشہ کذاب راوی نے ڈرامائی انداز کا کھینچا ہے تو وہیں جنگ چھڑ جاتی اور نہ چھڑتی تو غیر جانبدار حضرات کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ کیسی بددیانتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے نزاعی معاملہ قصاص خون عثمانؓ کا تھا شش ماہہ تحقیقات سے ثالثوں نے کیا نتائج اخذ کئے ہیں ان کی بنا پر کون فریق قصور وار ہے، تجویز پڑھ کر کیوں نہیں سنائی جاتی خلیفہ منتخب کرنے نہ کرنے کا ثالثوں کو کیا اختیار ہے لیکن تاریخ میں کسی جگہ کسی واہی روایت میں اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ اس اجتماع میں امن شکنی کی کوئی واردات ہوئی ہو یہ قطعی اور حتمی ثبوت ہے کہ ثالثوں نے کوئی غلط اور فتنہ انگیز بات نہیں کہی اور اجلاس پرامن طریقہ سے برخاست ہو گیا۔

ترک عبارت بہ مصلحت

مودودی صاحب نے ابو مخنف کی من گھڑت روایت سے پہلے تو یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے یہ اعلان کر دینے کے بعد کہ میں علیؓ و معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں کہا تھا کہ میں بھی ان کے آدمی (علیؓ) کو تو معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (معاویہؓ) کو قائم کرتا ہوں کیونکہ

وہ عثمان بن عفان کے ولی اور ان کے خون کے دعویدار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔" (شمارہ جولائی) پھر یہ فقرہ نقل کیا ہے۔

"حضرت ابو موسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا۔ مالک لا وفقک اللہ غدرت و فجرت (یہ تم نے کیا کیا، خدا تمہیں توفیق نہ دے تم نے دھوکا دیا، اور عہد کے خلاف ورزی کی۔"

مندرجہ بالا عبارت سے پیوستہ ہی جو چند اور جملے سبائی ٹکسال کی گھڑی ہوئی اس روایت کے ہیں وہ مودودی صاحب نے بہ مصلحت ترک و حذف کر دئے یعنی عربی کے یہ لفظ "مالک لا وفقک اللہ غدرت و فجرت" تو نقل کر دئے مگر اسی جملے سے پیوستہ لفظ انما کے ساتھ جو چند جملے اس کذاب راوی نے ان دونوں بلند پایہ صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے ہیں جنہوں نے اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا، مودودی صاحب نے ترک و حذف کر دئے، روایت میں یہ پوری عبارت جس کے خط کشیدہ جملے مودودی صاحب نے بہ مصلحت حذف کر دئے یوں ہے:-

فقال ابو موسیٰ مالک لا وفقک اللہ غدرت و فجرت انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث قال عمرو انما مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا (طبری ج ۶ ص ۴۱)	(حضرت ابو موسیٰ نے کہا یہ تو نے کیا کیا، اللہ تجھے ہدایت نہ دے تو نے بدعہدی کی اور جھوٹ بکا — تیری مثال یقیناً اس کتے کی ہے جو ایک بار کسی چیز کو پکڑ لیتا ہے پھر دوبارہ اس کو چھوڑ دیتا ہے (حضرت) عمرو نے کہا تیری مثال اس گدھے کی ہے جو بوجھ اٹھا لئے پھرتا ہے۔

حوالہ دینے کے بعد بھی مندرجہ بالا عبارت کے ان جملوں کو مودودی صاحب کا ترک و حذف کر دینا ظاہر ہے اسی خوف سے ہو سکتا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان اس روایت کو جس میں اکابر صحابہ کی تحقیر و تنقیص کی غرض سے گالم گلوچ کے بیہودہ کلمات ان سے منسوب کئے گئے ہوں قبول و تسلیم نہ کر سکیں گے، اور اس طرح مودودی صاحب کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکے گی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہ سادہ لوح و بیوقوف اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو منافق

وجالباز ثابت کرکے ثالثی (تحکیم) کی ساری کارروائی ہی کو ایک گورکھ دھندہ ظاہر کریں اگر گالم گلوچ کے ان واہی کلمات کو وہ اکابر صحابہ کی زبان سے ادا ہونا غلط جانتے تو اس سبائی روایت ہی کو باطل قرار دیدیتے مگر ان کو تو اپنے مقصد کے پیش نظر ان اصحاب کو صدق و دیانت، تہذیب و اخلاق متانت و سنجیدگی کے اعتبار سے بازاری آدمیوں سے بھی گرا ہوا محض اس وجہ سے ثابت کرنا تھا کہ انہوں نے کافی عرصہ تک تحقیقات کرلینے کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

شاید اسی خوف سے کہ لوگ یقین نہ کریں گے مودودی صاحب نے یہ سین بھی اپنے الفاظ میں کھینچنا مناسب نہ جانا جو ان کے مقبول سبائی راوی نے یہ کہہ کر کھینچ دیا ہے کہ ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ کی گالم گلوچ کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کے نمائندے شریح بن ہانی نے حضرت معاویہؓ کے ثانی منزلت ثالث حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر پر صحابہ و تابعین کے اس مجمع عام میں کوڑے برسانے شروع کر دئیے جس کے جواب میں حضرت عمرو کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے جو خود بھی بڑے پایہ کے عالم و فاضل صحابی تھے شریح کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا کہتے ہیں لوگ بیچ بچاؤ کو دوڑ پڑے مگر بقول اس کذاب راوی کے شریح بن ہانی کو افسوس رہا کہ کوڑے مارنے پر کیوں اکتفا کیا حضرت عمروؓ کو تہہ تیغ کیوں نہ کر دیا۔ اس من گھڑت روایت کا ٹیپ کا بند بھی سن لیجیے جس کا اخفا کر دینا بھی مودودی صاحب نے مناسب جانا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ ثالث صاحبان کے اس فیصلے کی روئیداد جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور شریح بن ہانی نے کوفہ پہنچ کر حضرت علیؓ کے گوش گزار کی تو انہیں یہ سن کر اس درجہ قلق ہوا کہ ہر نماز فجر میں وہ ان اکابر صحابہ اہل شام یعنی حضرت معاویہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ و حضرت ابو الاعور السلمیؓ حضرت حبیب بن مسلمہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت خالد سیف اللہؓ حضرت ضحاک بن قیسؓ اور حضرت ولید بن عقبہ پر جو سب کے سب صحابی غازی و مجاہد نامور فاتح اور منتظم تھے لعنت بھیجا کرتے تھے، ابو مخنف نے مزید لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مالک بن الاشتر اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ پر لعنت بھیجنی شروع کر دی۔

سنی مورخ ابن کثیر نے اگرچہ روایت پرستی کی بنا پر ابو مخنف کی یہ من گھڑت روایتیں طبری سے نقل تو کر دی ہیں لیکن اکابر صحابہ سے بدکلامی کے وہ الفاظ بھی جو مودودی صاحب نے لکھ دئے ہیں منسوب کرنا پسند نہیں کئے صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ ابو موسیٰ کے کلام میں "مغلظات" تھی تو عمرو بن العاص نے الٹ کے ویسا ہی جواب دیا البتہ ہاتھا پائی اور مار پٹائی کا تذکرہ "وذکروا من جری" کہہ کر کر دیا اور حضرت علیؓ کا نماز فجر میں قنوت پڑھتے ہوئے سرِ عام اہل شام پر لعنت کے ڈونگرے برسانے اور حضرت معاویہؓ کی جانب سے ویسا ہی جواب دئے جانے کو غلط جان کر لکھ دیا ہے "ان هذا لم یصح واللہ اعلم"۔

الغرض یہ ہے کوفہ کی ٹکسال کا تزئین وادہ وہ تاریخی مواد جس کا سہارا لے کر مودودی صاحب نے اکابر صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز و تشنیع کے تیر و نشتر اپنے ان مضامین میں چلانے مناسب سمجھے ہیں۔

اکابر صحابہ پر اتہام

یہ بھی دیکھئے کہ جس مصنوعی "بدوقتی" کا اوپر ذکر ہوا اس کے بارے میں مودودی صاحب نے اسی ابو مخنف کی روایت سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منسوب کئے ہوئے بعض کلمات جو ثالثوں پر طعن و تشنیع کے ہیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :۔

"درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابو موسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔

(شمارہ جولائی سنہ ۱۹۶۵ء)

حضرت ابو موسیٰؓ سے تو راوی نے یہ تقریر منسوب کی ہے کہ "میں علیؓ و معاویہؓ کو معزول کرتا ہوں" تو سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو انہوں نے کس چیز سے معزول کیا تھا؟ کیا خلافت سے؟ تو کیا کسی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلافت کے مدعی تھے۔ مودودی صاحب نے خود ہی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی نہ تھے (شمارہ جولائی ص ۳۳۱) جب وہ خلافت کے مدعی ہی نہیں تھے تو انہیں امارت شام ہی سے معزول کیا جا سکتا تھا

لیکن اس کا مآل کار کیا ہوتا، زیر بحث مسئلہ صرف یہ تھا کہ سبائی باغیوں نے امت کے متفق علیہ امام کو ظلماً شہید کیا اور وہ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں ان سے قصاص کس طرح لیا جاتے اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات سے قائم کی ہے جس کے سبب امت میں ایسا تفرقہ پڑ گیا کہ شمشیر کشی تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ ثالثوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیقات سے یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلوں کے شمول اور اثرات سے حضرت علیؓ کا انتخاب غیر آئینی ہے وہ منسوخ ہو کر کل امت کے نمائندہ اصحاب کے مشورہ سے ازسر نو انتخاب ہو اور جب تک ایسا نہ ہو فریقین اپنے اپنے زیر اقتدار علاقوں کا نظم و نسق چلاتے رہیں اور باہم امن رکھیں، اس عادلانہ و مدبرانہ اعلان کا یہ نتیجہ تھا کہ اجلاس پرامن طریقہ پر برخاست ہو گیا اور حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان پھر جنگ نہیں ہوئی اب یہ الگ بات ہے کہ ایسا اجلاس طلب نہ کیا جا سکا اور اس سے پہلے ہی حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اس میں ثالثوں کا کیا قصور تھا۔

رہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور دیگر صحابہ کے فقرات جو مودودی صاحب نے ابو مخنف کے من گھڑت نقل کئے ہیں تو کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ ان اکابر صحابہ حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی اس "چالبازی" کو آئینی حیثیت دیکر کیا حضرت معاویہؓ سے بیعت خلافت کر لی تھی؟ اگر نہیں کی تو ظاہر ہے کہ راوی کی یہ ساری کذب بیانی عیاں ہو کر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے نہ حضرت معاویہؓ کو خلافت پر قائم کیا نہ ان کو خلافت کی بشارت دی بلکہ اطلاع دی کہ ثالثوں نے متفقہ فیصلہ سے حضرت علیؓ کے انتخاب کو منسوخ کر کے قرار دیا کہ امت کے نمائندہ اجلاس میں ازسر نو انتخاب ہو۔

مودودی صاحب نے جو صورت حال سبائی راوی کے سہارے سے بیان کی ہے وہ اگر ادنیٰ ترین درجہ میں بھی صحیح مان لی جائے تو اس کا مطلب صرف ایک ہی کہ یہ سب اکابر صحابہ جلیل القدر فاتح و مجاہد و مدبر جن میں سے بعض کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ذمہ دار مناصب پر فائز کیا تھا، محض حقیر و بے حیثیت تھے جن پر تعلیمات نبویہ کا کچھ بھی اثر نہ تھا، انہیں نصوص صریحہ کی پروا تھی نہ حق و باطل کی تمیز اور نہ یہ سمجھنے کا سلیقہ تھا کہ اگر ناانصافی اور ظلم ہو تو اس کا مداوی کیا کرنا چاہئے۔ جن بزرگواروں کی تمام زندگیاں حق کی علم برداری اور باطل کی سرکوبی میں صرف ہوئیں ان کے متعلق ہم اس قسم کی خرافات کو کیسے باور کر سکتے ہیں۔ جو مودودی صاحب بنی امیہ دشمنی میں باور کرانا چاہتے ہیں۔

سبائی مفروضہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (جولائی ص ۴۳)

"اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حَکَموں میں سے ایک نے کیا کیا اور دوسرے نے کیا، بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدہ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی، ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علیؓ کو معزول کرنے کے مجاز ہیں حالانکہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقہ پر خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور معاہدہ تحکیم کے کسی لفظ سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کو نہیں سونپا گیا تھا کہ وہ انہیں معزول کر دیں۔ پھر انہوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہ ان کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خون عثمانؓ کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے حَکَم بنائے گئے ہیں، معاہدۂ تحکیم میں اس مفروضہ کی بنیاد موجود تھی"!!

مودودی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر ابو مخنف کی وضعی روایت کے اسی مفروضہ پر مبنی ہے کہ صحابہ و تابعین کے اس عظیم الشان اجتماع میں فیصلہ ثالثی سناتے وقت حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا اور حضرت عمروؓ نے یہ کہا۔ یہ عقل مندی مودودی صاحب ہی کی ہے کہ انہوں نے سبائی مفروضہ پر تکیہ کر کے ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کو جو دنیا کے عظیم مدبروں میں تھے، اتنا ناسمجھ باور کر لیا کہ وہ معاہدہ تحکیم کی حدود سے نکل کر قصاص خون

عثمانؓ کے نزاعی مسئلے کے سلسلے میں اپنی تحقیقات سے طے کرنے کے بجائے کہ علیؓ و معاویہؓ ان دو فریقوں میں کون خطاوار ہے جس سے امت خونریز جنگوں میں مبتلا ہے اس مسئلہ کو انتخاب خلافت کا معاملہ بنا کر امت کو نئے فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔

ہماری گزشتہ تحریر سے قارئین نے معلوم کر لیا ہو گا کہ ثالثوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی جو مودودی صاحب نے ان سے منسوب کی ہے، ثالثوں کے سامنے گواہ شاہدوں کے بیانات سے جو انہوں نے ثالثی نامے کی رو سے قلم بند کئے تھے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آچکی تھی کہ جن سبائی لیڈروں نے خلیفہ شہید مظلوم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا وہ اور ان کے دوسرے ساتھی حضرت علیؓ کے نہ صرف مشیر و معتمد علیہ بنے ہوتے ہیں بلکہ انعقاد خلافت اور سیاست وقتی میں بھی اثر انداز رہے ہیں، لہٰذا اس خلافت کو آئینی حیثیت حاصل نہیں ہے، امت کو خانہ جنگی سے نکالنے کے لئے انتخاب کا مسئلہ از سر نو امت کی نمائندہ مجلس شوریٰ کے سپرد کیا جائے، ایک محقق مستشرق نے مقالہ بعنوان "خلافت" میں اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوتے لکھا ہے کہ:۔

"دونوں ثالثوں نے ۳۷ھ میں اپنا اجلاس اذرح مقام پر منعقد کیا تھا جو ملک شام کے جنوب مشرق میں اس جگہ واقع ہے، جہاں رومی کاسٹرا کے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں جیسا کہ برنا اور دومیٹر وسکی نے اپنی کتاب "صوبہ عرب" میں بتلایا ہے، مورخین نے اس مقام کے بجائے بالعموم دومۃ الجندل بتایا ہے یعنی عہد عتیق کا دومہ جو اب جوف کہلاتا ہے"

ثالثوں کے اجلاس میں کیا واقعات اور حالات پیش آئے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کی گئی ہیں، جو قطعاً غیر معتبر ہیں، ویل ہاؤزن نے اپنی عمدہ تالیف بسعر اسپیٹ" میں اس بات کو بہت زیادہ قرین صحت بتایا ہے، کہ فیصلہ ثالثوں نے یہ صادر کیا تھا کہ علیؓ کا خلیفہ منتخب کیا جانا منسوخ ہو اور عثمانؓ کے جانشین کی نامزدگی اس مجلس شوریٰ کے سپرد ہو جو کل امت کی نمائندگی کرتی ہو" (انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

معاہدہ تحکیم میں دونوں ثالثوں کو اس کی اجازت تھی کہ صحیح فیصلے تک پہنچنے میں جسے

چاہیں مشورے میں شریک کریں چنانچہ انہوں نے یہی کیا کہ جمہور صحابہ و تابعین کو دعوت دی کہ باہم مشورے سے جو مناسب سمجھیں از سر نو انتخاب کا فیصلہ کریں، اس سے ان دونوں بزرگواروں کی للہیت خلوص اور انتہائی تدبر کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ ایک کی چال بازی اور دوسرے کی بے عقلی کا، صحابہ کرام میں یہ دونوں بزرگ تھے جنہیں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی معاملات سپرد کئے تھے؛ ذمہ دار عہدوں پر ان کا تقرر کیا تھا فتوحات اور اشاعت اسلام میں ان کی نمایاں خدمات ہیں، ہم عصر امت نے بھی ان دونوں بزرگواروں کو امت کے اختلال اور فتنہ و فساد کا نجات دہندہ سمجھا تھا چنانچہ شاعر ذوالرمہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کے پوتے بلال بن ابی بردہؒ کی شان میں جو قصیدہ کہا ہے اس کے یہ شعر بھی ہیں:۔

ابوک تلافی الدین والناس بعد ما تشاؤ و بیت الدین منقطع الکسر

وہ آپ ہی کے باپ تھے جنہوں نے دین کی اس وقت شیرازہ بندی کی جب لوگوں میں پراگندگی تھی اور مقر دین منہدم ہو چکا تھا۔

فشد اصار الدین ایام اذرح ورد حروبا قد لقحن الی عقر

انہوں نے اذرح کے دنوں میں خیمہ دین کی طنابیں کس دیں اور ان جنگوں کو روک دیا جو اسلام کی نسل منقطع کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔

مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور مدبر کو کمزور اور سادہ لوح کہتے ہیں، لیکن ہم عصر امت نے ان کی سیاست و تدبر کا لوہا مانا اور انہیں ملت اسلامیہ کے عظیم ترین محسنوں میں شمار کیا، رضوان اللہ علیہ جزاہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

اب اگر صحابہ کرام کا یہ اجلاس منعقد ہونے سے پہلے ہی سبائیوں نے اور ایرانیوں نے حضرت علیؓ کے زیر تصرف علاقوں میں فساد برپا کئے اور اس صورت حال سے بددل ہو کر مصریوں نے یمنیوں اور حجازیوں نے عافیت اسی میں دیکھی کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو جائیں اور یوں رفتہ رفتہ علاقے کے علاقے بغیر کسی جنگ اور خون خرابے کے حضرت علیؓ کے تسلط سے نکلتے چلے گئے تو اس کی ذمہ داری نہ ثالثوں پر ہے اور نہ حضرت معاویہؓ پر رضی اللہ عنہم۔

اسی کی ذمہ داری بلوائی ٹولی پر ہے جس نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تو بنا دیا لیکن پھر ان کی خلافت کو نامقبول بنانے کی کسی صورت سے دریغ نہ کیا اور قدم قدم پر فساد انگیزیاں کیں تاآنکہ ایک بدبخت خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ شہید ہو گئے۔

اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی اور یوں تمام امت پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی اور امت نے اس خوشی میں اس کا نام "عام الجماعۃ" رکھا، یوں دنیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی مقبولیت عملاً دیکھ لی کہ اہل ایمان کو حضرت معاویہؓ کی امامت میں وہ ہدایت ملی جس سے پانچ برس کا اختلاف رفع ہوا اور کاروان ملت پھر شاہراہ ارتقاء پر رواں دواں ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ سبائی معتمدوں اور کیادوں کے سوائے انہیں بہترین کارکن نہ مل سکے تھے، مودودی صاحب اس کے معترف ہیں۔

حضرت قیس بن سعدؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ کے علاوہ اور سب کارکن ناتجربہ کار تھے اور خود حضرت علیؓ کی ذات میں تقویٰ و طہارت کے عمدہ صفات ہونے کے باوجود سیاسی امور میں تدبر و حاکمانہ قوت کا فقدان نہیں تو نمایاں نقصان ضرور تھا، ایک آزاد منش لاگ محقق دے خرشتے کے الفاظ میں وہ علیؓ بہادر شخص تو ضرور تھے مگر حکمراں ہونے کی ان میں صلاحیتیں نہ تھیں (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برطانیکا گیارھواں ایڈیشن)

ALI WAS A VALIANT PERSON, BUT HAD NO GREAT TALENT AS A RULER

برخلاف اس کے حضرت معاویہؓ کے پاس اس وقت کے بہترین مدبر و منتظم جمع تھے ان کے زیر نگین علاقے میں کسی قسم کی شورش کبھی بپا نہیں ہوئی، یہ وجہ تھی کہ رائے عامہ ان کی طرف ڈھلتی چلی گئی۔

مودودی صاحب کو شکوہ ہے کہ حضرت معاویہؓ عرصہ دراز تک شام کے اہم علاقے پر حکمراں رہے اور یہ حیثیت بنالی کہ مرکز کا تابع رہنے کے بجائے مرکز کو طابع بنالیں تو یہ ناراضگی مودودی صاحب یا ان کے ہم خیال سبائیوں کو ہوتا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے خوش تھے، آپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ جس بزرگ امتی کی قیادت میں پہلا بحری جہاد ہوگا اور عیسویت کے مرکز قسطنطنیہ پر حملہ ہوگا وہ حضرت معاویہؓ ہی ہیں اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان جس سے خوش ہوں اس سے مودودی صاحب اور ان کے ساتھ ہم خیال ناراض ہوتے رہیں، اس کا اثر امت مسلمہ کے اس مدبر اعظم پر کیا ہو سکتا ہے صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ۔

موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۱۴۴)

حضرت علیؓ نے ان کے (ثالثوں کے) فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

> یہ سنو یہ دونوں صاحب جنہیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا انہوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں۔

اس بیان کا ایک حرف بھی حضرت علیؓ کے منہ سے نکلا ہوا نہیں معلوم ہوتا ثالثوں نے اگر وہ کیا ہوتا جو ان کی طرف اس بیان میں منسوب کیا گیا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو نعوذ باللہ من ذلک حضرت علیؓ کو غلط گو سمجھا جائے کہ فیصلہ رد کر دینے کے بعد بھی یہ قرآن حکیم کو جسے بقول ان کے دونوں ثالثوں نے پیٹھ پیچھے ڈال دیا تھا نافذ کرانے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھا پایا پھر جمہور صحابہ اور افراد امت کو معاذ اللہ بزدل و باطل پرست سمجھ لیا جائے جنہوں نے دونوں ثالثوں کی ان میں سے ایک کی چالبازی و بددیانتی خاموشی سے برداشت کر لی اور اس غداری کا سر کچلنے کے لئے حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوتے اور ان کی بیعت تک نہ کی۔

لہذا صریح اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی اور نہ ثالثی نامہ میں ثالثوں کے فیصلہ کی پابندی کا موثق عہد کر لینے کے بعد ایسی کوئی بات کہہ کہہ سکتے تھے اور نہ ثالثوں نے کوئی بددیانتی کی اور نہ شش ماہہ تحقیق وتفتیش کے دوران شہادتیں قلم بند کرنے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو جانچنے کے بعد کر سکتے تھے۔ تحکیم کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں پھر نہ کوئی جنگ ہوئی اور نہ لشکر کشی، جو کچھ فساد ہوا وہ صرف حضرت علیؓ کے اپنے علاقہ میں ہوا، اگر حضرت معاویہؓ ایسے ہوتے جیسے مودودی صاحب نے انہیں بتانے کی کوشش کی ہے، تو وہ دنیا پرست لوگوں کی طرح ایک ہی ہلے میں حضرت علیؓ کا علاقہ فتح کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دے سکتے تھے۔

ایک علاقہ جو شام اور مصر پر مشتمل تھا جہاں ہر طرف امن وامان تھا تمام رعایا اپنے امیر کی مطیع تھی اور فوجی طاقت ایسی زبردست اور قوی کہ بازنطینی سلطنت کے لشکروں کا حلیہ بگاڑ دیا کرتی تھی اسے اس حکومت کا ختم کر دینا کیا دشوار تھا جہاں آئے دن فساد ہوتے رہتے تھے اور قریہ بقریہ اختلاف تھا اور آخر میں سوائے کوفہ اور اس کے منفصلہ ایرانی علاقے کے کہیں اس حکومت کا اثر واقتدار باقی نہ رہا تھا، فیصلہ ثالثی میں چونکہ صریحاً قرار دیدیا گیا تھا کہ جب تک امت کی نمائندہ مجلس شوریٰ از سرنو انتخاب کی کارروائی نہ کرے دونوں فریق اپنے اپنے علاقہ کا نظم ونسق چلاتے رہیں ان کی پابندی دونوں فریق کرتے رہے تھے اسی وجہ سے پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

ان دونوں ثالثوں، اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحبت یافتہ لوگوں کی بابت جو غلط باتیں دشمنان ملت نے منسوب کی ہیں ان پر تکیہ وہی شخص کر سکتا ہے جو قصداً وعمداً رواۃ سبائیہ کا ہمنوا ہو کر اسلامی تاریخ پر خط تنسیخ کھینچ دینے پر تلا ہوا اور اس طرح دنیا کو یہ باور کرانا چاہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ناکام گئے اور اپنے اصحاب کی اتنی بھی تربیت نہ کر سکے کہ شریف آدمیوں کی طرح معاملات طے کریں اور عدالتی فیصلہ کی خواہ موافق ہو یا مخالف پابندی دیانت سے کر سکیں، سبائی راویوں کے بیانات میں بتایا گیا ہے

کہ حضرت علیؓ کی حکومت کو فیوڈ عراقیوں کے بل پر چل رہی تھی، صفین کی عبرتناک شکست کے بعد حضرت علیؓ نے دوبارہ جنگ کرنے پر ان کو ابھارا مگر وہ چلنے پر آمادہ نہ ہوتے، حیلے بہانے ہی کرتے رہے، مودودی صاحب کے نزدیک علوی خلافت کی بیچارگی کا یہی عالم تھا تو پھر اسے آئینی خلافت کیسے کہا جاسکتا ہے وہ اسے خلافت کہتے اور حکومت جانتے ہیں تو انہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؓ نے ثالثوں کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ سے انہوں نے نہ دوبارہ جنگ کرنی چاہی اور نہ فی الواقع کوئی لڑائی صفین کے بعد ان سے ہوئی انہوں نے اپنی ناکامی اور شکست کو ایک صادق القول مرد شجاع کی طرح تسلیم کر لیا تھا۔

ناکامی کا اعتراف

ابن کثیر نے اپنی اسی تالیف البدایہ والنہایہ میں (ج ۷، ص ۳۲۳) جو مودودی صاحب کا مآخذ بھی ہے حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی اور بے بسی کی حالت کا اظہار کرتے ہوئے خصوصاً فیصلہ ثالثی کے بعد سے کہا ہے کہ حضرت موصوف اگرچہ اپنے زمانہ کے بہترین اشخاص میں سے تھے، بایں ہمہ لوگ ان سے ایسے برگشتہ اور کنارہ کش ہو گئے تھے کہ آخر کار وہ بددل ہو کر اپنی زندگی سے اتنے تنگ آ گئے تھے کہ موت کی تمنا کرنے لگے تھے (خذ لوا و تخلوا عنہ حتی کرہ الحیاۃ و تمنی الموت) یہ افسوسناک صورت حال سیاسی مناقشات کے نتائج کی پیداوار تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور ان کے دوسرے سبائی ساتھی تھے حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے تھے اور بقول مودودی صاحب ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے تھے۔"

چنانچہ فرماتے ہیں (ص ۱۴۶)

"بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دیدئے۔ دراں حالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔"

مودودی صاحب ذرا اور تحقیق سے کام لیتے تو "ان دونوں صاحبوں" کے علاوہ اور "صاحبوں" مثلاً کنانہ بن بشر تجیبی مصری کے بطور مشیر گورنر مصر مقرر کئے جانے کا بھی ذکر کرتے درآں حالیکہ یہی وہ خبیث شخص تھا جس نے خلیفہ شہید کے سر اور پہلو پہ مہلک ضربیں لگا کر قتل کیا تھا، حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کی تو اپنی آنکھوں دیکھا یہ سارا سانحہ تھا اپنے محبوب شوہر کے مرثئے کے اشعار میں ان کا یہ شعر اسی تجیبی کے بارے میں ہے۔

(الاغانی ج ۱۵ ص ۶۸)

الا ان خیر الناس بعد ثلاثة قتیل التجیبی الذی جاء من مصر

یہ اور اسی طرح کے دیگر حالات و واقعات جو سبائیوں کے سلسلے میں ثالثوں نے دوران تحقیقات معلوم کئے تھے ان ہی کی روشنی میں فیصلہ صادر کیا تھا لیکن صدور فیصلے سے بہت پہلے تقرر ثالثی ہی کے وقت سے حضرت علیؓ کو احساس اس امر کا ہو گیا تھا کہ خلافت پر اب ان کا قائم رہنا دشوار ہو گا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں بضمن تذکرہ حضرت علیؓ (ج ۲ ص ۲۸۳) شعبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صفین سے لوٹتے وقت ہی انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ کبھی حکمرانی نہ کر سکیں گے (لما رجع علی من صفین علم انه لا یملك ابداً) راوی کا بیان ہے کہ اس وقت ایسے کلمات ان کی زبان سے ادا ہوئے جو پہلے کبھی نہیں کہے تھے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرما دیا تھا کہ:۔

ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة فوالله لو فقدتموه لقد رأیتم الرؤس تنزع عن کواهلها کالحنظل۔	اے لوگو! معاویہ کی امارت سے (امیر المومنین ہونے سے) تم کراہت ہرگز نہ کرنا کیونکہ قسم بخدا اگر تم نے ان کو بھی گنوا دیا تو دیکھو گے کہ سر دھڑوں پر سے سر کٹ کٹ کر دھڑا دھڑ اس طرح گریں گے جیسے حنظل (اندرائن کے پھل) گرتے ہیں

مودودی صاحب ہی کی کتب ماخذ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید والارایہ والنہایہ میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے والد ماجد کا یہ ارشاد اپنی تقریر میں اس وقت بیان کر دیا تھا جب حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے سے پہلے عراقیوں کے سامنے تقریر کی تھی الامامۃ

والسیاستہ کے غالی مولف نے بھی (ج ۱ص ۲۷ طبع اول) حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ لکھا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:۔

ان ابی کان یحدثنی ان معاویۃ سیلی الامر (الی آخرہ)	میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے۔

ان واقعات سے مودودی صاحب کے اس بیان کی تکذیب ہو جاتی ہے جو انہوں نے حضرت معاویہؓ کے برسر اقتدار آنے کے بارے میں فرمایا ہے اس کے متعلق آگے بھی گفتگو آرہی ہے ایک شیعہ مجتہد و مورخ کے بیان سے بھی مودودی صاحب کا بیان باطل ٹھہرتا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

لما صالح الحسن بن علی ابی طالب معاویۃ بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضھم علی بیعۃ فقال ویحکم ما تدرون وما علمت واللہ للذی عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیہ الشمس او غربت (الی ان قال) اما علمت انہ ما منا الا ویقع فی عنقہ بیعۃ لطاغیۃ زمانہ الا القائم الذی یصلی خلفہ روح اللہ عیسٰی بن مریم (احتجاج طبرسی)	جب حسن بن علی بن ابی طالب نے معاویہؓ بن ابی سفیان سے صلح کرلی تو لوگ ان کے پاس گئے اور بعض لوگوں نے ان کو (معاویہؓ سے) بیعت کر لینے پر ملامت کی تو انہوں نے کہا تمہاری خرابی ہو تم کیا جانو میں نے کیا کام کیا خدا کی قسم جو کام میں نے کیا ہے وہ میرے طرفداروں کے لئے تمام دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے کیا تم نہیں جانتے کہ ہم میں سے کوئی نہیں جس کی گردن میں اپنے زمانے کے کسی گمراہ (طاغیہ) کی بیعت نہ ہو سوائے قائم (یعنی مہدی) کے جن کے پیچھے روح اللہ عیسٰی بن مریم نماز پڑھیں گی۔

یہ تو غالی طرز کا قول ہے تاہم اس سے بھی ان حالات پر روشنی پڑتی ہے جو حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کے نتیجہ میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہؓ پر تمام امت نے اجماع کر کے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا۔

انعقاد خلافت حضرت معاویہؓ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۵۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے، وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے بلکہ اس کے معنی خونریزی و بدنظمی کے تھے جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جا سکتی تھی اسی لئے امام حسنؓ کی دستبرداری (ربیع الاول ۴۱ھ) کے بعد تمام صحابہ و تابعین اور صلحائے امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا۔"

مندرجہ بالا بیان وہ ہی شخص دے سکتا ہے، جو واقعات ثابتہ سے آنکھیں بند کرلے اور معتبر ترین مآخذ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دے، سبائیہ کے علاوہ یہ کس نے کہا کہ وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے، اور انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، شروع سے ان کا ایک مطالبہ تھا کہ خلیفہ شہید حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے یہی مطالبہ ان بزرگوں کی اکثریت کا بھی تھا جو حضرت علیؓ کے زیر نگین علاقے میں رہتے تھے، مگر ان سے بیعت نہیں کی تھی اور ان کے اقدامات میں ان کا ساتھ نہیں دیا تھا، مودودی صاحب کو الزام تراشی کے جوش میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ پہلے کیا کہہ چکے ہیں اور اب کیا کہہ رہے ہیں، جنگ صفین کے بعد ثالثوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے موقف کے سلسلے میں انہوں نے خود بھی صراحتاً لکھا ہے (ص ۱۴۳) کہ وہ صرف

خون عثمانؓ کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے" تو کیا اس تضاد بیانی پر حافظہ نہ باشد کی مثل صادق نہ آئے گی، حضرت معاویہؓ نے قصاص خون عثمانؓ کے مطالبے اور اعلان کے سلسلے نہ اول تلوار اٹھائی اور نہ لڑائی میں پہل کی، وہ اگر لڑ کر خلافت حاصل کرنے کے درپے ہوتے تو اپنی فوجیں اصحاب جمل کی مدد کو بصرے بھیج سکتے تھے، پھر اسی میدان میں سب کچھ فیصلہ ہو جاتا مگر انہیں خانہ جنگی اور مسلمانوں میں خونریزی کرانے سے گریز تھا، وہ سب مسائل افہام و تفہیم سے طے کرانا چاہتے تھے حضرت علیؓ نے ان مطالبات کا عملاً قبول کیا مگر بعلت خرابی بسیار۔

حضرت معاویہؓ نے اپنی فوجوں کو اس وقت حرکت دی جب حضرت علیؓ نے عراقی لشکر کے ساتھ جس میں بلوائی وقاتلین عثمانؓ شامل تھے شام پر چڑھائی کر دی، لیکن اس حالت میں بھی یہی چاہا کہ معاملہ گفت و شنید سے طے ہو جائے، سبائیہ نے یہ بات نہ ہونے دی، مجبوراً جنگ چھڑ گئی مگر اس جنگ کے بند کرانے میں بھی پہلا قدم جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہوا حضرت معاویہؓ ہی کی جانب سے اٹھایا گیا، قرآن مجید کی طرف انہوں نے ہی دعوت دی اور اس کے نتیجہ میں معاملہ ثالثوں کے سپرد کر دیا گیا، اور فریقین اپنے اپنے مستقر کو واپس ہو گئے اور خلافت کے معاملہ میں پھر فریقین میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

اس تمام عرصہ میں یعنی ثالثوں کا فیصلہ صادر ہونے اور اس کے بعد بھی حضرت معاویہؓ کے علاقہ میں کامل امن رہا، اس کے برخلاف حضرت علیؓ کے علاقے میں آئے دن ہنگامے اور فساد ہوتے رہے، حتیٰ کہ اپنے ہی ایک گروہ (خوارج) کے خلاف انہیں ہولناک جنگ لڑنی پڑی پھر ایران میں بغاوت ہو گئی، حضرت معاویہؓ نے عراق و ایران کے اس اختلال سے کوئی سیاسی فائدہ نہ اٹھایا۔ ثالثی نامے کے احترام پر پوری طرح قایم رہے ورنہ ایک ہی ہلے میں عراق کی حکومت کا تختہ الٹ دیتے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مصر و یمن وغیرہ علاقے کیوں نکلتے گئے۔ مودودی صاحب تو فرماتے ہیں کہ مصر اور شمالی افریقہ کے حضرت معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کی تدبیروں سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گئے، مگر صحیح صورت حال جو پیش آئی وہ یہ تھی۔

مصری مسلمانوں کی ایک جماعت نے جو عثمانی کہلاتے تھے یعنی طرفداران عثمانؓ حضرت علیؓ کی بیعت خلافت سے یہ کہہ کر توقف کیا تھا کہ جب باقی امت بیعت کر لے گی تو ہم بھی کر لیں گے

حضرت قیس بن سعدؓ نے جو وہاں حاکم تھے حضرت علیؓ کو وہاں لوگوں کے موقف سے آگاہ کرتے ہوئے یہ صائب مشورہ دیا تھا کہ یہ لوگ پر امن طور سے مقام خربتا میں مقیم ہیں ان کے خلاف کوئی تشدد کی کارروائی نہ کی جائے مگر الاشتر وغیرہ کی رائے سے حضرت علیؓ نے حضرت قیسؓ جیسے کامگار حاکم کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر جیسے ناتجربہ کار نوجوان کو جنہوں نے قتل عثمان غنیؓ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا حاکم مصر مقرر کر کے بھیجا اور کنانہ بن بشر تجیبی کو جس نے خلیفہ شہید پر خنجر سے وار کئے تھے بطور مشیر کے ساتھ بھیجا، محمد مذکور نے مصر پہنچتے ہی ان بزرگوں کے خلاف جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں جن سے تنگ آ کر ان کے قائد حضرت معاویہ بن خدیجؓ صحابی نے حضرت امیر معاویہؓ سے اپنے لوگوں کے تحفظ میں امداد طلب کی انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کو فوجی دستے کے ساتھ بھیج دیا اور یوں مصر میں امن قائم ہو کر یہ علاقہ حضرت معاویہؓ کے زیر حکومت آگیا اسی طرح یمن و حجاز وغیرہ کے لوگوں نے آئے دن کی بدامنی سے تنگ آ کر حضرت معاویہؓ سے اپنے نمائندوں کے ذریعہ درخواستیں کیں کہ ہمارے علاقوں کا انتظام بھی آپ سنبھالیں، چنانچہ رفتہ رفتہ یہ علاقے بھی حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گئے اور آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ سوائے کوفہ اور اس کے متصل علاقے کے حضرت علیؓ کے تحت حکومت کچھ باقی نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ ناساعد حالات سے نہ حضرت علیؓ کی خلافت ہی مستحکم ہوتی نہ ان کا حکم اقطار ارض میں نافذ ہوا اور آخر میں بجز کوفہ اور اس کے مضافات کے ان کی حکومت باقی نہ رہی، شاہ صاحب فرماتے ہیں "حضرت مرتضیٰ باوجود فضل و صاف خلافت...... تمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و بروز دائرۂ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ما حول آن محل حکومت نماند (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹ طبع اول)

صفین کے بعد سے حضرت معاویہؓ کی جانب سے حضرت علیؓ کے مقابلے میں کوئی لشکر کشی کبھی نہیں کی گئی یہ سب علاقے وہاں کے باشندوں کی خواہش سے کہ آئے دن کی بدامنیوں سے وہ تنگ آ گئے تھے، حضرت معاویہؓ کے تحت انتظام آگئے، اسی اثناء میں حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم کے قاتلانہ حملے سے ایسے شدید مجروح ہو گئے کہ امید زیست

سندھی لوگوں نے پوچھا ہم آپ کے فرزند حسنؓ سے بیعت خلافت کرلیں، فرمایا ہاں اگر تم اس پر راضی ہو، فسمرات سرخیتم"؛ عراقی پارٹی نے پھر حضرت معاویہؓ سے جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں حضرت معاویہؓ نے مزید خون ریزی روکنے کے لئے حضرت حسنؓ سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی کی حضرت حسنؓ تو شروع ہی سے ان خانہ جنگیوں کے خلاف تھے جن کی ابتدا حضرت علیؓ کی جانب سے کی گئی تھی، قاتلین عثمانؓ کی بیعت قبول کرنا، اصحاب جمل سے لڑنا دارالخلافہ کوفہ کو منتقل کرنا اور اہل شام پر فوج کشی، یہ سب امور ان کے نزدیک مفاد امت کے خلاف تھے، وہ حضرت علیؓ کے سامنے بہ ادب اطاعت بجا کی مگر فرزندانہ جونہی اختیار ان کے ہاتھ میں آیا انہوں نے اپنی صوابدید سے یا جیسا کہ بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ خود حضرت علیؓ نے اپنے آخری وقت یہ محسوس کرکے کہ ان کے فرزند یا ان کی پارٹی میں کسی فرد میں اس کی صلاحیت نہیں کہ ملت میں جو انتشار خانہ جنگیوں کے نتیجے میں پیدا ہوگیا ہے اس کو رفع کرسکے حضرت حسنؓ کو وصیت کردی تھی کہ معاویہؓ کی امارت سے کراہت مت کرنا، حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بخوشی دلی بیعت کرلی، صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت سے اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

عن ابی موسیٰ قال سمعت الحسن
یقول استقبل واللہ الحسن بن
علی علی معاویۃ بکتائب امثال
الجبال فقال عمرو بن العاص انی
اری کتائب لا تولی حتی تقتل
اقرانھا فقال لہ معاویۃ وکان
واللہ خیر الرجلین ای عمرو ان قتل
ھؤلاء ھؤلاء وھؤلاء ھؤلاء
من لی بامور الناس من لی بنسائھم
من لی بضیعتھم فبعث الیہ رجلین

ابو موسیٰ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔
میں نے حسن (بصریؒ) کو یہ کہتے سنا کہ
بخدا حسن بن علیؓ پہاڑوں کی فوجوں
کے پرے لیکر معاویہؓ پر حملہ کرنے نکلے تو عمرو بن العاصؓ
نے کہا میں فوجوں کے ایسے پرے دیکھتا ہوں
جو اپنے مقابل کو قتل کئے بغیر منہ نہ پھیریں گے تو حضرت
معاویہؓ نے فرمایا اور بخدا وہ ان دونوں میں
بہتر شخص تھے: اے عمرو اگر ان لوگوں نے انہیں
قتل کیا اور انہوں نے انہیں تو انتظام کے لئے میں آدمی
کہاں سے لاؤں گا ان کی خواتین کی دیکھ بھال

من بنی عبد الشمس عبد الرحمٰن
بن سمرة وعبد الله بن عامر بن
کریز فقال اذھبا الی ھذا الرجل
فاعرضا علیه وقولا له واطلبا
الیه فاتیاه ودخلا علیه فتکلما
وقالا له وطلبا الیه۔
فقال لھم الحسن بن علی انا بنو
عبد المطلب قد اصبنا ھذا المال
وان ھذه الامة قد عاثت
فی دمائھا۔
قالا فانه یعرض علیك
کذا وکذا ویطلب الیك ویسألك
قال فمن لی بھذا؟ قالا نحن لك
به فما سألھما شیئا الا قالا نحن
لك به فصالحه

کے لئے مجھے کون ملے گا اور ان کے مال ومتاع
کی حفاظت کس سے کراؤں گا۔
پھر آپ نے بنو عبد الشمس میں سے دو صاحبوں
کو بھیجا یعنی عبد الرحمٰن بن سمرہؓ اور عبد اللہ
بن عامر بن کریز کو اور فرمایا: "ان صاحب
حسن بن علیؓ کے پاس جاکر مسئلہ پیش کرو،
اور اپنے مطالبات ان کے سامنے رکھو" چنانچہ
یہ دونوں صاحب تشریف لائے ملاقات کی
گفتگو کی، پیغام پہنچایا اور مطالبات پیش کئے
حسن بن علیؓ نے فرمایا: "ہم بنو عبد المطلب
اس مال سے بہرہ پاتے رہے اور اس امت نے بے
وجہ اپنا خون ضائع کیا۔
تو ان دونوں نے فرمایا کہ "ان کی طرف سے
یہ پیشکش ہے اور ایسا ایسا مطالبہ ہے اور یہ ان کی
فرمائش ہے" آپ نے فرمایا "مجھے اس کی ضمانت کون
دے گا؟" ان دونوں نے کہا: "ہم اس کے ضامن ہیں" چنانچہ حضرت حسنؓ نے جو بھی ان سے
کہا وہ کہتے گئے "ہم اس کے ضامن ہیں" اس طرح انہوں نے صلح کرلی۔

یہ ہے اصل صورت حال جس کی تردید کوئی صاحب عقل نہیں کرسکتا۔ امام بخاری کی
اس روایت سے صریحاً ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے نتیجہ میں، اور
سبائیوں کی شرارت سے جو فتنے بپا ہوئے ان کا حل پر امن طریقے سے پیدا کرنے کی سب
سے زیادہ کوشش حضرت معاویہؓ نے کی اور جب جنگ فریق ثانی کی وجہ سے ناگزیر ہوگئی تو وہ
تھے جنہوں نے یہ جنگ بند کرائی اور آئندہ کے لئے خانہ جنگی ختم کرنے کی کوشش سے دریغ نہ کیا
مودودی صاحب کا یہ محض افتراء ہے کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں

دستبرداری دیگر جو بیعت کی نیز جمہور صحابہ نے بھی ان کی بیعت اس لئے کر لی تھی کہ وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔" مودودی صاحب کے اس تصور میں صحابہ کرام اور پہلی ہجری کے مسلمانوں کی انتہائی تہک ہے کہ وہ جبر کے سامنے گردن جھکا سکتے تھے اور کوئی شخص خیر القرون کے صحابہ وتابعین کو مادی طاقت کے بل پر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ جن صحابہ اور تابعین نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی اور ان کے اقدامات میں ساتھ نہیں دیا، انہیں تو شروع ہی سے حضرت معاویہؓ کے موقف سے اتفاق تھا، سبائیہ کا قلع قمع کرنا اور خلافت کا مسئلہ اجتماع صحابہ کے ذریعے طے کرنا ان سب کا مطمح نظر تھا، مگر وہ سب یہ چاہتے تھے کہ یہ کام خانہ جنگی اور باہمی جدل کے بغیر انجام پذیر ہو یہی موقف حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ کا تھا وہ اپنے بھائی سے جدا ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے، مودودی صاحب نے اس بارے میں وضعی روایت کے سہارے جو غلط تاثر پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، اس کا مسکت جواب پہلے آچکا ہے۔

حضرت معاویہؓ سے صحابہ کرام وتابعین عظام نے یہ بیعت نہایت خوشدلی سے کی تھی وہ اسلامی سیاسی نظام کی سربراہی و خلافت کے لئے اپنی کامل صلاحیت اور جمہور اہل اسلام میں اپنی عام مقبولیت ثابت کر چکے تھے، لہذا انہی کی امامت پر اہل حل و عقد کا برملا سنہ اجتماع کر لیا امیر المومنین معاویہؓ پر یہ اجتماع آئندہ کے فسادات و بدنظمی اور خونریزی کے روکنے کی غرض سے نہیں ہوا بلکہ اس لئے ہوا کہ جو فسادات ان کے پیش رو کے زمانہ میں ہو چکے تھے اور امت پر اختلال طاری تھا وہ رفع ہو۔ عزائم علیہ بدتے کا ما آتی اس وقت امت کی تمام امیدیں حضرت معاویہؓ جیسے حلیم و کریم اور عدیم المثال مدبر کی ذات پر مرکوز تھیں، ان ہی کو اس وقت کے مسلمانوں کا اور ملت اسلامیہ کا نجات دہندہ سمجھا گیا، اسی لئے یہ بیعت ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کی روایت سے مودودی صاحب کے ماخذ البدایہ والنہایہ میں منقول ہے۔ جو حضرت معاویہ کے حق میں آپ نے کی تھی کہ اللھم اجعلہ ھادیًا ومھدیًّا واھد بہ دیا الٰہی، معاویہ کو ہادی و مہدی بنا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت عطا فرما، یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح مستجاب و مقبول ہوئی واقعات

تاریخ شاہد ہیں، حتیٰ کہ مودودی صاحب بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ "ان کی (معاویہؓ کی) یہ خدمت
بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں
اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا" (ص ۱۵۳)

دنیائے اسلام کو "پھر سے" متحد کرنے اور "اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع
کرنے" کی خدمات کا اعتراف ایک مخالف و معاند کے قلم سے قیادت و سیادت کی ان بے نظیر
صلاحیتوں کا ضمناً اعتراف ہے، جو قدرت نے حضرت معاویہؓ کو عطا کی تھیں، متعدد جلیل القدر
صحابہ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابن عمرؓ و حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کے متعدد اقوال مودودی
صاحب کی کتب ماخذ میں منقول ہیں جن میں صراحتاً کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ سے زیادہ لائق و
موزوں انتظامی امور اور حکومت و فرمانروائی کی صفات میں دوسرا کوئی نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ و
عمرؓ و عثمانؓ دیگر صفات میں معاویہؓ سے افضل تھے (کان معاویة اسود منہم (دیگر سرداری
کی صفت میں معاویہؓ ان سے بڑھ کر تھے) یہ ان کی خداداد صلاحیتوں اور انہی صفتوں کا نتیجہ
تھا کہ جملہ صحابہ و تابعین امت مسلمہ کی زمام قیادت و سربراہی حضرت معاویہؓ کے دست مبارک
میں دینے اور ان سے بیعت کرنے پر بجوش دلی آمادہ تھے، بخلاف ان کے پیش رو حضرت علیؓ کے جنہیں
زمام قیادت و سربراہی ملت سبائی بلوائیوں اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین نے اپنے "زور" سے
دلائی تھی اور کم و بیش نصف امت نے ان کی بیعت سے اسی بناء پر انکار کر دیا تھا کہ حضرت عثمانؓ
کے قاتلوں سے قصاص لینے سے وہ نہ صرف خود قاصر ہیں بلکہ مانع آتے اور جمل و صفین کی جنگوں
میں اسی بناء پر تقریباً ایک لاکھ کلمہ گو مقتول ہوئے، مودودی صاحب کو بھی اقرار ہے کہ قاتلین عثمانؓ
کو گورنری پر فائز کیا گیا تھا، مودودی صاحب کا یہ تصور قطعاً باطل ہے کہ حضرت معاویہؓ خلیفہ
ہونا چاہتے تھے اور انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی وہ اگر ایسا کرتے تو صحابہ کرام ان کے ہاتھ پر
اسی طرح بیعت نہ کرتے جس طرح انہوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور ان کے
بعد ابن الزبیرؓ کے ہاتھ پر لیکن سب صحابہ و تابعین نے حضرت معاویہؓ کو اپنا متفق علیہا امام تسلیم
کیا ان کے بعد امیر المومنین یزیدؒ کو، مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ کو شریعت و قانون کے
نکات کی تعلیم دینے کی جسارت کی ہے، مگر انہوں نے اپنا خود ساختہ کلیہ حضرت علیؓ کو بتلانے

کی کوشش کیوں نہ فرمائی، جنہوں نے نصف امت کے انکار کے باوجود اپنی خلافت قائم کرنے کی کوشش میں کسی جنگ و جدل سے دریغ نہ کیا، بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رہ "مقاتلت وے (علی رضی اللہ عنہ) بنا بر طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام" (ازالۃ الخفاء (ص ۲۷۲)

امامت کا مطالبہ مانا تو بدرجہ مجبوری اس وقت کہ زمین مسلمانوں کے خون سے تر ہو گئی مودودی صاحب کا یہی کلیہ اگر صحیح ہے کہ خلیفہ سے اکثریت بیعت نہ کرے تو وہ اپنے منصب سے الگ ہو جاتے، بہتر تھا کہ یہ کلیہ وہ حضرت علی رض کے گوش گزار کرنے کی کوشش فرماتے، حضرت علی رض کی بیعت خلافت کے لئے سب سے پہلے جو ہاتھ اٹھا تھا وہ قاتلین عثمان رض کی کوفی جماعت کے لیڈر الاشتر کا تھا اور حضرت معاویہ رض سے بیعت خلافت کو جو دست مبارک سب سے پہلے اٹھا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسن بن علی رض ابن ابی طالب کا تھا!!

امیر المومنین یا بادشاہ

مودودی صاحب ساتویں صدی ہجری کے مولف ابن اثیر کے بے سند حوالے سے کہتے ہیں۔

> حضرت معاویہ رض کے ہاتھوں میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اسی مرحلے میں سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ درپیش ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب حضرت معاویہ رض کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیکم ایہا الملک کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت معاویہ رض نے کہا اگر آپ امیر المومنین کہتے تو کیا حرج تھا، انہوں نے جواب دیا "خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی ہے اس طریقہ سے اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا (ص ۱۴۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رض سے جو گفتگو منسوب کی گئی ہے وہ ان پر صریح بہتان ہے حضرت سعد رض بن ابی وقاص تو وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت علی رض سے بیعت نہیں کی تھی لیکن حضرت معاویہ رض سے بخوشی دلی کر لی تھی تو جس ذات گرامی کو انہوں نے بیعت خلافت میں حضرت علی رض پر ترجیح

وہ اس کو ان الفاظ سے کیوں مخاطب کرتے پھر اسی کے ساتھ یہ قول بھی ان کا جو مودودی صاحب ہی کے ماخذ البدایہ والنہایہ میں منقول ہے (ص ۱۳۳ جلد ۸)

ما رأیت احداً بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویہ

میں نے عثمانؓ کے بعد کسی شخص کو حق کے ساتھ اس بارگاہ کے شخص یعنی معاویہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

تو ان حالات میں حضرت سعدؓ انہیں امیر المومنین کے بجائے یا ایہا الملک کیوں کہتے تھے۔ ایک حضرت سعدؓ ہی کیا جمہور صحابہ ان کو امیر المومنین ہی کہتے تھے حتیٰ کہ نجی محفلوں میں بھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ۔

قیل لابن عباس هل لك فی امیر المومنین معاویة فانه ما اوتر الا بواحدة قال انه فقیه (ج ۲ ص ۳۰۷ باب ذکر معاویہ)

(حضرت) ابن عباسؓ سے عرض کیا گیا ذرا دیکھئے تو امیر المومنین معاویہؓ نے کیا کہ وتر کی نماز صرف ایک رکعت پڑھی فرمایا وہ فقیہ ہیں۔

نیز اسی امام بخاری نے الادب المفرد میں ص ۹۹۳ (طبع دار الاشاعت کراچی) میں حضرت زید بن ثابتؓ کا وہ خط نقل کیا ہے جو میراث کے بارے میں حضرت معاویہؓ کو لکھا تھا اس میں انہوں نے ابتداء میں حضرت معاویہؓ کا نام نامی امیر المومنین کے ساتھ لکھا پھر اپنا اس طرح:۔

بسم الله الرحمن الرحیم لعبد الله معاویة امیر المومنین من زید بن ثابت سلام علیك امیر المومنین ورحمة الله

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا کے بندے معاویہ امیر المومنین کی خدمت میں زید بن ثابت کی طرف سے اے امیر المومنین آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت۔

صحیح بخاری کے علاوہ موطا امام مالک میں ہے (ص ۳۴۳ طبع قرآن محل کراچی)

عن خارجة بن زید عن زید بن ثابت انه کتب الی معاویة بسم الله الرحمن الرحیم لعبد الله معاویة

خارجہ بن زید سے مروی ہے انہوں نے حضرت معاویہ کو یوں خط لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے بندے معاویہ امیر المومنین کی خدمت میں

امیر المومنین عن زید بن ثابت | زید بن ثابت کی طرف سے۔

حضرت معاویہؓ تو اپنی جگہ ہیں، حضرت ابن عمرؓ نے امیر المومنین عبدالملک کو بھی اسی طرز پر اور اسی لہجے میں خط لکھا تھا۔ موطا امام محمدؒ

اخبرنا مالک اخبرنا عبد اللہ بن دینار عن عبد اللہ بن عمر انہ کتب الی امیر المومنین عبد الملک یبایعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد لعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین من عبد اللہ بن عمر۔

ہمیں (امام) مالک نے اطلاع دی وہ فرماتے ہیں ہمیں عبداللہ بن دینار نے اطلاع دی اور انہوں نے (حضرت) عبداللہ بن عمر کا حوالہ دیا کہ انہوں نے امیر المومنین عبدالملک کو اپنی بیعت کا خط یوں بھیجا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے بندے عبدالملک امیر المومنین کی خدمت میں عبداللہ بن عمر کی طرف سے۔

واضح رہے کہ یہ امام محمد عباسیوں کے دور میں تھے اور یہ عہد تھا امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کا وہ خلیفہ عبدالملکؒ کو امیر المومنین لکھ رہے ہیں اور کیوں نہ لکھتے جب کہ وہ امت کے متفق علیہ امام اور تبع تابعین کے حکمرانوں میں صف اول کے حکمران تھے جن کے فتاویٰ اور فیصلے موطا اور صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں قانونی نظائر کی حیثیت سے مروی چلے آتے ہیں۔

مودودی صاحب کے خیال کے مطابق ہمارے یہ ائمہ کرام اور خلفائے عظام سب ملوک جابرہ تھے، جنہوں نے مسلمانوں کو غلام بنا رکھا تھا اور حضرت معاویہؓ ہی کے زمانے سے خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو رہی تھی، مگر متعصب اور متبع ہوئی لوگوں کے علی الرغم جس شخص نے تاریخ اسلام کا طائرانہ مطالعہ کیا ہوگا اور ان کے ثقافتی سرمایہ پر اس کی نگاہ ہوگی، وہ چند باتیں ایسی پائے گا جو اقوام عالم کے لئے موجب غبطہ ہیں اور قرون ماضیہ میں کوئی دوسری قوم ایسے طرز حکمرانی کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ خلافت اسلامیہ امویہ و عباسیہ کے بڑے بڑے تین خصائص تھے

اس عدلیہ ہمیشہ انتظامیہ سے آزاد رہا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انتظامیہ کسی وجہ میں اثر انداز ہو سکا ہو، قاضی اسلام ہر کہ و مہ کو عدالت میں حاضری پر مجبور کر سکتا تھا حتیٰ

حاکم وقت ہی کو نہیں بلکہ خود امیر المومنین کو بھی یہاں ایسی کوئی دعونت تھی کہ فلاں شخص کو قاضی عدالت پر طلب نہیں کر سکتا یا فلاں کے خلاف عدالت میں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا (۲) خلافت اسلامیہ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ مملکت کے حدود میں ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت حکومت کرتی تھی بیت المال کے ضمن میں اس پر مختصراً تبصرہ کیا جا چکا ہے، (۳) فرد کی آزادی کا ہر حال میں احترام کیا جاتا تھا اور حکومت کسی شخص کے نجی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتی تھی اور ہر شخص آزاد تھا کہ شریعت مطہرہ کے حدود میں جس طرح چاہے اپنی زندگی بسر کرے۔ سب ہی تو یہ عالم تھا کہ خلفاء اسلام کے خلاف خروج کرنے والوں کو حمایتی نہیں ملتے تھے سبائیہ نے کتنے ہی علوی بزرگوں کو سبز باغ دکھا کر خروج پر آمادہ کیا مگر سو دو سو سے زیادہ نہیں۔ بہ حمایتی میسر نہ آئے حضرت حسین رضی کو سو کے قریب آدمی مل سکے پھر ان کو بھی ساتھیوں کی بیوفائی کے نتیجہ میں صورت حال دیکھ کر بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور امیر المومنین یزید کی بیعت کرنے کے لئے دمشق کی راہ لی تھی کہ اپنے ہمراہی ساتھ کوفیوں اور برادران مسلم بن عقیل رضی کے نا عاقبت اندیشانہ جارحانہ حملے سے وہ حادثہ محزون پیش آ گیا پھر جب اہل مدینہ نے حضرت ابن زبیر رضی کے ورغلانے سے بغاوت کی تو ان کی تعداد بھی اتنی نہ تھی کہ دو تین گھنٹے بھی جم کر لڑ سکتے حضرت حسین رضی کے پوتے زید بن علی زین العابدین کو امیر المومنین ہشام کے خلاف ڈھائی تین سو حمایتی بھی نصیب نہ ہوتے، اور امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ کے خلاف محمد المہدی بن عبداللہ الحسنی کو جنہیں سبائیہ نے من گھڑت حدیثوں میں ان کے زمانے سے کئی سو برس پہلے "نفس الزکیہ" کا خطاب دیا تھا، جسے مودودی صاحب نے بھی بجائے ان کے نام کے بار بار لکھا ہے تو ان محمد المہدی کو اتنے آدمی بھی نہ مل سکے کہ عسکر خلافت سے چند گھنٹے بھی مقابلہ کر سکتے اور یہی حال اور دوسرے خروجوں کا ہے، یہ واقعات دلیل ہیں خلافت اسلامیہ بنی امیہ کی مقبولیت عامہ کی۔ کیونکہ وہ یہی لوگ تو تھے جنہوں نے خلفاء کے خلاف بغاوتوں میں ساتھ نہیں دیا، مگر وہ خلیفہ کے اشارے پر جہاد کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں نکل کھڑے ہوتے تھے، یہی سبب تھا کہ اموی خلفاء نیز ابتدائی عباسی خلفاء کے زمانوں میں تینوں براعظموں کے وسیع علاقے خلافت اسلامیہ کے زیر اقتدار آتے۔

حضرت معاویہؓ کی تقریر میں مودودی صاحب کی مذموم تلبیس

کسی شخص کے بیان کے چند جملے اس طرح نقل کرنا کہ ان میں اس بیان کی پوری روح آجائے تلخیص کہلاتی ہے۔ لیکن تقریر یا بیان کے وہ جملے جو مغز کی حیثیت رکھتے ہوں انہیں ترک کر کے اول و آخر کے چند ایسے جملے نقل کرتے جائیں جو اس بیان کی روح کے خلاف ہوں اور مفہوم الٹا پیدا ہو جائے تو اسے تلبیس و افتراء ہی کہا جائے گا۔ مودودی صاحب نے البدایہ والنہایہ کے مندرجہ ایک بیان کے متعلق جو حضرت معاویہؓ سے منسوب ہے یہی عمل جراحی کیا ہے، اس تقریر کے راوی اصمعی ہیں جو نہ مورخ ہیں اور نہ راوی اخبار بلکہ تیسری صدی ہجری کے ایک ادیب ہیں، پہلے تو مودودی صاحب کو دیکھنا یہ تھا کہ اس روایت کا صحیح مآخذ کیا ہے، پھر اس کے متن سے وہ باتیں نقل کرنی چاہئیے تھیں جو حضرت معاویہؓ جیسے شہرۂ آفاق حلیم و کریم حکمراں کی طبیعت و جبلت کے متغائر نہ ہوں، مگر انہیں تو یہ منسوبہ بیان مسخ کر کے پیش کرنا اور قاری کو اس کا وہ مفہوم دکھانا تھا جس سے معلوم ہو کہ حضرت معاویہؓ کا وجود ہم عصر امت میں مبغوض تھا، پہلے تو مودودی صاحب کی یہ ناانصافی ملاحظہ ہو کہ اس منسوبہ تقریر کے درمیانی جملے ترک کر کے اول و آخر کے چند جملے عربی متن کے اس طرح نقل کرتے ہیں۔

عربی متن	اردو ترجمہ
اما بعد فانی واللہ ما ولیت امرکم	بخدا میں تمہاری حکومت کی زمام کار اپنے
حین ولیتہ وانا اعلم انکم	ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا
لا تسرون بولایتی ولا تحبونھا	کہ تم میرے برسر اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور
وانی لعالم بما فی نفوسکم	اسے پسند نہیں کرتے اس معاملہ میں جو کچھ
من ذلک ولکنی خالستکم	تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں
بسیفی ھذا مخالسۃ	مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب
...... وان لم تجدونی	کر کے ہے .... اب اگر

اقوم بحقكم كله فارضوا مني ببعضه (البداية والنهاية لابن كثير (ج ٨ ص ١٣٣)

تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کر رہا ہوں، تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔

اب وہ جملے درمیان اور آخر کے ملاحظہ ہوں جو مودودی صاحب نے بمصلحت ترک وحذف کر دیتے ہیں وہ پوری عبارت ترک وحذف یہ ہے۔

ولقد رمت نفسي على عمل ابن ابي قحافة فلم اجدها تقوم بذلك ولا تقدر عليه واردتها على عمل ابن الخطاب فكانت اشد نفورا واعظم هربا من ذلك وحاولتها على مثل سنيات عثمان فأبت عليّ واين مثل هؤلاء من يقدر على اعمالهم؟ هيهات ان يدرك فضلهم احد من بعدهم؟ رحمة الله ورضوانه عليهم غير اني سلكت بها طريقا لي فيه منفعة ولكم فيه مثل ذلك ولكل فيه مواكلة حسنة ومشاربة جميلة ما استقامت السيرة وحسنت الطاعة فان لم تجدوني خيركم فانا خيركم والله لا احمل السيف على من لا سيف معه وبها

میں نے اپنے نفس کو ابن ابی قحافہ (یعنی حضرت صدیق اکبرؓ) کے طرز عمل پر چلانا چاہا تو میں نے اسے ایسا نہ دیکھا کہ اس میں اس کی قدرت پاتی پھر میں نے اس سے ابن الخطاب (یعنی حضرت فاروق اعظمؓ) کی پیروی کی خواہش کی تو اس پر وہ اس سے زیادہ بدک کر اور بھاگا پھر میں نے اسے گھیر کر (حضرت) عثمانؓ کے حسن تدبیر کی طرف لانا چاہا تب بھی اس نے میری بات نہ مانی ان جیسے لوگ کہاں! ان کے سے اعمال کی قدرت کس میں ہے اور اس کا امکان کب ہے کہ ان کے بعد آنے والا کوئی شخص ان کی سی فضیلت حاصل کر سکے رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہم ہاں یہ ہے کہ میں نے عمل کی راہ وہ اختیار کی ہے جس میں جتنی منفعت میرے لئے ہے اتنی ہی آپ لوگوں کے لئے بھی ہے اس طریقے پر ہر شخص کے لئے خوبی کے ساتھ کھانے اور کھلانے کے مواقع ہیں اور

تقدم ما قد علمتموہ نفس جملة دبر اذنی (وان لم تجدونی اتوم بحقکم کلہ فارضوا منی ببعضہ) فانها بقایة توبها وان السیل اذا جاء یبری وان قد اغنی وایاکم والفتنة فلا تهموا بها فانها تفسد المعیشة و تکدر النعمة وتورث الاستیصال استغفر اللہ لی ولکم استغفر اللہ

البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۲

حسن کے ساتھ پینے اسپلانے کے لبشرطیکہ کردار میں پختگی ہو اور اطاعت کوشی خوبی کے ساتھ ہو، لہذا آپ حضرات اگر مجھے اپنے سے بہتر نہ پائیں تو کم از کم اپنے حق میں بہتر ضرور پائیں گے بخدا میں اس شخص پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا جس کے پاس تلوار نہ ہو اور جو باتیں گزر چکی ہیں جن کا علم آپ کو ہے ان کے بارے میں اب میں سنا پنے کان بند کر لئے (یعنی گزرے ہوئے فتنوں کی کوئی انتقامی کارروائی نہ ہوگی) اب اگر آپ دیکھیں کہ میں آپ کے تمام حقوق ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر راضی رہئے) کیونکہ جنہ اب خول سے باہر آچکا (یعنی فتنہ فساد ختم ہو کر حکومت قائم ہو چکی ہے)

سیلاب جب آتا ہے تو کھیتی غارت ہو جاتی ہے، لیکن جب ریلا ہلکا ہو تو پیداوار اور بڑھا دیتا ہے لہذا اچھی طرح جان لو کہ فتنوں سے بچنا اور اس کا خیال بھی نہ کرنا کیونکہ اس سے معیشت تباہ ہو جاتی ہے، زندگی کی لطافتیں پھیکی پڑ جاتی ہیں اور قوم تباہی کی طرف جاتی ہے میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور آپ سب کے لئے پردہ پوشی کی دعا کرتا ہوں اور اللہ کی جناب میں مغفرت کا طالب ہوں ''

ان فقرات کے مطالعہ سے ناظرین صحیح اندازہ کر سکیں گے کہ مودودی صاحب نے یہ فقرات ترک و حذف کر کے کس درجہ قابل مذمت تلبیس کا ارتکاب کیا ہے۔

اگر حضرت علیؓ کو صفین میں فتح حاصل ہو جاتی تو دمشق میں نہیں جہاں کے مخالفوں کا مرکز تھا بلکہ مکہ میں نہیں جہاں اطراف و اکناف سے آنے والے ان کے مخالف و موافق سب جمع ہوتے بلکہ خود مدینہ میں بھی ایسی ہی تقریریں کرتے کیونکہ وہاں ان کے مخالفوں کی تعداد حضرت معاویہؓ کے مخالفوں سے زیادہ تھی مدینہ سے اپنا دار الخلافہ کوفہ کو منتقل کرنے کی بڑی وجہ یہ بھی ہوئی تھی؛ چنانچہ حضرت علیؓ

ہی کے زمانۂ اقتدار میں اہل مدینہ بقیہ علاقہ حجاز کی طرح حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے اس لئے کہ تمام اہل فکر اس صورت حال سے بددل تھے، جو سبائیہ کی وجہ سے حضرت علیؓ کے علاقہ میں رونما تھی، اسی البدایہ والنہایہ میں جو مودودی صاحب کا ماخذ ہے حضرت علیؓ کی تقریروں کے ایسے فقرے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا بھی ان سے ناراض تھی اور رعایا سے بددل تھے شاید ہی کسی حاکم با اختیار نے جھنجھلا کر ایسی تقریریں اپنے آدمیوں کے سامنے کی ہوں گی، جیسی حضرت علیؓ نے بارہا اہل کوفہ کے سامنے کیں مثلاً البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۱۲) میں ان کی تقریر کا یہ فقرہ درج ہے، جو راوی نے یہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن شریف اٹھا کر اپنے سر پر رکھا پھر فرمایا "خدا وندا میں ان سے بھر پایا اور یہ مجھ سے بھر پائے ان سے نفرت ہے اور انہیں مجھ سے پھر دعا مانگی کہ خداوندا ان لوگوں کے بدلے میں مجھے ان سے اچھے لوگ دے اور میرے بدلے ان کو وہ شخص دے جو مجھ سے بدتر ہو"۔

امیر المومنین معاویہؓ نے اپنی حکمت عملی اور طرز حکومت پر جس فردتی اور انکسار سے اپنی تقریر کے فقرات میں روشنی ڈالی اور بتایا کہ وہ تینوں خلفاء ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی راہ چلنے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتے تو یہ ان کی مومنانہ تواضع تھی، ورنہ حقیقتاً علم سیاست کا معمولی طالب علم بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ ان کے وقت میں معاشرت کا ماحول بدل چکا تھا اس وقت صرف مہاجرین و انصار ہی پر امت مشتمل نہ تھی، محض عرب عنصر ہی غالب نہ تھا بلکہ نئے نئے عناصر اسلام میں داخل ہو گئے تھے ضرورت متقاضی تھی کہ ماحول کے مطابق طرز عمل میں تبدیلی کی جائے اور وہ طریقے اختیار کئے جاتے جن سے اصول تو مجروح نہ ہوں لیکن اس نئے ماحول کے تقاضے بھی پورے ہوں، مودودی صاحب اور ان جیسے خیال کے لوگ کچھ بھی کہتے رہیں، لیکن اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قائد و امام کی حکمت اچھی طرح سمجھ لی تھی اور پوری طرح ان کے ہمنوا تھے اس موضوع پر ہم گزشتہ اوراق میں بھی روشنی ڈال چکے ہیں اور آئندہ بھی حقائق تاریخیہ سے مزید روشنی ڈالیں گے۔

رہا تلوار کے زور سے حکومت کرنا تو جیسا پہلے لکھا جاچکا ہے، تاریخ کا معمولی طالب علم
بھی جانتا ہے کہ خلافت کے حصول و استحکام کے لئے اسلام میں تلوار اٹھانے والی پہلی
شخصیت حضرت علیؓ کی ہے، ام المومنین صلوٰۃ اللہ علیہا اور طالبان قصاص خون عثمانؓ
کے مقابلے میں جانا جس کے نتیجے میں جنگ جمل پیش آئی، پھر اہل شام کے خلاف فوج کشی کرنا
آخر کس بات کا ثبوت ہیں حضرت معاویہؓ کا اقدام تو محض دفاعی تھا، حضرت علیؓ
کی شہادت کے بعد عالم اسلام میں کوئی ایسی ہستی ایسی نہ تھی جس پر سب امت
متفق ہوسکے، اس لئے حضرت معاویہؓ کی امامت و قیادت پر کل امت نے اتفاق
کیا، یہ اتفاق کسی مجبوری کے تحت نہ تھا اور نہ اس وقت کی امت کو طاقت کے بل
پر یا لالچ دے کر مغلوب کیا جاسکتا تھا، عراق کے مفسدین کی مختصر جماعت کا اس
وقت کوئی وزن نہ تھا۔

تاریخ کا جو بھی گہرا مطالعہ کرے گا، اور جذبات میں مودودی صاحب کی
طرح بہنے سے گریز کرے گا، اسے تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا، کہ امت میں حضرت علیؓ کو وہ
مقبولیت کبھی حاصل نہ ہوسکی جو حضرت معاویہؓ کو شروع سے آخر تک رہی، ہم اس
کے اسباب سے یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے، بلکہ صرف واقعہ دیکھتے ہیں اور وہ واقعہ یہ ہے
کہ جمل و صفین کے نتیجے میں حضرت معاویہؓ کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی گئی، اور
حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں عرب کے بڑے علاقے بغیر جنگ کے حضرت معاویہؓ کے تحت
چلے گئے، جنہوں نے اپنی فلاح شام کے ساتھ الحاق میں سمجھ لی، اس طرح حضرت علیؓ
کی شہادت کے وقت عراق کا چھوٹا سا علاقہ ان کے تحت رہ گیا تھا، باقی تمام عرب حضرت
معاویہؓ کا ہمنوا تھا، یہ وجہ ہے کہ ان کی خلافت پر امت نے اجماع کیا۔

مودودی صاحب کا یہ تصور باطل ہے کہ اگر ان کی بیعت نہ کی جاتی تو فتنہ وفساد
اور خون ریزی کا خوف تھا، اس لئے اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
بیعت کرلی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان صلوٰۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد
جو فتنے بپا ہوئے ان کے باوجود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ حضرت

علیؓ سے بیعت کر کے ان کی خلافت کو مضبوط بنا دیں کہ فتنے رفع ہوں، وہ اس بات کو کیسے برداشت کر لیتے کہ حضرت علیؓ کی آڑ لے کر وہ ٹولی سیاست اسلامیہ پر مستولی ہو جاتی جو ہر فساد کی ذمہ دار تھی۔ صحابہ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت اس لئے کی کہ اس مفسد ٹولی کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانے کی طاقت و صلاحیت صرف حضرت معاویہؓ میں تھی، وہ عملاً ثابت کر چکے تھے کہ کشتی امت کے ناخدا اس وقت صرف وہ بن سکتے ہیں۔

اگر اس وقت کی امت کو تلوار سے مغلوب کرنا ممکن ہوتا تو سوچنا چاہئے کہ حضرت علیؓ کی تلوار سے مغلوب کیوں نہ ہوتے اور ان کی بیعت کیوں نہ کی، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حضرت علیؓ کی بیعت سے گریز ہی اس لئے تھا کہ انہوں نے رائے عامہ کا خیال کئے بغیر تلوار اٹھائی اور اس کے نتیجہ میں سوائے کشت و خون کے اور کچھ حاصل نہ ہوا، آخر میں وہ رائے عامہ کی پذیرائی پر تیار ہوتے اور معاملہ ثالثی کے سپرد کر دیا مگر ثالثوں نے کئی مہینے کے غور و خوض کے بعد جو فیصلہ کیا وہ حضرت علیؓ کے خلاف تھا ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ثالثی نامہ ہونے پر ساری امت نے تو اطمینان کا سانس لیا تھا، مگر مفسد لوگ اس پر اتنے ناراض تھے کہ صفین سے بھی زیادہ ہولناک جنگ حضرت علیؓ کو اپنی پارٹی کی باغی ٹولی سے کرنی پڑی اور جنگ نہروان نے عملاً ثابت کر دیا کہ جن لوگوں میں حضرت علیؓ گھرے ہوتے تھے ان کے سامنے محض تخریب تھی اور تعمیر کا شائبہ بھی نہ تھا۔

تقررِ خلیفہ

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۵۷)

"خلافت راشدہ میں قاعدہ یہ تھا کہ کوئی شخص خود خلافت حاصل کرنے کے لئے نہ اٹھے اور اپنی سعی و تدبیر سے برسر اقتدار نہ آئے بلکہ لوگ جس کو امت کی سربراہی کے لئے موزوں سمجھیں اپنے مشورہ سے اقتدار اس کے سپرد کر دیں بیعت اقتدار کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا سبب ہو۔ بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کسی کوشش یا سفارش کا قطعاً کوئی

دخل نہ ہو لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ میں پوری
طرح آزاد ہوں اور جب تک کسی کو لوگوں کی آزادانہ رضا
مندی سے بیعت حاصل نہ ہو جائے وہ برسر اقتدار نہ آئے"۔

مودودی صاحب نے جو یہ کلیہ بیان کیا ہے کہ لوگ اپنے مشورہ سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں، اصولاً اس پہ کوئی اعتراض نہیں، خلافت کا انعقاد اکثر و بیشتر اسی طرح ہوتا رہا کہ اہل حل و عقد نے اس پہ اجماع کیا، سوائے چند خلفاء کے جنہوں نے بقول ابن حزم مغالبہ (غلبہ و تسلط) سے اقتدار حاصل کیا ان حضرات میں ابن حزم نے اپنی کتاب نقط العروس[1] میں سب سے اول نام حضرت علیؓ کا لیا ہے کیونکہ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کو جن جنیثوں نے قتل کیا تھا انہوں نے ہی حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کی اور حضرت طلحہ و زبیرؓ سے جبریہ بیعت کرائی تھی لوگوں نے اپنے مشورے سے ان کو برسر اقتدار نہیں کیا تھا۔

پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا انتخاب اہل مدینہ کے ایک غیر نمائندہ اجتماع میں محض ایک شخص کے بیعت کر لینے پر ہوا بعد میں اہل مدینہ اس پر متفق ہو گئے انعقاد بیعت کی اطلاع تمام مملکت اسلامیہ میں بھیجدی گئی اور سب مسلمان بلا جبر واکراہ اس بیعت میں داخل ہو گئے، اس پہلے خلیفہ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر محض اپنی صوابدید سے اپنا جانشین مقرر کیا، سربمہر فرمان پر اس جانشین کے لئے بیعت لی جس کی تجدید پہلے خلیفہ کے گزر جانے کے بعد فرمان کھولنے پر سب نے کر لی، مملکت اسلامیہ میں جب اس بیعت کی اطلاع سرکاری طور پر بھیجدی گئی تو سب امت نے بیعت کر لی، اس دوسرے خلیفہ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر محض اپنی صوابدید سے چھ آدمیوں کا نام تجویز کیا کہ وہ آپس

---

[1] اس کتاب کے دو قلمی نسخے میونخ کے کتاب خانہ میں تھے اور ایک قسطنطنیہ کی لائبریری میں میونخ کے نسخے کے مضامین کو پروفیسر زیبولڈ نے ۱۹۱۱ء میں ہسٹاریکل اسٹڈیز (غرناطہ) میں شائع کیا تھا۔

میں کسی ایک پر مجتمع ہو جاتیں، حضرت فاروق اعظمؓ کی وصیت میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں
کہ یہ چھ نام امت کے سامنے بطور امیدوار پیش کئے جاتیں، آپ نے اہل حل و عقد اہل
مدینہ کے سامنے بھی یہ نام رکھنے کا کوئی اشارہ نہیں کیا، فیصلہ تو ان چھ کو
آپ نے خود کرنا تھا ان میں سے تین نے اپنے نام واپس لے لئے، معاملہ بقیہ تین پر
آپڑا ان میں سے حضرت عبد الرحمٰن نے بھی اپنا نام واپس لے لیا اور بات حضرت عثمانؓ
اور حضرت علیؓ پر آن پڑی، اہل شوریٰ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ کو یہ اختیار دے دیا
کہ ان دونوں میں کسی کو نامزد کردیں (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۹ باب قصۃ البیعۃ)
حضرت عبد الرحمٰنؓ کی اپنی للہیت اور نفس بینی تھی کہ بطور خود فیصلہ کردینے کے بجائے
اہل مدینہ اور امراء عساکر سے فرداً فرداً استصواب کیا اور بہت بھاری اکثریت کی رائے کے
مطابق حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کردیا (صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۴۵ ص ۲۴۶
کتاب الاحکام) اور یوں بعد میں تمام عالم اسلام میں حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو گئی اور
متفق علیہ امام تسلیم کئے گئے، اس تمام کارروائی میں مودودی صاحب کے اس نظریے
کی کوئی علامت نظر نہیں آتی سوائے اجماع امت کے جو انعقاد خلافت کے بعد ہوا نہ کہ پہلے
اس طرح مودودی صاحب کا یہ نظریہ باطل ہو گیا کہ جب تک کسی کو لوگوں کی آزادانہ
رضامندی سے بیعت حاصل نہ ہو جائے وہ برسر اقتدار نہ آئے، اور یہ بھی کہ خلفاء راشدین
میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق برسر اقتدار آیا تھا، سوائے امیر المومنین عثمان
ذی النورینؓ کے اور کسی کے لئے عقد بیعت سے پہلے استصواب نہیں کیا گیا تھا، اور یہ
استصواب بھی محض مدینہ میں ہوا تھا، باقی دنیائے اسلام کا اس استصواب میں کوئی دخل
نہ تھا، اگر چھ ناموں کے دینے کے بجائے حضرت فاروق اعظمؓ کسی ایک صاحب کو نامزد فرما
جاتے تو اتنا استصواب بھی نہ ہوتا، اس وقت کی دنیا میں کہیں استصواب رائے کا اصول رائج
نہ تھا اور صدیوں بعد تک اس کا امکان ہو سکا کہ خلیفہ کے منتخب ہونے سے پہلے
تمام امت سے مشورہ کیا جائے اس وقت ایسے وسائل کہاں تھے کہ مملکت کے تمام
صوبوں کے لوگوں سے خلیفہ کے مسند خلافت پر رونق افروز ہونے سے پہلے رائے حاصل

کرلی جاتی، مودودی صاحب کے تصور کے تحت مثلاً امیر المومنین ہشامؒ کو خلیفہ منتخب ہونے کا حق نہ تھا جب تک اندلس سے لے کر مغربی پنجاب اور ترکستان سے لے کر سندھ تک کے لوگوں کی رائے اونٹوں گھوڑوں اور بادبانی کشتیوں میں سفر کرکے معلوم نہ کرلی جاتی اس زمانے میں رسل و رسائل اور نقل و حمل کے یہی ذرائع تو تھے۔ آج جو وسائل حاصل ہیں، ان کے ذریعہ بھی یہ کام آسان نہیں تو اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے اس کا امکان کہاں تھا، صحابۂ کرام جو علم و حکمت کے معلم تھے وہ ایسا تصور کیوں کرتے۔

علاوہ ازیں مودودی صاحب کے تصور کے مطابق خود صحابہ کرام بھی امت کے منتخب کردہ نمائندے نہ تھے، کیونکہ انہیں آئینی انتخاب کے ذریعہ مملکت اسلامیہ کے شہریوں نے یا ان کی متعدبہ جماعت نے یہ حق نہیں دیا تھا کہ وہ اہل حل و عقد کی حیثیت اختیار کرکے خلفاء کا انتخاب کریں گویا سیاسیات اسلامیہ میں جتنے اقدامات کئے گئے وہ مودودی صاحب کے زاویہ نگاہ سے سب غیر آئینی تھے، ماشاء اللہ کیا تجدیدی کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے اور کیا رسا آپ کی عقل ہے۔

اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اہل مدینہ کو اہل حل و عقد ہونے کا منصب خود بخود ملا تھا، کیونکہ وہ دعوت محمدیہ کے اولین علمبردار تھے ان کا یہ منصب اللہ تعالےٰ کا عطا کردہ ہے، کیونکہ قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اتباع کا حکم دیا ہے اور ان ہی کی راہ کو سبیل المومنین بنایا ہے، جس امر پر وہ مجتمع ہو جاتیں وہ ہی سنت ماضیہ ہے اس اجتماع پر حرف لانے والا یا ان کے اجماعی فیصلے کو غلط کہنے والا شخص گمراہ ہے اس بارے میں خدا اور رسول کے احکام صریح ہیں۔

الحاصل خلفائے ثلاثہ کا انتخاب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اہل مدینہ نے کیا، بعد میں کل امت نے اس پر اجماع کیا، البتہ مودودی صاحب نے یہ صریح غلط بیانی کی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد بھی اسی طریقے پر ہوا ان کا انتخاب ان باغیوں نے کیا جن کے ہاتھ متفق علیہ امام کے خون سے لتھڑے ہوتے تھے، ان کے

انعقاد بیعت کے بارے میں امت کسی وقت بھی متفق نہ ہو سکی حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر پہلی بیعت حضرت فاروق اعظمؓ نے کی، حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر پہلی بیعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کی، لیکن حضرت علیؓ کا ہاتھ جس نے پہلے پکڑا وہ اشتر نخعی تھا، قاتل امیرالمومنین عثمانؓ، خدا اور رسول کا باغی (طبری ج ۵ صفحہ ۱۵۵-۱۵۶) جو حسب فرمان نبوی اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار کر پھینک چکا تھا، کیا اس کا ہاتھ ان دونوں ہاتھوں کے برابر سمجھا جا سکتا ہے، اور پھر یہ بیعت ہوئی، اس حالت میں کہ امام المسلمین اور سید المحجوبین کی نعش بے گور و کفن پڑی ہے، اس کا گھر لوٹا جا رہا ہے، مسلمان اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھ سکتے اور جنت البقیع میں اسے دفن نہیں کیا جا سکتا۔ ع

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں

حضرت علیؓ کے بجائے اگر کوئی دوسرا غیر صحابی شخص اس طرح برسر اقتدار آتا تو اسے کبھی کا ختم کر دیا جاتا، لیکن پیچیدگی پیدا ہوئی حضرت علیؓ کی شخصیت کی بنا پر نیز اس لئے کہ چند صحابہ نے خواہ بمجبوری بیعت کر لی تھی، لیکن یہ بات پھر بھی اپنی جگہ قائم ہے جسے کسی دلیل سے رد نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کی آئینی حیثیت آخر وقت تک معرض بحث میں رہی، اگر جمہور صحابہ نے بیعت کر لی ہوتی تو پھر ثالثی کا سوال نہ تھا۔

مودودی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ "بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کوشش یا سفارش کا قطعاً کوئی دخل نہ ہو" سوائے حضرت علیؓ کے خلفائے ثلاثہ اور دوسرے خلفاء کے برسر اقتدار آنے میں ان کی اپنی کوشش یا سفارش کا کوئی دخل نہ تھا مودودی صاحب ہی کے ماخذ طبری (ج ۵ صفحہ ۳۶) میں بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے بعض ارکان شوریٰ کی رائے اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اپنے فرزند حسنؓ کو ساتھ لے کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے اس بیٹے کا جو رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور میرے چچا حمزہؓ کی جو قرابت تم سے ہے اس کا خیال رکھیے تمہارا کی کیونکہ ان حضرات میں سے کسی ایک شخص کی جو خلافت کے لئے منتخب ہوئے انہیں حضرت علیؓ کے اس طرز عمل پر کوئی اعتراض نہیں کہ انہوں نے اپنے

انتخاب کے لئے ہموار کرنے کی کوشش کی، یہ ریمارک تو مودودی صاحب کے مندرجہ بالا فقرے کے جواب میں کیا گیا ہے۔

شاہی جرس مودودی صاحب کو اموی خلفاء پر یہ بھی اعتراض ہے (ص۱۶۰) کہ وہ محافظ دستوں کے ساتھ نکلتے تھے، شاہی محلات میں رہتے تھے، شاہی جرس (BODY GUARD) ان کے محلوں کی حفاظت کرتے تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے جیسا علامہ ابن حزم نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ نہ کسی اموی خلیفہ نے اپنا کوئی لقب مقرر کیا نہ کوئی محل دمشق میں بنوایا، ان ہی مکانوں میں رہتے رہے، جن میں خلافت پر فائز ہونے سے پہلے رہتے تھے، ان کی معاشرت اسی سادگی سے رہی جو عرب سادات کی خصوصیت تھی، رہا حرس کا معاملہ تو مودودی صاحب کا مقصد چونکہ محض اعتراض ہے، واقعات سے آنکھیں بند کرکے جو چاہا لکھ دیا، حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ پر عین نماز کی حالت میں قاتلانہ حملہ کیا گیا، اس کے باوجود کوئی شخص یہ کہے کہ انہیں محافظ دستے کے بغیر نکلنا چاہئے تھا یا ان پر لازم تھا کہ اپنی حفاظت کا انتظام نہ کریں تو اس سے زیادہ جاہل و ناداں کون ہوگا، کیا کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ فاروق اعظم امت میں مقبول ترین شخص نہ تھے یا حضرت معاویہؓ پر اہل شام جان نہیں چھڑکتے تھے ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمی اپنی قوم میں کتنا ہی مقبول ہو پھر بھی دشمنوں سے حفاظت ضروری ہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جب ایک رات آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہرہ دیا تھا آپ نے انہیں دعا دیتے ہوئے یہ ہی تو فرمایا تھا، اللھم احفظ ابا ایوب کما بات یحفظنی آپ کے حراس مختلف اوقات میں حضرت زبیر، محمد بن سلمہ، سعد بن معاذ، سعد بن ابی وقاص، ذکوان بن عبد قیسؓ، عباد بن بشر وغیرہم رہے تھے، آیت شریفہ واللہ یعصمک من الناس کے نزول کے بعد ترک الحرس ہوا تھا۔

رعیت کے حالات

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۰)

"یہ اپنی رعیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہ اپنے ماتحت کارپردازوں کے محتاج ہو گئے، جن کے ذریعہ سے کبھی کسی حکومت کو بھی صحیح صورت احوال کا علم نہیں ہو سکا ہے اور رعیت کے لئے بھی ممکن نہ رہا کہ بلا توسط ان تک اپنی حاجات اور شکایات لے کر جا سکیں، یہ طرز حکومت اس طرز کے بالکل برعکس تھا جس پر خلفائے راشدین حکومت کرتے تھے، وہ ہمیشہ عوام کے درمیان رہے، جہاں ہر شخص ان سے آزادی کے ساتھ مل سکتا تھا وہ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہر شخص ان کا دامن پکڑ سکتا تھا، وہ پانچوں وقت عوام کے ساتھ انہی کی صفوں میں نماز پڑھتے تھے"

گویا مودودی صاحب یہ چاہتے ہیں کہ مثلاً امیر المومنین ہشام کا تمام وقت اس میں صرف ہو کہ اندلس سے لے کر مغربی پنجاب تک اور ترکستان سے لے کر سندھ تک پیدل سفر کرتے رہتے اور ایک ایک گھر پہ جا کر احوال دریافت کیا کرتے کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں کیونکہ کارپردازوں کے ذریعہ صحیح حال کبھی معلوم ہی نہیں ہو سکتے!! کیا مودودی صاحب بھی ہر کوچہ و بندر میں اپنی تنظیم کے احوال معلوم کرنے کے لئے اسی طرح پاؤں میں چکر رکھتے ہیں۔

پھر سوال ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے تو صرف مدینہ کے بازار میں یا ساری مملکت کے بازاروں میں! اور یہ کون کہتا ہے کہ خلفاء اسلام پانچوں وقت مسجد میں جا کر نماز ادا نہیں کرتے تھے، مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ خلفاء راشدین "عوام کے ساتھ انہی کے ساتھ ان ہی کی صفوں میں نماز پڑھتے تھے"! تو کیا انہیں فقہ کا یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ امام صفوں میں نہیں بلکہ صفوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے خلفاء اسلام عموماً حج کے موقع پہ امامت حج کے فرائض انجام دیتے تھے اور تاریخ بھری پڑی ہے کہ کس طرح دنیائے اسلام کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی شکایات بیان کیا کرتے تھے

اور یہ کون کہتا ہے کہ خلفائے اسلام رعایا کے احوال سننے کے لئے کھلے اجلاس میں نہیں بیٹھتے تھے دارالمظالم کا محکمہ قائم ہی اس لئے ہوا کہ تنگ بے رحمی لوگ ایسے مقدمات ان کے روبرو پیش کریں جن کے فیصلے عدالتوں میں نہ ہو سکے ہوں، ایک بڑی کتاب چاہئے ہزار برس کے اس قسم کے واقعات کی حقیقت بیان کرنے کے لئے۔

آزادی رائے مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی آزادی چھین لی گئی تھی اور کہا ہے۔

(صت ۱۶۳) کہ انہوں نے حجر بن عدی کو قتل کرایا اور انہیں زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں اونچے درجہ کا" شخص بتایا ہے حالانکہ امام بخاری اور دوسرے بزرگوں نے انہیں تابعی بتایا ہے، بعض ایسے بھی ہیں جو انہیں صحابہ میں شمار کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں صغار صحابہ میں کہا جا سکے گا، اور انہیں قتل کرایا ہے، حضرت معاویہؓ امیرالمومنین نے جو ان کے احوال سے زیادہ واقف تھے، انہیں معلوم تھا کہ وہ اموی خلافت کے مخالف ہیں اور وہ کوفہ میں دینی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے جو عہد فاروقی سے کوفہ کے امراء کے بارے میں ان لوگوں نے برپا کر رکھی تھی اور عہد عثمانی میں ان کی شرارتیں حد کو بڑھ گئی ہیں، مودودی صاحب نے یہ غلط کہا ہے جھوٹوں کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت زیادؓ منبر پر حضرت علیؓ کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ جو برسوں حضرت علیؓ کے بہترین رفقہ میں تھے اور ان کی عظمت ان کے دل میں اتنی تھی کہ ان کی شہادت کے بعد بھی وہ حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے میں رکے رہے تو وہ یہ فضول اور بیکار کام کیوں کرتے

امام ابن سیرینؒ نے بیان کیا ہے کہ امیر زیادؒ نے خطبہ ذرا طویل کر دیا تو حجر اور ان کے ساتھیوں نے شور مچایا اور ان پر کنکریاں پھینکیں، اس کی شکایت انہوں نے امیرالمومنین معاویہؓ کو کی، حالانکہ شرعاً وقانوناً وہ خود انہیں پوری سزا دے سکتے تھے مگر یہ ان کا تدبر تھا کہ ان کا معاملہ بارگاہ خلافت میں بھیج دیں، وہاں پوری تحقیقات کے بعد انہیں قتل کیا گیا؛ کیونکہ ان سے ایسی حرکتیں سرزد ہوئی تھیں جن سے ان کے باغیانہ اور مفسدانہ عزائم کا پتہ چل گیا تھا، ان کے جن ساتھیوں پر جرم ثابت نہیں ہوا انہیں چھوڑ دیا گیا، دنیا کی کوئی حکومت اس حرکت کو برداشت نہیں کر سکتی جو حجر اور ان کے

جتنے کی تھی (ملاحظہ ہو العواصم من القواصم ص ۲۱۲ تعلیقہ)

قانون سے بالاتر؟

مودودی صاحب فرماتے ہیں ص ۱۷۵ (
"حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کیا۔ ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرہ میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دوران خطبہ میں اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا، حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا، مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔"

یہ بیان ابن اثیر اور ابن کثیر یعنی ساتویں آٹھویں صدی کے مصنفوں کا ہے جبکہ تاریخ پوری طرح مسخ ہو چکی تھی اور تحقیق روایات کا کام انتہائی عرق ریزی چاہتا تھا۔ قدماء کی ..... کوئی تحریر پیش کی جاتی تو ہم بھی سوچتے کہ بات کیا تھی۔

بہر حال روایت کی موجودہ صورت ہی پیش نظر رکھ کر ہم مودودی صاحب کے تفقہ اور "شرعی قانون" کے علم کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ مودودی صاحب نے شاید قرآن مجید کی اس آیت کا شان نزول پڑھا ہو "لا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا" (جو تمہیں سلام کرے اس کو یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں یا تجھے امان نہیں) حضرت اسامہؓ نے ایک شخص کو کافر حربی سمجھ کر قتل کر دیا حالانکہ اس نے سلام کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت ناراض ہوئے اور مقتول کی دیت ادا کر دی، مگر حضرت اسامہؓ سے قصاص نہیں لیا۔

اسی طرح حضرت خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تھا اور اس کے اظہار اسلام کو وقعت نہیں دی بلکہ مرتد جانا۔ حضرت فاروق اعظمؓ

کا اصرار تھا کہ حضرت خالدؓ سے قصاص لیا جاتے، لیکن حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ منظور نہیں کیا اور مقتولوں کی دیت ادا کردی۔ وجہ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں حالات ہنگامی تھے اور مقابلہ دشمنان ملت سے تھا، اور سامنا ایسے فتنوں کا تھا جو پوری امت کے لئے انتہائی خطرناک تھے ایسی صورت میں حکومت کے کارکن سے اگر کوئی اجتہادی غلطی ہوجاتے اور وہ جرم بغاوت یا دشمنی دین کا القصور قائم کرکے کوئی سخت قدم اٹھالے تو اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کا مقصد رفع فتنہ ہوتا ہے۔

اب سوچنا چاہئے کہ امیر عبداللہ بصرہ میں مسجد کے منبر پر کھڑے ہیں یعنی فرض الٰہی بجالینے میں خود امیر المومنین کی نمائندگی کررہے ہیں، ایسے وقت میں ان پر کنکری پھینکنا معمولی بات نہیں ہے، ایک پولیس کا سپاہی بھی جب اپنا فرض منصبی ادا کررہا ہو تو اس کی بے حرمتی کو خود حکومت پر حملہ سمجھا جاتا ہے، چہ جائے کہ امیر کے ساتھ یہ گستاخی کی جائے۔ دنیا کی کوئی حکومت ایسی حرکت برداشت نہیں کرسکتی اور سوائے بغاوت اور فتنہ پروری کے اسے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا یہ شخص تو واجب القتل تھا۔ امیر نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا کہ صرف ہاتھ کاٹ دیا، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عراق اس وقت شورہ پشت لوگوں کا مرکز تھا اور بصرے کی اس حیثیت سے خاص اہمیت تھی، وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی کے جو ہولناک نتائج سامنے آتے تھے ان کا تقاضا یہی تھا کہ سختی ہی سے کام لیا جاتے اگر روایت صحیح ہے تو امیر المومنین معاویہؓ نے بالکل سنت کے مطابق کام کیا اور اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ اپنے امراء کو قانون سے بالا سمجھنا چاہتے تھے جب وہ خود قانون کے پابند تھے تو امراء کو اس سے بالا کیسے سمجھ سکتے تھے، قرآن حکیم میں تو صاف حکم ہے۔

انما جزاؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتے اور زمین میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں ان کی سزا یہی تو ہے کہ انہیں قتل کیا یا سولی دی جاتے یا

تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض	ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دئے جائیں یا انہیں شہر بدر کردیا جائے۔

اگر واقعی ایسا ہوا تو قرآن کی مقرر کردہ سزاؤں میں سے ہلکی سزا دی گئی
یہ مودودی صاحب کا حضرت امیر زیادؓ پہ اتہام تو وہ قطعاً بے اصل ہے
اگرچہ کسی کتاب کا ہو، مودودی صاحب کہتے ہیں (ص۱۶۷)

"زیاد کو حضرت معاویہؓ نے بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر کیا اور جب پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لئے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پہ کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پہ کنکر پھینکے، اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کروا دئے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کرا کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دئے، کوئی مقدمہ ان پہ نہ چلایا گیا، کسی عدالت میں وہ پیش نہ کئے گئے کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی، گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطع ید کی سزا دے ڈالی جس کے لئے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا، مگر دربار خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔

مودودی صاحب کا یہ بیان از سر تا پا کذب محض ہے اور اگر دیانت سے انہوں نے غور کیا ہوتا تو یہ مذموم لہجہ اختیار نہ کرتے: اصل صورت حال یہ ہے کہ جیسا کہ امام ابن سیرینؒ نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے (العواصم ص۲۱۲) کہ امیر زیادؒ نے خطبہ ذرا طویل کر دیا تو حجر بن عدی نے کہا "نماز پڑھئے" لیکن امیر زیادؒ نے اپنی تقریر جاری رکھی اس پہ حجر اور ان کے ساتھیوں نے ان پہ کنکریاں پھینکیں امیر زیادؒ نے اس کی اطلاع امیر المومنین معاویہؓ کو کی آپ نے حکم دیا ان سب لوگوں کو

آپ کی خدمت میں بھیجدیا جاتے، حجر بن عدی ذاتی فضائل کے باوجود اموی خلافت کے خلاف تھے اور شیعی خیال رکھتے تھے۔ ان کا وہاں ایک جتھہ تھا جو خلافت کے سلسلے میں خفیہ سازشیں کیا کرتا تھا اور اپنی شورہ پشتی پر قائم تھا، مورخوں نے اس طبقہ کی کارستانیاں کافی تفصیل سے دی ہیں، مگر ہمارا مقصود اس تفصیل میں جانا نہیں، ہم تو یہاں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جب حکومت کے مخالفوں کا ایک گروہ موجود ہو اور وہ انقلاب بپا کر کے قدیم اختلال واپس لانا چاہتا ہو تو وہ جتھہ اس قابل تھا کہ امیر زیادؒ اس کے خلاف سخت کارروائی کرتے مگر انہوں نے یہ آئینی طریقہ اختیار کیا کہ ان کے احوال بارگاہ خلافت میں بھیج کر ہدایت طلب کی اور ساتھ ہی وہ گواہ بھی بھیجے جو حجر اور ان کے ساتھیوں کی حرکتوں سے واقف تھے، حضرت امیر المومنین نے تحقیقات کر کے ان لوگوں کو قتل کرا دیا جو فتنے کے بانی تھے اور باقی لوگوں کو چھوڑ دیا، ان مقتولوں میں حجر بھی ہیں طبقے کے اعتبار سے وہ تابعی تھے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے؛ لیکن لوگوں نے اپنے خاص مقاصد کے تحت انہیں صحابی باور کرانا چاہا ہے اور بعض حضرات انہیں ان روایات کی بنا پر صحابی کہنے بھی لگے، بلکہ جلیل القدر صحابی اگر وہ واقعی صحابی ہوں تب بھی وہ امت کے ایک فرد ہی تھے، جس کی قیادت امیر المومنین معاویہؓ کے سپرد تھی ان کا فرض تھا کہ وہ امت میں فتنے کا سبب نہ بننے دیں۔

اب سوچنا چاہئے کہ امیر زیادؒ اتنی اہم اور کھلی ہوتی فتنہ پردازی کے باوجود جب خود کسی تادیبی کارروائی سے پرہیز کریں اور اپنے امام کے حکم کے بغیر کسی اقدام سے انہیں گریز ہو تو وہ یہ کیسے کر سکتے تھے کہ بتیس سے بے گناہ آدمیوں تک کے ہاتھ کٹوا دیں۔

دربار خلافت یا سے نوٹس اس قصے نہیں لیا گیا کہ ایسا واقعہ ہی نہیں ہوا تھا اور نہ ہو سکتا تھا، اس صورت حال سے قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح روایتیں وضع کی گئی ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے؛ وہ کس طرح ان روایتوں پر تکیہ کر کے بزعم خویش اپنا یہ مقام سمجھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور خلفاء پر طعن کریں، البتہ یہ دونوں روایتیں جو مودودی صاحب نے بیان کی ہیں ہیچ محض ہیں۔

حضرت بسر رضی اللہ عنہ

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۱۷۶)

"اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بسر بن ابی ارطاۃ نے کئے جسے حضرت معاویہ نے پہلے حجاز یمن کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکالنے کے لئے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لئے مامور کیا تھا، اس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباس کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا . . . . . اس کے بعد اس ظالم شخص کو حضرت معاویہ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جو اس وقت حضرت علیؓ کے قبضے میں تھا، وہاں اس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلم عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں انہیں لونڈیاں بنا لیا، حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں، یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔"

یہ ذکر اس زمانہ کا کیا جا رہا ہے جب حضرت علیؓ کی خلافت قائم تھی، عراق اور ایران کے تمام علاقے پوری طرح ان کے قبضے میں تھے اور اگر وہ چاہتے تو لاکھوں فوج مہیا کر سکتے تھے، پھر یہ وہ وقت تھا کہ سیکڑوں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، اور یہ اس امت کا حال بیان ہو رہا ہے جس نے اس سے پہلے اور اس کے بعد جانبازی اور سرفروشی کی کسی مہم سے منہ نہ موڑا، جس کا ہر بالغ شخص مسلح تھا اور ماہر حرب وضرب۔

مودودی صاحب کے نزدیک تو غالباً حجاز و یمن غیر مسلح شہریوں کے وہ قصبے تھے، جنہیں چند ہزار آدمیوں نے مل کر تاراج کر دیا اور ہمدانیوں کا قبیلہ شاید سو دو سو معذور لوگوں پر مشتمل تھا جو ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ذبح کر دئے گئے، جب عقل پر تعصب کے پردے پڑ جاتے ہیں تو آدمی بے سوچے سمجھے ایسی ہی فضول و لایعنی باتیں کیا کرتا ہے۔

مودودی صاحب نے تو ساتویں آٹھویں صدی کے مصنفین کی ضخیم کتابیں پڑھی ہیں۔
کہیں ان میں ان عظیم الشان معرکوں کا تذکرہ ملا جس سے معلوم ہو کہ یمن اور حجاز میں حضرت
بسرؓ کے خلاف گھمسان کی لڑائی ہوتی۔ یمن تو اس وقت بھی ہمارے سامنے ہے، اور
موجودہ آلات حرب کے باوجود برس ہو گئے لیکن وہاں امن قائم نہ ہو سکا اور متحارب
گروہوں میں تصادم جاری ہے تو حضرت بسرؓ کے ہاتھوں میں کونسی طاقت تھی جو حجاز و
یمن اس طرح ان کے قبضے میں آ گئے اور ہمدانیوں کو اس آسانی سے تہ تیغ کر دیا گیا۔
حقیقت یہ ہے کہ حجاز و یمن کے باشندے اپنی مرضی سے حضرت معاویہؓ کے ساتھ
ہو گئے تھے، ورنہ تمام طاقت صرف کرنے کے بعد بھی برسوں میں یہ علاقے فتح نہ کر سکتے مودودی
صاحب نے عربوں کو اور ودبھی اس وقت کے عربوں کو کیا سمجھ رکھا ہے جو اس قسم کے
سفیہانہ تاثرات پیدا کرنے کی سعی لاحاصل میں مشغول ہیں۔
رہا حضرت بسرؓ کا حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کے بچوں کو قتل کرنا تو
یہ محض ہوائی بات ہے، جس میں کوئی اصلیت نہیں، تعجب ہوتا کہ طبری اور مسعودی
اور مودودی ان بچوں کے لئے جو تڑپ رکھتے ہیں وہ تڑپ ہمیں ان بچوں کے والد
ماجد اور چچا اور بھائیوں میں کہیں نظر نہیں آتی، ہاشمیوں کی کسی مجلس میں کبھی اس
مذکور کا مودودی صاحب کوئی حوالہ دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ سبائیوں کی
وضع کردہ روایت ہے اور اس پروپگنڈے کا جز ہے، جو امیر المومنین معاویہؓ ان
کے امراء اور اموی خلفاء کے متعلق کیا گیا ہے۔

اب ہم آتے ہیں اس بہتان اور افتراء خالص کی طرف جو مودودی
صاحب نے پانچویں صدی کی ایک تصنیف سے دیا ہے: حضرت بسرؓ نے اگر یہ حرکت
کی ہوتی کہ ہمدانیوں کی خواتین کو لونڈیاں بنا لیں تو کیا اصحاب رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم چپکے رہتے یا حضرت خال المومنین معاویہؓ باز پرس نہ کرتے ان خواتین کو
لونڈیاں بنانے میں کونسی "سیاسی مصلحت" تھی جو اس کے بغیر پوری نہ ہو سکتی تھی
اس وقت تک حضرت معاویہؓ کو خلافت نہیں ملی تھی، ان کی "سیاسی مصلحت" تو اس میں

تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنوا بناتی، ایسی حرکتوں سے وہ اپنے آپ کو مبغوض بناتے یا مقبول؟ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ حضرت معاویہؓ کو جو چاہیں کہیں انہیں احمق اور نا سمجھ کہنے کی تو جرأت نہیں کر سکتے، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ روایت کذب محض اور افتراء خالص ماننی ہوگی، یا پھر یہ سمجھنا ہوگا کہ اگر ایسا واقعہ ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمدانیوں کو مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں کی طرح مرتد جانا، جن کی عورتوں کو باندیاں بنانا جائز سمجھا اور اس حرکت کے باوجود حضرت معاویہؓ کی امامت پر اجماع کر لیا۔

مودودی صاحب کو تعصب میں غرق ہونے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ ان کی اس تحریر سے کیا نتائج مرتب ہوں گے، حضرت بسرؓ سے ظلم و جہالت کے ان افعال کا ہزارواں حصہ بھی سرزد ہوا ہوتا تو عرب کی رائے عامہ حضرت معاویہؓ کے خلاف ہو جاتی، سب کے سب حضرت علیؓ کی طرف ڈھل جاتے اور یہ وہ قوت ہوتی کہ معاویہؓ اس کا مقابلہ نہ کر سکتے لیکن ہوا اس کے خلاف، رائے عامہ روز بروز حضرت معاویہؓ کی طرف ڈھلتی چلی گئی، اور بڑے بڑے علاقے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل کر حضرت معاویہؓ کے ہم نوا ہو گئے۔

حضرت بسرؓ کی ان خیالی چیرہ دستیوں کا خیال رکھتے وقت البدایہ والنہایہ (ص ۳۲۵:۷) حضرت علیؓ کا خطبہ حضرت بسرؓ کے بارے میں دیکھ لیا ہوتا، جس کی سند ہے الاعمش عن عمرو بن مرۃ بن عبد اللہ بن الحارث عن زہیر بن

الارقم قال خطبنا علی یوم الجمعۃ فقال نبئت ان بسرا قد طلع الیمن وانی واللہ لاحسب ان ہؤلاء القوم سیظهرون علیکم وما یظهرون علیکم الا بعصیانکم وطاعتهم امامهم وعصیانکم امامکم وامانتهم

حضرت علیؓ نے جمعہ کے دن ہمارے سامنے تقریر کی اور فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر اب یمن میں آ گئے ہیں، اور بخدا مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ تم پر غالب آ جائیں گے اور ان کے اس غلبے کا سبب ہوگا تمہارا اپنے امام کی نافرمانی کرنا اور

ما فسادکم فی ارضکم وما صلاحهم

ان کا اپنے امام کی اطاعت کرنا تمہاری خیانت اور ان کی امانت تمہارا اپنی زمین میں فساد کرنا اور ان کا اصلاح کرنا۔

کہاں حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت بسرؓ اور ان کے ساتھیوں کی تعمیری جدوجہد کی مدح وستائش اور کہاں مودودی صاحب کی یہ فقرہ بازی وتہمت تراشی حضرت بسر بن ارطاۃؓ صحابی وراوی حدیث پر!

قانون کی بالاتری کے خاتمے کا اتہام

مودودی صاحب نے اپنی تحقیق کی نقاب کشائی کرتے ہوئے امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء کرام سے اپنی عداوت کا بھی دیکھئے کس ڈھٹائی سے مظاہرہ کیا ہے " خلافت و ملوکیت کا فرق " اور ذیلی سرخی ہے " قانون کی بالاتری کا خاتمہ " اس کے تحت حضرت معاویہؓ و دیگر خلفاء کی بابت یہ اتہام لگایا ہے کہ وہ اپنے مقاصد سفلی بر لانے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کر جاتے تھے، حتیٰ کہ حلال و حرام کی بھی تمیز روا نہ رکھتے تھے پھر ایک ذیلی سرخی قائم کی ہے۔

" حضرت معاویہ کے عہد میں " اس کے تحت لکھتے ہیں (ص ۱۷۳)

" یہ پالیسی بھی حضرت معاویہ کے عہد سے شروع ہو گئی تھی امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا نہ مسلمان کافر کا، حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آکر اس بدعت کو موقوف کیا، مگر ہشام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ نے سنت کو بدل

دیا سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی، مگر حضرت معاویہؓ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔"

عدالت اور دیت کا تعلق شریعت سے ہے اور ایسے قضیئے عدالت میں طے ہوتے ہیں حضرت معاویہؓ نے بقول مودودی صاحب یہ بدعت جاری کی اور احکام شرعیہ کو پس پشت ڈال کر ایسے قانون بنائے تو ظاہر ہے کہ عدالتوں میں فیصلے امیرالمومنین کے حکم کے مطابق ہی ہوتے ہوں گے، اس وقت بلکہ پورے اموی دور میں مملکت اسلامیہ میں محکمہ قضاء عموماً صحابہ کرام کے سپرد کیا جاتا تھا اور ہر عہد کے قاضیوں کے اسماء گرامی صفحات تاریخ میں مرقوم ہیں، تو گویا مبتدع محض حضرت معاویہؓ نہیں بلکہ وہ سب اصحاب رسول خدا ہیں، جنہوں نے سنت کے خلاف یہ فیصلے کئے۔ یعنی سب نے دین سے منہ موڑ لیا تھا اور انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ خدا اور رسول کے احکام کیا ہیں اور یہ "بادشاہ" کیا چاہتا ہے اب اگر ان قاضیوں نے فیصلے احکام شرعیہ کے مطابق کئے تو حضرت معاویہؓ کے سنت بدل ڈالنے کا اثر امت پر کیا؟ کیا "معاویہ کا دین" محض اکبر کا دین الٰہی بن کر رہ گیا تھا کہ دربار سے باہر اس کا کہیں ذکر نہ ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کا دل مسخ ہو جاتے تو اسے اپنی زبان و قلم پر قابو نہیں رہتا اور اسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ مآل کیا نکلے گا۔

اہل علم کے نزدیک اس شخص سے زیادہ جاہل اور حکمت دینیہ سے بے بہرہ کوئی نہیں جو فقہی مسائل میں اپنے مذہب کو عین حق جانے اور دوسرے کو باطل کہے، علماء فقہ و حدیث اگر مودودیت کا رنگ اختیار کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت اور صحابہ کرام کے دامن سے وابستہ امت کبھی کی متقیاد و متحارب فرقوں میں بٹ چکی ہوتی اور ہم اس کی یہ شان نہ پاتے کہ ایک مذہب کا مجتہد دوسرے مذہب پر فتویٰ دے اور ہر مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب کے ائمہ کو اپنا امام و مقتدا جانیں اور سب سے یکساں عقیدت و محبت ہو۔

البدایہ والنہایہ فقہ کی کتاب نہیں ہے، جہاں فقہی مسائل کی تنقیح کی جاتی ہے

اور صحابہ و ائمہ کے مذاہب اور ان کے اختلافات سے بحث ہوتی ہے، مودودی صاحب کو سلامت روی سے کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو سوچتے کہ وراثت و دیت کا تعلق علم فقہ سے ہے اور اس کے لئے کتب فقہ دیکھنی چاہئے، مگر انہیں تو حضرت معاویہؓ جیسے صحابی جلیل مجتہد عظیم اور صاحب مذہب امام کو مبتدع اور محدث ثابت کرنا تھا۔

اب ہم قارئین کرام کو فقہ کی بلند پایہ کتاب المغنی پر متوجہ کرتے ہیں جو المختصر کی تشریح ہے، اس کے مصنف ہیں امام ابن قدامہؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) جو حنبلی المذہب ہیں لیکن ائمہ کے اختلافات پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور جو اپنے وفور علم تفقہ اور خدا شناسی میں یکتائے روزگار تھے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں دیکھنا ایسا تھا کہ جیسے کسی صحابی کو دیکھ لیا، ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) سے بہر حال وہ اقدم و اعلم و افقہ ہیں، وہ فرماتے ہیں (المغنی ج ۶ ص ۲۹۴)

اجمع اهل العلم على ان الكافر لا يرث المسلم۔ وقال جمهور الصحابة والفقهاء لا يرث المسلم الكافر يروى هذا عن ابى بكر وعمر وعثمان وعلى واسامة بن زيد وجابر رضى الله عنهم وبه قال عمرو بن عثمان وعروة والزهرى وعطاء وطاؤس والحسن وعمر بن عبد العزيز وعمرو بن دينار والثورى وابو حنيفة واصحابه ومالك والشافعى وعامة الفقهاء وعليه العمل وروى عن عمر ومعاذ ومعاوية

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ کافر ایک مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا اور جمہور صحابہ اور فقہاء کا قول ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، یہ قول حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے رضی اللہ عنہم، یہی بات حضرت عمرو بن عثمان، حضرت عروہ، حضرت زہری، حضرت عطاء حضرت طاؤس، حضرت حسن (بصری) حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت عمرو بن دینار، حضرت ثوری حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب

رضی الله عنهم انهم ورثوا المسلم
من الكافر ولم يورثوا الكافر
من مسلم. وحكي ذلك عن محمد
بن الحنفية وعلي بن الحسين
وسعيد بن المسيب ومسروق
وعبد الله بن معقل والشعبي
والنخعي ويحيى بن يعمر واسحاق
وليس بموثوق به عنهم

حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور
عام طور پر تمام فقہاء نے کہا ہے اور اسی
پر عمل ہے، لیکن حضرت عمر، حضرت
معاذ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے
یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو
تو کافر کا وارث بنا دیا مگر کافر کو مسلمان کا
وارث تسلیم نہیں کیا، یہی بات حضرت
محمد بن الحنفیہ، حضرت علی بن الحسین
حضرت مسروق، حضرت عبداللہ بن معقل
امام شعبی، امام نخعی، حضرت یحییٰ بن یعمر
اور حضرت اسحاق کی بابت بھی کہی گئی ہے
لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت
معتبر نہیں۔

مودودی صاحب اگر یہ بیان پڑھ کر قلم اٹھاتے تو اس گمراہی میں مبتلا نہ ہوتے کہ صحابہ
کرام اور خلفاء اسلام کو دین سے بے بہرہ بتائیں اور کہیں کہ انہیں حلال و حرام کی تمیز نہ
تھی، حضرت معاویہؓ کے متعلق اگر بقول ابن کثیرؒ کسی طرح یہ ثابت ہو جاتے کہ "سنت
کے خلاف" انہوں نے مسلم کو کافر کا وارث بنا دیا تو اس بارے میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ
حضرت فاروق اعظمؓ حضرت معاذؓ اور حضرت علیؓ کے بیٹے پوتے بھی اسی مذہب
پر ہیں، اگر یہ نعوذ بدعت ہے جسے امیر المومنین عمر ثانیؒ نے موقوف کیا اور پھر امیر المومنین
ہشامؒ نے بحال کر دیا تو کیا مودودی صاحب میں ہمت ہے کہ ان تمام بزرگوں کو بھی
مبتدع اور مخالف سنت قرار دیں، جن میں حضرت علی بن حسینؓ ان کے بیٹے
پوتے بھی سب شامل ہیں۔؟

اسی طرح دیت کا مسئلہ ہے المختصر کے الفاظ میں یوں ودیۃ الحر الکتابی

نصف دية الحر المسلم ونساؤهم على النصف من دياتهم (یعنی یہودی
اور نصرانی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور ان کی عورتوں کی دیت
ان کے مردوں کی دیت سے نصف) اس کی توضیح میں امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں

المغنی ج ۷، ص۷۹۳

هذا ظاهر المذهب وهو مذهب
عمر بن عبد العزيز وعروة
ومالك وعمرو بن شعيب
وعن احمد انها ثلث دية
المسلم الا انه رجع عنها فان
صالحا روى عنه انه قال
كنت اقول دية اليهودي و
النصراني اربعة آلاف وانا
اليوم اذهب الى نصف دية
المسلم۔

ظاہر مذہب یہی ہے اور یہی مذہب عمر بن
عبد العزیز، عروہ، مالک، اور عمرو بن
شعیب کا ہے، امام احمد سے مروی
یہ ہے کہ اس کی دیت ایک مسلم کی
دیت سے تہائی ہوتی ہے، مگر یہ
کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا
چنانچہ صالح ان سے روایت کرتے ہیں
کہ انہوں نے فرمایا میں کہا کرتا تھا
کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار
ہزار درہم ہے۔ لیکن اب میرا مذہب یہ ہے
کہ وہ مسلم کی دیت سے نصف ہوتی ہے

پھر فرماتے ہیں۔

وقال علقمة ومجاهد والشعبي
والنخعي والثوري وابو حنيفة
ديته كدية المسلم وروي ذلك
عن عمر وعثمان وابن مسعود
ومعاوية رضي الله عنهم
وقال ابن عبد البر هو قول سعيد
بن المسيب والزهري المروي عمر

حضرت علقمہ، حضرت مجاہد، امام شعبی، امام
نخعی، امام ثوری اور امام ابو حنیفہ فرماتے
ہیں کہ "اس کی دیت ایک مسلم کی دیت
کی برابر ہوتی ہے" یہ روایت حضرت
عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود اور
حضرت معاویہ سے ہے، رضی اللہ عنہم۔
ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہی قول حضرت

بن شعیب عن ابیہ عن جدّہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: دیۃ الیہودی والنصرانی مثل دیۃ المسلم۔

سعید بن مسیب اور حضرت زہری کا بھی ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت ایک مسلمان کی دیت ہی کے برابر ہوتی ہے

ان کے مقابلے حضرت امام شافعیؒ نے الام میں فرمایا ہے (ج ۷ صفحہ ۱)

فقضی عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضی اللہ عنہما فی دیۃ الیہودی والنصرانی بثلث دیۃ المسلم۔

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے یہودی اور نصرانی کی دیت کے بارے میں مسلمان کی دیت سے تہائی کا فیصلہ دیا۔

مودودی صاحب کو شاید کچھ غیرت ہو کہ معاہد کی دیت کو مسلمان کی دیت کا نصف قرار دینا امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کا مذہب ہے جنہیں مجدد بنا دیا گیا ہے گویا مودودی صاحب کے نظریے سے صحابہ نے دین غارت کر دیا اور ان تابعی صاحب نے اسے بدعتوں سے پاک کیا، اسی لئے حضرت معاویہؓ جیسے امام جلیل اور باقی خلفاء کے مقابلے میں انہیں خلیفہ راشد کہا جاتا ہے اور اس کی دیت مسلمان کی برابر قرار دینا انہی امیر المومنین معاویہ صلوٰۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جو مودودی صاحب کے نزدیک جاہلیت کے امام ہیں۔ رہا ابن کثیرؒ کا یہ بیان کہ معاہد کی نصف دیت اس کے رشتہ دار کو ملتی تھی اور نصف خود حضرت معاویہؓ لیا کرتے تھے اور مودودی صاحب نے ان کی اصلی عبارت بھی حاشیہ میں نقل کی ہے یہ: وکان معاویۃ اول من قصرھا الی النصف واخذ النصف لنفسہ (معاویہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے (ذمی کی دیت) کو آدھا کر دیا اور باقی نصف رقم خود لینی شروع کر دی)

یہ بات اگر ثابت ہو جاتے تو پھر اس کے معنی یہ ہوتے کہ تمام عالم اسلام کی عدالتوں

میں یہی معمول تھا، کم از کم بیس برس ضرور رہا، یعنی حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں اور بعد میں بھی رہا ہوگا، کیونکہ اموی خلافت میں عموماً حضرت امام معاویہؓ کی پیروی کی جاتی تھی، تو پھر اسے بدعت کہنے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ یہ تو اصطلاح فقہ میں سنت ہوگئی، کیونکہ صحابہ کرام کا معمول رہا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ معاہد کی دیت ہے تو اتنی ہی جتنی ایک مسلمان کی مگر یہ تقسیم ہوگی دو حصوں میں، ایک حصہ اس ولی الدم کو ملے گا جس سے مقتول خون کا رشتہ رکھتا ہو اور نصف ملے گا امام المسلمین کو جو ہر ذمی کا حقیقی ولی الدم ہے اور ہر ذمی اسی کے ذمہ پر اسلام میں زندگی بسر کرتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ کہنا نہیں ہے کہ واقعی حضرت معاویہؓ کا یہ معمول تھا کیونکہ اگر ہوتا تو امام ابن قدامہؒ اس کا ذکر ضرور کرتے اور موطا، صحیح بخاری اور صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی یہ مذکور ہوتا، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت گفتگو کرتے وقت الفاظ کے استعمال میں احتیاط لازم ہے ورنہ انہیں مبتدع یا دین سے بے تعلق کہنے والے کو اپنی انجام کی فکر کرنی چاہئے۔

ایک خیالی مکروہ بدعت

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۷۴)
"ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں بر سر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اپنے خاندان کی اس روایت کو بدلا"

ماشاءاللہ کیا منطق کشی ہے اور کیسی سعادت مندی کا ان صاحب نے مظاہرہ کیا ہے، جو اپنے آپ کو حضرت علیؓ کی اولاد میں بتا کر نسبت نبی پر فخر کرتے ہیں، حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنر شریعت اور اخلاق سے اگر مودودی صاحب کے خیال میں بیگانہ تھے تو ان ہاشمیوں کو کیا ہوا تھا جو اپنے کانوں سے "حضور کے محبوب ترین عزیز" پر سب وشتم گوارا کرتے تھے، آج اس گئے گزرے زمانے میں کوئی باحمیت شخص یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے بزرگوں کو اس کے سامنے گالیاں دی جائیں تو قرن اول کے یہ ہاشمی سادات کیا دینی حرارت اور عربی حلاوت سے اتنے عاری ہو گئے تھے کہ مسجد نبوی میں اور منبر رسول پر روضۂ نبوی کے سامنے حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنروں کی یہ حرکت برداشت کر لیں اور معاملہ محض ہاشمیوں کا نہیں ہے بلکہ ان تمام صحابہ کرام کا بھی ہے، جو مدینے میں رہتے تھے اور مسجد شریف میں نماز کے لئے آتے تھے اب صرف دو ہی صورتیں ہیں۔

۱۔ یا تو ان سب بزرگواروں کے نزدیک حضرت علیؓ واقعی اس کے مستحق تھے کہ ان پر لعن وطعن ہو اور معاذ اللہ یہ بھی جانتے تھے کہ نماز کی برکات اس وقت تک مرتب نہیں ہو سکتیں جب تک اس "تبرا شریف" کی تلاوت نہ کر لی جائے۔

۲۔ یا پھر یہ سب صحابہ کرام جنہوں نے جان ومال کی بازی لگا کر اس دین کی آبیاری کی تھی اور ساری دنیا سے جنگ مول لے کر سر کٹانے کھڑے ہو جاتے تھے، ان سب نے دین سے منہ موڑ لیا تھا، دنیا میں پھنس گئے تھے اور غیرت وحمیت سب کو خیرباد کہہ کے نیکی بدی کی تمیز اٹھا دی تھی۔

اگر یہ دونوں باتیں ایک مومن کے تصور میں نہیں آسکتیں اور جس شخص کو قرن اول کے مسلمانوں کے کردار کا ادنیٰ علم بھی ہے وہ ان خرافات کو باور نہیں کر سکتا تو پھر سیدھی اور صاف بات یہی سمجھی جا سکتی ہے کہ ایسی تمام روایتیں دشمنان صحابہ کی وضع کردہ ہیں اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو چاہتے ہیں کہ یہ امت اپنے اسلاف کرام سے برگشتہ ہو کر دعوت محمدیہ کے فروغ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

مودودی صاحب نے اسی البدایہ والنہایہ میں یہ بھی دیکھا ہوگا (ج ۸ صفحہ ۱۵۰)

فلما استقرت الخلافۃ لمعاویۃ کان الحسین یتردد الیہ مع اخیہ الحسن فیکرمہما معاویۃ اکراماً زائداً و یقول لہما مرحباً و اھلاً و یعطیہما العطاء الجزیل و قد اطلق لہما فی یوم واحد مائتی الف۔

جب حضرت معاویہ کی خلافت قائم ہو گئی تو حضرت حسین مع (اپنے برادر بزرگ) حضرت حسن کے ان کے پاس جایا کرتے تھے اور حضرت معاویہ ان کی تعظیم و تکریم اس سے زیادہ کیا کرتے، انہیں خوش آمدید کہتے اور بیش قرار عطیہ پیش کرتے ایک ہی وقت میں انہیں دو لاکھ درہم دیئے

یہی بات حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن جعفرؓ حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب اور محمد بن علی بن ابی طالب اور دوسرے بنو ہاشم کے متعلق بھی ہے کہ یہ حضرات برابر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے؛ جہینوں ان کے مہمان رہتے اور عطیات جزیلہ سے نوازے جاتے، حضرت ابن جعفرؓ اور حضرت ابن ربیعہؓ سے تو تعلقات اتنے شگفتہ تھے کہ کیا کہیئے، حضرت ابن ربیعہؓ تو مستقل طور پر دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وفات کے وقت امیر المومنین یزیدؓ کو اپنا وصی بنایا تھا (جمہرۃ الانساب ابن حزمؒ صفحہ البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۱۱)

عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بن ھاشم صحابی انتقل الی دمشق و لہ بھا دار فلما مات اوصٰی الی یزید بن معاویۃ وھو امیر المومنین و قبل وصیتہ۔

عبد المطلبؓ بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب بن ہاشم صحابی ہیں، دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہاں ان کا ایک گھر بھی ہے جب انہوں نے وفات پائی تو یزید بن معاویہؓ کو وصیت کی جو اس وقت امیر المومنین تھے اور انہوں نے ان کی وصیت قبول کی۔

کیا کوئی سلیم العقل شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ ہاشمی سادات ایسی عقوبت میں

دمشق جاتے امیر المومنینؓ کے مہمان رہتے اور ان کے عطایا قبول کرتے اور یہ نہ پوچھتے کہ یہ وہ شخص ہے جو حضرت علیؓ پر خطبوں میں لعنت ملامت کراتا ہے، مودودی صاحب کے خیال میں خود حضرت معاویہؓ بھی یہ حرکت کرتے تھے تو کیا مسجد نبوی کی طرح جامع دمشق میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ یہ حضرات جمعہ کی نماز میں سامنے بیٹھے ہوں اور امیر المومنین خطبہ میں ذکر الٰہی اور وعظ و نصیحت کی بجائے حضرت علیؓ پر لعنت ملامت کریں؟ صحیح ہے کہ اموی سادات حضرت علیؓ کے چنداں معتقد نہ تھے اور اس کے اسباب قدرتی ہیں، لیکن اس کے معنی یہ کیسے ہو گئے کہ وہ انہیں منبروں پر گالیاں دیتے تھے صحاح میں ایسی کوئی چیز ہمیں نہیں ملتی جو احوال امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت کے نتیجے میں پیش آئے اور اس سلسلے میں کبھی کچھ ذکر ہوا تو ممکن ہے کسی اموی والی کی زبان سے کچھ نکل جاتا ہو، لیکن اسے وظیفہ بنانا کس طرح ممکن تھا، ایک واقعہ صحیح بخاری میں ہمیں اس قسم کا ملتا ہے کہ امیر نے منبر پر ایک تقریر کے دوران حضرت علیؓ کو ابو تراب کہہ کر یاد کیا (صحیح بخاری ج ۲ ص [illegible] مناقب حضرت علی، طبع مصر)

ان رجلا جاء الى سهل بن سعد فقال هذا فلان لامير المدينة يدعو عليا عند المنبر قال فيقول ماذا قال يقول له ابو تراب فضحك قال والله ما سماه الا النبي صلى الله عليه وسلم وما كان له اسم احب اليه منه.....

ایک صاحب سہل بن سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صاحب جو امیر مدینہ تھا انہوں نے منبر کے قریب حضرت علی پر نام رکھا، آپ نے فرمایا کیا کہا؟ انہوں نے عرض کیا کہ انہیں ابو تراب کہتے تھے، تو آپ ہنس پڑے اور فرمایا بخدا یہ نام تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ہے اور اس سے زیادہ محبوب انہیں اور نام نہ تھا۔

یا ایسی ہی ایک بات صحیح مسلم میں ملتی ہے (ج ۲ ص [illegible] طبع مصر) کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا ما منعك ان تسب ابا التراب "آپ کو اس

بات سے کیا چیز مانع ہے کہ آپ ابو تراب پر طعن کریں؟ یہ سن کر حضرت سعدؓ نے ان کے فضائل بیان کئے تو حضرت معاویہؓ چپ ہو گئے، اور بھی ایسی باتیں ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ خطبوں میں یہ لعنت ملامت کی جاتی تھی، ویسے اگر احتمال کا جائزہ لیا جائے تو جس بے لگامی کا مظاہرہ مودودی صاحب جیسے لوگ حضرت معاویہؓ کی جناب میں کرتے ہیں ایسی کوئی بات امویوں کی بابت ثابت نہیں کی جاسکتی، علیؓ و معاویہؓ دونوں صحابی و کاتبان وحی تھے، سیاسی معاملات میں اختلاف ہونا الگ بات ہے لیکن صحابیت کا احترام تو اہل سنت سب صحابہ کا ملحوظ رکھتے ہیں۔

حضرت علیؓ کا ساتھ

کتاب الاستیعاب کے حوالے سے مودودی صاحب کہتے ہیں (شمارہ ص۱۳۵)

"ابراہیم نخعی کی روایت ہے کہ مسروق بن الاجدع حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ کیوں شریک ہوتے تھے"

یہ مسروق بن الاجدع تو صحابی بھی نہیں تابعی ہیں، جیسا خود ابن عبدالبر مولف الاستیعاب نے بھی تصریح کردی ہے، اکابر صحابہ کے اقوال کے مقابلے میں ان کے قول کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا، بعض اکابر صحابہ کے اقوال ہم صحیح بخاری کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں، یہاں ہم پھر صحیح بخاری ہی کے حوالے سے ایک اور جلیل القدر صحابی سہیل بن حنیفؓ کا قول نقل کرتے ہیں جو بدری ہیں، حضرت علیؓ کے ساتھ تھے ان کی طرف سے بصرہ کے عامل بھی رہے تھے وہ اور ان سے روایت کرنے والے تابعی ابووائل شقیق بن سلمہ، ساری عمر افسوس کرتے رہے کہ وہ کیوں صفین میں حضرت علیؓ کی جانب سے شریک ہوتے (صحیح بخاری ج ۴ ص۲۳ طبع مصر) وہ فرماتے ہیں۔

ما وضعنا سیوفنا علی عواتقنا الی | "ہم نے کسی پریشان کن بات کیلئے تلواریں

امیر یقظنا الا اسھلن بنا الی امیر نعرفہ غیر ھذا الامر قال وقال ابو وائل شھدت صفین وبئست صفون

اپنے کندھوں پر نہیں رکھیں مگر انہوں نے ہمارے لئے اس انجام تک پہنچنا آسان کردیا جو ہماری سمجھ میں آتا تھا سوائے اس معاملے کے (راوی یعنی اعمش) کہتے ہیں کہ ابو وائل نے فرمایا میں صفین میں شریک ہوا اور بری تھی یہ صفون (صف بندی کی جگہ)

رہی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی ندامت تو وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہونے پر نہ تھی کیونکہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے اور ان کی طرف سے مصر کے والی بھی ہوئے یہ ندامت خانہ جنگی کی شرکت ہی کی بناء پر تھی جیسا اور صحابی شرکاء جنگ جمل وصفین کو عمر بھر رہی۔

سروں کی نمائش

مودودی صاحب کہتے ہیں صـ۱۶۷)

یہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر حضرت معاویہؓ کے پاس لایا گیا، اور دو آدمی اس پر جھگڑ رہے تھے، ہر ایک کہتا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے

اس کے بعد وہ سراسر عمرو بن الحمق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انہوں نے حصہ لیا تھا زیاد کی ولایت عراق کے زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے، وہاں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے، تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے۔ اس نے حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق بھیج دیا، وہاں اسے بر سر عام گشت کرایا گیا اور پھر لے جاکر ان کی بیوی کی

گود میں ڈال دیا گیا۔

ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں محمد بن ابی بکر کے ساتھ کیا گیا جو وہاں حضرت علیؓ کے گورنر تھے، حضرت معاویہؓ کا جب مصر پر قبضہ ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔!!

حضرت عمارؓ کا سر

مودودی صاحب نے جو واقعہ حضرت عمارؓ کے سر کا مسند احمدؒ سے بقول خود "صحیح سند" کے ساتھ نقل کیا ہے اور دو حدیثوں کا حوالہ دیکر اپنی دانست میں اسے قوی تر بنانے کی کوشش کی ہے اس بارے میں یہ چند باتیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں۔

۱۔ یہ حدیثیں دو یا تین چار نہیں بلکہ ایک ہی ہے اور ایک ہی سلسلہ روایت ہے یعنی یہ حدیث غریب ہے جس کی توثیق دوسری کسی طرف سے نہیں ہوتی اس لئے غریب حدیث چنداں لائق اعتناء نہیں۔

۲۔ مدار اس حدیث کا ہے، اسود بن مسعود پر جس کے متعلق امام ذہبی کہتے ہیں۔ لا یدری من ھو دیتہ نہیں یہ کون ہے، ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں البتہ یہ لکھ دیا ہے کہ اسے ابن معین نے پہچان لیا اور کہا یہ ثقہ تھا، بہرحال جہاں تک راویوں کا تعلق ہے ثقہ نام دیکھ کر اگر قوی کہہ لیا جائے پھر بھی یہ حدیث غریب رہے گی اور قابل استدلال تسلیم نہیں کی جائے گی، کیونکہ روایتاً یہ محقق ہے سب سے پہلے دیکھنا چاہئے اس حدیث کا متن یعنی

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یزید ثنا العوام حدثنی اسود بن مسعود عن حنظلۃ بن خویلد العنبری قال بینما انا عند معاویۃ اذ جاءہ رجلان یختصمان فی راس عمار یقول

ہم سے عبد اللہؒ نے بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں مجھ سے میرے والد احمد حنبلؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے یزید (بن ہارون) نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں عوام نے بتلایا وہ کہتے ہیں مجھ سے اسود بن مسعود نے حنظلہ بن خویلد العنبری

كل واحد منهما انا قتلته فقال عبد الله بن عمرو ليطب به احد كما نفسا لصاحبه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم تقتله الفئة الباغية قال معاوية فما بالك قال ان ابى شكانى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اطع اباك مادام حيا ولا تعصه فانا معكم ولست اقاتل۔

کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے تھے میں حضرت معاویہؓ کے پاس تھا کہ اتنے میں دو آدمی (حضرت) عمارؓ کے سر کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے، دونوں میں سے ہر ایک کہتا تھا کہ: "انہیں قتل میں نے کیا ہے۔" اس پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ تم میں سے ایک کو چاہئے کہ بخوشی دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جائے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ: "انہیں (یعنی عمارؓ کو) باغی گروہ قتل کریگا" حضرت معاویہؓ نے فرمایا تو پھر تم خود ہمارے ساتھ کیوں ہو؟ انہوں نے کہا میرے والد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ جب تک تمہارے والد زندہ ہیں ان کی اطاعت کرتے رہنا اور نافرمانی مت کرنا اس لئے میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں مگر لڑتا نہیں۔

۱۔ ظاہر ہے کہ حنظلہ بن خویلد راوی جن کی آنکھوں دیکھا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت معاویہؓ کے پاس اسی حالت میں ہو سکتے تھے جب وہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کے کیمپ میں موجود رہ کر برسرپیکار ہوئے ہوں تو کیا کوئی ثبوت اس کا پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان سن کر وہ حضرت معاویہؓ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت علیؓ کے پاس ان کے کیمپ میں چلے آئے تھے اور اگر وہ شروع

پہلے سے حضرت علیؓ کے ساتھ تھے تو عین ہنگامہ قتال میں وہ حضرت معاویہؓ کے پاس کیسے پہنچ گئے؟

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے آنحضور کا ارشاد تو بیان کردیا مگر جو عذر پیش کیا وہ ان جیسے فقیہہ کو زیب نہیں دیتا، اپنے والد کی اطاعت کی تکمیل تو اسی صورت میں ممکن تھی کہ قتال میں حصہ لیتے، کیونکہ ان کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ قصاص خون عثمان سلام اللہ علیہ کے سلسلے میں اہل کوفہ سے قتال واجب جانتے تھا علاوہ ازیں ایک گروہ کے ساتھ ہونا اور لڑائی میں بھی اسی کی طرف رہنا یہ خود ایسی بات تھی کہ انہیں بھی فئہ باغیہ میں شامل رہنے سے حضرت عمارؓ کے قاتلوں میں ماننا پڑے گا، وہ محض تلوار چلانے سے گریز کرکے فئہ باغیہ میں ہونے سے بچ نہیں سکتے۔

۳۔ جب حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو اپنے قول کے مطابق حضرت عمارؓ کے مقتول ہوجانے پر قطعی وحتی طور پہ معلوم ہوگیا کہ باغی ٹولی کونسی ہے تو حسب فرمان خداوندی فقاتلوا التی تبغی (جو گروہ باغی ہوجائے اس سے قتال کرو) ان پر فرض ہوگیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہوکر حضرت معاویہؓ سے قتال کرتے، لیکن ایسا انھوں نے نہیں کیا بلکہ بدستور حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد بھی حضرت معاویہؓ کی طرف سے مصرؔ کے والی رہے، مصر ہی میں فوت ہوئے جہاں ان کا مزار ہے یعنی اپنی بیان کردہ حدیث کے مطابق جہاں انہوں نے فرمان نبوی کی پابندی نہیں کی اللہ تعالے کا صریح حکم بھی پس پشت ڈال دیا حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا شمار فقہاء صحابہ میں ہے، یہ حدیث اگر قبول کرلی جائے تو ان جیسے صحابی کا تفسق صریح ہوجاتا ہے لہذا اس حدیث کو الحاقی ماننا ہوگا۔

دو فوجیں جب ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوتی ہیں ان کا مقصد محض فوجی کرتب دکھانا ہی نہیں ہوتا بلکہ مارنے مرنے کے لئے میدان میں نکلتی ہیں اور حریف کو شکست دینے کے لئے سب کچھ کرتی ہیں، بعد میں فریقین خون ریزی پر کتنے ہی منفعل کیوں نہ ہوں، جیسا کہ صحابہ کرام ساری عمر جمل و صفین میں اپنی شرکت پر استغفار کرتے رہے کیا مودودی

صاحب کسی طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت عمارؓ کا سر جب حضرت معاویہؓ کے پاس آ گیا تھا تو اس سر کا پھر کیا ہوا، کیا یہ سر حضرت علیؓ کے کیمپ میں واپس کر دیا گیا، واپس کر دیا گیا تو لانے والوں کے ساتھ کیا حال ہوا، واپس نہیں کیا گیا تو حضرت علیؓ نے اپنے ساتھی جلیل القدر صحابی کے سربریدہ لاش کے جنازے کی نماز کیا بغیر سر کے پڑھ کر دفن کر دیا تو پھر اس سر کا کیا ہوا، بغیر جسم کے کسی اور جگہ دفن ہوا تو کہاں؟ حضرت معاویہؓ نے قساوت قلب اور جاہلیت کے تحت اسے واپس نہیں کرایا تھا تو حضرت معاویہؓ کے صحابی ساتھیوں نے اسے کیسے برداشت کر لیا؟ علاوہ ازیں صفین کے شہداء میں حضرت علیؓ کی طرف سے دوسرے صحابہ بھی تو تھے، ان کے سر کیوں نہ کاٹے گئے اور ان کی نمائش کیوں نہ کی گئی، حضرت عمارؓ ہی کی کیا خصوصیت تھی، مودودی صاحب کے پاس کوئی ادنیٰ دلیل بھی اس کی نہیں ہو سکتی کہ صفین کے شہداء کی بے حرمتی طرفین میں سے کسی نے کی ہو۔ حضرت عمار جس رتبہ کے تھے اسی درجے کے دوسرے حضرات بھی تھے، ان کا جذبہ و جوش ان سے کم نہ تھا، اگر اوروں کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوا ہوتا تو حضرت عمارؓ کے بارے میں بھی باور کر لیا جاتا، کیا مودودی صاحب بھی باقی صحابہ کو عمارؓ و مقدادؓ و سلمانؓ کے علاوہ کامل الایمان نہیں سمجھتے شاید اسی لئے ان کے سروں کی ان کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں۔

حضرت عمارؓ کا نام جہاں دوسرے معاملات میں لوگوں نے اپنے تخریبی عزائم کے تحت اچھالا ہے، وہاں حضرت معاویہؓ پر طعن کرنے کے لئے یہ افسانہ بھی گھڑ کر بیان کر دیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ جب تک قلب سلیم اور فکر تعمیری نہ ہو اس وقت تک روایات کا رد و قبول عادلانہ نہیں ہو سکتا، یہاں ہم نے مسند کی تین روایتوں پر غور کیا ہے ان میں سے ایک قدیم نسخے سے لی ہے، اور وہ یہی ہیں جن کا حوالہ مودودی صاحب نے دیا ہے، ان تینوں میں یزید بن ہارونؒ سے اوپر کی سند ایک ہی ہے اس کے باوجود ایک روایت (شمارہ ۹۲۹) میں حضرت معاویہؓ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی بات سن کر فرمایا "الا تغنی عنا مجنونک یا عمروؓ

"اے عمرو! کیا تم اپنے اس مجنون سے ہمیں بے نیاز نہیں کرو گے؟" ظاہر ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے اور اس نے بھی ایک ہی شخص سے جب ایک بات کہی تو الفاظ میں فرق کی کوئی وجہ نہ تھی، یہ ثبوت ہے اس کا کہ نیچے کے راویوں نے اس میں تصرف کیا ہے، گویا غریب ہونے کے ساتھ ساتھ اس روایت کا متن بھی غیر محفوظ ہے لہٰذا سنداً اور درایتاً اسے ناقابل قبول سمجھنا چاہئے، گزشتہ اوراق میں ہم بدلائل ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمارؓ کا جنگ صفین میں شریک ہو کر مقتول ہونا ایک افسانہ ہے۔ جو حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو باغی ٹولی قرار دینے کے لئے گھڑا گیا ہے، حضرت عمارؓ کو تو اسی باغی گروہ نے پہلے ہی قتل کر دیا تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو ظلماً شہید کیا تھا نہ وہ صفین کی جنگ میں شریک تھے اور نہ وہاں مقتول ہوئے، موضوع روایتوں کی بناء پر بعض محدثین کی کتابوں میں یہ روایت آگئی، حالانکہ کتاب وفاء الوفاء للسمہودی میں تو حدیث کے یہ الفاظ ہیں یا عمار لا یقتلک اصحابی تقتلک الفئۃ الباغیۃ (اے عمار تجھے میرے ساتھی (صحابی) نہیں قتل کریں گے (بلکہ) باغی گروہ تجھے قتل کرے گا)

عمرو بن الحمق

عمرو بن الحمق کے بارے میں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل کے وقت ان کے جسم پر کئی وار کئے تھے، مودودی صاحب کے بیان کی روایتیں بہت دلچسپ ہیں، جن میں پہلی بات ہے ان کی صحابیت کی تصریح کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے چند ہی دن پہلے اسلام لائے تھے اور بعض کے نزدیک یہ بھی مشتبہ ہے مودودی صاحب کا ان کی صحابیت کی یوں تصریح کرنا گویا ان کے نزدیک حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی ان کے مقابلے میں صحابی نہیں تھے اور کیا شہید اعظم حضرت امیر المومنین عثمان سلام اللہ علیہ بھی صحابی نہ تھے۔ اور اسی قابل تھے کہ انہیں ذبح کر دیا جائے، جنت البقیع میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ انہیں دفن نہ ہونے دیا جائے، اور ایسی فضا قائم کر دی جائے کہ چند آدمی چھپ کر رات کے اندھیرے میں ان کی نماز جنازہ پڑھ کر یہودیوں کی ایک افتادہ زمین میں انہیں دفن کر دیں، جو لہجہ مودودی صاحب نے اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک

عمرو بن الحمق کا اپنے امام کے خلاف خروج کرنا اور اسے قتل کر ڈالنا بہت ہلکی سی بات تھی۔ ان کی صحابیت کی صراحت سے شاید وہ یہ تصور قائم کرنا چاہتے ہیں کہ اتنے بڑے جرم کے باوجود جو کتاب و سنت کے مطابق مثل ارتداد کے ہے، ان کی صحابیت کے سبب ان کے ساتھ رعایت ہونی چاہئے تھی، اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی بن صحابی اور امام المسلمین یہ حق نہیں رکھتے تھے کہ عمرو بن الحمق کو قتل کرنے کی یہ گستاخی کر سکیں۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ اس رتبے کے نہ ہوتے اور صحابیت کا شرف بھی انہیں حاصل نہ ہوتا تب بھی امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے انھیں کتاب و سنت نے یہ حق دیا تھا کہ متفق علیہ امام کے خلاف شورش بپا کرنے والے قاتلین میں سے ایک ایک شخص کو سخت ترین اور عبرتناک سزا دیں۔

قانون کے نفاذ میں شخصیتیں نہیں دیکھی جاتیں نص قطعی ہے (النساء ۱۲۳) مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (جو برا کام کرے گا سزا پائیگا) ارشاد نبوی ہے (صحیح بخاری ج ۲، صفحہ ۱۰۰۳، کتاب الحدود) وَلَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ يَدَهَا (اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انکا ہاتھ کاٹ ڈالتے) چوری اور زنا اور دوسرے کبائر کا ارتکاب امام کے خلاف خروج کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس کے بارے میں جو وعیدیں ہیں کیا وہ مودودی صاحب کی نگاہ سے نہیں گزریں یا ان کے نزدیک دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی برہمنی نظام ہے جس میں یہ دیکھا جائے کہ نسب یا طبقے کے اعتبار سے چونکہ فلاں شخص برہمن ہے لہذا وہ بغاوت کریگا تو اسے مجاہد کہیں گے اور دوسرا شخص یہ حرکت کریگا تو باغی کہلائیگا۔

عمرو بن الحمق یا دوسرے صحابی جو حضرت امیر المومنین عثمانؓ یا کسی دوسرے متفق علیہ امام کے خلاف خروج کے مرتکب ہوئے۔۔۔ وہ شخصی حیثیت سے ہمارے نزدیک کیسے ہی محترم ہوں ان کے معاملے کو ہمیں قوانین شرعیہ کے تحت دیکھنا چاہئے اور ائمہ اسلام کے حقوق کا لحاظ کر کے بات کرنی چاہئے ۔۔ ان حضرات پر خلفاء اسلام کا یہ احسان ہے کہ انھیں قتل کر دیا گیا اور یہ قتل ان کے جرم عظیم کا کفارہ ہو گیا۔ ورنہ خروج علی الامام کا وبال ابدی

گردن پر لے جاتے۔

مودودی صاحب کے بیان میں دوسری دلچسپ بات ہے سر کا بیوی کی گود میں ڈالنا یعنی جب بیوی صاحبہ کو اطلاع ہوئی کہ ان کے خاوند قتل کر دیئے گئے اور ان کا سر لایا جا رہا ہے تو مجلس عزا منعقد کر کے چار زانو بیٹھ گئیں کہ نامحرم لوگ بغیر اجازت گھر میں آ کر ان کے خاوند کا سر انکی گود میں ڈالدیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب ملاحظہ ہو ان عمروؓ کے بارے میں مودودی صاحب کے ڈرامائی بیان کے مقابلے میں ان کے معتمد مصنف ابن اثیرؒ کا بیان (الکامل ترجمہ بعنوان خلافت بنوامیہ حصّہ اول سالہ تا سلہ کے واقعات۔ مترجم ہیں محمد جمیل الرحمان پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، طبع نفیس اکیڈمی کراچی، صفحہ)

بعض دیگر اشخاص کی طرح مترجم صاحب بھی شاید یہ سمجھتے تھے کہ عمرو بن الحمق صحابی نہیں تھے چنانچہ لہجہ ملاحظہ ہو۔۔۔۔ ترجمہ کرتے ہیں۔

"عمرو بن الحمق کا یہ ہوا کہ وہ رفاعہ بن شداد کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے موصل پہنچا اور دونوں وہاں ایک پہاڑی میں روپوش ہو گئے۔ عامل موصل کو انکی خبر ہو گئی۔ وہ ان کی طرف روانہ ہوا اور وہ دونوں اسکے مقابلے کو نکلے۔ عمرو کو استسقا ہو گیا تھا اور وہ اپنی حفاظت پر قادر نہ تھا۔ مگر رفاعہ جوان اور مضبوط شخص تھا، اس نے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر عمرو کی طرف سے بھی لڑنا شروع کیا۔ عمرو نے کہا تمہارا میرے لئے لڑنا مجھے کچھ فائدہ نہ دیگا۔ تم اپنی جان بچاؤ۔ مگر عمرو گرفتار ہو گیا انھوں نے (یعنی سپاہیوں نے) اسے عامل موصل یعنی عبدالرحمان بن عثمان ثقفی معروف بہ ابن الحکم خواہرزادہ امیر معاویہ کے پاس بھیجدیا انہوں نے اسے پہچان لیا۔ اور اس کے بارے میں امیر معاویہ کو خط لکھا۔ انہوں نے لکھا "اس شخص نے حضرت عثمانؓ پر ایک دراز پیکان تیر کے نو وار کئے تھے۔ تم بھی اس کو اسی طرح تیروں سے چھید دو جس طرح اس نے

حضرت عثمانؓ کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ اسے باہر نکال کر اسی طرح تیروں
کا نشانہ بنا دیا گیا۔ مگر وہ پہلے یا شاید دوسرے ہی تیر میں مر گیا۔"

یہ دونوں افسانے یعنی وہ جو مودودی صاحب نے ابن سعد وغیرہ کے حوالے سے
لکھا ہے یا یہ جو ابن اثیر نے یہاں درج کیا ہے، دونوں قطعی باطل اور وضعی ہیں۔
اصل صورت حال یہ ہے کہ عمرو بن الحمق نہ عراق میں تھے اور نہ موصل میں۔ وہ مصر میں
تھے اور وہیں قتل ہوئے۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے عمرو مذکور کو صحابی جان کر تقریب التہذیب
میں ان کے متعلق لکھا ہے صحابی سکن الکوفۃ ثم مصر قتل فی خلافۃ معاویۃ
(وہ صحابی ہیں کوفہ میں بسے اور پھر مصر میں معاویہؓ کی خلافت میں قتل کئے گئے) ہمیں
یہ حوالہ دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اسکی صریح دلیل موجود ہے یعنی مصر میں
عمرو بن الحمق کا مدفن ہے۔ مودودی صاحب چاہیں تو کتابوں کی ورق گردانی کی
بجائے اپنے کسی "صالح" معتقد کے ذریعے دریافت کر سکتے ہیں۔ قارئین کرام کو اسکا
اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تاریخ اسلام کے بارے میں کیسی کیسی ہوائی باتیں وضع کی گئی
ہیں، اور جیسے جس کے جذبات تھے ویسی ہی روایت اس نے وضع کر کے چپکا دی
مودودی صاحب نے "بغض معاویہ" کے جذبے سے ان واہی روایتوں پر اعتبار کر لیا۔

محمد بن ابی بکر

مورخین کی اکثریت کا بیان ہے کہ امیرالمومنین عثمانؓ کو شہید کرنے
کیلئے محمد بن ابی بکر ہی ایک متصلہ مکان میں سے اپنے ساتھی
قاتلوں کو لے کر کاشانۂ خلافت میں داخل ہوا۔ اور جاتے ہی حضرت عثمانؓ کی ریش
مبارک پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اور جب اس نور مجسم نے فرمایا "بھتیجے تمہارے والد اگر تمہیں اس
حال میں دیکھتے تو پسند نہ کرتے" اس پر محمد شرمندہ ہو کر ہٹ گئے اور استغفار
کرتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔ لیکن انکا یہ استغفار خدا اور بندوں کے نزدیک کارآمد
اس وقت ہوتا جب اپنے ساتھیوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے، وہ نہ ہٹتے تو
امیرالمومنین کے دفاع میں ان سے قتال کرتے اور مدد کے لئے باہر کے لوگوں کو آواز
دیتے تاکہ یہ ظلم عظیم نہ ہوتا جس نے ہمیشہ کے لئے فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ بعض

روایتوں میں صراحتاً بیان ہے کہ انہی محمد نے پہلا وار حضرت عثمانؓ پر کیا تھا۔

ابن ابی بکرؓ کا جو استغفار بیان کیا جاتا ہے وہ محض زبانی تھا اور انکی بعد کی زندگی میں استغفار کا کوئی اثر نہیں ملتا۔ وہ پوری طرح سبائی گروہ کے پھندے میں پھنس چکے تھے اور اس گروہ نے انھیں اسی لئے تاکا تھا کہ بے تدبیر اور مغلوب الغضب ہونیکے سبب انھیں ان کے ذریعہ کار برآری کی توقع تھی جو ہر طرح پوری ہوئی۔ مصر کے والی حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کی جگہ نیا والی منتخب کرنے کا جب سبائیوں نے مطالبہ کیا تو بجائے کسی پختہ کار صحابی کے ان لوگوں نے انہی محمد کا نام لیا تھا۔ کیونکہ حضرت مروانؓ اور حضرت امیرالمؤمنین عثمان صلوات اللہ علیہ کو مطعون کرنے کیلئے انھوں نے جعلی خط والیٔ مصر کے نام وضع کیا تھا اور ترکیبیں کی تھیں کہ وہ غلام قاصد پکڑا جائے اور محمد کے سامنے اُسے پیش کرکے مشتعل کر سکیں۔ ان بدبختوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت عبداللہؓ امیرالمؤمنین کے حکم سے مصر چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کے نام کوئی خط بھیجنے کا سوال ہی نہ تھا۔ اگر محمد کی جگہ کوئی اور سلیم الطبع بزرگ ہوتے تو اس کید عظیم کا شکار نہ ہوتے۔ مگر محمد کے ذریعہ ان لوگوں کا کام بن گیا۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہؓ کے مصر چھوڑ دینے کے بعد محمد بن ابی حذیفہؓ نے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا اور پھر انھیں معزول کرکے حضرت علیؓ نے قیس بن سعدؓ کو مصر کا والی بنا کر بھیجا اور انہوں نے غایت تدبر سے وہاں کا نظم ونسق درست کرکے حضرت علیؓ کی بیعت سب سے لے لی اور حضرت معاویہ بن خدیجؓ اور اس کے ہزار ساتھیوں کو بھی ہموار کر لیا جنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ اور ان سے یہ عہد کر لیا کہ اگر وہ کوئی شورش نہ کریں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ اور ان کے تمام حقوق بدستور ادا کئے جائیں گے۔ یہ حضرات مجتمع ہو کر خربتی میں پناہ گیر ہو کر بیٹھ رہے، تو سبائیہ نے حضرت قیس کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا اور مطالبہ کیا کہ انہیں معزول کرکے کسی دوسرے شخص کو بھیجا جائے۔ لیکن یہ دوسرا شخص انہیں

کوئی اور نہ ملا سوائے محمد بن ابی بکر کے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت پہنچتے ہی غیر مبایعین سے
جنگ چھیڑ دی۔ یہ حضرات مدافعت کرتے رہے مگر جب محمد بن ابی بکر کی چیرہ دستیوں سے
تنگ آگئے تو حضرت معاویہؓ سے مدد طلب کی۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ
کو فوجی امداد دیکر بھیجدیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے وہاں پہنچکر ابن ابی بکر کو تحریری پیغام بھیجا کہ وہ
اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور اس شریر گروہ کا ساتھ چھوڑدیں جنھیں کیفر کردار کو
پہنچانے کے لئے حضرت عمروؓ تشریف لے گئے۔ لیکن افسوس کہ عاقبت نااندیشی
کے سبب ابن ابی بکر نے اس مخلصانہ اور بزرگانہ نصیحت کی پرواہ نہیں کی۔ اور
مقابلے پر آکر شکست کھائی اور پھر بھاگ کر روپوش ہوگئے۔ حضرت معاویہ بن
خدیجؓ نے انھیں گرفتار کرکے قتل کردیا۔ علامہ خضری نے محاضرات تاریخ الامم
الاسلامیہ میں (ص ۷۷، ج ۲) حضرت عمروؓ کے اس مکتوب کا متن نقل کیا ہے

اما بعد فتنح عنی بدمك یا ابن ابی بکر فانی لا احب ان یصیبك منی ظفر۔ ان الناس بھذا البلاد قد اجتمعوا علی خلافك ورفض امرك وندموا علی اتباعك فھم مسلموك لو قد التقت حلقتا البطان۔ فاخرج منہا فانی لك من الناصحین ۔	اما بعد! اے ابوبکرؓ کے بیٹے اپنی جان محفوظ رکھنے کے لئے میری راہ سے ہٹ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھوں تمہیں کوئی خراش پہنچے۔ اس علاقے کے لوگ سب تمہارے خلاف مجتمع ہیں اور تمہارا تسلط ہٹا دینے پر متفق ہوچکے ہیں اور وہ تمہیں میرے سپرد کرکے رہیں گے اگرچہ معاملہ کتنا ہی سخت کیوں نہ ہوجائے۔ لہذا یہاں سے نکل بھاگو میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔

اب خضری کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن خدیجؓ نے انھیں ڈھونڈ نکالا۔
فقتلہ ویقال انہ احرقہ بالنار۔ تو انھوں نے (یعنی حضرت ابن خدیجؓ

نے) انہیں قتل کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ آگ سے جلا دیا)۔

بہرحال حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکتوب جو شخص پڑھے گا اور یہ جان لے گا کہ حاکم حضرت عمروؓ تھے وہ یہ باور نہیں کر سکتا کہ ان کی لاش جلائی گئی ہوگی۔ یا مردہ گدھے کی کھال میں انہیں لپیٹا گیا ہوگا۔ محمد بن ابی بکر کی قبر مصر میں اب بھی موجود ہے مودودی صاحب چاہیں تو اس مزار کو ابن ابی بکر کی سمادھی کہہ دیں۔ کیونکہ بخیال مودودی صاحب کے وہاں ان کی راکھ دفن کر دی گئی، مگر کوئی سلیم العقل شخص اسے تسلیم نہیں کریگا۔

محمد کے ساتھ جتنی رعایت کی گئی وہ محض حضرت صدیق اکبرؓ کے سبب تھی، اور حضرت ام المؤمنینؓ کے سبب جو حضرت معاویہؓ کی حمایت پر تھیں اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کے سبب جو حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ ورنہ ان کے جرائم نے انھیں کسی رعایت کا مستحق نہیں رکھا تھا۔ اس لئے ان کا قتل عین انصاف تھا۔ جو ہاتھ حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ کی داڑھی تک پہنچ سکتا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق اسی ہاتھ نے پہلی ضرب بھی لگائی تھی۔ وہ اسی قابل تھا کہ کاٹ ڈالا جائے اور جو ٹانگیں اس امام راشد و مرشد کو قتل کرنے کے لئے بڑھی تھیں انھیں توڑا ہی جانا چاہیئے تھا اور کاشانۂ خلافت کا دروازہ جو لوگ جلانے کی جرأت کر سکتے تھے وہ خود اس قابل تھے کہ انھیں جلا کر ان کی راکھ بکھیر دی جائے۔ مگر کیا واقعی ایسا ہوا؟ مودودی صاحب اگر اس کا کوئی ثبوت کسی قدیم کتاب سے دکھادیں تو ہم تسلیم کرلیں گے، چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کی کتاب کی سند سے کام نہیں چل سکتا مودودی صاحب نے جتنے اعتراض کئے ہیں وہ سب ان خرافات پر مبنی ہیں جو صدیوں بعد کے مصنفوں نے اپنی کتابوں میں بھر دی ہیں۔

اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو حضرت معاویہؓ پر وحشیانہ سلوک کا طعن کرنے سے پہلے مودودی صاحب اپنی معتمد کتاب طبقات ابن سعد ملاحظہ فرمائیں جس کے حوالے سے، سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں (ص ۱۷۵) حضرت علیؓ کے قاتل عبدالرحمان

ابن ملجم کے قتل کا حال لکھا ہے۔ کہ اول اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور پھر ٹوکری
میں بند کر کے جلا دیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ سخت واقعہ ان مرتدوں کا ہے جنھیں
حضرت علیؓ نے زندہ جلا دیا تھا۔ مردے کو جلانا اور زندہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر
جلانے کا فرق ظاہر ہے۔ یہ روایت ادھر اُدھر کی نہیں ہے، صحیح بخاری کی ہے (ج ۴
صفحہ ۱۹، کتاب استتابۃ المرتدین) طبع مصر

عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة
فاحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس
فقال لو كنت انا لم احرقهم نهی
رسول الله صلی الله علیه وسلم
ولقتلتهم لقول رسول الله صلی
الله علیه وسلم من بدل
دینه فاقتلوه۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے
ہیں حضرت علیؓ کے پاس کچھ بدعقیدہ
لوگ لائے گئے تو آپ نے انھیں زندہ
جلوا دیا۔ یہ بات (حضرت) ابن عباسؓ
کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں ہوتا
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت
کے سبب انھیں جلاتا نہیں بلکہ قتل کر دیتا
فرمایا ہے "جو اپنا دین بدلے (یعنی اسلام
کے بعد) تو اسے قتل کر دو۔

مودودی صاحب سمجھ سے کام لیں تو انھیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ بعض احوال ایسے
پیش آ جاتے ہیں جنھیں ہم عصر لوگ اچھی طرح جانتے ہیں اور انھیں اندازہ ہوتا ہے کہ
جرم کی نوعیت کیا ہے اور سزا کس قسم کی دینی چاہئے کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ آج تحریک
چل رہی ہے کہ سزائے موت نہ دی جائے۔ اگر یہ سلسلہ قائم ہو گیا تو ہمارا زمانہ وحشیانہ
کہلائیگا۔ اسی طرح جب خفیہ پھانسی دینے کا رواج ہوا تو وہ زمانہ وحشیانہ کہلایا جب
سر عام مقتول کے وارثوں کے ہاتھ سے قاتل کو قتل کرایا جاتا تھا۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے
خفیہ پھانسی کے رواج سے قبل کی وارداتیں زیادہ ہو گئیں اور سزائے موت نہ دینے سے یہ جرائم
اور بھی بڑھیں گے، جہاں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے جو "مہذب" لوگوں کے نزدیک
نہایت وحشیانہ عمل ہے وہاں چوری کی وارداتیں نہیں ہوتیں لیکن جہاں چوری کی سزا

قید ہے وہاں جرائم روز بروز بڑھتے چلے جاتے ہیں، پھر مودودی صاحب کو یہ بھی دیکھنا چاہئیے اور وہ نہ دیکھنا چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جس عہد کو مودودی صاحب انتہائی ظالمانہ اور جابرانہ عہد ثابت کرتے پھرتے ہیں، اسلامی تاریخ کا وہی دور سب سے درخشاں ہے اور اس امت نے جو عظمت و شوکت و رفعت اس دور میں حاصل کی تھی وہ بعد میں نصیب نہ ہو سکی۔ مسائل ملیہ میں افراد کی بجائے اجتماعی زاویہ نگاہ رکھا جاتا ہے اور اسی میں تعمیر مضمر ہے۔

مالِ غنیمت

"مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۱۷۴)

"مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی، کتاب و سنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہئیے اور باقی چار حصے اس فوج پر تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں چاندی سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

مودودی صاحب کے اس خبط کا کیا علاج کہ "مزاج شناس رسول" کے مدعی ہو کر جو کچھ خیال کر لیں اسے عین دین جانتے ہیں لیکن کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کتاب و سنت کے "صریح" احکام کون سے ہیں اور امت نے انھیں کب "صریح" سمجھا۔ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کی آخری کتاب ہے اب کوئی ہدایت نامہ نازل نہیں ہوگا تو خدائے حکیم و خبیر جس نے کائنات کی بنیاد ارتقاء پر رکھی ہے، جسے علم تھا کہ انسانی معاشرہ کہاں سے کہاں پہنچیگا، وہ حاضر الوقت احوال کے مطابق "صریح" احکام نازل فرما کر اس امت کو ایسی ضیق میں کیسے مبتلا کر دیتا کہ دنیا میں جینا ہی محال ہو جائے۔ کیا اللہ کے علم میں نہ تھا کہ آلات جنگ بدلیں گے اور آداب جنگ بھی، وہ ایسے احکام کیوں نازل فرماتا جن پر عمل ممکن نہ رہے۔ اس لئے کتاب مبین میں اس نے چند

بنیادی اصول بیان فرمادئے ہیں۔ جن پر معاشرے کی بنیاد ہر زمانے میں رکھی جا سکتی ہے
اگر غنیمت کے بارے میں کتاب و سنت کے احکام "صریح" ہوتے تو علماء و فقہاء کا اس
بارے میں اختلاف کیوں ہوتا۔

امیر المؤمنین فاروق اعظم رض کے عہد مبارک سے پہلے مفتوحہ زمین مجاہدوں پر تقسیم
کی جاتی تھی۔ لیکن فتح عراق کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ یہ طریقہ امت کے لئے مہلک ہوگا اس لئے
صحابہ سے مشورہ کرکے فیصلہ ہوا کہ مفتوحہ زمین قدیم کاشتکاروں ہی کے قبضے میں رہے
اور حکومت کی ملکیت قرار پائے۔ اسی طرح امیر المؤمنین معاویہ رض نے ضروری سمجھا کہ رضاکار
فوج کی بجائے تنخواہ دار فوج رکھیں۔ پہلے چونکہ فوجی خدمت رضاکارانہ تھی اس لئے
مال غنیمت کے چار حصے فوج پر تقسیم کردئے جاتے تھے، لیکن جب فوج کا تمام ساز و سامان
اور سارے اخراجات حکومت کے ذمہ ہوگئے تو مال غنیمت کو فوج پر تقسیم کرنے کا اصول خود
بخود ختم ہوگیا۔ کیا مودودی صاحب ثابت کرسکتے ہیں کہ صحابہ کرام اور بعد کے فقہا
نے حضرت معاویہ رض پر اعتراض کیا؟ پھر ان کے عہد مبارک بلکہ پورے اموی دور میں باقاعدہ
فوج کی تعداد کے علاوہ رضاکار مجاہد بھی شامل ہوتے تھے اس لئے ضروری ہوگیا کہ سونا
چاندی بیت المال کیلئے نکال لیا جائے اور باقی مال فوج پر تقسیم کردیں، مودودی صاحب
سے یہ سوال پھر بھی کیا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رض نے جب خلاف شریعت سونا چاندی
نکال لیا تو باقی مال کی تقسیم شرعی کیسے ہوگئی، وہ تو سب کام مبتدعانہ اور خلاف شریعت
ہوا۔ لیکن اس بغض اور قلبی عداوت کا کیا کیا جائے جو ان صاحب کو صحابہ کرام خصوصاً
حضرت معاویہ رض سے ہے کہ طعن کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ
آج جو میدان جنگ میں ٹینک اور توپیں اور طیارے اور جیپ گاڑیاں دوسرا سامان
حرب غازیوں کو ملتا ہے اس کی تقسیم فوج پر یہ مجدد وقت کس طرح کریں گے؟ علاوہ
ازیں مودودی صاحب کے لئے یہ بھی ثابت کرنا ضرور تھا کہ حضرت معاویہ رض کے اس فعل پر
فقہاء صحابہ میں سے فلاں فلاں نے اعتراض کیا۔ آٹھویں صدی کے ایک مصنف کا
قول کسی صاحب عقل کیلئے حجت نہیں ہوسکتا۔ حجت صرف ہم عصر علماء و فقہاء ہی کا

اعتراض ہوسکتا ہے۔

مودودی صاحب کو یہ بھی بتانا چاہئے کہ آج کی جنگ میں بمباری سے جو ضیاع ہوتا ہے اس کی تلافی کس کے ذمہ ہے۔ کیا حکومت کے علاوہ کوئی اور بھی اسکا ذمہ دار ہے؟ سیدھی بات ہے جسے سمجھنے کے لئے کسی منطق کی ضرورت نہیں کہ جنگ حکومت کرتی ہے اور فوجیوں کے تمام اخراجات کا بار حکومت اٹھاتی ہے۔ لہذا جنگ کے نتیجے میں جو فتوحات ہونگی وہ سب فتوحات پوری قوم کی ہونگی، اور حکومت جس طرح چاہے گی مناسب طریقے پر قومی ضروریات پوری کریگی۔ مودودی صاحب کے ان الفاظ سے کہ "حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے"۔ یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی مال غنیمت میں سے وہ اپنی ذات کیلئے الگ نکلوا لیتے تھے، حالانکہ مودودی صاحب ہی کے ماخذ البدایہ والنہایہ کے صفحہ ۲۹ ج ۸ میں جسکا حوالہ بھی انہوں نے دیا ہے صاف تحریر ہے کہ حکم یہ تھا کہ مال غنیمت میں سونا چاندی بیت المال کیلئے الگ نکال لیا جائے باقی تقسیم کر دیا جائے البدایہ کے صفحہ ۲۹ سطر ۱۶ پر یہ الفاظ ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے "ان یصطفیٰ لہ کل صفراء و بیضاء۔ یعنی الذھب والفضۃ یجمع کلہ من ھذہ الغنیمۃ لبیت المال" بیت المال کا لفظ چھوڑ دینا بظاہر بغض معاویہؓ ہی کے جذبہ سے ہو سکتا ہے کہ قاری کے دل پر غلط اثر پڑ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو قوم کی ملکیت قرار دیا ہے۔ اور صرف تشریح خمس کی کی ہے لیکن اس خمس کے بارے میں بھی فقہاء کا اتنا اختلاف ہے کہ کوئی متفق علیہ طریقہ کار متعین نہیں کیا جا سکتا، اور "مرجح" بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ حکومت اسلامیہ، رفاہِ عام کے تحت موزوں اور مناسب دستور مرتب کرے، تاکہ پوری قوم مستفید ہو سکے چنانچہ ہر زمانے کے مسلمانوں نے اپنے احوال کے مطابق غنیمت اور فئی کی تقسیم کا اپنا طریقہ رکھا اور کسی نے اس طریقہ پر اعتراض نہیں کیا اور نہ کوئی عالم منجر کر سکتا ہے، بلکہ ہر شعبہ کے علماء کا فرض ہے بشرطیکہ وہ مودودی ذہن نہ رکھتے ہوں کہ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایسے اجتماعی امور میں حکومت کے لئے مناسب موزوں

طریقہ کار متعین کریں خمس کے بارے میں باقی باتیں اس سے پہلے مذکور ہو ئیں کہ اموی اور عباسی خلافتوں میں خمس کا مال کس طرح تقسیم ہوتا تھا۔

جزیہ و خراج

مودودی صاحب نے ایک عجیب بات کہی ہے (ص ۱۴۲)

اب بیت المال کی آمدنی کو دیکھئے تو نظر آتا ہے کہ اس بارے میں بھی حلال و حرام کی تمیز اٹھتی چلی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک فرمان میں ان ناجائز ٹیکسوں کی ایک فہرست دی ہے جو ان کے پیش رو شاہان بنی امیہ کے زمانے میں رعایا سے وصول کئے جاتے تھے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بیت المال کی آمدنی کے بارے میں شریعت کے قواعد کو کس بُری طرح توڑنا شروع کر دیا تھا۔

جس شخص کو آداب جہاں بانی کا کچھ بھی شعور ہوگا، اسکی سمجھ میں یہ بات آجائیگی۔ کہ حکومت کی طرف سے جتنے ٹیکس لگتے ہیں اور محصول عائد ہوتے ہیں ان کا فائدہ اجتماعی طور پوری قوم کو ہوتا ہے لہذا شرعی حیثیت سے کسی قسم کے ٹیکس کو اسوقت تک حرام نہیں کہا جاسکتا جبتک شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اسکی حرمت کا اعلان نہو۔ گو ٹیکسوں کے سلسلے میں ضروری اور غیر ضروری، مناسب اور غیر مناسب، مفید اور غیر مفید کے اعتبار سے تو بحث ہو سکتی ہے لیکن حرام و حلال کا فتویٰ دینا کسی درجے میں درست نہیں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ (النحل ۱۱۶) (تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی باتیں آتی ہیں انھیں منہ سے مت نکالو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام) کسی چیز کو حلال اور حرام قرار دینا اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے نہ کہ اور شخص کا۔ مودودی صاحب نے ان "حرام" محصولوں کی فہرست نہیں دی جو بقول ان کے امیرالمومنین عمر ثانی ؒ نے منسوخ کئے ورنہ ان پر بحث ہوتی۔ یہاں ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ یہ امور اجتہادی ہیں اور امام اس کو سمجھتا ہے کہ امت کے مصالح کیا ہیں اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ واقعی پہلے خلفاء نے جو ٹیکس عائد کئے تھے وہ عمر ثانی ؒ

کے نزدیک قابلِ تنسیخ تھے تو اس سے نفسِ مسئلہ پر کیا اثر پڑا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے عمر ثانی کو پہلے خلفاء کے اجتہاد سے اختلاف تھا۔ اسے حلال و حرام مودودی صاحب بتائیں تو بتائیں ہمارے ائمہ نے جب ان خلفاء کے اجتہادات کو بطور نظائر شرعی، صحاح میں نقل کیا ہے تو ہم کیسے باور کر سکتے ہیں کہ انھوں نے ایسے ٹیکس عائد کئے تھے جو شرعاً حرام تھے اور پھر سوال ہے کہ واقعی وہ ٹیکس عائد بھی کئے گئے تھے یا نہیں۔ جن بزرگوں کی یہ حیثیت ہے کہ ان کے فیصلوں کو ائمہ فقہ و حدیث شرعی حجت سمجھیں انھیں ہم مصالح ملیہ کے سلسلے میں مرتکب حرام قرار دیں تو گویا ہم نے موطا شریف و صحیح بخاری کی حجیت ختم کر دی۔

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۲)

ابن اثیر کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف (عراق کے وائسرائے) کو اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمی کثرت سے مسلمان ہو ہو کر بصرہ و کوفہ میں آباد ہو رہے ہیں اور اس سے جزیہ و خراج کی آمدنی گھٹ رہی ہے۔ اس پر حجاج نے فرمان جاری کیا کہ ان لوگوں کو شہروں سے نکالا جائے اور ان پر حسب سابق جزیہ لگایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ نومسلم کوفہ سے نکالے جا رہے تھے تو وہ یا محمداہ یا محمداہ پکار پکار کر روتے جا رہے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جا کر اس ظلم کی فریاد کریں اس صورت حال پر بصرہ و کوفہ کے علماء و فقہاء چیخ اٹھے اور جب یہ نومسلم روتے پیٹتے شہروں سے نکلے تو علماء و فقہاء بھی ان کے ساتھ روتے جاتے تھے۔"

ہم نہیں جانتے کہ ساتویں صدی کے اس ابن اثیر نے یہ روایت کہاں سے لی کیونکہ وہ ہمیشہ بے سند بات کرتا ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر قواعد شرعیہ کی روشنی میں بحث کر لی جائے تاکہ ناظرین کرام یہ مسئلہ سمجھ سکیں، اور انھیں اندازہ ہو کہ بے سند باتوں پر تکیہ

کرکے مودودی صاحب مسلمانوں کو جہالت کی کس راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

خراج اس موضوع پر ہم صرف مزروعہ زمین کی حد تک بحث کرنا چاہتے ہیں۔
(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قاعدہ یہ تھا کہ جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ مرکزی حکومت کی ملکیت ہوتی تھی۔ اس کے مسائل آگے بیان ہوں گے۔ اس کیلئے شرعی اصطلاح ہے فئی (سورۃ الحشر ۷)
(۲) جو زمین بزور شمشیر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی اسے مجاہدوں پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

(۳) حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں عراق کی فتح کے بعد یہ مسئلہ اٹھا کہ اب طریقہ کار کیا ہو۔ اس بارے میں شوریٰ ہوا گرما گرم بحثیں ہوئیں اور بالآخر سب حضرات امیر المؤمنین کی اس رائے سے متفق ہو گئے کہ یہ زمین اور آئندہ جتنی زمینیں حاصل ہوں وہ سب قدیم مزارعوں کے قبضے میں رہنے دی جائیں اور مسلمانوں پر تقسیم نہ ہوں۔ ان پر مناسب خراج عائد کر دیا جائے جو بیت المال میں جائے اور حسب ضرورت خرچ ہو۔ اس طرح تمام مفتوحہ زمینیں خراجی کہلائیں اور ان سے حکومت کی آمدنی نقد کی صورت میں تھی۔

(۴) جو زمینیں اس شوریٰ سے پہلے مسلمانوں کے قبضے میں تھیں وہ عشری کہلائیں۔ ان سے حکومت کی آمدنی جنس کی صورت میں تھی یعنی پیداوار کا دسواں حصہ یا اس سے کم جو بھی تجویز ہو۔ اور مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ خراجی زمینیں خریدیں۔

فئی اس طرح تمام مزروعہ زمینیں دو قسم کی ہو گئیں ایک خراجی اور ایک عشری
تمام وہ زمینیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے ملیں وہ حکومت کی ملکیت تھیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کے ساتھ ان زمینوں کو بھی حکومت کی ملکیت قرار دیا جو شاہان ایران اور ان کے امراء نے "صرف غاصبہ کے نام سے اپنے لئے مخصوص" کر لی تھیں۔ اسی طرح وہ تمام زمینیں بھی مرکزی حکومت کی ملکیت ہو گئیں جو افتادہ

تھیں کسی کی ملکیت نہ تھیں اور ان میں زراعت نہیں ہوتی تھی۔

اب فاروق اعظمؓ نے یہ کیا جو زمینیں حکومت کی ملکیت تھیں ان میں سے حسب سنتِ نبوی بعض حضرات کو جاگیریں عطا فرمائیں انھیں القطائع کہا جاتا تھا، اور اس کا مطلب تھا حکومت کی طرف سے عطا فرمودہ جاگیریں۔ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے جاری تھا۔ مثلاً آپ نے حضرت علیؓ کو چار جاگیریں عطا فرمائی تھیں۔ دو ذوالفقیر میں، ایک الشجرہ میں اور ایک کنواں قیس میں [فتوح البلدان ص ۳۵] پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی انہیں جاگیریں دیں۔ اوّل ینبع دیا اور پھر ایک اور کا اضافہ کیا [ہمیں کتاب ص ۳۶]

پھر حضرت فاروقؓ ہی نے حضرت طلحہؓ، حضرت جریر بن عبداللہ اور حضرت زیادؓ کے بھائی حضرت نافعؓ کو۔ اسی طرح امیرالمؤمنین حضرت عثمانؓ نے حضرت زبیرؓ حضرت خبابؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابن صبار، حضرت عمار بن یاسرؓ کو زمینیں دیں۔ حضرت زبیرؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی جاگیر دی تھی۔ حضرت علیؓ نے بھی بعض حضرات کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ مثلاً کردوس بن ہانی کو جو الکردوسیہ ہی کے نام مشہور ہوئی۔ نیز دازویہ میں سوید بن غفلہ کو۔ یہ سب تفصیلات طبری، فتوح البلدان کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہیں۔

یہ زمینیں حکومت کی ملکیت تھی اور امام کا اختیار تسلیم کیا گیا کہ جیسے مناسب سمجھے اس طرح سرکاری زمینیں عطا فرمائے بعد کے زمانوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ۔ برکوچک میں سلاطین کرام ایسی معافیاں حسن خدمت کے صلے میں عطا کیا کرتے تھے اور کبھی کسی بڑے خاندان کو کہیں بساتے تو ساتھ جاگیر دیتے یہ سب جاگیریں اگرچہ اصلاً حکومت کی ملکیت تھیں ان عطایا کا احترام کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسفؒ وضاحت فرماتے ہیں کہ ایسے عطیات واپس نہ لئے جائیں [کتاب الخراج منقول از محاضرات تاریخ الامم از خضری ج دولۃ عباسیہ ص ۱۴۸]

ان جاگیروں کے بعد جو زمین باقی بچتی تھیں اس سے زرعی منافع حاصل

کرنے کیلئے امام کو اختیار تھا کہ کاشتکاروں کو عشری بنا کر دے یا خراجی۔ [ہمیں کتاب ہمیں صفحہ] - یہی مسئلہ افتادہ زمین کا تھا کہ وہ بھی حکومت کی ملکیت تھی، اور امام کے اختیار میں تھا کہ درخواست گزار کو وہ قابل کاشت بنانے کے لئے دیدے وہ اس کی ملکیت ہو جاتی تھی، یہ افتادہ زمین اگر عشری علاقے میں ہوتی تو اُسے عشری بنا کر دیدیا جاتا اور خراجی علاقے کی ہوتی تو خراجی بنا کر حسب فرمان نبوی مردہ زمین کو جو زندہ کرے وہ اس کا مالک ہے لیکن خلفاء کا قاعدہ یہ تھا کہ اجازت لے کر ایسا کرنا چاہئے اگر کسی نے بغیر اجازت افتادہ زمین پر قبضہ کیا تو امام کا اختیار تھا کہ اس سے لے لے یا اجازت دیدے۔ مگر تین برس کے اندر اسے کام کا بنا لینا ضروری تھا ورنہ وہ زمین واپس لے کر کسی دوسرے کو دیدی جاتی تھی۔

اس طرح یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ افتادہ زمین ہو یا فئی کی وہ امام کے فرمان کے مطابق عشری بھی بنائی جا سکتی تھی اور خراجی بھی یہ تفصیلات چونکہ مسلمانوں ہی کے لئے منظور ہوتے تھے اس لئے ایک مسلم ایسی زمین کو خراج پر حاصل کر سکتا تھا۔

دوسری طرح شوریٰ کے ذریعہ یہ طے ہو گیا تھا کہ کوئی مسلمان خراجی زمین خریدے اس لئے معلوم ہوا یہ حکم سیاسی تھا نہ کہ شرعی اور اس کی گنجائش تھی کہ ایک مسلمان خراجی زمین خرید کر حکومت کو اس پر خراج ادا کرے۔

گویا اب مسنون طریقہ یہ ہوا کہ جب ایک ذمی مزارع اسلام قبول کرے تو اسکی زمین یا تو عشری قرار دیدی جائے یا بدستور خراجی رہے۔ اسکا نام اب خراج نہیں ہوگا۔ بلکہ پٹہ، کرایہ، یا لگان کہلائیگا۔ اور نقد کی صورت میں ادا کرنا ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ امام ایسے نومسلم کی زمین کو عشری بنا دے جیسا کہ کتاب الخراج میں حضرت علیؓ کا ایک فرمان منقول ہے کہ عین التمر کے ایک نومسلم سے آپ نے فرمایا "یا تو تم شہر میں آجاؤ اور وظیفہ لو۔ اس صورت میں تمہیں زمین چھوڑنی ہوگی، یا پھر زمین پر واپس جاؤ اور ہمیں اپنی پیداوار سے حصہ دو" (پروفیسر حسینی عرب ایڈمنسٹریشن (عربی نظم ونسق ص ۱۳۵)

اس طرح ہمارے سامنے چند فیصلہ کن امور آتے ہیں۔

(۱) ایک نومسلم جب اپنی زمین چھوڑے تو وہ اس کے قبیلے والوں کو مل جائے گی، اور خود دیوان فاروقی کے مطابق بیت المال سے وظیفہ لے گا۔
(۲) اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ جو زمین خراجی تھی وہ خراجی رہی۔
(۳) یہ نومسلم اگر اپنی زمین پر واپس ہو تو اس کی زمین یا عشری بنا دی جائے یا بدستور خراجی رہے اگرچہ یہ خراج اب لگان کہلائے۔

جب تک معاملہ افراد کا تھا اس پر بخوبی عمل ہوتا رہا لیکن جب بکثرت لوگ مسلمان ہونے لگے اور انکی تعداد ہزاروں لاکھوں کی ہو گئی تو مسئلے میں پیچیدگی آئی، اسکا حل امیر حجاج نے یہ نکالا کہ ان لوگوں کو اپنی زمینوں پر واپس کر دیا اور حکم دیا کہ جو لگان وہ دیتے رہے تھے بدستور دیتے رہیں۔ ان کا یہ اقدام سنت خلفا کے مطابق تھا۔

معمولی سی عقل کی بات ہے کہ اگر مواضعات کاشتکاروں سے خالی ہو جائیں اور وہ لوگ شہروں میں آن بسیں اور دیوان فاروقی کے مطابق وظائف کے خواستگار ہوں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ زراعت کا کیا ہو گا اور دوسری یہ کہ وظیفہ کہاں سے دیا جائیگا، لہذا اس کا کوئی امکان نہیں کہ ان لوگوں کے نکالے جانے پر پیٹے ہوں یا علماء و فقہا نے مین کیا ہو۔ سبائی ذہنیت کی یہ وضعی روایت باطل ہے۔ یہ بالکل سیدھا اور سادہ مسئلہ تھا۔ اگر زندگی پیداوار میں کمی ہو جائے یا بیت المال پر وظائف کی بنا پر ناواجب بوجھ پڑے تو کاروبار مملکت کیسے چل سکتا تھا اور عام خوشحالی کیسے آ سکتی تھی۔

اس اقدام کا اثر ان نومسلموں کے اسلامی حقوق پر کیا پڑا۔ سنا انکا دین متاثر ہوا نہ فیلا ایک کاشتکار کی اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہے کہ جو غلہ وہ پیدا کرے اسکا خود ہی مالک ہو صرف معمولی سا خراج یا لگان ادا کرے اور اپنی مالکانہ حقوق کا لطف اٹھائے آخر جو مسلمان خراجی زمین خریدتا تھا جس کی بعد میں اجازت دیدی گئی تھی، تو اس پر وہ خراج ہی تو ادا کرتا تھا۔ بعد کی یہ اجازت امام کے اس اختیار پر مبنی تھی کہ نئی کی زمین وہ جسے چاہے عشری بنا کر دے اور جسے چاہے خراج پر دیدے۔

جو زمین عشری تھی اسے لوگ خود بٹائی پر اٹھا دیتے تھے، اور اس طرح محنت کرتا تھا

کاشتکار اور اس میں حصہ دار ہو جاتا تھا۔ مالک زمین امیر المومنین معاویہؓ کے عہد مبارک میں بٹائی کا سلسلہ موقوف ہو گیا [صحیح بخاری کتاب المزارعۃ] اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مالکان زمین اپنی زمینوں پر اپنے غلاموں سے کام لینے لگے جن کے تمام اخراجات انکے آقاؤں کے ذمے تھے جنکا معیار انھیں وہی رکھنا پڑتا تھا جو خود ان کے اپنے گھر والوں کا تھا اس طرح تمام عشری زمین خود کاشت ہو گئی اور بغیر خرچ کئے ہوئے نفع اندوزی کا سلسلہ ختم ہو گیا

ادھر حضرت معاویہؓ اور بعد کے خلفاء نے اس کی کوشش کی کہ طغیانی کے سبب جو زمینیں زیر آب ہو گئی تھیں اور ان میں زراعت نہیں ہوتی تھی وہ دریاؤں پر بند باندھ کر حاصل کی گئیں اور دریاؤں کا پانی نہروں کے ایک عظیم جال کے ذریعہ دور افتادہ علاقوں تک پہنچایا گیا، امیر حجاج رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بڑے کارنامے انجام دئے ہیں [عرب اینڈ نشر صفحہ ۱۴۴، - ۱۴۵]

نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کا ریگزار گلزار بن گیا۔ پانچویں صدی ہجری میں ابن جبیر کا سفرنامہ اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ تمام علاقے جو آج بنجر پڑے ہیں ان میں بڑی بڑی شاہراہیں تھیں جہاں دورویہ درخت کھڑے تھے اور میلوں دورویہ مکانوں کا سلسلہ تھا اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بڑے بڑے باغ اور ایسے فرحت افزا مقامات تھے جیسے سرسبز و شاداب اور ترقی یافتہ ملکوں میں ہوا کرتے ہیں۔ خلافت امویہ و عباسیہ کا خاتمہ جہاں روحانی اور ذہنی اعتبار سے ایک سانحہ تھا وہاں اقتصادی حیثیت سے بھی ایک قیامت ثابت ہوا۔ سرزمین عرب کو آج دیکھنے والا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کے عروج میں اس کی کیسی کایا پلٹ ہو گئی تھی لیکن مودودی صاحب کی قسمت میں سلف صالحین اور عظمائے ملت پر نکتہ چینی و عیب جوئی ہی لکھی ہوئی ہے اپنا دطبیعت سے مجبور ہیں ؎

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

جزیہ غیر مسلم مفتوح اقوام جب مسلمانوں کی حفاظت میں آجائیں تو ان کے تندرست اور باکار لوگوں سے فی کس سالانہ معمولی سی ایک رقم لی جاتی ہے جسے جزیہ کہتے ہیں یہ رقم مقرر ہے۔ کوئی شخص معذور ہو تو اس پر جزیہ نہیں اور معذور ہو جائے تو بھی جزیہ نہیں

رہتا بلکہ ان کے فقراء کو بیت المال سے امداد دی جاتی ہے۔ یہ رقم اس لئے لی جاتی ہے کہ انکی اور ان کے دین اور شعائر کی حفاظت کی جائے اور ملک کے دفاع کی ذمہ داری ان پر نہ ہو۔ اس طرح وہ اپنی زندگی خوشگوار بنانے کے تمام وسائل سے پورا حظ اٹھاتے ہیں۔ مگر ذمہ داری ان پر کچھ نہیں ہوتی۔

ان کے مقابلے میں مسلمانوں پر زکوٰۃ واجب ہے جسکی آمدنی متعین نہیں بلکہ جتنا زیادہ مال ہوگا اتنی ہی زیادہ زکوٰۃ دینگے پھر ہیں صدقات وغیرہ اور اس پر مستزاد ہے ملک کے دفاع کی ذمہ داری اور نظم ونسق چلانے کے فرائض۔

اموی عہد سے پہلے ایک ذمی جب مسلمان ہوتا تھا تو جزیہ موقوف ہو کر اس کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا، ایسا بھی ہوا ہے کہ آزاد مسلمانوں نے کسی عرب قبیلے سے رشتہ ولاء قائم کر لیا تو ان کے حقوق وہی ہوگئے جو اس عرب قبیلے کے تھے اور بیت المال سے اسی معیار پر ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔ بسا اوقات ایک بہت بڑا غیر عرب قبیلہ کسی عرب قبیلے میں شامل ہوا تو اسی اعتبار سے بیت المال پر اس کا بوجھ پڑ گیا۔

جبتک ان موالی اور ان نومسلموں کی تعداد اتنی رہی کہ انتظام میں خلل نہ پڑے اور دستور کے مطابق عمل ممکن ہو تو یہ سلسلہ قائم رہا۔ لیکن عہد اموی میں ان نومسلموں کی تعداد لاکھوں کی ہونے لگی، مودودی صاحب کے نزدیک اموی خلفاء نے تبلیغ دین میں رکاوٹیں ڈالیں اور اسے پسند نہ کیا کہ لوگ مسلمان ہوں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے کے لئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نومسلموں کی تعداد اتنی زیادہ ہونے لگی کہ اس کا اثر جزیہ کی آمدنی پر پڑا۔

اب یا تو انہیں اپنی یہ غلط بیانی تسلیم کرنی چاہئے کہ امویوں کے ہاں تبلیغی کام نہیں تھا یا پھر ماننا چاہئے کہ تبلیغی کام اتنا تھا کہ جزیہ کی آمدنی پر اثر پڑا۔ دونوں صورتوں میں انھیں اعتراف کرنا ہوگا کہ جہاں تک دین اسلام کی اشاعت کا تعلق ہے اموی دور پہلے سب ادوار سے بازی لے گیا تھا۔ اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہو رہے تھے اب یہاں وہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے جو مودودی ذہن کی پہنچ سے بالا ہے کیسی

فرد کا مسلمان ہونا اور کسی علاقوں کے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا مسلمان ہونا ایک حیثیت نہیں رکھتا، اس کا تجربہ عہد نبوی میں ہو چکا تھا۔ ادہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور ادہر قبائل عرب مرتد ہو گئے۔ امیر المومنین ولید اور امیر المومنین ہشام جیسے فرمانروا و مدبر دور بیں امام اس صورتِ حال سے غافل نہیں ہوسکتے تھے عہد صدیقی کے مرتد قبائل پھر عرب تھے انہیں زیر کرنا آسان ہوگیا اگرچہ بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن اسلام بہت جلد ان کے دلوں میں گھر کرگیا۔

برخلاف اس کے غیر عرب قبائل مفتوح تھے انھیں اپنے تمدن اور اپنی قومی رفعت کا بڑا احساس تھا اپنے قدیم مذاہب سے ان کی وابستگی ایسی مستحکم تھی کہ صحیح مسلمان ہونیکے بعد جب وہ مسلم معاشرے میں گھل مل گئے تو ساتھ ساتھ مشتبہ نومسلم بھی در آئے جنکی وجہ سے دین اسلام میں مختلف قسم کی بدعات پھیل گئیں اسوقت مسلمانوں میں جتنی مشرکانہ باتیں رائج ہیں اور عقائد میں تزلزل ہے ان سب کی اصل عجمی ہے۔

اموی خلفاء اور ان کے امراء جو دین اسلام کے پاسبان تھے۔ انھوں نے انتہائی کوشش کی کہ اس میں عناصر غیر کی آمیزش نہ ہو اور فرقہ بازی کے رجحانات ابھرنے نہ پائیں وہ اس نفسیاتی مسئلے کی طرف سے غفلت نہیں برت سکتے تھے۔ انھیں پوری ہوشمندی کے ساتھ یہ اندازہ لگانا تھا کہ اجتماعی پیمانے پر جو لوگ مسلمان ہورہے اور امت مسلمہ کا جزو بن رہے ہیں۔ ان کے ثبات قلب کا کیا حال ہے۔ یہ دیکھنا انکا فرض تھا اور نیابت، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بہت بڑا تقاضا تھا کہ وہ اس بڑے پیمانے پر مسلمان ہونے والوں کی ذہنی و قلبی کوائف کا اندازہ لگائیں کہ کہیں یہ بھیڑ چال تو نہیں اور ایسا تو نہیں ہوگا کہ ان نومسلموں کے قدیم عقائد و رجحانات بدستور قائم رہیں اور یوں دین خالص نہ رہ سکے، اللہ تعالےٰ کے ہاں محض نام کا مسلمان ہونا کام نہیں دیتا اس کا صریح اعلان ہے۔

الا للہ الدین الخالص [یاد رکھو اللہ کے لئے صرف وہ دین ہے جو خالص ہو] پھر نومسلموں کو خطاب ہے۔ فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون [اللہ بھی تمہارے اعمال کو دیکھے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی]

اس لئے خلفاء نے یہ اہتمام رکھا کہ اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہونیوالوں پر جزیہ قائم رکھا جائے جس کی مقدار سال بسال ان کے احوال پر کھنے پر کم ہوتی چلی جائے گی اس طرح ائمہ کو یہ معلوم کرنے کی سہولت ہوگئی کہ یہ لوگ واقعی اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوکر مسلم معاشرے کا رکن بننا چاہتے ہیں یا محض معاشرتی حیثیت سے اپنا وقار بڑھانا مقصود ہے انفرادی طور پر جو لوگ مسلمان ہوئے وہ فوراً مسلم معاشرے میں داخل کرلئے گئے لیکن مسئلہ ان لاکھوں آدمیوں کا تھا جو اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہوں۔ جزیہ کی کوئی ایسی رقم نہ تھی کہ آدمی پر بوجھ بنے۔ پھر ان کا ایک فائدہ یہ تھا کہ جب تک ان پر جزیہ ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے مکلف نہ ہوں گے اور صرف خراجی زمین پر خراج ادا کریں گے یا سالانہ جزیہ دیں گے جو رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جائیگا۔

اس طریقۂ کار کا یہ فائدہ ہوا کہ جو لوگ واقعی مسلمان ہوئے تھے وہ جزیہ دینے کے باوجود اپنے اسلام پر قائم رہے لیکن جن کی نیت درست نہ تھی وہ مرتد ہوگئے اور انھوں نے بغاوت کردی جیسا کہ امیرالمومنین ہشامؒ کے زمانے کا ایک واقعہ خضری نے نقل کیا ہے۔ [محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۹۱]

ایک زمانہ تھا جب لوگوں کو روپیہ اور دوسری مراعات دیکر ان کے ثبات قلب کی کوشش کیجاتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب افراد مسلمان ہوتے تھے۔ پھر وقت آیا جب اسلام کی سربلندی سے فائدہ اٹھانے کیلئے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہونے لگے اس وقت ضرورت اسکی ہوئی کہ معمولی سا روپیہ لیکر ان کے ثبات قلب کا امتحان کیا جائے تاکہ بڑی تعداد میں ایسے لوگ معاشرے میں نہ آنے پائیں جنھوں نے صدق دل سے اسلام قبول نہیں کیا۔

جب خود قدیم مسلمانوں کو خدائے تعالیٰ کے ہاں مقبولیت حاصل کرنے کیلئے قسم قسم کے امتحان دینے پڑتے ہیں اور وقت آنے پر جان و مال کی بازی لگا دینی ہوتی ہے تو ان نومسلموں کا کیا یہ فرض نہ تھا کہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ معمولی سی قربانی دیں اور اس قربانی سے بدرجہا زیادہ روحانی اور مادی فوائد حاصل کریں۔

جزیہ ایک سیاسی اور معاشی مسئلہ ہے اور اس بارے میں امام پر کوئی قدغن نہیں۔ وہ چاہے تو ایک شخص پر جزیہ بالکل معاف کر دے اور چاہے تو اس کی نوعیت بدل دے اور ضرورت ہو تو اس میں اضافہ کر دے۔ اس کا تعلق حاضر الوقت مصالح سے ہے۔ چنانچہ بنو تغلب کے نصاریٰ نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا لیکن پیشکش یہ کی کہ مسلمان اپنے مال پر جتنی زکات دیتے ہیں اس شرح سے وہ دوگنی زکاۃ ادا کریں گے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے انکی یہ پیشکش منظور کر کے جزیہ اٹھا دیا۔ یا امیر المؤمنین معاویہؓ نے مصر کے قبطیوں پر فرض عائد کیا کہ وہ حکومت اسلامیہ کو خاص مقدار میں عمارتی لکڑی مہیا کریں۔ وہ اگر نقد رقم دینا چاہتے تو قبول نہیں کی جاتی تھی، کیونکہ جہاز سازی کیلئے جو لکڑی مسلمانوں کو درکار تھی وہ وہیں ملتی تھی۔ گویا جزیہ ہو یا ٹیکس ہوں وہ اجتماعی فائدے کیلئے ہیں۔ اس فائدہ پر اثر نہیں پڑنا چاہئے اور ساتھ ہی مصالح ملیہ بھی پورے ہونے چاہئیں۔

ایسی صورت میں اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہونیوالے اگر ایک طرح جزیہ کی رقم ادا کرنے کے مکلف بنا دیے گئے تو اس کے روحانی اور مادی دونوں فائدے انھیں بھی حاصل ہوئے اور مملکت اسلامیہ کو بھی یہ باتیں سطحی دماغ کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں، ان کیلئے پہلی صدی ہجری کے خلفاء و امراء جیسے معماران ملت کی عقل درکار ہے۔ اور اس کا حسی فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کی توجہ محض عددی قوت بڑھانے پر نہیں رہی بلکہ ان کے معاشرے میں صرف صادق القول والعمل مسلمان داخل ہوئے۔

یہی عظیم مصلحت ملیہ تھی جس کی بنا پر امیر المؤمنین معاویہؓ نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ خلافت اسلامیہ کو خالص عربی خلافت رکھا تاکہ نو مسلم لوگ حکومت کے کارکن بنکر دعوت محمدیہ میں اپنے خیالات و شعائر کی آمیزش نہ کر سکیں۔ حضرت معاویہؓ کی دور بینی کا یہ نتیجہ نکلا کہ دین خالص محفوظ ہو گیا، اور ہم آج اس قابل ہیں کہ خالص و غیر خالص دین میں فرق کر سکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اجتماعی پیمانے پر مسلمان ہو کر اسی وقت کاروبار مملکت میں بھی شریک ہو جاتے تو معلوم نہیں آج دین اسلام کی شکل کیا ہوتی۔

امیر یزیدؒ کی ولایت عہد

مودودی صاحب نے امیر یزیدؒ کے ولی عہد بنائے جانے کے سلسلے میں سبائیوں کی وضع کردہ جتنی لغو اور لچر اور بے پایہ روایتیں بیان کی ہیں انہیں پڑھ کر کوئی شخص جسے شریعت اور سیاسیات اسلامیہ سے کچھ بھی مناسبت ہو اور صحابہ کرامؓ نیز حضرات امہات المؤمنینؓ کی کچھ بھی عظمت دل میں رکھتا ہو، وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ ان کے پیش نظر واقعات ثابتہ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ چلتے ہوئے بازاری قصے بیان کرنا مقصود ہے کس قدر سطحی اور گستاخانہ ہے مودودی صاحب کا بیان (ص ۱۴۸)

• اس تجویز کی ابتدا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ حضرت معاویہؓ انھیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انھیں اس کی خبر مل گئی۔ فوراً کوفے سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المؤمنین تمہارے لئے بیعت لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔ یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا انھوں نے حضرت مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا "امیر المؤمنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو"۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا اس کام کو پورا کر دینے کی ذمہ داری کون لے گا؟" انھوں نے کہا اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور بصرہ کو زیاد۔ پھر اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں، یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم

دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہؓ
کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں۔ یہ وفد
حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا
کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا
"تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے؟"
انھوں نے کہا تیس ہزار دینار میں۔ حضرت معاویہ نے کہا "تب تو
ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"

اللہ اکبر! صحابۂ رسول اللہ صلعم کی باتیں ہو رہی ہیں اور ذکر اس قوم کا ہے
جس کی ٹھوکروں میں اس وقت دنیا کے خزانے تھے! ان دس آدمیوں نے رشوت بھی
لی تو کتنی کہ اس عہد کے معیار زندگی کے مطابق بہت معمولی سی رقم تھی۔ اس روایت
کی تفصیلات اگر دسویں جماعت کا طالب علم بھی پڑھے تو سوچے گا کہ جہالت دور بر (انقلاب)
میں پھیلی ہوئی تھی اور جس کا امام دنیا کا عظیم ترین حکمراں تھا۔ اس کے ولی عہد کے
انتخاب کے لئے ایسے آفاقی لوگ تحریک کرنے بھیجے گئے تھے جو تین تین ہزار درہم یا دینار
میں اپنا دین فروخت کر دیتے تھے۔

پھر دیکھنا ہے کہ حضرت مغیرہؓ امیر یزید سے یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ "صحابہ کے اکابر
اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے" حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت
سعید بن زید (دونوں عشرہ مبشرہ میں ہیں) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ
ابن عباس اور دوسرے سیکڑوں بڑے اور چھوٹے صحابہ اس وقت موجود
تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن عامر اور سعید بن العاص بھی ہیں جو اپنی فاتحانہ اور
مدبرانہ شان کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اس امت کے عظیم ترین بزرگوں میں ہیں اپنے علاقہ کے مثالی
حکمراں تھے۔ آپ کی محبوبیت مقبولیت اور عظمت ایسی تھی اور آپ کی اصابت رائے
اور تدبر کا یہ عالم تھا کہ آپ کی رعایا آپ پر پورا اعتماد رکھتی تھی اور آپ کے مشوروں کو حق

وصداقت پر مبنی سمجھتی تھی، اور وہ ان کے نزدیک نہایت محترم تھے (صحیح بخاری جز ۱ ص ۱۲ طبع مصر)

عن زیاد بن علاقة قال سمعت
جریر بن عبد الله یقول
یوم مات المغیرة بن شعبة
قام فحمد الله واثنی علیه وقال
علیکم باتقاء الله وحده لا شریک
له والوقار والسکینة حتی یاتیکم
امیر فانما یاتیکم الان ثم قال
استعفوا لامیرکم فانه کان
یحب العفو ثم قال اما بعد فانی
اتیت النبی صلی الله علیه وسلم
قلت ابایعک علی الاسلام
فشرط علی والنصح لکل مسلم
فبایعته علی هذا ورب هذا
المسجد انی لناصح لکم ثم استغفر
ونزل

حضرت زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت
جریر بن عبداللہؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات کے دن
سنا۔ آپ کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا
تم پر لازم ہے اللہ سے ڈرنا جو اکیلا ہے اور اسکا کوئی
شریک نہیں، اور وقار اور سکون سے رہنا تا آنکہ تمہارا
(نیا) امیر آئے اور وہ عنقریب آنیوالا ہے پھر فرمایا
اپنے (مرحوم) امیر کے لئے خدا تعالیٰ سے معافی
مانگو کیونکہ وہ معاف کرنے کو دوست رکھتے تھے پھر فرمایا
اب سنو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا
اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں
تو آپ نے شرط لگائی کہ ہر مسلمان کو نصیحت کرنے پر بھی
چنانچہ میں نے اس پر بیعت کی۔ اور اس مسجد کے رب کی
قسم میں تمہارا بھی ناصح ہوں پھر آپ نے استغفار
کیا اور منبر سے اتر آئے۔

یہ ایک جلیل القدر صحابی کی حضرت مغیرہؓ کے بارے میں شہادت ہے کہ وہ لوگوں کی غلط روی پر چشم پوشی فرماتے تھے اور ان کی خطائیں بخش دیتے تھے تو پھر وہ جتنے بھی محبوب ہوں کم ہے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ نئے والی کے آنے تک پوری طرح امن رہا اور آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی۔

غرض یہ ہے کہ کوفہ جو ہمیشہ اپنے والیوں کے لئے درد سر بنا رہا اور جہاں کبھی ان والیوں کی عظمتِ شخصی اور تعمیر و ترقی کی کوششوں کو نہ سراہا گیا وہاں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ہستی ایسی محترم تھی کہ لوگوں کو رشوتیں دے کر اپنا ہمنوا بنائیں۔ کوفہ سے جو

وفد گیا تھا، وہ آفاقی اور بے حیثیت لوگوں کا نہ تھا۔ بلکہ عربی النسل اکابر کا تھا۔

سیدھی اور صاف بات ہے جسے سب نے تسلیم کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو ولی عہد بنانے کی تحریک حضرت مغیرہؓ نے کی تھی وہ کوفے کے فسادیوں کے حالات سے باخبر تھے دیکھ رہے تھے کہ حضرت معاویہؓ کی زندگی میں کس کس طرح ان لوگوں نے حضرت حسنؓ کی وفات پر حضرت حسینؓ کو طلب خلافت پر ابھارنے کے جتن کئے تھے ان حالات میں ان کی پختہ رائے تھی کہ خلافت کے بارے میں جو فسادات حضرت عثمانؓ کے بعد ہوئے ان کا تقاضا یہی تھا کہ ولی عہد المسلمین کا تقرر حضرت معاویہؓ اپنی زندگی میں کر جائیں اور وہ ولی عہد ہوں فرزند امیر المؤمنین جو اپنی صلاحیت و قابلیت آداب جہانبانی سے واقفیت اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ رکھنے کا پورا ثبوت جہادوں میں دے چکے تھے پھر تمام بنو امیہ اور قریش ان کی حمایت پر تھے اور قبیلۂ بنو کلب کی پوری طاقت ان کی پشت پر تھی۔ صحابہ کرام میں وہ مقبول تھے اور ان کی قدر سب کو معلوم تھی چنانچہ جمہور صحابہ و امہات المؤمنین اور اکابر امت نے اس تحریک کی تائید کی اور ارباب حل و عقد کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے کیا گیا جسے ہم آیندہ بیان کریں گے

مودودی صاحب نے یہ تصور قائم کیا ہے کہ وفد صرف کوفے کے ان پست و دوں فطرت لوگوں کا تھا اور یہ کہ امیر زیادؒ کی زندگی تک حضرت معاویہؓ کو یہ مسئلہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی، کیونکہ وہ امیر یزیدؒ کو ولی عہد بنانے کے خلاف تھے مگر یہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے سب باطل ہے۔ شیعہ مورخ مسعودی تک کو اس کا اعتراف ہے کہ وفد کسی ایک جگہ سے نہیں بلکہ چاروں طرف سے آئے تھے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ (مروج الذہب، ج ۳، ص ۳۶-۳۷)

وفی سنۃ تسع وخمسین وفد
علی معاویۃ وفد من الامصار
من العراق وغیرھا۔ فکان ممن
وفد من اھل العراق الاحنف

اور ۵۹ھ میں (حضرت) معاویہؓ کی خدمت میں
عراق وغیرہ کے شہروں سے وفد آئے۔ اور جو
وفد اہل عراق کی طرف سے آیا تھا اس میں
دوسرے بڑے لوگوں کے علاوہ احنف بن

بن قیس فی آخرین من وجوہ الناس   قیس بھی تھے۔

مسعودی نے سنہ غلط دیا ہے طبری نے دیگر مورخین نے ۵۶ھ بیان کیا ہے مگر یہاں ہمیں بتانا یہ ہے کہ سارے عالم اسلام سے جو وفود آئے تھے وہ اکابر اہل حل وعقد ورذی وجاہت لوگوں کے تھے نہ کہ ان کے جو دو تین ہزار درم یا دینار رشوت لیکر رائے دیں۔ امیر زیادؒ نے بھی بصرے سے وفد بھیجا تھا۔

ان وفدوں کے سامنے موافق ومخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور لوگوں نے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے دی مسعودی نے احنف بن قیس کی یہ تقریر نقل کی ہے۔

ان الناس امسوا فی منکر زمان قد سلف ومعروف زمان یتنفو یزید حبیب قریب فان تولہ عہدک فعن غیر کبر مفن او مرض مضن وقد حلبت الدهور وجربت الامور فاعرف من تسند الیہ عہدک ومن تولیہ الامر بعدک واعص رای من یامرک ولا یقدر لک ویشیر علیک ولا ینظر لک۔

لوگ برے دور سے گزر چکے اور اچھے زمانے کی امیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ یزید محبوب ہیں اور قریب ہیں۔ آپ انھیں ولی عہد بناتے ہیں تو بغیر اس بڑھاپے کے جو قوی کو کمزور کرنے والا ہو اور بغیر اس مرض کے جو جسم کو گھلانے والا ہو آپنے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور حالات کو خوب پرکھا ہے لہذا دیکھ بھال کر اپنا عہد سپرد کیجئے اور اپنا ولیعہد بنائیے۔ ان لوگوں کی رائے پر مت چلئے جو بات تو کہتے ہیں لیکن آپکی حمایت کی قدرت نہیں رکھتے اور آپکو مشورہ دیتے ہیں لیکن آپکی خیر خواہی مطلوب نہیں۔

خضری نے لکھا ہے (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۱۸) کہ جب لوگوں نے کافی بحث کرلی تو امیر المومنینؓ نے حضرت احنفؒ سے فرمایا ما تقول یا ابا بحر؟ (اے ابو بحر آپ کیا کہتے ہیں" تو انھوں نے عرض کیا۔

نخافکم ان صدقنا وتخاف اللہ ان   ہم سچ کہیں تو آپکا خوف ہے اور جھوٹ بولیں

كن بنا وانت يا امير المؤمنين اعلم بيزيد في ليله ونهاره وسره وعلانيته ومدخله ومخرجه فان كنت تعلمه لله وللامة رضا فلا تشاور فيه و ان كنت تعلم فيه غير ذلك فلا تزوده الدنيا وانت صائر الى الآخرة و انما علينا وان نقول سمعنا واطعنا۔

تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور امیر المؤمنین یزید کے رات دن کے مشاغل، ان کا ظاہر و باطن اور ان کا اٹھنا بیٹھنا سب آپ کو ہم سے زیادہ معلوم ہے اگر آپ نہیں خدا اور امت کے لئے پسندیدہ سمجھتے ہیں تو پھر ان کے بارے میں کسی سے مشورہ مت لیجئے اور اگر آپ اس کے خلاف جانتے ہوں تو انکی دنیا کیلئے اپنی آخرت مت لگا رہئے رہے ہم تو ہمارا کام ہے سننا اور اطاعت کرنا

حضرت احنف جیسے دلیر اور ذی رتبہ شخص کی طرف یہ دو تقریریں منسوب کی گئی ہیں ہمیں ان پر بحث کی ضرورت نہیں یعنی نہ یہ کہنا ہے کہ ان تقریروں کی نسبت حضرت احنف کی طرف درست ہے یا نہیں اور نہ یہ کہ ان تقریروں کا کونسا مضمون کیا حیثیت رکھتا ہے ہمیں تو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان اجلاس میں موافق و مخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور کثرت رائے سے یہ تجویز منظور کی گئی، حضرت ضحاک بن قیس فہری صحابی بڑی قوت سے اس تحریک کی تائید میں تھے۔ ان کی پر جوش تقریریں نقل کی گئی ہیں مسعودی شیعی نے یہ پر جوش تقریریں اپنے طریقے پر نقل کی ہیں۔

اب ہم اہل مدینہ کی بابت مودودی صاحب کی گل فشانیاں بیان کرتے ہیں آگے فرماتے ہیں (ص ۱۵۰ - ۱۵۱)

"حضرت معاویہ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لئے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا "امیر المؤمنین نے تمہارے لئے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے ان کو سمجھائی۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں۔ ابوبکر و عمر نے بھی

جانشین مقرر کئے تھے" اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضؓ اٹھے، اور انھوں نے کہا جھوٹ بولتے ہو تم اے مروان اور جھوٹ کہا معاویہ نے تم نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے، تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنت ابی بکر و عمر نہیں ہے، انھوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا، مروان نے کہا پکڑو اس شخص کو، یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَا (الاحقاف، ۱۷) حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہ چیخ اٹھیں کہ "جھوٹ کہا مروان نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملے میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے معاملہ میں آئی ہے جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اس کی صلب میں تھا" اس مجلس میں حضرت عبدالرحمٰن کی طرح حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر، اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی یزید کی ولیعہدی ماننے سے انکار کر دیا۔"

یہ روایت اپنے ناشائستہ اضافوں کے سبب بتا رہی ہے کہ اس کے راویوں میں کس ذہنیت کے لوگ ہیں۔ مودودی صاحب نے اس روایت کی خاص سند تو دی نہیں حاشیہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے سن وفات کے سلسلے میں البدایہ وغیرہ کے نام لکھ دیئے ہیں۔ سند دی ہوتی تو رجال کی قلعی بھی کھول دی جاتی اگرچہ کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ اس کا متن ہی اپنی حقیقت بتا رہا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ شروع سے امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے اور آخر تک رہے۔ انھیں اگر اختلاف تھا بھی تو اسے حسن کے ساتھ بیان کر سکتے تھے۔ اور یہ ناممکن ہے

کہ انھوں نے اپنے امام کے متعلق یہ لہجہ اختیار کیا ہو پھر وہ اس زمانہ میں دنیا میں موجود ہی نہ تھے۔ بروایت اصح ۵۳ھ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور مودودی صاحب خود کہتے ہیں کہ زیاد کی وفات ۵۳ھ میں ہو جانیکے بعد ولیعہدی کی یہ تحریک ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت ام المؤمنین صلوات اللہ علیہا کے یہ الفاظ ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ بدیہی البطلان ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکم پر لعنت اگر ان کے کفر کی حالت میں کی تھی تب تو ظاہر ہے کہ بیکار گئی کیونکہ وہ اسلام لائے اور حضرت مروان نے ساری عمر حکومت کی اور آخر میں خلیفہ ہے۔ پھر علم و فضل کے اعتبار سے انکا شمار اکابر امت میں ہوا۔ اور ان کے فتاوی اور فیصلے شرعی نظائر کی حیثیت سے صحاح میں مندرج ہوئے یعنی انھیں لعنت میں سے کچھ بھی حصہ نہ ملا بلکہ بڑی رحمت ثابت ہوئی۔ اور اگر یہ لعنت حضرت حکم کے اسلام لانے کے بعد کی تھی تو حضرت مروان ان کی پشت سے جدا ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے وقت ان کی عمر نو دس برس کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، صغار صحابہ اور کبار تابعین میں ان کی حیثیت مسلم ہوئی

۳۔ حضرت مروان نے اول تو سنت ابی بکر و عمر کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوگا۔ اور اگر کہا تو صحیح کہا کیونکہ مسئلہ اپنے بعد کے خلیفہ کا نام زد کرنے کا تھا اور یہ یقیناً سنت ابی بکر و عمر ہے۔ رہا بیٹے کو نام زد کرنا تو یہ الگ بات ہے اور کتاب و سنت میں اس کی کہیں ممانعت نہیں اور جب ممانعت نہیں تو اباحت خود بخود ثابت ہوگئی حضرت علی کے آخر وقت ان کے بیٹے کی نامزدگی ہوئی تھی۔

۴۔ حضرت عبدالرحمن اگر اس وقت بقید حیات ہوتے بھی تو قیصریت کا کوئی ذکر نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ قیصر آمر و ناہی ہوتا تھا۔ اور اسے یہ اختیار تھا کہ جو قانون چاہے بنائے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا لفظ اس کی رعایا کے لئے قانون کا حکم رکھتا تھا۔ اسلامی معاشرے میں ایسا کوئی تصور نہیں۔ یہاں تمام معاملات

کتاب و سنت پر مبنی ہوتے ہیں۔

۵۔ مودودی صاحب نے جو الفاظ آخر میں بڑھائے ہیں کہ اس مجلس میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یزید رحمہ اللہ کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا تھا تو اس کا کوئی ثبوت نہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو امیر المؤمنین یزید رحمہ اللہ نے اپنے قطعہ اشعار میں انکی بیعت کرنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ صریح جھوٹ ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

۶۔ اس اجلاس میں ولی عہد ماننے نہ ماننے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ صرف ایک تحریک کی اطلاع دی گئی تھی اور فیصلہ ہونے سے پہلے تحریک کی مخالفت میں جو کچھ بھی کہا جائے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ البتہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد اگر کوئی شخص مخالفت پر قایم رہے تب اس کا موقف زیر بحث آئے گا۔

مودودی صاحب نے اس روایت پر جو تعلیقہ دیا ہے اس میں انھوں نے صحیح بخاری کے بیان کو مختصر بنایا ہے کیونکہ ان کا مدعا اس سے پورا نہیں ہوتا اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے حضرت مروان رضی اللہ عنہ پر طعن کی گنجائش نہیں نکلتی حالانکہ صحیح بخاری کا بیان اس نورانی ماحول کے مطابق ہے جہاں فضولیات سے گزیر کیا جاتا تھا ملاحظہ ہو (ج ۳ ص ۸۰ ۸ الاحقاف) اس سند میں ایک بھی شخص بدعقیدہ یا مشتبہ خیالات کا نہیں سب بلند پایہ ہیں۔

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل حدثنا	ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں
ابو عوانۃ عن ابی بشر عن یوسف	ہم سے ابو عوانہ نے ابو البشر کے حوالے سے
بن ماھک قال کان مروان علی الحجاز	بیان کیا اور انھوں نے یوسف بن ماہک کے حوالے
استعملہ معاویۃ فخطب فجعل	سے۔ وہ فرماتے ہیں مروان حجاز کے والی تھے انہیں
یذکر یزید بن معاویۃ لکی یبایع	(حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ تو انھوں نے
لہ بعد ابیہ فقال لہ عبدالرحمٰن	ایک تقریر کی اور اس میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے

بن ابی بکر شیئا قال خذوہ
فدخل بیت عائشۃ فلم یقدروا
فقال مروان ان ھذا الذی
انزل اللہ فیہ والذی قال
لوالدیہ اف لکما اتعداننی
فقالت عائشۃ من وراء الحجاب
ما انزل اللہ فینا شیئا من
القرآن الا ان اللہ انزل
عذری۔

لگے کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے
اس پر حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا
تو انھوں نے یعنی حضرت مروانؓ نے کہا پکڑ لو
انھیں اس پر وہ (حضرت ام المومنین عائشہؓ) کے گھر
میں چلے گئے اور لوگ ان پر قابو نہ پا سکے۔ تو
مروانؓ نے کہا یہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق اللہ نے یہ
آیت نازل کی ہے وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے
کہا افسوس ہے تم پر تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ اس پر (حضرت)
عائشہؓ نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا اللہ تعالٰی نے ہم لوگوں کے
متعلق قرآن میں کوئی چیز نہیں اتاری سوائے اس کے
کہ اللہ نے میری پاکدامنی کی آیات نازل فرمائیں۔

یہ تھی ساری بات بروایت بخاری نہ یہاں لعنت کی باتیں ہیں نہ امیر و امام کو جھوٹا
کہنے کی۔ رہا حضرت مروانؓ کا آیت کو حضرت عبدالرحمانؓ کے متعلق بتانا تو یہ قیاس تھا
کیونکہ حضرت عبدالرحمانؓ بدر میں کفار کے لشکر کے ساتھ آئے تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے۔
حضرت عبدالرحمانؓ نے کیا کہا اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے کوئی چبھتی ہوئی
بات کہدی ہوگی لیکن یہ قضیہ قطعاً آگے نہیں بڑھایا گیا اور اجلاس بغیر کسی اور بدمزگی
کے ختم ہوگیا۔ اس اجلاس میں قطعاً کسی دوسری طرف سے اعتراض نہیں ہوا یعنی وہ
اکابر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ
وغیرہم ان سب نے یہ بات سنی اور گوارا کی۔ چھوٹوں کی موجودگی میں بات تو حجت بڑوں
کی ہے۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں حتی کہ مودودی صاحب کی بیان کردہ روایت
سے بھی کہ بڑوں نے کیا کہا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۱۵۲)

"عراق و شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہؓ

خود حجاز تشریف لے گئے۔ کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا، اور
دنیائے اسلام کی وہ با اثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا
وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسینؓ حضرت ابن الزبیرؓ حضرت
ابن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ان سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے
ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔

اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انھوں نے مکہ کا رُخ
کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے اس مرتبہ
ان کا برتاؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ کے باہر ان سے کیا تھا۔ ان پر بڑی
مہربانیاں کیں۔ انھیں اپنے ساتھ لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔
پھر تخلیئے میں بلا کر انھیں یزیدؔ کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔
حضرت عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا "آپ تین کاموں میں سے ایک
کام کیجئے۔ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنائیے لوگ
خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنا لیں گے جس طرح انھوں نے حضرت ابوبکرؓ
کو بنایا تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت ابو بکرؓ نے کیا کہ اپنی جانشینی
کیلئے حضرت عمرؓ جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا دور پرے کا رشتہ بھی
نہ تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت عمرؓ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ
تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔[1]
حضرت معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا "آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟"
انھوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن الزبیر نے کہا ہے۔
اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا "اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں

---

[1] یہاں ایک دلچسپ بات جو داستان گو کے ذہن میں نہیں آئی یہ ہے کہ اس نے ان حضرات کی
زبان سے یہ نہیں کہلوایا کہ اگر یہ تین طریقے منظور نہیں تو چوتھا وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت علیؓ کی بیعت کے
سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس چوتھے طریقہ کو نہ یہ حضرات صحیح سمجھتے تھے اور نہ داستان گو

اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا " ان میں ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔ اس کے بعد وہ انھیں لئے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا۔

" یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انھوں نے بیعت کر لی ہے لہذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔ (بحوالہ ابن اثیر ص ۱۵۲)

ابن اثیر نے واقعی یہ افسانہ نقل کیا ہے۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے مصنف ہیں (متوفی ۶۳۰ھ) جب تاریخ اسلام پوری طرح مسخ ہو چکی تھی۔ ان کے تمام بیانات بغیر اسناد کے ہیں اور انھوں نے کہیں اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ایک مربوط کہانی کے طور تاریخ اسلام بیان کی ہے۔ یہ صرف اپنے زمانہ کے یا اس سے کچھ پہلے کے واقعات کے بارے میں تو مستند سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن قرون اولیٰ کے واقعات کے بارے میں ان کا بیان بغیر سند کے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

انھوں نے یہ افسانہ جس مربوط شکل میں بیان کیا ہے، اور یہ تأثر دینا چاہا ہے کہ ان چاروں اصحاب سے حضرت معاویہ رضی کی پہلی ملاقات مدینہ میں ہوئی اور ان کے رویے سے بددل ہو کر یہ حضرات جب مکہ چلے گئے تو دوسری ملاقات وہاں ہوئی اور ان کی بیعت کا مذکورہ واقعہ پیش آیا، اس طرح کا بیان ابن اثیر سے سو برس پہلے کہیں نہیں ملتا۔ قاضی ابو بکر ابن العربی (المتوفی ۵۴۳ھ) کے زمانے میں یہ ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روایتیں تھیں اور ان سب کا مدار وہب بن جریر بن حازم پر تھا یعنی کسی شخص نے ان وہب کی طرف منسوب

کرکے کوئی بات کہی اور کسی دوسرے نے کوئی دوسری بات۔ یعنی یہ نہیں کہ کسی نے تینوں باتیں کہی ہوں
یہ روایتیں یوں ہیں۔

(۱) حضرت معاویہؓ جب مدینہ حاضر ہوئے تو ابن عمرؓ، ابن ابی بکرؓ ابن الزبیرؓ ان کے استقبال کے لئے نکلے۔ اور پھر حضرت معاویہؓ نے مدینہ پہنچ کر تقریر کی اور خلافت کے لئے یزید کی موزونیت بیان کرکے منبر سے اُتر آئے۔ پھر مکہ چلے گئے۔ اور حج سے فارغ ہو کر حضرت ابن عمرؓ کو بلا کر بیعت کیلئے کہا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک شخص ہوں، سب بیعت کریں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ یہ کہہ کر چلے آئے۔ پھر حضرت معاویہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بلایا اور ابھی سلسلہ گفتگو شروع ہی کیا تھا کہ یہ بیچ میں بول پڑے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے اور آپ کو اس معاملے میں شوریٰ کرنا ہوگا یہ کہہ کر اٹھ گئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا "رکو اہل شام کو تمہاری یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ میں رات کو یہ اعلان کرنے والا ہوں کہ تم نے بیعت کرلی پھر جو تمہارا جی چاہے کرنا" پھر حضرت ابن الزبیرؓ کو بلایا اور انھیں سخت سست کہا کہ تم ہی نے ان دونوں کو بھی ورغلایا ہے۔ حضرت ابن الزبیرؓ نے عرض کیا کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ ہو جائیے۔ ہم آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ تم دونوں کی بیعت کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ حضرت معاویہؓ باہر نکلے اور لوگوں سے فرمایا "لوگ کہتے ہیں کہ ابن عمر، ابن الزبیر اور ابن ابی بکر نے بیعت نہیں کی حالانکہ وہ مطیع ہیں اور بیعت کر چکے ہیں" شامیوں نے کہا "یوں نہیں انھیں بیعت سب کے سامنے کرنی چاہیئے ورنہ ہم انھیں قتل کر دیں گے" حضرت معاویہؓ نے فرمایا "سبحان اللہ! کیسے جلدی لوگ قریش کی بُرائی پر اس طرح تل گئے۔ آئندہ میں ایسی بات کسی کی زبان سے نہ سنوں" یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے[1]

اس روایت کی دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

۱۔ حضرت ابن عمرؓ ابن ابی بکرؓ اور ابن الزبیرؓ تینوں حضرت معاویہؓ کے ساتھ مکہ گئے تو اور مدینہ کی تقریب سے لیکر حج ختم ہونے تک حضرت معاویہؓ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ اور جب کی تو تینوں نے اپنی اپنی رائے الگ الگ بیان کردی یعنی یہ نہیں ہوا کہ کسی کو نمایندہ بنایا گیا ہو۔ نیز یہ کہ حضرت حسینؓ کا اس میں کوئی

ذکر نہیں۔

۲ - دوسری بات جو راوی کی جہالت ثابت کرتی ہے وہ حضرت ابن الزبیرؓ کے جواب میں ہے یہ کہ آپ خلافت سے تھک گئے ہوں تو الگ ہو جائیے ہم آپ کے بیٹے سے بیعت کر لیں گے۔ آپ دونوں کی بیعت بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی" حضرت ابن الزبیرؓ جو امام الضفیار ہیں کیا وہ اتنی بات بھی نہیں جانتے تھے کہ بیعت خلافت کی نہیں بلکہ ولایت عہد کی لی جا رہی تھی یعنی امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات کے بعد ولی عہد کو خلیفہ تسلیم کرنے کی۔

(۲) انہی وہب سے دوسری روایت یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ میں جو تقریر کی تھی تو اس میں فرمایا کہ ابن عمر کو بیعت کرنی ہوگی ورنہ میں انھیں قتل کر دونگا۔۔ فرزند عبداللہ بن عمرؓ نے جو یہ بات سنی گھبرا کر مکہ روانہ ہو گئے تاکہ اپنے والد ماجد کو یہ بات بتائیں حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ سنا تو رو پڑے۔ ابن صفوان جو ان کے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ آپ کا ارادہ اگر جنگ کرنے کا ہو تو میں ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں صبر کروں گا۔ (گویا حضرت ابن عمرؓ مدینے میں نہیں تھے بلکہ پہلے ہی سے مکہ میں تھے) اتنے میں حضرت معاویہؓ مکہ پہنچے تو ان کے استقبال کے لئے عبداللہ بن صفوان نکلے اور کہا " کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ابن عمرؓ نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہیں کی تو آپ انھیں قتل کر دیں گے؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا " میں اور ابن عمرؓ کو قتل کر دوں؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا (یعنی منبر پر جو قسم کھائی تھی وہ بے معنی تھی۔ م)

(۳) انہی وہب سے تیسری روایت یہ ہے کہ یہ سب حضرات مکہ میں تھے اور جب حضرت معاویہؓ وہاں پہنچے اور یہ استقبال کے لئے نکلے تو امیر المؤمنین نے فرمایا۔ میں اکیلا چلتا ہوں کوئی میرے ساتھ نہ چلے اور جب میں سواری مانگوں تو پیش کی جائے سب سے پہلے حضرت حسین بن علیؓ آئے۔ حضرت معاویہؓ نے بڑے تلطف سے ان کا استقبال کیا، مدح سرا ہوئے اور سواری منگوائی۔ کچھ دور چلے تھے کہ حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ آئے اور ان کا استقبال بھی اسی طرح ہوا اور سواری منگوائی گئی۔ پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ حضرت ابن عمرؓ

تشریف لاتے نظر آئے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور سواری منگوائی گئی، پھر تھوڑی دور چلے تھے کہ حضرت ابن الزبیرؓ ملے ان کے ساتھ بھی یہی ہوا اور سواری منگوائی گئی، اس طرح ان سب کو ساتھ لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور حج ختم ہونے تک بڑی شگفتگی سے ساتھ باتیں رہیں۔ پھر وہ سب قصہ ہے جو مودودی صاحب نے لکھا ہے۔

اس روایت کے مطابق چاروں حضرات مکہ میں پہلے سے موجود تھے۔ جب امیر المومنین کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی اور شہر کے عمائد آپ کے استقبال کے لئے نکلے، تو یہ چاروں صاحب شہر ہی میں رہے اور پھر بجائے چاروں ایک ساتھ آنے کے ایک ایک کرکے ڈرامائی انداز میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نمودار ہوئے۔ راوی نے ترتیب بھی اپنے زاویۂ نگاہ سے رکھی۔ اس کے نزدیک سب سے بلند رتبہ حضرت حسینؓ تھے اس لئے وہ سب سے پہلے آئے۔ پھر حضرت صدیقؓ کے بیٹے اور ان کے بعد حضرت فاروقؓ کے چونکہ ابن الزبیرؓ اس شخص کے نزدیک سب سے کم رتبہ تھے۔ اس لئے سب کے بعد آئے۔

دوسری چیز اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چاروں نے اپنی اپنی رائے الگ نہیں بتائی بلکہ ابن الزبیرؓ کو وکیل کیا اور وہ سب کی طرف سے بولے۔

تیسری چیز اس میں بھی وہ ہے جو راوی کی جہالت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حضرت ابن الزبیرؓ جیسے ذکی و فطین شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے جب حضرت عثمانؓ کے انتخاب تک ہر انتخاب مختلف تھا۔ تو حضرت ابن الزبیرؓ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اب اختلاف نہیں ہو سکتا۔

یہ ہیں وہ تین متناقض غیر مربوط وضعی روایتیں جو ایک دوسرے سے بے خبر راویوں نے اپنی اپنی جگہ وہب بن جریر کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ ابن اثیر نے اپنے زمانے میں انھیں ایک مربوط افسانے کی شکل دینے کے لئے یہ رائے قائم کرلی کہ حضرت معاویہؓ کے برتاؤ سے بزدل ہوکر یہ حضرات مکہ چلے گئے تھے۔ مگر انھوں نے یہ نہ سوچا کہ مکہ میں بھی تو امیر المومنین سے انھیں چھٹکارا ملنے والا نہیں تھا۔

امام ابن العربیؒ نے اِن تینوں روایتوں کو جھوٹا بتایا ہے [ص ۲۱۹ - ۲۰۴] اور علامہ محب الدین الخطیبؒ نے ہر روایت پر تنقید کی ہے۔ اہل علم وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں
ہم ناظرین کرام کو ایک اور بات پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ شاید مودودی صاحب کچھ عبرت پکڑیں۔

(۱) ابن اثیر (المتوفی ۶۳۰ھ) نے ساتویں صدی میں جو مرلوط افسانہ لکھا وہ ان سے سو برس پہلے امام ابن العربیؒ کے زمانے میں (المتوفی ۵۴۳ھ) یعنی العواصم کی تالیف کے وقت ایک روایت نہیں تھی بلکہ تین مختلف روایتیں الگ الگ مشہور تھیں کوئی کہتا تھا کہ واقعہ یہ ہوا اور کوئی کہتا تھا یہ۔

(۲) امام ابن العربیؒ سے دو سو برس پہلے شیعہ مؤرخ مسعودی کے زمانہ میں (المتوفی ۳۴۶ھ) ایسی کسی روایت کا وجود نہ تھا ورنہ وہ اسے ضرور نقل کرتا۔ کیونکہ امیرالمؤمنین حضرت معاویہؓ پر قسم قسم کی چوٹیں کی ہیں وہ بنو بویہ کے دربار سے منسلک تھا۔ جنھوں نے دنیا میں پہلی مرتبہ ماتم حسینؓ کی ابتدا کی اور صحابۂ کرام کی منقصت میں کتابیں لکھوائیں۔ اگر ادنیٰ درجہ میں بھی ایسی کسی روایت کا اسے کہیں سراغ ملتا تو درج کیے بغیر نہ رہتا۔

(۳) مسعودی سے نصف صدی پہلے تیسری صدی ہجری میں دوسرے شیعہ مؤرخ محمد بن جریر طبری ہوئے ہیں (المتوفی ۳۱۰ھ) وہ وہب بن جریر سے روایت کرتے ہیں لیکن انھوں نے ایسی کوئی روایت وہب سے نقل نہیں کی۔

علاوہ ازیں ابن اثیر سے لے کر وہب تک اور وہب سے لے کر اوپر تک اس ایک یا ان تین روایتوں کی کوئی سند نہیں ملتی جو اس کے راویوں کی بابت کچھ کہا جا سکے
غرض یہ ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے سلسلے میں چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جیسی ابن اثیر نے بیان کی ہے۔ البتہ الامامۃ والسیاسۃ میں پہلی مرتبہ وہ روایت ملتی ہے۔ ان چاروں بزرگوں نے حضرت معاویہؓ کا استقبال مکہ میں کیا اور اس ڈرامائی انداز میں ایک ایک کرکے تھوڑے تھوڑے

تو ملے پران سے ملے۔ پھر ہنستے بولتے وقت گزرا اور آخر دن ان تینوں کو بلایا گیا یہ سمجھ گئے کہ کیوں بلایا گیا ہے اور انھوں نے ابن الزبیرؓ کو اپنا وکیل بنا دیا جنھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو حضرت معاویہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بغیر وصیت کئے اس دنیا سے جائیں یا حضرت صدیقؓ کی طرح ایک غیر شخص کو ولی عہد بنائیں یا حضرت فاروق رضؓ کی طرح چند آدمیوں کو نامزد کر جائیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے برافروختہ ہو کر کہا کہ میں اعلان کرنے والا ہوں کہ تم سب نے بیعت کر لی اور تمہارے سروں پر ننگی تلواریں لئے آدمی کھڑے ہوں گے۔ اگر تم میں سے کسی کے ہونٹ ہلے تو بات منہ سے نکلنے سے پہلے اس کا سر زمین پر پڑا ہوگا۔

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب حضرات یعنی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ و عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ و حسین بن علیؓ سب چپ سادھے رہے کسی نے کچھ بھی نہ کہا قتل ہو جانے کے ڈر سے لم یتکلموا شیئاً حذر القتل (ج ۱ ص ۲۰۰) ان وضعی روایتوں سے جہاں حضرت معاویہؓ امیرالمؤمنین پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے وہیں ان سب بزرگوں کی بزدلی کا بھی کیسا برا نقشہ کھینچا ہے۔

الامامۃ والسیاسۃ کے متعلق اہل تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم المعروف با بن قتیبہؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی مجہول غالی رافضی نے یہ کتاب لکھی ہے [ملاحظہ ہو العواصم من القواصم ص ۲۴۸ تعلیقہ علامہ خطیبؒ] گویا ساتویں صدی ہجری سے لیکر تیسری صدی ہجری کی تاریخ کا جائزہ لیتے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چوتھی سے پانچویں صدی ہجری تک کے زمانے میں یہ تین مختلف روایتیں الگ الگ لوگوں نے وہب کے نام سے وضع کی تھیں اور ابن اثیر نے انھیں ایک مربوط افسانے کی شکل میں پیش کر دیا چوتھی صدی کے اوائل تک ایسی کوئی بات امت کو معلوم نہ تھی۔

مسعودی کی مروج الذہب [ج ۳] کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی

ولایت عہد کے سلسلے میں صحابہ کرام کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف یا بدمزگی پیدا نہیں ہوئی۔ ہر طرف کے وفود نے کثرت رائے سے اس کی تائید کی اور عالم اسلام نے قبول کر لیا۔ ایسی صورت میں ابن اثیر اور ان کے بعد کے راویوں کا کوئی بیان کب لائق توجہ ہے۔ اور کسی صاحبِ علم کے لئے کب روا ہے کہ ان لغویات کو بطور حجت پیش کرے۔

اب ہمیں ایک طرح اور دیکھنا چاہئے کہ ابن اثیر نے جس طرح یہ افسانہ مرتب کیا ہے اور مودودی صاحب جو تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت اہل مدینہ میں یہی چاروں بزرگ اصحاب موجود تھے، لہٰذا حضرت معاویہؓ کے لئے ضروری تھا کہ انہیں رام کریں۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً باطل ہے۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ موجود تھے جن کے سامنے یہ چاروں خوردوں کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سعید بن زیدؓ حضرت ابو سعید خدریؓ، پھر ان چاروں میں دو تو بالکل ہی خورد تھے یعنی حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ گویا مسئلے کا فیصلہ کرتے وقت رائے دینے والوں میں حضرت ابن عمرؓ تو بیشک تھے اور ان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اگر وہ اس وقت دنیا میں موجود ہوتے لیکن حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ اس وقت یہ حیثیت نہیں رکھتے تھے کہ بزرگوں کے فیصلے کے خلاف جا سکیں۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام کا شعار تھا کہ تمام اہم معاملات میں حضرات امہات المؤمنین سے مشورہ کر کے کوئی اقدام کرتے تھے۔ اور اس بارے میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقؓ کی بھی کوئی تخصیص نہیں وہ بھی امہات المؤمنین کی رائے لیا کرتے تھے حالانکہ وہ ان کی بیٹیاں تھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے انھیں تمام امت میں جو عظیم ترین سربلندی ملی ہے اس کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو معارف دینیہ میں خاص درک عطا فرمایا تھا جیسا کہ نص قرآنی سے ثابت ہے، وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (اور تم یاد کیا کرو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں) تمام امت میں سے یہ تخصیص امہات المؤمنین کی ہے کہ وہ علوم نبویہ کی ایسی حامل ہیں کہ ان کو کوئی

نہیں پہنچ سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت خاصہ ان سب کو حاصل ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ہر مسئلے میں صحابہ کرامؓ حضرات امہات المؤمنین کی ہدایات حاصل کرتے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہن وعلی بعلہن دائماً ابداً) اب یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ۔ اور حضرت حسینؓ اپنا موقف بناتے وقت امہات المؤمنین سے استصواب نہ کرتے، اور کسی درجے میں بھی یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابن عمرؓ نے سیدہ حفصہؓ سے عبدالرحمٰن اور ابن الزبیرؓ نے سیدہ عائشہؓ سے حضرت ابن عباسؓ .... نے سیدہ میمونہؓ سے رائے نہ لی ہو۔ اور اس رائے پر عمل نہ کیا ہو۔

۹ چنانچہ ہم ان روایات واہیہ اور ان تمام لغویات و خرافات کے مقابلے میں صحیح بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں جس سے سب مسئلہ صاف ہو جائیگا۔

[ملاحظہ ہو ج ۲ ، ص ۵۸۹ اصح المطابع]

عن ابن عمر قال دخلت علی حفصة ونوساتها تنطف قلت قد كان من امر الناس ما ترين فلم يجعل لي من الامر شيئ فقالت الحق فانهم ينظرونك واخشى ان يكون في احتباسك فرقة فلم تدعه حتى ذهب

فلما تفرق الناس خطب معاوية قال من كان يريد ان يتكلم في هذا الامر فليطلع قرنه فلنحن احق به و

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ام المؤمنین حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی زلفوں سے اس وقت پانی ٹپک رہا تھا (غالباً سر دھویا ہوگا) میں نے عرض کیا آپ لوگوں کی باتیں دیکھ رہی ہیں اس معاملے میں میری کوئی حیثیت نہیں سمجھی گئی آپ نے فرمایا وہاں جا بیٹھو لوگ تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ تمہارے رک جانے سے، خلاف نہ پیدا ہو جائے۔ اور اس وقت تک انھیں نہ چھوڑا جبتک وہ چلے نہ گئے۔

جب لوگ متفرق ہو گئے (یعنی صرف خاص مجمع رہ گیا) تو حضرت معاویہؓ نے تقریر کی اور فرمایا ابھی کوئی اس بارے میں بولنا چاہیں تو سر اٹھائیں، ہم ان سے اور ان کے والد دونوں سے اس امر کے (خلافت کے) زیادہ

من ابیہ	حقدار ہیں۔
قال حبیب بن مسلمۃ فھلا اجبتہ قال عبداللہ فحللت حبوتی وھممت ان اقول احق بھذا الامر منک من قاتلک وایاک علی الاسلام فخشیت ان اقول کلمۃ تفرق بین الجمع وتسفک الدم و یحمل عنی غیر ذلک فذکرت ما اعد اللہ لی فی الجنان قال حبیب حفظت و عصمت	حضرت حبیب بن مسلمہؓ نے کہا پھر آپ نے کوئی جواب بھی دیا؟" حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں نے چاہا کہ اپنا حبوہ کھولوں اور کہنے کا ارادہ کیا اس کا زیادہ حق تو ان کا ہے جنھوں نے آپ کے اور آپ کے والد سے اسلام کیلئے جنگ کی تھی۔ لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے جو اجماع کے بعد افتراق کا موجب ہو خوں ریزی کی نوبت آئے اور میرا عندیہ اس کے علاوہ کچھ اور سمجھ لیا جائے، لہذا میں نے جنت کی ان نعمتوں کو یاد کیا جو اللہ نے میرے لئے تیار کی ہیں حضرت حبیبؓ نے فرمایا اللہ نے آپ کو غلط بات کہنے سے محفوظ رکھا۔ اور غلط اقدام سے بچا لیا

اس صحیح اور ناطق حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ معظمہ ام المومنین حفصہؓ سے مشورہ ضروری سمجھا۔

۲۔ بیعت کا معاملہ مدینہ طیبہ میں طے ہوا تھا نہ کہ مکہ میں۔

۳۔ مسجد شریف میں پورا اجتماع تھا اور تمام اہل الرای جمع تھے یعنی حضرت سعدؓ اور حضرت سعیدؓ اور دوسرے اکابر رضی اللہ عنہم۔

۴۔ حضرت ابن عمرؓ کے دل میں یہ خطرہ ہوا کہ ولی عہد ہونے کا زیادہ حق انھیں ہے تو ام المومنین حضرت حفصہؓ نے یہ خطرہ رفع کر دیا۔

۵۔ حضرت ابن عمرؓ کی ایسی اہم شخصیت تھی کہ آپ کی عدم شرکت سے فتنہ کھڑا ہو سکتا تھا

۶۔ آپ کے وہاں پہنچ جانے کے بعد بیعت کی تکمیل ہو گئی اور تمام بزرگوار دل کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا۔

۷۔ جب عوام اٹھ گئے اور خواص رہ گئے تو حضرت معاویہؓ نے خطبہ دے کر اپنے کا استحقاق

ظاہر کیا کہ کس طرح حکومت نبویہ سے لیکر ان کے اپنے عہد تک یہ گھرانہ امت کی قیادت کرتا چلا آرہا تھا اور اسے کیسی مقبولیت حاصل تھی۔

۸۔ حضرت ابن عمرؓ نے طیش میں جو کہنا چاہا تو صرف تعریضاً تھا۔ معاویہؓ کسی وقت بھی اسلام اور کفر کی آویزش میں اسلام کے مقابلے پر نہیں آئے تھے، اس لئے ان کے اس کہنے سے کہ آپ اور آپ کے باپ اسلام کیلئے جو لڑے تھے۔ اس سے مقصود صرف اتنا تھا کہ یہ باپ بیٹے اسلام بہت بعد میں لائے تھے اور اسلام کی فیصلہ کن جنگوں میں حضرت ابوسفیانؓ کفر کی طرف تھے۔ غزوہ طائف وحنین میں البتہ مؤمن وصلوق ہوکر آنحضورؐ کی معیت میں رہے اور ایک آنکھ کفار سے لڑائی میں نذر کی تھی

۹۔ حضرت حبیب بن مسلمہؓ مجاہد صحابی جو حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں تھا در اپنے جہاد وں میں مشغولیت کے سبب موقعہ پر موجود نہ تھے۔ بہت بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا وہ بھی حضرت معاویہؓ کی بات سن کر برافروختہ ہوئے مگر حضرت ابن عمرؓ کا چپ رہنا انھیں مناسب وموزوں معلوم ہوا۔

ظاہر ہے کہ طبقے اور عمر کے اعتبار سے امیر یزیدؒ تابعی ہیں اور ان بزرگواروں پہ فضیلت نہیں رکھتے لیکن جن مصالح کی بنا پر انھیں ولی عہد بنایا گیا وہ سب کی سمجھ میں آگئیں اگرچہ وقتی طور پر کسی درجے میں کسی کو پسند نہ ہوا ہو۔

مگر یہ حدیث ان تمام فضولیات کا قلع قمع کر دیتی ہے جو اس سلسلے میں لوگوں نے وضع کی ہیں اور اس سے قطعی ثبوت اس کا ملتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کا مسئلہ جمہور صحابہ کی رضا سے طے ہوا تھا۔ اور یہ فیصلہ ان بزرگواروں نے کیا تھا جن سے زیادہ نہ کسی کو دین کی سمجھ ہو سکتی ہے، اور نہ ان سے زیادہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار ہو سکتا ہے اور نہ ان سے زیادہ کسی کو اس وقت کے احوال سے واقفیت ہو سکتی ہے اور نہ ان سے زیادہ حالات حاضرہ کی مصلحتوں کو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اس وقت حضرات امہات المومنین میں سے جتنی موجود تھیں ان سب کی اولاد اعزہ واقربا نے امیر یزید کی ولایت عہد اور بعد میں خلافت بیعت کی اور اکثر بیعت پر مستقیم رہے

مثلاً حضرت ام سلمہؓ کے فرزند حضرت عمر بن ابی سلمہؓ، حضرت میمونہؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ وغیرہم۔ اس بیعت کے وقت کوئی استثناء نظر نہیں آتا اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے بھی بیعت کی تھی جیسا کہ امیر یزیدؒ نے اپنے قطعہ اشعار میں اس کا اشارہ کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے سگے بڑے بھائی تھے اور حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی اولاد میں بھی سب سے بڑے تھے ان کی وفات اپنی سگی چھوٹی بہن حضرت عائشہؓ متوفی ۵۸ھ سے پانچ سال پہلے ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر یکایک ہوگئی تھی مات فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل بقرب مكة (المعارف ابن قتیبہ ص ۲۳۲) دونوں بھائی بہن میں بڑی محبت تھی لوگوں نے جنازہ کو کندھوں پر لاکر حدود حرم میں دفن کرایا حضرت عائشہؓ کو محبوب بھائی کی جدائی کا بڑا قلق تھا مدینہ سے مکہ آکر بھائی کی قبر پر گئیں حسرت سے یہ شعر پڑھے جو متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک کی جدائی میں کہے تھے۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة — من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی ومالکا — لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

امام ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے سن وفات ان کا صراحتاً ۵۳ھ لکھا ہے ان سے دو سو برس بعد کے مؤلف ابن عبدالبر نے بھی ۵۳ھ ہی بتایا ہے اگرچہ لفظ قیل کے ساتھ ۵۵ھ بھی یہ کہہ کر لکھ دیا ہے کہ اول الذکر سنہ کی روایت بکثرت ہے۔ حافظ ابن کثیر نے بھی جو ابن قتیبہ سے پانسو برس بعد کے مولف ہیں ابن سعد و ابو عبید و واقدی وغیرہم کا بیان کردہ ۵۳ھ و ۵۵ھ سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے ۵۸ھ کو جو حضرت عائشہ صدیقہ کے انتقال کا سنہ ہے غلطی سے ان کے بھائی کا بھی سن وفات قرار دے ڈالا حالانکہ ان کے یکایک مرنے اور حضرت عائشہ کے بھائی کی قبر پر جانے اور شعر پڑھنے کے سب حالات بھی لکھے ہیں۔ غرضیکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا انتقال تحریک ولیعہدی

یزیدؒ سے جب تین سال پہلے ہو چکا تھا تو یہ وضعی روایتیں خود بخود باطل ہو جاتی ہیں جو سبائی راویوں نے ان کی رائے ہموار کرنے کیلئے حضرت معاویہؓ کو متہم کیا ہے کہ انھوں نے ایک لاکھ درہم رشوت میں ان کو بھیجے تھے۔ اور مودودی صاحب نے البدایہ ج ۸ ص ۸۹ کا حوالہ دے کر بھی یہ غلط بیانی کی ہے کہ یہ رشوت انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دی تھی۔ یہ مفتریات سب بعد میں وضع ہوئیں مودودی صاحب کا دار و مدار چونکہ ان موضوعات پر ہے اس لئے اسی کے مطابق تنقید ہم نے کی ہے ورنہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر متوفی ۵۳ھ اس زمانہ میں بقید حیات نہ تھے۔

حضرت ابن الزبیرؓ نے گو خلافت کی بیعت نہیں کی لیکن امیر المؤمنین یزیدؒ کی زندگی بھر خلافت کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ حضرت حسینؓ نے سبائیوں کے دھوکے میں آکر خروج تو کر دیا لیکن کوفہ پہنچ کر جب صحیح حالات دیکھے تو موقف سے رجوع کر لیا اور امیر المؤمنین سے بیعت کرنے کیلئے دمشق کی راہ پکڑی لیکن جب کربلا پہنچے تو آپ کے کوفی ساتھیوں نے ان کے دمشق جانے اور اپنے مارے جانے کے خوف سے یہ فساد برپا کر دیا جس کے نتیجے میں کربلا کا حادثہ رونما ہوا۔

۱۰۔ جب مدینہ میں بیعت کی تکمیل ہو گئی تب حضرت معاویہؓ نے بلاد اسلامیہ میں امیر یزیدؒ کے ولی عہد ہونے کی بیعت لی۔

اگر سب شہروں میں بیعت پہلے ہو گئی ہوتی تو اہل مدینہ پر بھی ویسے ہی اس بیعت میں داخل ہونا واجب ہو جاتا اور نہ ہوتے تو شرعًا ان کے خلاف فوجی کارروائی کیجاتی حضرت معاویہؓ جیسے یگانہ روزگار مدبر یہ غلطی کیسے کر سکتے تھے کہ اہل مدینہ سے بیعت بعد میں لیں۔ اور یہ وجہ فساد کا سبب بنیں۔ اول صرف تحریک ہوئی تھی اور بیعت اس وقت لی گئی جب اہل مدینہ نے بیعت کر لی۔ یہ حدیث اس کی وضاحت کر رہی ہے۔ یہاں تو صرف ولایت عہد کا مسئلہ پیش تھا تب ہی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ "میرا اس معاملے میں خیال نہیں کیا گیا"۔

صحیح بخاری کے اس بیان کی موجودگی میں مودودی صاحب کی بیان کردہ خرافات کی

گنجائش کب رہتی ہے اور کس طرح کوئی صاحب علم وایمان یہ فضول بات کہہ سکتا ہے جو مودودی صاحب نے امیر یزیدؒ کے بارے میں کہی کہ (ص ۱۵۰)

دو باتیں بالکل واضح ہیں ایک یہ کہ یزید کی ولی عہدی کیلئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنا پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبہ کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لئے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔

مودودی صاحب نے جو پہلی "واضح" بات فرمائی ہے اور حضرت مغیرہؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو ہوا پرست بتایا ہے تو ان کا یہ طنز صرف ان دونوں بزرگوں پر نہیں بلکہ ان سب پر ہے جنھوں نے اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا اور ان میں عظیم ترین صحابہ کرام کے علاوہ حضرات امہات المؤمنین بھی شامل ہیں۔

رہی دوسری "واضح" بات تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ امیر یزیدؒ کا موزوں ترین ہونا ان بزرگواروں کو معلوم تھا جنھوں نے ان کی ولایت عہد پر اجماع کیا۔ اور اجماع اس شان کا تھا کہ تمام امت کے سربرآوردہ لوگوں سے استصواب کے بعد ہوا تاریخ اسلام میں جس وسیع پیمانے پر استصواب امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کے بارے میں ہوا۔ ایسا استصواب ان سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں ان کی شخصی قابلیت اور فضائل بھی کم نہ تھے۔ ان کے علم و فضل کا ان کے تقوی و دینداری کا ان کی شجاعت و شہامت کا اور ان کی اہلیت و صلاحیت جہانبانی کا اعتراف ہم عصر امت نے کیا۔ اس سے بڑی اور کیا شہادت ہے کہ صحابہ کرام انکے کارکن تھے، ان کے عامل تھے۔ ان کے سپہ سالار تھے ان کے صاحب خاتم تھے۔ اور ان کے

قاصی تھے یعنی امیر المؤمنین یزیدؒ کی خلافت عملاً صحابہ کرام کی خلافت تھی۔

اور یہ خلافت ایسی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ اس کے خلاف کھڑے ہونے کو خدا اور رسول سے سب سے بڑی غداری کہتے تھے جیسا کہ ہم صحیح بخاری کتاب الفتن کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے جہاں اہل مدینہ کی بغاوت کے وقت حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تھا

ہم نے اس شخص سے خدا اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑی کوئی غداری نظر نہیں آتی کہ جس کے ہاتھ پر ہم خدا اور رسول کی بیعت کریں اس سے لڑنے کھڑے ہو جائیں۔"

رہا حضرت حسینؓ کا ناکام خروج جو بقول مورخ الخضری نتیجہ تھا ناتجربہ کاری وناعاقبت اندیشی کا (عدم الاناۃ والتبصر فی العواقب) چنانچہ مزید کہا ہے کہ

وعلی الجملة فان الحسين اخطاء خطاءً عظيماً فی خروجه هذا الذی جر علی الامة وبال الفرقة والاختلاف وزعزع عماد الفتها الی یومنا هذا وقد اكثر الناس من الكتابة فی هذه الحادثة لايريدون بذالك الا ان تشتعل النيران فی القلوب فيشتد تباعدها۔ غاية ما فی الامر ان الرجل طلب امراً لم يتهيا له ولم يعد له عدته فحيل بينه وبين ما يشتهی وقتل دونه وقبل ذالك قتل ابوه فلم يجد من اقلام الكاتبين من يبشع امر قتله ويزيد به نار العداوة

بہر حال حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے امت پر تفرقہ اور اختلاف کا ایسا وبال پڑا کہ الفت ومحبت کے ستون آج تک متزلزل ہیں۔ اس حادثہ کو اکثر مورخین نے اس انداز سے پیش کیا ہے جس سے ان کا مقصد لوگوں کے دلوں میں بغض وعداوت کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ واقعہ تو صرف اتنا ہی تھا کہ ایک شخص حکومت کی طلب میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لئے جن اسباب واعوان کی ضرورت ہے وہ فراہم نہیں کر سکتا اور بغیر حاصل کئے امر مطلوبہ قتل ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے ان کے والد (حضرت علیؓ) بھی قتل ہو گئے تھے۔

تاجيجًا وقد ذهب الجميع إلى ربهم يحاسبهم على ما فعلوا۔ والتاريخ يأخذ من ذالك عبرة وهي انه لا ينبغي لمن يريد عظائم الامور ان يسير اليها بغير عدتها الطبيعية فلا يرفع سيفه الا اذا كان معه من القوة ما يكفل له النجاح او يقرب من ذالك كما انه لا بد ان تكون هناك اسباب حقيقية لمصلحة الامة بان يكون هناك جور ظاهر لا يحتمل وعسف شديد يثور الناس لحمله اما الحسين فانه خالف على يزيد وقد بايعه الناس ولم يظهر منه ذلك الجور ولا عسف عند اظهار هذا الخلاف (المحاضرات الخضری ج ۱ ص ۱۳۵)

لکھنے والوں کے قلم روکے نہیں جا سکے انہوں نے ان کے (حسینؓ کے) قتل کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے جس سے عداوت کی آگ بڑھتی گئی مگر یہ سب لوگ اب اللہ کے حضور میں پہنچ چکے ہیں وہی ان کے کئے کا محاسبہ لے گا۔ لیکن اس واقعہ سے تاریخ ایک عبرت دلاتی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص بڑے کاموں کا ارادہ کرے تو مناسب تیاری سے پہلے ان کی جانب بڑھنا ٹھیک نہیں اور جب تک وہ اتنی قوت حاصل نہ کرلے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے یا کم از کم اس کے قریب ہی ہو سکے تو اسے تلوار اٹھانا نہیں چاہئے نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے اسباب حقیقی طور سے موجود ہوں جو امت کے لئے اصلاح طلب ہیں یعنی بین طور پر ناقابل برداشت ظلم و ستم ہو رہا ہو اور لوگوں پر اتنی تنگی ہو کہ وہ درماندہ ہوں۔ مگر حضرت حسینؓ نے (امیر المؤمنین) یزیدؒ کی مخالفت تو اس حال میں کی تھی کہ امت نے انکی بیعت کرلی تھی اور اس مخالفت کے اظہار کے وقت انکی (امیر المؤمنین) جانب سے کسی قسم کے ظلم و ستم کا اظہار بھی نہ ہوا تھا۔

مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ امیر یزیدؒ کی بیعت ولیعہدی سے " خلافت کی گاڑی کا رخ تبدیل ہوتے دیکھ کر حضرت حسینؓ نے " گاڑی کو پھر سے صحیح پٹری پر ڈالنے کے لئے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا " نری شاعری ہے۔ جان سپاری کا محرک اگر واقعی و لاہیت

عہد ہی کا معاملہ تھا تو وہ اس وقت کیوں چپ سادھ گئے تھے۔ جب بقول مودودی صاحب حضرت معاویہؓ ارباب حل وعقد سے ولایت عہد کی بیعت لینے مدینہ تشریف لائے تھے اور ان پانچوں حضرات کے سروں پر جن میں حضرت حسینؓ بھی شامل تھے تلوار لٹکا دی گئی تھی "جان لڑا دینے کا" وقت تو وہی تھا جب خلافت کی گاڑی کا کانٹا بقول مودودی صاحب بدلا جا رہا تھا یعنی ۵۶ھ میں بوقت بیعت ولیعہدی ۵۶ھ سے ۶۱ھ کی چار پانچ سال کی مدت میں حضرت حسینؓ کا جذبہ سرفروشی آخر کیا کرتا رہا۔ صفحات تاریخ پر دیکھا جا سکتا ہے کہ گاڑی کا رخ موڑنے کیلئے جان کی بازی لگانے کے بجائے وہ حضرت معاویہؓ سے برابر تعاون کر کے وظائف کی سالانہ رقم کے علاوہ دگرانقدر عطیات بھی وصول کر کے شادکام ہوتے رہے۔ خود مودودی صاحب کے ماخذ البدایہ میں صراحتًا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق جایا کرتے تھے۔ یہی بات جس پر سب اہلِ تحقیق متفق ہیں یہی تھی کہ حضرت حسینؓ نے مکے سے عراق کا سفر اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر جان دینے کے لئے شروع نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس لئے شروع کیا تھا کہ ہزارہا کوفیوں کے مواعید نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا امکان پیدا کر دیا تھا اپنے معتبر ایجنٹ مسلم بن عقیلؓ کی رپورٹ موصول ہوتے ہی کہ کوفہ میں سب آپ کی بیعت خلافت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں اپنے سب عزیزوں اور خیر خواہوں کی رائے کے خلاف جن کو اہل کوفہ کی تلون مزاجی کا تجربہ تھا روانہ ہو گئے مگر ابھی منزل مقصود پر پہنچے بھی نہ تھے کہ محاصرے میں آجانے کے بعد یہ تین شرطیں خود ہی پیش کیں۔

(۱) یا تو وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا کسی سرحدی مقام پر بھیج دو جو حال اور مسلمانوں کا ہوگا۔ اسی پر زندگی گذار دوں گا (۳) یا دمشق جانے دو کہ امیر یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں۔ یعنی بیعت کر لوں۔ گورنر اور کمانڈر کوفہ دمشق بھیجنے پر اس شرط پر آمادہ تھے کہ ان کے قافلے کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ تاکہ اس کا امکان باقی نہ رہے کہ اپنے ساتھیوں کے اثر میں آکر رائے تبدیل کر دیں اور دمشق جانے کے بجائے اجا و سلمیٰ کے پہاڑوں پر چلے جائیں جیسا کہ کوفی ساتھیوں نے

مشورہ بھی دیا تھا اس گفتگو کے دوران مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں، اور ان ساتھیوں
نے جو مکہ کے ساتھ آرہے تھے، فوجی دستے پر حملہ کر دیا اور یوں یہ واقعہ حزن انگیز پیش
آگیا۔

مودودی صاحب نے جن کتب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے ان ہی میں آخری شرط کے
یہی الفاظ موجود ہیں یعنی البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۷۰ اور تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳
کے علاوہ شیعوں کے بڑے ممتاز عالم جو نہج البلاغۃ کی تالیف میں شریک رہے ہیں
یعنی شریف المرتضیٰ متوفی ۴۳۶ھ نے اپنی تالیف الشافی (طبع ایران ص ۴۷۱) میں
اس تیسری شرط کے یہ الفاظ بطور دوسری شرط کے درج کئے ہیں: ۔

وقد روی انہ علیہ السلام
قال لعمرو بن سعد اختار
وامنی اِمّا الرجوع الی المکان
الذی اقبلت منہ او ان اضع
یدی علی ید یزید فھو ابن
عمی لیریٰ فی رأیہ واما ان
یسیروا بی الی ثغر من ثغور
المسلمین فاکون رجلاً من
اھلہ لی مالہ وعلی ما علیہ
(کتاب الشافی شریف المرتضیٰ ص ۴۷۱)

حضرت حسینؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے
عمر بن سعدؓ سے کہا میری تین باتوں (شرطوں)
میں سے ایک پسند کر لو (۱) یا تو اس جگہ لوٹ
جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) یا یہ کہ میں
اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جب کہ
وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں تو وہ میرے متعلق اپنی
رائے خود قائم کر لیں گے (۳) یا پھر مجھے مسلمانوں
کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روانہ کر دو
تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا پھر جو نفع و
آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی
ملیگا اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں
کو ہوگی وہی مجھے بھی ہوگی۔

یہ روایت تو ایک ایسے غالی شیعہ مصنف کے قلم سے ہے جن کا زمانہ بھی مودودی
صاحب سے تقریباً ساڑھے نو سو برس پہلے کا ہے اور وہ اسی کتاب نہج البلاغہ
کے مولفین میں بھی ہیں جس کی شرح کو مودودی صاحب نے اپنا ماخذ قرار دیا ہے یعنی

شریف المرتضیٰ ابوالقاسم علی بن الحسن بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن جعفر (الصادق) بن محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین) بن الحسین بن علی بن ابی طالب اور سلسلہ نسب بھی ان کا بہ نسبت مودودی صاحب کے خاندانی سلسلہ[۱] کے صحیح واسطوں سے حضرت حسینؓ سے متصل ہوتا ہے یعنی صحیح النسب حسینی اور غالی شیعہ ہونے کے باوجود شریف المرتضیٰ نے حضرت حسینؓ کی پیش کردہ شرطوں کے اظہار میں تامل نہیں کیا۔

شریف المرتضیٰ سے ڈیڑھ سو برس پہلے کا ایک اور غالی مولف الامامۃ و السیاسۃ بھی یہی بیان کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے سرکاری لشکر کے کماندار عمر بن سعدؔ کو اپنی یہی شرطیں پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

---

[۱] چشتیہ سلسلہ کے بزرگ خواجہ قطب الدین مودودی چشتی بن خواجہ ابو یوسف چشتی کی نسل والے مودودی کہلاتے ہیں مشائخ و صوفیہ کے تذکروں کی بعض کتب اقتباس الانوار و انوار العارفین کی تصریحات کی علاوہ خود مودودی خاندان کے ایک مورخ مولوی آل حسن مودودی مؤلف نخبۃ التواریخ نے خواجہ قطب الدین مودودی کا سلسلہ نسب عبداللہ الملقب بہ علی اکبر بن امام علی نقی سے ملایا ہے جو غلط ہے کیونکہ شیعوں کے ان دسویں امام جناب علی نقی کے کوئی فرزند عبداللہ الملقب بہ علی اکبر نہ تھے صرف دو بیٹے حسن و جعفر نام تھے اول الذکر کو فرقہ امامیہ کا گیارہواں امام مانتے ہیں وہ لاولد مر گئے تھے۔ امامیہ نے ان کا فرزند محمد نام بتا کر اپنا امام غائب قرار دے لیا ہے ثانی الذکر جعفر کو یہ حضرات کذاب اس لئے کہتے ہیں کہ انھوں نے لاولد بھائی کا ترکہ لے لیا تھا۔ ان جعفر کذاب کی نسل بہت پھیلی جو لوگ اپنے کو نقوی کہتے ہیں وہ سب انہی کی نسل سے ہیں خواجہ قطب الدین مودودی چشتی کا مادری سلسلہ نسب ناصر الدین بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب سے ملایا ہے وہ بھی غلط محض ہے۔ اس نام کے کوئی بیٹے عبداللہ محض کے نہیں تھے اور نہ اس قسم کے نام رکھنے کا دستور اس زمانہ میں ہاشمی یا قریشی خاندان میں تھا۔ بھارت و پاکستان کے مختلف مقامات امروہہ سنبھل دہلی و بریلی واجمیر و حیدرآباد دکن و ضلع کرنال وغیرہ میں۔ مودودی گھرانے آباد ہے ہیں جن میں علماء و فضلاء نسلاً بعد نسل ہوتے رہے اور بعض صاحب منصب و جاگیر بھی تھے، مودودی حضرات کے ناموں میں پہلے خواجہ بالعموم لکھا جاتا تھا بعد کے زمانہ میں یہ لوگ سید لکھنے لگے ان میں جو صوفی مشرب تھے وہ بھی نیم شیعہ تھے شاہ اکبر علی چشتی مودودی ہی کے مشورے سے لکھنؤ کے خاندان اجتہاد کے بانی مولوی دلدار علی کی امامت میں شیعوں کی نماز جمعہ و جماعت لکھنؤ میں شروع ہوئی تھی اور ماتم حسینیہ سلسلہ میں سوز خوانی کے موجد بھی اسی گھرانے کے خواجہ حسن مودودی تھے جو نفحات الآصفیہ کے مصنف بھی تھے۔

یا عمر، اخترمنی ثلاث خصال اما تترکنی ارجع کما جئت فان ابیت هذه فاخری سیرنی الی الترك اقاتلهم حتی اموت أو تسیرنی الی یزید فاضع یدی فی یده فیحکم بما یرید فارسل عمر الی ابن زیاد بذلك فهم ان یسیره الی یزید۔

اے عمر یہ تین شرطیں میری مان لو۔ یا تو مجھے جہاں سے آیا ہوں لوٹ جانے دو۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو ترکوں (ترک) کی طرف بھیجدو کہ قتال ان سے کرتا رہوں حتی کہ مرجاؤں یا مجھے یزید کے پاس بھیجدو کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں عمر بن سعدؓ نے اس بارے میں ابن زیاد سے رجوع کیا انھوں نے بھی انھیں یزید کے پاس بھیجدینے کا ارادہ کرلیا۔

(ج ۶ ص ۶ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ)

ان تین صورتوں کی اجازت حاصل کرنے کی خواہش ہی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے مواعید کی قلعی کھل جانے سے طلب خلافت کا خیال ترک کردیا تھا اور یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح اس بکھیڑے سے نکل جائیں، اثباتِ مدعا کیلئے تو یہی تین شرطیں کافی ہیں مودودی صاحب حضرت حسینؓ کی ان تقریروں اور گفتگوؤں کو جو ان ہی کی کتب ماخذ میں ہیں نظر انداز کرگئے جو حضرت حسینؓ نے کوفیوں کو مخاطب کرکے مختلف انداز میں کی تھیں اور کہا تھا کہ تم نے ہی مجھے بلایا ہے اور اب تم ہی میرے خلاف تلوار اٹھاتے ہو۔ مودودی صاحب ہی بتائیں کہ گاڑی کے آگے کھڑے ہوکر اپنی جان لڑا دینے والے کے یہی تیور ہوتے ہیں یا اس شخص کا طرز عمل ہوتا ہے جو اپنی غلطی کا احساس کرکے اپنے موقف سے رجوع کرلیتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی طینت کی برکت تھی کہ صحیح صورت حال کا جائزہ لے کر اور یہ جان کر کہ سب لوگ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی بیعت میں داخل ہیں۔ وہ بھی آمادہ بیعت ہوکر دمشق کی راہ پر چل پڑے مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں اور کوفیوں کے ناعاقبت اندیشانہ حملے سے قتال و جدال کی نوبت آکر یہ اندوہناک واقعہ پیش آگیا ـــــ جسے ابومخنف وغیرہ جیسے کذاب سبائی راویوں نے دیومالائی انداز میں پیش کرکے واقعات کو مسخ کردیا مودودی صاحب نے اپنے طبعی رجحان سے بغیر تحقیق واقعات محض لیکر لکھا ہے۔

اب ملاحظہ ہو اختتامیہ مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۳ ۵):

اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔

خلافت کی جگہ شاہی خاندانوں (DYNASTIES) نے لے لی۔ اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت معاویہؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انھوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلا شبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے صحیح کہنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

یہاں مودودی صاحب سے ہم چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) آپ کے ہاں صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے؟ یہی خرافات جو آپ نے اپنے مضمون میں بھری ہیں یا آپ کے مزعومات جن کا آپ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہی ہیں تو کیا آپ اپنی ہستی اس قسم کی سمجھتے ہیں کہ سب مسلمان آپ کی پیروی کے مکلف ہوں یا آپ کے نزدیک بھی شروع سے آج تک کے مسلمانوں کی طرح، صحیح اور غلط کا معیار اللہ کی کتاب رسول کی سنت، صحابہ کا اجماع اور وہ قیاس ہے جو ان سب پر مبنی ہو؟ ہم اس کا جواب واضح چاہتے ہیں؟ اور پھر پوچھتے ہیں کہ اگر آپ صحابہ کرام کے متبع ہیں تو دین کے ماخذ کی روشنی میں آپ سیدنا معاویہؓ رضی اللہ عنہ کے برپا کردہ نظام خلافت کو کس طرح غیر قانونی کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں جبکہ جمہور صحابہ اور امہات المومنین نے ان کا ساتھ دیا۔ اور کسی نے ان کی ہمنوائی سے گریز نہ کیا۔

(۲) مسلمانوں کی مرضی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ معمولی عقل رکھنے والوں کے نزدیک تو ایک حکومت کی مقبولیت کی دلیل صرف یہ ہے کہ عام طور پر رعایا اپنے راعی کے ساتھ ہو اور اس کے خلاف جو لوگ کھڑے ہوں ان کا ساتھ نہ دے اور ان کے غلط اقدامات سے انھیں روکے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی معیار ہو تو ہم جیسے معمولی حیثیت کے لوگوں

عقل کی رسائی وہاں تک نہیں۔ آپ اپنی سطح سے ذرا نیچے اتر کر ہماری سطح پر بات کریں تو شاید
کچھ سمجھ میں آجائے۔ ہم یہ بات غیر مسلح منتشر اور کم ہمت لوگوں کی نہیں کر رہے جو مجبور
ہوتے ہیں اگرچہ وہ بھی تنگ آمد بجنگ آمد کے تحت وہ کچھ کر گزرتے ہیں۔ جو دنیا کو حیران
کر دے۔ مگر ہم بات کر رہے ہیں اس عہد کی جو خیر القرون تھا اور اس اُمت کی جس کا ہر فرد مسلح
تھا جس کے بچے بھی تیر و کمان سے کھیلتے تھے اور تلواروں کو اپنا کھلونا جانتے تھے۔ جس
قوم کا ہر بالغ شخص ماہر حرب و ضرب ہوتا تھا، جو وقت پڑنے پر ان سب ہتھیاروں سے
مسلح ہو کر میدان میں اتر سکتی تھی جو حریف کی فوج کے پاس ہوں۔ ہم بات اس قوم کی
کر رہے ہیں جس کی زندگی اجتماعی تھی اور جو صورتیں ایک علاقے کے لوگوں کی اجتماعی زندگی
مضبوط کرنے کی ہوتی ہیں وہ سب اسے حاصل تھیں۔ ہم بات اُس قوم کے افراد کی کر رہے ہیں
جنھوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے اور بڑے بڑے جباروں اور قہاروں
کی سر اپنے قدموں تلے روند ڈالنے کے لئے جب چاہتے تھے کھڑے ہو جاتے تھے۔
یہ قوم اگر حضرت معاویہؓ کے برپا کردہ نظام خلافت سے ناراض تھی تو اُس نے اس حکومت
سے گلو خلاصی کی کوئی مؤثر تدبیر کیوں نہ کی۔ اس بیسویں صدی مسیحی کی غیر مسلح منتشر اور
حریف ملکوں میں بٹی ہوئی قوم جس کی حرارت دینی ماند پڑ چکی ہے اور جس کی عملی و روحانی
قوت پہلی صدی ہجری کے مسلمانوں کے مقابلے میں ہیچ محض ہے وہ دنیا کی عظیم قوتوں
کے مقابلے میں کھڑی ہو کر آزادی حاصل کر کے اپنی مرضی کی حکومت قائم کر لیتی ہے اور
حاکم اگر ناپسندیدہ ہوں تو انھیں برطرف کر دیتی ہے۔ مکر و فریب سے اگر اس پر کوئی مسلط
ہو جائے تو زیادہ دن اپنا تسلط قائم نہیں رکھ سکتا اسے بھاگتے ہی بنتی ہے۔ اس قوم
نے حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء کے خلاف کوئی مؤثر قدم کیوں نہ اٹھایا اور کیوں
ان لوگوں کا ساتھ نہ دیا جو وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے۔

یہ منظر ہمیں کیوں نظر آتا ہے کہ جو قوم دو برّاعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور کفار کے
خلاف جہادوں میں مشغول تھی۔ اس قوم نے اپنے گھر کی خبر نہ لی اور حضرت حسینؓ جب امیر
المؤمنین یزیدؒ کے خلاف کھڑے ہوئے تو انھیں اپنی حمایت پر چند سو لوگ بھی نہیں مل سکے اور

چاروں طرف سے عزیزوں، دوستوں، بزرگوں اور خوردوں، اپنوں اور غیروں سب ہی نے سمجھایا اور کسی ایک صحابی نے بھی ان کا ساتھ دینا تو درکنار ان کے موقف سے زبانی ہمدردی کا اظہار تک نہ کیا۔ تا آنکہ وہ اپنے موقف سے رجوع کرنے پر مجبور ہوگئے۔

صفحات تاریخ پر ہم یہی دیکھتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ کے بعض منچلے لوگوں نے دوسرے مدعی خلافت (حضرت ابن زبیرؓ) کے طرفداروں کے شہ دینے پر بغاوت کی تو خود شہر کی بڑی اکثریت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور عسکر خلافت کو اپنے محلے میں سے گزار کر شہر پر قبضہ کرا دیا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب زید بن علی (زین العابدین) بن الحسینؓ نے امیر المؤمنین ہشامؒ جیسے مقبول انام امام کے خلاف کھڑے ہوئے تو انھیں دو سو کوفیوں سے زیادہ لوگ اپنی حمایت پر نہ مل سکے۔ حالانکہ اسی قوم نے بعد میں بربروں کی ہولناک بغاوت کو کچل کر رکھ دیا۔

یہ تمام دلائل تو ہر انصاف پسند کو اس کا بیّن ثبوت معلوم ہوں گے کہ اموی خلافت امت میں نہایت مقبول تھی اور سو برس تک تمام اُمت کی اور چار سو برس اندلس کے مسلمانوں کی حمایت اسے حاصل رہی "مسلمانوں کی مرضی کی حکومت" کا اگر کوئی اور معیار ہو تو وہ مودودی صاحب کے ذہن میں ہوگا۔

اب ہم ایک دوسرا سوال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جنھوں نے آپ کی معیت میں دین قائم کیا تھا اور جس کیلئے انھوں نے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا نیز حضرات امہات المؤمنین سلام اللہ علیہنؓ جن پر دین کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ تھی ان سب نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا تو کیا یہ سب کے سب (معاذ اللہ) دین فروش تھے اور بقول روافض مرتد ہوگئے تھے؟ آپ صاف صاف بات کیوں نہیں کہتے اور کیوں امت کو اپنی طولانی تحریروں کے چکر میں پھنسا کر اس راہ ڈالنا چاہتے ہیں جو دشمنان صحابہ کی راہ ہے۔

(۳) مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ پر لعن طعن کرنا "زیادتی" ہے، اسکا مفہوم بھی ہماری ناقص عقل میں نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کو خود اعتراف ہے کہ وہ

واجب الاحترام ہیں اور ان کی اس خدمت کا بھی انکار ممکن نہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے اسلام کی سربلندی کا دائرہ وسیع تر کر دیا جس شخص کی یہ تعریف ہو اور وہ شخص ہو پہلی صدی ہجری کے وسط میں جبکہ امت صرف صحابہؓ و تابعین پر مشتمل تھی تو اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ سارے صحابہ و تابعین ان کی امامت پر متفق تھے۔ تو پھر ان پر لعن طعن کرنے والے کو محض یہ کیوں کہا جائے کہ "زیادتی" کر رہا ہے۔

ذرا سوچئے جس صحابی کا تب وحی کی امانت پر اللہ اور اس کے رسول کو اعتبار ہو اسی کی امانت و دیانت پر اتہام لگاتا۔ اور بدگوئی کرنا کیا موجب ضلالت و گمراہی نہ ہوگا۔ مودودی صاحب صحابہ رسول کو واجب الاحترام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

(شمارہ جولائی ص ۳۳۰)

• بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے انکی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کی مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے"

وہ ذرا اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں اور گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صحابہ پر بددیانتی اور بے ایمانی کے بہتان باندھنا کیا "ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آنے" کے مترادف نہیں۔ کیا یہ امر باعث حیرت نہیں کہ مودودی صاحب کو حضرت معاویہؓ کے شرف صحابیت ان کے محامد و مناقب اور ان کی اسلامی خدمات کا بھی اعتراف ہے۔ اسم گرامی بھی ان کا یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ"

گویا نام نامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" تحریر کرنے سے مودودی صاحب کو اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت معاویہؓ سے خدا راضی تھا بایں ہمہ انھوں نے سبائی ٹکسال کی گھڑی گھڑی ہوئی مردود روایت کے سہارے جس کی ساختگی اگلی سطور سے بخوبی واضح ہو جائیگی حضرت معاویہؓ پر بزمرہ سابقون الاولون زمرے کے جلیل القدر صحابی حضرت مغیرہ بن

شعبہؓ پر امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی تحریک کے سلسلے میں "ذاتی مفاد" کی خاطر رشوت دے دلاکر لوگوں کا "ایمان خریدنے" کی بدگوئی سے اجتناب نہیں کیا۔ اور حضرت مغیرہؓ کے اسم گرامی کے ساتھ "رضی اللہ عنہ"، یا اس کی علامت "رضؓ" بھی تحریر نہیں کی درآنحالیکہ وہ بھی منجملہ ان خوش بخت صحابہ کے تھے جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اور جن کی شان میں سورۂ فتح کی یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔	یقیناً اللہ ان مؤمنین سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے (اے رسول) بیعت کر رہے تھے سو اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس ان پر تسکین نازل کی اور انھیں بدلے میں فتح قریب دی۔

مودودی صاحب ہی کی کتب ماخذ الاستیعاب والبدایہ والنہایۃ میں بضمن تذکرہ حضرت مغیرہؓ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی کنیت ابی عبداللہ قرار دی تھی اور فرمایا تھا۔ قد غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر (الاستیعاب ج ۱ ص ۲۰۷) یعنی حضرت مغیرہؓ ایسے خوش بخت صحابی تھے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا اظہار لسان نبوت سے فرمایا گیا۔ ابن کثیر نے بتایا ہے کہ صلح حدیبیہ کیوقت کفار قریش کے سامنے حضرت مغیرہؓ تلوار سونتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایستادہ رہے تھے کان واقفا یوم الصلح (الحدیبیہ) علی راس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسیف صلتا (البدایہ ج ۸ ص ۴۸) پھر نبی کریمؐ نے طائف کے بت خانہ کے انہدام کے لئے ان کو حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ مامور فرمایا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک عہد میں فتوحات و اشاعت اسلام میں ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔

غزوہ خندق ۵ھ کے زمانہ میں مشرف با اسلام ہونے کے بعد سے ۵۳ھ تک یعنی ۴۹ برس مسلسل حضرت مغیرہؓ نے شاندار اسلامی خدمات انجام دی تھیں بڑے صائب الرائے بزرگ تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کا یہ نیک مشورہ نہ مانا کہ حضرت معاویہؓ سے نہ بگاڑیں۔ مگر ہیبتناک خونریزی ہونے کے بعد بھی نتیجہ حضرت علیؓ کے خلاف رہا اپنی وفات سے

چند ماہ قبل حضرت مغیرہؓ نے اپنے صوبہ کے حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولیعہد مقرر کر جائیں ایسا نہ ہو کہ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی انعقاد خلافت کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں اور امت میں پھر خون خرابہ کی نوبت آئے سبائی راویوں نے اس عاقلانہ مشورہ کو بری طرح مسخ کر کے پیش کیا ہی تھا مودودی صاحب نے ایسے جلیل القدر صحابہ پر بددیانتی کا بہتان باندھتے ہوئے جس انداز میں پیش کیا ہے وہ اور بھی افسوسناک ہے۔

قدیم مورخین کے بیان میں اس مردود روایت کا اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی ذکر نہیں جو مودودی صاحب نے درج فرمائی ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے تیس ہزار دینار میں لوگوں کا "دین خریدا" اور ولایت عہد کی تائید کیلئے وفد بھیجا۔ مودودی صاحب نے طبری کو ماخذ قرار دے کر متعدد حوالے دئے ہیں لیکن اس موقع پر طبری کا نام ان کے زبان قلم سے ادا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ لوگوں کے دین خریدنے اور رشوت دینے کا اسمیں اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں ہے اسمیں تو صرف یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے بیعت یزید کے بارے میں کارروائی کی اور ایک وفد اس بارے میں حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا۔

وعمل المغیرۃ فی بیعۃ یزید واوفد ذلک وافداً الی معاویۃ (طبری ج ۶ ص ۱۶۹)

طبری میں جو البدایۃ والنہایۃ اور بعد کے مؤرخین کا ماخذ ہے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے سلسلے میں اہل عراق کے صرف وفد کے بھیجے جانے کا ذکر ہے، ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی اسی روایت کے حوالے سے فقط اتنا ہی لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے ولایت عہد کی تحریک کو تقویت دینے کی کوشش کی تھی سعی المغیرۃ توطیہ ذالک (البدایۃ ج ۸ ص ۷۹) ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ نے جو ابن کثیر مولف البدایۃ کے ہم عصر تھے ولیعہدی امیر یزیدؒ کی تحریک کے سلسلے میں حضرت مغیرہؓ کی کوشش کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"حضرت مغیرہؓ نے کوفہ پہنچکر ہوا خواہانِ دولت بنی امیہ سے اس کا (ولیعہدی امیر یزیدؒ) ذکر کیا ان لوگوں نے بہ کمال خوشی منظور کر لیا مغیرہؓ

نے ان لوگوں میں سے ایک گروہ بطور وفد اپنے لڑکے موسیٰ کے ساتھ دارالخلافہ دمشق کو روانہ کیا۔ اہل وفد نے حاضر ہو کر ولیعہدی یزیدؒ کی بیعت کی درخواست پیش کی امیر معاویہؓ نے دریافت کیا "کیا تم لوگ اس سے راضی ہو؟" عرض کیا، "ہم سب اور ہمارے سوا اور جتنے آدمی ہیں سب اس سے راضی ہیں" امیر معاویہؓ نے فرمایا "اچھا جو تم نے درخواست پیش کی ہے اس پر ہم غور کریں گے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا حکم دیتا ہے سوچ کر کام کرنا بہتر عجلت کرنے سے (کتاب ثانی جلد پنجم ترجمہ تاریخ ابن خلدون ص ۲۴)

"محاضرات تاریخ اسلامی" (ص ۲۱۶) میں بھی کوفہ کے خواہاں بنی امیہ یعنی "شیعہ بنی امیہ" کے وفد کا موسیٰ فرزند حضرت مغیرہؓ کی قیادت میں دمشق آنے کا وہی حال لکھا ہے جو ابن خلدون نے مندرجہ بالا عبارت میں بیان کیا ہے گویا ان مورخین نے جن میں قدما و متاخرین دونوں شامل ہیں اشارتاً و کنایتاً بھی ارکان وفد کو رشوت دیکر ان کا ایمان خریدنے کا ذکر نہیں کیا مودودی صاحب نے رشوت دینے کی مردود روایت کے ان فقرات پر ابن کثیر کی مبسوط تالیف البدایۃ والنہایۃ کا غلط حوالہ یوں دیا ہے۔ (البدایہ ج ۸ ص ۷۹) اور لکھا ہے کہ:۔

"حضرت معاویہؓ نے موسیٰ ابن مغیرہؓ۔م) کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے" انھوں نے کہا۔ "تین ہزار دینار میں" حضرت معاویہؓ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے۔"

مگر البدایہ ج ۸ کے ص ۷۹ پر یا کسی اور صفحے پر مودودی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا نہ کوئی لفظ ہے اور نہ اس کے اعتبار سے رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے کا کوئی اشارہ۔ کتاب البدایہ نایاب نہیں مطبوعہ ہے ہر شخص بآسانی مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ مودودی صاحب نے کتاب کی جلد اور صفحے کا حوالہ دے کر بھی ایسی پُر فریب غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے جو ایک عالم کے مرتبے کے منافی اور صحافت اسلامی کے

امیر دونوں کے بلند مقام سے بہت فروتر ہے وہ تو ماشاءاللہ اب جوانی دیوانی کی مدہوشیوں سے گذر کر سن کہولت کے حدود میں پہنچ چکے ہیں تعجب ہے اور تاسف بھی کہ انھوں نے صحابہ کرام پر "رشوت دے کر لوگوں کے دین خریدنے" کا بہتان باندھتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ کوفے سے جو وفد گیا تھا وہ "شیعۃ لبنی امیہ" ہوا خواہان و طرفداران بنی امیہ کا تھا جنھیں رشوت دیکر ان کی رائے خریدنے کا امکان ہی نہ تھا پھر حضرت مغیرہؓ نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی تحریک اس زمانے میں کی تھی۔ جب حضرت مغیرہؓ بوجہ سن کہولت پبلک خدمات سے سبکدوش ہو رہے تھے اور جب رومی عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور دیگر معارک عظیمہ میں امیر یزیدؒ کارہائے نمایاں انجام دیکر اور ۴۹ھ کے مشہور جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے انتظامی صلاحیتوں اور اپنے ذاتی شجاعت و شہامت کے جوہر دکھا کر زبان خلق سے فتی العرب (عرب کے سورما) کا خطاب پا چکے تھے۔ اپنے ماخذ البدایہ والنہایۃ (ج ۸ ص ۱۵۱) میں موصوف ذی صاحب نے غالباً پڑھا ہوگا۔ کہ صحابہ کرام کی جو جماعت قسطنطنیہ کے جہاد میں امیر یزیدؒ کی قیادت و سپہ سالاری میں شریک ہوئی تھی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور خود حضرت حسینؓ بھی شامل تھے۔ شیعی مورخ جسٹس امیر علی نے بھی حضرت حسینؓ کی شرکت جہاد قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے (ہسٹری آف سیریسنز ص ۸۴) مورخ اسلام علامہ ذہبی بحوالہ ابن عساکر کہتے ہیں۔

وقد الحسين على معاوية و غزا القسطنطنية مع يزيد (ج ۲ ص ۱۱)	حضرت معاویہؓ کے پاس حضرت حسینؓ وارد ہوئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہوئے۔

صحیح بخاری (ج ۱ ص ۴۱۰) میں مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جس اسلامی لشکر نے جہاد کرنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی مغفور لہم سے اس لشکر کی بشارت مغفرت منقول ہے۔ غازیان اسلام کا وہی لشکر تھا جس کی قیادت امیر یزیدؒ نے کی تھی۔ اور لسان نبوت سے بشارت مغفرت پائی تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

کہ اسی بشارت مغفرت کی خاطر امیر یزیدؒ نے جہاد کیا تھا۔

غرض کہ اس مجاہد و غازی قریشی نوجوان امیر یزیدؒ کی نمایاں کارگزاریوں، انتظامی صلاحیتوں اور دیگر اوصاف حمیدہ کی بنا پر ولیعہدی کی تحریک حضرت مغیرہؓ جیسے سابقون الاولین کے زمرے کے جلیل القدر صحابی نے ملت اسلامیہ کے مفاد کیلئے پیش کی تھی نہ کہ بقول مودودی صاحب اپنے ذاتی مفاد کیلئے۔ حضرت مغیرہؓ تقریباً پچاس سال متواتر شاندار اسلامی خدمات انجام دینے کے بعد بوجہ ضعف پیری کہ ۷۰ سال کا سنہ تھا اپنی ہی مرضی اور خواہش سے انتظامی معاملات کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے تھے انہوں نے ملت اسلامیہ کی متعدد سیاسی گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سلجھانے میں نمایاں حصہ لیا تھا اب اپنے آخر وقت کہ یہ تحریک پیش کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا تھا انھوں نے امیرالمؤمنین حضرت معاویہؓ کو متوجہ کیا کہ اپنی زندگی ہی میں ولایت عہد کا انتظام کر جائیں تاکہ سیاسی قسمت آزماؤں کے فتنہ و فساد میں ملت کو حسب سابق خونریزیوں میں مبتلا ہونا نہ پڑے سبائی راویوں کے سہارے مودودی صاحب نے ایسے بزرگ صحابی کی نیک نیتی پر جو غزوہ خندق کے وقت مہاجر ہو کر نبی کریمؐ کے پاس آئے تھے قدم مہاجر (الاستیعاب ج ۱ ص ۵۰) چوٹ کرتے وقت اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کا بھی لحاظ نہ کیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب پکے اور سچے مؤمن ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

حضرت ابن عمرؓ

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۶ بحوالہ الاستیعاب) " حجاج بن یوسف کو ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خطبہ لمبا کرنے اور نماز جمعہ میں حد سے زیادہ تاخیر کرنے پر ٹوکا، تو اس نے کہا " میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں اس پر ضرب لگاؤں "

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو شیخ الصحابہ ہیں اور امیر المؤمنین عبدالملکؒ کے روحانی مربی ان کی جناب میں امیر حجاج کو گستاخی کی جرأت کیسے ہو سکتی تھی یہاں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ امیر المؤمنین کا امیر حجاج کو حکم یہ تھا کہ تمام امور میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہدایات پر عمل کیا کریں چنانچہ ملاحظہ ہو صحیح البخاری ج ۱ کتاب الحج ص ۲۸۹

[باب قصر الخطبة بعرفة]

عن سلم بن عبدالله ان
عبدالملك بن مروان كتب الى
الحجاج ان يأتم بعبدالله
بن عمر في الحج۔ فلما كان يوم عرفة
جاء ابن عمر رضي الله عنهما وانا معه
حين زاغت الشمس وزالت
فصاح عند فسطاطه اين هذا
فخرج اليه فقال عمر الرواح!
فقال آلان؟ قال نعم قال
انظرني افيض على ماءً فنزل
ابن عمر رضي الله عنهما حتى
خرج فصار بيني وبين ابي
فقلت ان كنت تريد ان
تصيب السنة اليوم فاقصر
الخطبة وعجل الوقوف
فقال ابن عمر صدق

سالم بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ (امیر المؤمنین) عبدالملک بن مروانؒ نے (امیر) حجاج کو فرمان بھیجا کہ حج میں (حضرت) عبداللہ بن عمرؓ کا اقتدا کریں۔ چنانچہ جب عرفہ کا دن آیا تو حضرت ابن عمرؓ تشریف لائے اور میں ان کے ساتھ تھا اس وقت آفتاب نیچے ہو گیا تھا یا فرمایا ڈھل گیا تھا تو انھوں نے ان کے خیمے کے قریب آکر زور سے پکارا۔ کہاں ہیں یہ" تو وہ باہر آگئے۔ (حضرت) ابن عمرؓ نے فرمایا "کوچ کرو" انھوں نے عرض کیا "ابھی؟" فرمایا "ہاں" تو انھوں نے عرض کیا "اتنی دیر انتظار کیجئے کہ میں ذرا بدن پر ―― پانی ڈال لوں۔ تو حضرت ابن عمرؓ سواری سے اتر پڑے تا آنکہ وہ باہر آکر میرے اور میرے والد کے درمیان چلنے لگے۔ میں نے کہا اگر آج آپ سنت کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں تو خطبہ چھوٹا کیجئے اور ٹھیرئے کم۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "سچ کہا"

یہ تھی امیر المؤمنین کے نزدیک حضرت ابن عمرؓ کی شان اور یہ تھا انکا رویہ امیر حجاجؒ

کے ساتھ۔ ایسی صورت میں کون باور کرسکتا ہے کہ امیر حجاج نے حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ایسی گستاخی کی ہوگی۔

حضرت عبدالملکؒ

امیر المؤمنین عبدالملکؒ کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے (ص ۱۶۶) بحوالہ ابن الاثیر وغیرہ۔

عبدالملک بن مروان ۷۵ھ میں جب مدینہ گیا تو منبر رسول پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ "میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا۔ اب اگر کسی نے مجھے اتق اللہ کہا (یعنی اللہ سے ڈرو) تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔

یہ لغو اور جھوٹی روایت دراصل الکدیمی کی ہے۔ سیوطی نے بھی حسب عادت اسے نقل کیا ہے مگر کدیمی کے متعلق وہ کہتے ہیں وہ ھو متھم یالکذب (اس پر جھوٹا ہونے کا الزام) [تاریخ الخلفا ص ۲۰۸ طبع مصر بذیل عنوان امیرالمومنین عبدالملکؒ] اب اہل علم کو سوچنا چاہئے کہ اس جھوٹے شخص کی روایت قبول کر کے امت کے متفق علیہ امام کے متعلق ایسی لغویات کیسے قبول کی جاسکتی ہے اور وہ بھی منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام کے سامنے۔ تعجب مودودی صاحب جیسے لوگوں پر ہوتا ہے جو اس قسم کی لغو روایتیں بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ انھیں یہ خیال نہیں رہتا کہ امیر المومنین عبدالملکؒ اس شان کے خلیفہ ہیں کہ ان کے فتاویٰ اور فیصلے امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے بطور نظائر شرعیہ نقل کئے ہیں۔ زمرہ تابعین کے چار ممتاز فقہائے مدینہ حضرت سعید بن المسیب وعروہ بن زبیر وقبیصہ بن ذہیب کے علاوہ چوتھے حضرت عبدالملکؒ تھے۔ مودودی صاحب ہی کے ماخذ البدایہ والنہایہ (ج ۹ ص ۶۲) میں علوم دینیہ میں ان کی فضیلت و بصیرت کو کتنا سراہا گیا ہے کہ مدینہ کے اپنے ہم عصر لوگوں میں وہ سب سے زیادہ فقیہ اور قاری کتاب اللہ تھے، علامہ ابن کثیر نے شعبی کا ہی یہ قول خلیفہ عبدالملکؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ جس کسی عالم سے میری مجالست رہی میں نے اپنے کو ان سے افضل پایا سوائے عبدالملک بن مروان کے کہ ان سے گفتگو میں میرے علم میں

اضافہ ہوا۔ چاہے حدیث کا ذکر ہو یا شعر کا۔ ایسے بلند پایہ محدث وقاری کتاب اللہ وامام المسلمین اور اموی خلیفہ کی ذات پر ناحق خونریزی اور شقاوتِ قلب کا اتہام اور حکومت قائمہ کے خلاف حسنی وفاطمی نسب باغی کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ جھوٹ بول کر "مہدی" ہونے کا مدعی ہو (نفس زکیہ) کا لقب!!

امیر المؤمنین الولیدؒ امیر المومنین الولیدؒ جیسے یگانۂ روزگار اور عدیم النظیر، امام المسلمین کے متعلق کہتے ہیں (عقد الفرید کے حوالے سے جو تاریخ کی کتاب نہیں ادب کی ہے اور ادب میں بھی ادبا، اسے حجت نہیں سمجھتے۔ لکھتے ہیں:۔

> ولید بن عبد الملک نے ایک دفعہ خطبۂ جمعہ کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا ایک شخص نے اٹھ کر کہا "یہ امیر المؤمنین وقت آپکا انتظار نہیں کریگا اور نماز میں اتنی تاخیر کر دینے پر آپ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے"۔ ولید نے جواب دیا "اے شخص تو نے سچ کہا مگر ایسے راست گفتار آدمی کی جگہ وہ نہیں ہے جہاں تو کھڑا ہے"۔ چنانچہ اسی وقت شاہی باڈی گارڈ نے اسے قتل کر کے جنت پہنچانے کا انتظام کر دیا۔

کوئی صاحب عقل کیا یہ مہمل روایت قبول کر سکتا ہے؟ آدمی جمعہ کی نماز کیلئے آئے اور اتنی دیر خطبہ دے کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگے تو یہ خطبہ کتنے گھنٹے کا ہوا؟ اور جمعہ کی نماز کہاں گئی کہ ظہر کی بھی نہ ہو سکی اور عصر کا بھی وقت ٹلنے لگا!

تاریخ کا معمولی طالب بھی جب اس عظیم المرتبت امام ولید بن عبد الملکؒ کی احوال پر نگاہ ڈالے گا تو پکار اٹھے گا کہ جس قوم میں ایسا امام ہوا ہو اسے حق ہے کہ تمام اقوام عالم کے سامنے اس ہستی پر فخر کرے کیونکہ امیر المؤمنین ولیدؒ وہ امام و خلیفہ تھے جنھوں نے اگر ایک طرف تین بر اعظموں میں اسلام پھیلایا تو دوسری طرف ساری مملکت میں عظیم الشان مساجد بنوائیں، مسافر خانے بنائے شفاخانے قائم کئے شاہ راہیں درست کیں نہریں نکالیں حرمین شریفین کی توسیع کی تبلیغ اسلام کیلئے ہزاروں سرکاری مبلغ مقرر کئے جو کافروں

میں اسلام پھیلائیں اور نو مسلموں کو دین سکھائیں جن کے دور میں سوال کرنے کی ممانعت تھی ہر فرد کی ضرورت پوری کرنا حکومت کا کام تھا جنھوں نے معذوروں کیلئے اقامت گاہیں بنائیں جن کا تمام انتظام سرکاری تھا جنھوں نے یتیموں اور بیواؤں کے اخراجات حکومت کے ذمہ لئے اور ان تمام مشغولیتوں کے باوجود اتنا وقت نکال لیتے تھے کہ معمولاً تین دن میں قرآن مجید ختم کریں۔ اور رمضان المبارک میں روزانہ ایک ہی وہ اموی خلیفہ ہیں جن کا عالم یہ تھا کہ چاروں طرف جہادوں کے بارے میں ہر امیر عسکر کو ہدایت بارگاہِ خلافت سے اس طرح جاتی تھیں کہ جیسے ساری دنیا کا نقشہ سامنے کھلا رکھا ہو انہی کا طفیل ہے کہ آج ہم پاکستان میں بیٹھے ہیں اور ہمارا پہلا دار الحکومت وہی تھا جہاں سب سے پہلے ان کے قائد امیر محمد بن قاسمؒ نے اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ ایسے قابل صد فخر و احترام امام و خلیفہ کے متعلق مودودی صاحب کو یہ لغو روایت نقل کرتے شرم نہ آئی ۔

خواجہ حسن بصریؒ مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۱۶۵) بحوالہ ابن اثیر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "حضرت معاویہؓ کے چاروں افعال ایسے ہیں

> کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب بھی کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک انکا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا، درآنحالیکہ امت میں بقایائے صحابہ موجود تھے ۔ دوسرے ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا تیسرے انکا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اسکی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں چوتھے ان کا حجر اور انکے ساتھیوں کو قتل کرنا"

خواجہ حسن بصریؒ طبقے کے اعتبار سے تابعی ہیں بعض اکابر صحابہ کی انکیں صحبت نصیب ہوئی اور یہ صحابہ وہ تھے جن کی آنکھوں کے سامنے یہ سب واقعات گزرے اور ان میں انھوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے حصہ لیا یعنی حضرت معاویہؓ کی موافقت میں مخالفت

میں یا غیر جانبداری میں۔ انہی حسن بصریؒ کی تین روایتیں صحیح بخاری میں ہیں جو انھوں نے
حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں کہیں۔ ابوبکرہؓ وہ صحابی ہیں جنھوں نے امیر یزیدؒ کی ولایت عہد
تک تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان کے بارے میں اپنے مواقف بنائے
وہ حضرت ام المؤمنینؓ کا ساتھ دینا چاہتے تھے، حضرت احنفؒ کو حضرت علیؓ کا
ساتھ دینے سے انھوں نے روکا۔ وہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کی صلح کے وقت بھی
موجود تھے، ان کی تینوں روایتیں بیان کرنے والے خواجہ حسن بصریؒ وہ باتیں کیسے کہہ
سکتے تھے جو ابن اثیر کے حوالے سے مودودی صاحب نے بیان کی ہیں۔ تمام علماء تاریخ
اور ائمہ اس پر متفق ہیں خلافت کیلئے حضرت معاویہؓ نے تلوار ہرگز نہیں سونتی چنانچہ
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹ - ۲۲۰)

لکن معاویۃ لم یختار الحرب ابتداءً بل کان اشد الناس حرصا علی ان لا یکون قتال وکان غیرہ احرص علی القتال منہ

(حضرت) معاویہؓ ان میں نہیں جو ابتداءً لڑائی کا طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ بلکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ اسکے خواہشمند تھے کہ لڑائی نہ ہو۔ دوسرے لوگ البتہ لڑائی چھیڑنے کے ان سے زیادہ حریص تھے۔

تاریخی حیثیت سے کسی صاحب علم کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت معاویہؓ نے ہمیشہ
جنگ سے گریز کیا وہ اصحاب جمل کا ساتھ دے سکتے تھے اور اس کا نتیجہ ان کے حق میں نکلتا
وہ جنگ جمل کے فوراً بعد عراق پر حملہ کر سکتے تھے اور اس وقت بھی نتیجہ انہی کے حق میں
ہوتا جب جنگ چھڑ گئی تو وہی تھے جنھوں نے قرآن مجید بلند کرکے جنگ بند کرائی اور امن
قائم کیا۔ اس التوائے جنگ کے زمانے میں کئی صورتیں پیدا ہوئیں مثلاً نہروان کی جنگ
اور ایران کی بغاوت یہ سنہری موقعہ تھا کہ حضرت معاویہؓ عراق پر حملہ کردیں اور کامیابی یقیناً
انہی کے قدم چومتی۔ وہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد فوراً عراق پر حملہ کر سکتے تھے اور
جب حضرت حسنؓ کی افواج ان کے مقابلے میں آئیں تو وہی تھے جنھوں نے جنگ سے
گریز کرکے صلح کرنے کی سلسلہ جنبانی کی۔ ان واقعات کی صحیح روداد خواجہ حسن بصریؒ کے

سامنے بھی تو وہ ایسی غلط اور خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ حضرت معاویہؓ نے خلافت کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔

بغیر مشورہ کے حکومت پر قبضہ کرنیکا الزام بھی وہی لگا سکتا ہے جو اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہیچ محض سمجھتا ہو اور ان کے متعلق یہ سوء ظن رکھتا ہو کہ کوئی شخص انکی مرضی کے بغیر ان پر مسلط ہو سکتا تھا۔ حسن بصریؒ جو ان اصحاب کرام کو جانتے تھے اور انکی صحبت اٹھائی تھی جنھوں نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی تو وہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ حضرت معاویہؓ سے وہ بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یا حضرت حسنؓ نے ان سے مغلوب ہو کر صلح کی، صحیح بخاری خود انہی کے حوالے سے ان تمام واہی خیالات کی صراحتاً تردید کرتی ہے

رہا امیر یزید کی ولایت عہد کا مسئلہ تو اس کے بارے میں بھی خواجہ حسن بصری یہ فضول اور لغویات کیسے کہہ سکتے تھے جبکہ انھیں علم تھا کہ مسئلہ اجماع صحابہ سے طے ہوا تھا۔ اور نہ وہ ان کے کردار کے متعلق یہ جھوٹی باتیں کہہ سکتے تھے انھیں کیا علم نہ تھا کہ جب حضرت ابن الزبیرؓ کے داعیوں نے اہلِ مدینہ سے بغاوت کرانی چاہی تو مہاجرین و انصار نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے ان کے اس اقدام کو خدا اور رسول سے بغاوت قرار دیا؟ امیر المومنین یزیدؒ اگر ایسے ہی ہوتے جیسا اس روایت میں دکھایا گیا ہے۔ تو صحابہ کرام کا موقف ہرگز وہ نہ ہوتا جو صحیح ترین ماخذ کے ذریعہ عیاں ہے۔

امیر زیادؒ کی جو بات کہی گئی ہے تو یہ مسئلہ فقہ کا ہے اور جو حکم بیان ہوا ہے یہ اسلام کا ہے۔ اس کو جاہلیت کے زمانے پر کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے۔ حضرت زیادؒ جاہلیت کے اس رواج کے مطابق پیدا ہوئے تھے جو عرب میں اسوقت جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے صحیح فیصلہ یہی تھا کہ انھیں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا ذرِ تسلیم کیا جائے۔ ابن اثیر ساتویں صدی کے آدمی ہیں اور ان کا ہر بیان بغیر سند کے ہے لہذا خواجہ حسن بصریؒ کا یہ بیان کسی درجے میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ قریب العہد لوگوں کا بیان اس سے مختلف ہے مثلاً قدیم مورخ و نساب ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ

المعارف میں حضرت ابوسفیانؓ کی اولاد میں امیر زیادؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں

زیاد بن ابی سفیان رحمہ اللہ

واما زیاد بن ابی سفیان
فکان یکنی ابا المغیرۃ وامہ
اسماء بنت الاعور من بنی
عبشمی بن سعد ھذا قول
ابی الیقظان وقال غیرہ امہ
سمیہ ام ابو بکرۃ

زیاد بن ابوسفیان رحمۃ اللہ - اور

زیاد بن ابوسفیان انکی کنیت ابومغیرہ
تھی ان کی والدہ اسماء بنت الاعور
تھیں جو بنو عبشمی بن سعد سے تھیں
یہ قول ابوالیقظان نسابہ کا ہے
اور دوسروں کا قول ہے کہ انکی ماں
سمیہ تھیں جو (حضرت) ابوبکرہؓ کی والدہ
تھیں۔

البلاذری نے انساب الاشراف میں امیر زیادؒ کو ابن ابی سفیانؓ ہی لکھا ہے اور اسی
اعتبار سے ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے پھر انہی البلاذری نے فتوح
البلدان میں بتایا ہے (ص ٢٢٥، ج ٢ ترجمہ مولانا ابوالخیر مودودی) کہ ام المومنین عائشہ
صلوات اللہ علیہا نے امیر زیادؒ کو جو خط لکھا تو اسے شروع یوں کیا الی زیاد بن ابی سفیان من
عائشۃ ام المؤمنین (زیاد ابن ابی سفیان کی طرف عائشہ ام المومنین کی جانب سے
پھر ہے مؤطا امام مالکؒ جس میں انھیں زیاد بن ابی سفیان ہی لکھا ہے۔ یہاں تک
یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ حضرت ام المومنین صلوات اللہ وسلامہ علیہا ساری امت کی
ماں ہیں وہ اس حیثیت سے اول اپنا نام لکھتیں پھر امیر زیادؒ کا لیکن شریعت
اسلامیہ کے مطابق جو آداب بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ خلیفہ اور امیر کا نام اول لکھا
جائے اگرچہ کاتب اس سے درجے میں ارفع و اعلیٰ ہو اور یہی شعار تھا صحابہ کرام کا تھا
اب دیکھنا چاہیئے مودودی صاحب کا لہجہ جو وہ خلفاء اسلام کے ذکر کے وقت اختیار کرتے
ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے امیر المومنین معاویہؓ کو جو خط بھیجا تو اس میں اول انکا
نام لکھا اور پھر اپنا (بخاری۔ الادب المفرد ترجمہ ص۔ ۴۹] بسم اللہ الرحمن
الرحیم لعبد اللہ معاویۃ امیر المؤمنین من زید بن ثابت

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے امیر المومنین عبد الملکؒ کو بیعت نامہ بھیجا ہے تو وہ بھی اسی طرح لکھا تھا (موطا، امام محمدؒ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد لعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین من عبد اللہ بن عمر۔ لیکن مودودی صاحب کو چونکہ صحابہ کی سنت سے انحراف ہے اور جماعت اور اس کے ائمہ کی ان کے دل میں عزت نہیں اس لئے وہ خلفاء کا تذکرہ حقارت کے ساتھ کرتے ہیں۔ ابن اثیر نے خواجہ حسن بصریؒ سے یہ بیان بالکل جھوٹا منسوب کیا ہے اس کے ایک لفظ کی بھی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں۔ یہ تو کسی غالی سبائی کی ساختگی ہے تاکہ خواجہ حسن بصریؒ کا نام لے کر جو صوفیوں کے ائمہ میں سے تھے وہ ناواقف پڑھنے والوں پر یہ اثر ڈالے کہ خواجہ موصوف کے نزدیک امیر المومنین حضرت معاویہؓ جو صحابی اور کاتب خاتم النبیین تھے وہ نعوذ باللہ من ذلک سیدھے جہنم گئے۔ جب ایک بات ہلاک کرنے کے لئے کافی ہو تو چاروں باتیں تو بدرجہ اولی انہیں جہنمی بنادیں گی۔

یہ کذب و افتراء تو خواجہ حسن بصریؒ سے منسوب ہے ایسے اور بھی بہتان تراشے گئے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد منسوب کیا گیا اذا رأیتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ (معاویہ کو جب میرے منبر پر (خطبہ دیتے) دیکھو تو اسے قتل کر ڈالو) تعجب ہے کہ مودودی صاحب نے یہ حدیث کیوں نقل نہ کی خواجہ حسن بصری سے منسوبہ قول نقل کرنے پر ہی کیوں اکتفا کیا۔ اس قسم کے لغو اقوال کو حضرت معاویہؓ کے بارے میں نقل کرنے سے تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ مودودی صاحب کو حضرت معاویہؓ کا صحابی و کاتب وحی ہونا ہی تسلیم نہیں اگر وہ انہیں صحابی و کاتب وحی جانتے اور مانتے ہیں تو کیا صحابی و کاتب وحی کی اس طرح تنقیص ان کے مسلک میں جائز ہے۔ حضرت ابو زرعہؒ کا یہ قول تو انہوں نے ضرور پڑھا ہوگا اذا رأیت الرجل ینقص احدًا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق (جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک کی بھی تنقیص کرتا ہے تو جان لو وہ زندیق ہے)

امیر المومنین یزید کے دور میں | مودودی صاحب نے حادثۂ کربلا کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اسکا تعلق نہ تاریخ سے ہے، نہ واقعاتِ ثابتہ سے اور نہ ہم عصر امت کے تاثرات سے۔ بلکہ کذب محض اور افترا رخالص کے علاوہ اسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ عنوان قائم کیا ہے "یزید کے دور میں" فرماتے ہیں (ص ۱۷۹)

"حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کیلئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی، ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی اسکے زمانے میں تین ایسے واقعات ہوئے جنھوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ پہلا واقعہ سیدنا حسینؓ کی شہادت کا ہے۔ بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت اکھیں بر سر بغاوت سمجھتی تھی۔ ہم اس سوال سے کھوڑی دیر کیلئے قطع نظر کئے لیتے ہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسینؓ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں، اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ انکا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے۔

تاہم اس معاملے میں یزید کی حکومت کا نقطۂ نظر ہی صحیح مان لیا جائے تب بھی یہ تو امر واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لے کر نہیں جا رہے تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کے بال بچے تھے اور صرف ۳۲ سوار اور چالیس پیادے، اسے کوئی شخص بھی فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا، ان کے مقابلے میں عمر بن سعد بن ابی وقاص کے تحت جو فوج کوفے سے بھیجی گئی تھی اس کی تعداد چار ہزار تھی۔ کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اس چھوٹی سی جمعیت سے جنگ ہی کرتی

اور اسے قتل کر ڈالتی۔ وہ اسے محصور کر کے با آسانی گرفتار کر سکتی تھی۔

پھر حضرت حسین نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو یا مجھکو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس چلنا ہوگا۔ حضرت حسین اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انھیں معلوم تھا۔

آخر کار ان سے جنگ کی گئی۔ جب ان کے سارے ساتھی شہید ہو چکے تھے اور وہ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے تھے اس وقت بھی ان پر حملہ کرنا ضروری سمجھا گیا اور جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے اس وقت انکو ذبح کیا گیا۔ پھر ان کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا، حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے کپڑے تک اتار لئے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑا کر اسے روند گیا، اس کے بعد ان کی قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اوتار لیں اس کے بعد ان سمیت تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفے لے جائے گئے اور ابن زیاد نے نہ صرف بر سر عام ان کی نمائش کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا۔ "الحمد للہ الذی اظھر الحق واھلہ ونصر امیر المؤمنین یزید وحزبہ وقتل الکذاب بن الکذاب الحسین بن علی وشیعتہ"

پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی۔"

مودودی صاحب نے امیر عبید اللہ کی طرف منسوب جملے کا ترجمہ نہیں لکھا سہو فروگذاشت ہم پوری کئے دیتے ہیں۔

"الحمد للہ کہ اس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا، امیر المؤمنین یزید اور ان کے گروہ کی

مدد کی اور کذاب بن کذاب حسین بن علی اور اس کے حبیبے کو قتل کیا؟

ترجمہ شاید اس لئے نہیں دیا گیا کہ کوئی سلیم العقل اس قول کی نسبت امیر عبید اللہ کی طرف تسلیم نہیں کر سکتا۔ کتاب المحبر کے قدیم مولف نے "الکذاب بن الکذاب" کے الفاظ نہیں لکھے (ص۳۸۳) یہ بعد کے لوگوں کا اضافہ ہے۔

مودودی صاحب کا یہ تمام بیان مجلس عزا کے ایک مرثیہ گو اور سوز خوان کا تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مورخ، ایک محدث ایک فقیہہ اور بزعم خویش ایک مفکر کے قلم سے یہ کلمات نہیں نکل سکتے۔ اس سلسلے میں ہم اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں سب تفصیلات دے چکے ہیں۔ مودودی صاحب اگر علمی انداز میں کچھ لکھنا چاہتے وہ ہماری کتاب کے مندرجات کی تنقیح کرتے۔ چونکہ اس کی ہمت نہیں کر سکتے اس لئے وہی گھسے پٹے جملے اور جہلا کے جذبات بھڑکانے والے بیانات دینے ہی میں انھوں نے عافیت سمجھی۔ اس سے ثابت ہے کہ ان کے پاس اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کی کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے اہل علم متاثر ہوں۔

اس بیان میں حضرت معاویہؓ پر جو بہتان انھوں نے رکھے ہیں وہ تو مختلف عنوانات کے تحت ناظرین کرام اس کتاب میں ملاحظہ فرما ہی لیں گے۔ لیکن یہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ خاص حادثہ کربلا پر مودودی صاحب کے بیانات کی تنقیح کریں۔

(۱) نامزد کردہ جانشین — مودودی صاحب نے امیر المومنین معاویہؓ کے بارے میں یہ صریح غلط بیانی کی ہے کہ امیر یزیدؒ ان کے نامزد کردہ جانشین تھے تمام ارباب سیر اس پر متفق ہیں اور کوئی ایک حوالہ بھی اس کے خلاف نہیں دیا جا سکتا کہ امیر یزیدؒ کو ولی عہد بنانے کی تحریک حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تھی اور اس کی تائید ان عراقی اکابر کے وفود نے کی جو اموی خلافت کے حامی تھے اور سبائی تحریک کے علی الرغم اسے برقرار رکھنے کے حق میں تھے۔ کوفے اور بصرے سے یہ وفد دمشق گئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اس تحریک و تائید کو کافی نہیں سمجھا۔ خود مسعودی جیسا غالی بھی اس کا معترف ہے (مروج الذہب ج ۳ ص ۳۶-۳۷) کہ دیار و امصار کے نمایندے طلب کئے گئے، اور

اس بارے میں کھلا استصواب ہوا۔ موافق و مخالف ہر قسم کی تقریریں ہوئیں اور بالآخر حامیوں کی پر جوش تقریروں کے نتیجے میں اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ امیر یزیدؒ ہی کو آیندہ خلافت کے لئے مقرر کیا جائے۔

حضرت معاویہؓ نے اسے بھی کافی نہیں سمجھا بلکہ اہل مدینہ کی رائے طلب کی (صحیح بخاری کتاب التفسیر (الاحقاف) ج ۲ ص۷۱۵ طبع مصر) حضرت مروانؓ نے اس سلسلے میں تقریر کی تو صرف حضرت عبد الرحمان بن ابی بکرؓ نے اس پر اعتراض کیا۔ کسی دوسری طرف سے کوئی مخالف آواز نہیں اٹھی۔ حضرت عبد الرحمانؓ کے اعتراض کی تفصیلات صحاح میں نہیں البتہ تیجے کی کتابوں میں بے حیثیت اور نامقبول راویوں کی بیان کردہ فضول باتیں ملتی ہیں جو صحابہ کرام کے شایانِ شان نہیں اور محض سبائی راویوں کی خود ساختہ ہیں۔

حضرت معاویہؓ نے اس آواز کو بھی بہت سمجھا۔ جب حج و زیارت کیلئے خود حاضر ہوئے تو مدینہ طیبہ میں اس مسئلے پر شوریٰ طلب کیا۔ سب طرف سے اس تحریک کی تائید ہوئی۔ صرف ایک ذات حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی تھی جو اس تحریک کے تو مخالف نہ تھے مگر دل میں یہ خیال آیا کہ ولایت عہد کے لئے خود وہ موزوں تر ہیں۔ کیونکہ وہ امیر یزیدؒ سے بمراتب بلند مرتبہ تھے۔ صحابی ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ عہد رسالت کے متعدد غزوات میں شرکت کی تھی۔ بیعت الرضوان میں بھی موجود تھے اپنے کو موزوں تر خیال کرنا قدرتی بات تھی۔

چنانچہ آپ اپنی ہمشیرہ مطہرہ حضرت ام المؤمنین سیدہ حفصہ صلوات اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شیئ (آپ ان لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں اس بارے میں میری کوئی حیثیت نہیں رکھی گئی) تو حضرت ام المؤمنین نے فرمایا الحق فانھم ینتظرونک فاخشیٰ ان یکون فی احتباسک عنھم فرقۃ (جاؤ لوگ تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ تمہارے بیٹھے رہنے سے کہیں ان میں اختلاف نہ ہو جائے " اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک آپ چلے نہ گئے (صحیح بخاری ج ۱ جزء ۱۶ ص ۵۹۰ طبع مجتبائی دہلی)۔

اس طرح خلافت کا خیال ہمیشہ کیلئے آپ کے دل سے نکل گیا۔ گذشتہ صفحات میں زیادہ تفصیل سے ان امور پر گفتگو کی گئی ہے بہرحال یہ ہے صحیح ترین روئداد اور اس سے یہ امر عیاں ہے کہ جیسا استصواب امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے لئے کیا گیا ایسا استصواب ان سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔ نیز یہ کہ جو فیصلہ ہوا وہ اجماعی تھا۔ حضرات امہات المومنین اور جمہور کبار و صغار صحابہ اس پر متفق تھے۔ اس موقعے پر کسی ایک شخص کا بھی بیعت سے محترز رہنا صحاح سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایسا اجماع تھا اور اس اجماع کا ایسا اجماع کہ قوانین شرعیہ اور علم سیاست کے اصول کے مطابق ہو اس سے زیادہ فیصلہ کن اور کارگر کوئی اجماع نہیں ہو سکتا۔ موجودہ صدارتی انتخابات میں ہزاروں ووٹ مخالفت میں پڑتے ہیں اور فیصلہ صرف عددی اکثریت سے ہوتا ہے لیکن امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کی بیعت کے وقت ایک ووٹ بھی خلاف نہیں تھا، بعد کے لوگوں نے جو افسانے تراشے ہیں وہ بے اصل ہیں جیسا کہ ہم پچھلے بیانات میں ثابت کر چکے۔

امیر یزیدؒ کے حق میں اس اجماع کے بعد حضرت امیر المومنینؓ کے دست مبارک پہ مدینہ میں بیعت ہوئی پھر تمام عالم اسلام میں یہ بیعت ہو گئی۔ صحاح میں کوئی ایک روایت ایسی نہیں جو اجماع کے اس واقعہ کو مجروح کر سکے۔ گویا مودودی صاحب کا یہ چبھتا ہوا فقرہ محض غلط بیانی ہی نہیں بلکہ حضرت معاویہؓ جمہور صحابہ اور امہات المومنین کی جناب میں سخت گستاخی ہے۔ ان کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ مدینہ میں بیعت سب سے آخر میں ہوئی۔ یہ بیعت سب سے اول ہوئی تھی اور اس کے بعد تمام عالم اسلام نے بیعت کر لی۔

(۲) بدترین نتائج | امیر المومنین یزیدؒ کے زمانے میں تین واقعات نمودار ہوئے جنھوں نے مودودی صاحب کے خیال میں "پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا" مگر یہ ان کا محض خیال ہی خیال ہے۔ واقعات سے اس زعم باطل کی قطعاً تائید نہیں ہوتی۔ بعض واقعات کا رونما ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ اس بیعت کا نتیجہ تھے۔ یا ان کے ذمہ دار امیر المومنینؒ ہیں فتنے ہمیشہ اٹھتے ہیں اور انھیں دبایا جاتا ہے،

اختلال کا اطلاق اس وقت ممکن ہے جب اس کا دائرہ وسیع ہو اور حکومت اس پر قابو نہ پا سکے۔ اب ہم ایک ایک واقعہ لیتے ہیں۔

(۱) حادثۂ کربلا | سب سے اہم واقعہ یہ حادثہ ہے لیکن اس کا کوئی اثر حکومت کے خلاف امت نے نہیں لیا۔ سوائے اس رنج و افسوس کے جو حضرت حسینؓ ان کے اہل بیت کی قیمتی جانیں بے وجہ تلف ہو جانے سے طبعًا ہر مومن محسوس کرتا ہے لیکن ہمعصر امت نے اسے محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھا اسی لئے تین برس تک دنیائے اسلام میں اختلال کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ تمام امور خلافت یا حسن وجوہ انجام پاتے رہے اور جہاد کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہا جو ہرگز جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر امت میں کوئی اندرونی خلفشار ہوتا۔

سنجیدہ اور باوقار لوگوں کو سوچنا چاہئیے کہ حادثہ کربلا کا نقشہ اگر وہ ہوتا جو دکھایا جاتا ہے اور مودودی صاحب نے ابومخنف جیسے کذاب کی روایتوں میں جو ابن جریر طبری نے درج کردی ہیں بڑے اہتمام سے رنگ بھرے ہیں تو واقعی عالم اسلام ہل جاتا اور کاروبار مملکت ایسے ہی مختل ہو جاتا جیسے شہید اعظم سیدنا عثمان صلوات اللہ علیہ کی شہادت کبریٰ کے بعد ہو گیا۔ حادثہ کربلا کے نتیجے میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ کیسی محکم اور ناقابل تردید دلیل ہے کہ اس دل دوز حادثے کی نوعیت وہ نہ تھی جو بیان کی جاتی ہے، اور جس کی تفصیلات میں، پروپیگنڈے کی خاطر روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ مودودی صاحب کی ادارت میں پہلا شمارہ جو محرم ۱۳۵۲ھ میں یعنی ۳۵ برس پہلے نکلا تھا اس میں شہادت حسینؓ اور قرآن کے عنوان سے جو مضمون ابوالخیر صاحب مودودی کے نام سے شائع ہوا تھا وہ خاصے کی چیز ہے۔ شیعی و سبائی اس سے زیادہ کیا لکھتے۔

اصل واقعہ | معاملہ بالکل صاف اور سادہ تھا کہ بعض عراقیوں کی غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر حضرت حسینؓ نے یہ باور کر لیا کہ تمام عراق بیعت توڑ کر ان کی امامت کا اعلان کرنے پر متفق ہو چکا ہے لیکن کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ پر کھل گیا کہ

جو باتیں آپ سے کہی گئی تھیں وہ سب ہوائی تھیں۔ عراق پوری طرح امیر المؤمنین یزیدؒ کی بیعت پر قائم ہے۔ اس لئے وہاں پہنچکر آپنے وہ تین شرطیں کوفیوں کے سامنے رکھیں جو مودودی صاحبنے بھی بیان کی ہیں لیکن تیسری شرط کی یہ بات وہ اڑا گئے جو متفق علیہ ہے اور چھوٹی بڑی ہر کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے کہ مجھے میرے چچا کے بیٹے کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں (حتی اضع یدی فی یدہ) حضرت حسینؓ نے جن الفاظ میں یہ بات کہی تھی شیعوں کے بڑے ممتاز عالم شریف المرتضی متوفی ۴۳۶ھ نے جو نہج البلاغۃ کے مصنف بھی تھے اپنی دوسری تالیف الشافی میں یوں ادا کئے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے حضرت عمر بن سعدؓ سے فرمایا تھا او ان اضع یدی علی ید یزید فھو ابن عمی لیری فی رایہ یا یہ کہ اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھدوں جبکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کریں گے) گویا آپنے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا اور جماعت میں ایسے داخل ہوگئے کہ امیر المؤمنین سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف چل پڑے۔ اس اعلان کی پہلی ہی شرط سے یہ امر واضح ہوگیا کہ خروج کی وجہ قطعاً دینی یا آئینی نہ تھی۔

اس سلسلے میں مودودی صاحبنے غلط بیانی سے کام لیاہے کہ شرطیں پیش کرنے کا وقت آخر کا بتایاہے حالانکہ یہ شرطیں ایسے وقت پیش کی گئی تھیں کہ ان سے جنگ کا خطرہ ٹل چکا تھا۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ مودودی صاحبنے دوسری غلط بیانی یہ کی ہے کہ آپسے جنگ اس لئے کی گئی کہ آپ امیر عبیداللہ کے پاس جانے اوران سے بیعت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایک فقہی حیثیت سے آپ کو یا سرکیا اعتراض ہوسکتا تھا کہ دمشق جانے سے پہلے امیر کوفہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں کیونکہ امیر کوفہ کے ہاتھ پر بیعت خود اسی سے نہیں ہوتی بلکہ امیر المؤمنین سے ہوتی ہے، آخر جمہور صحابہ و اہل بیت اور امت نے اپنے اپنے شہر وملک کے والیوں ہی کے ہاتھ پر امیر المؤمنین سے بیعت کی تھی۔ خود ان کے اپنے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) نے عبدالملک رحمۃ

کو جو بیعت نامہ بھیجا اس میں صراحت کردی تھی "دبایعت الحجاج لک (یعنی حجاج
کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کرلی ہے)
کربلا کے اس حادثے کے بانی تو وہ ساٹھ کوفی تھے جو آپ کو مکہ سے سبز باغ
دکھاکر لائے تھے۔

رہی ابن سعدؓ کے ساتھ چار ہزار فوج ہونا تو یہ محض وضعی بات ہے ان
مورخوں نے عموماً اور مودودی صاحب نے خصوصاً عربوں کو ایسا ہیچ کیوں سمجھ لیا کہ
وہ ستر اسی آدمیوں کے مقابلے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں نکلیں۔ چار پانچ ہزار
عرب تو ایک ملک فتح کرتے تھے۔ پھر وہاں مقابلے کا سوال ہی کب تھا اور حضرت حسینؓ
جب رجوع کا اعلان کرچکے تھے تو کسی پیش قدمی کی گنجائش ہی کہاں رہی تھی۔

مودودی صاحب کا یہ کہنا بھی خوب ہے کہ حضرت حسینؓ فوج لیکر نہیں جا رہے تھے
اور ستر اسی آدمیوں کو لیکر آنا فوج کشی نہیں کہلاتا۔ حالانکہ وہ فوج اس یقین اور
اطمینان پر نہیں لے جا رہے تھے کہ سبائیوں کے قول کے مطابق لاکھوں عراقیوں کی تلواریں
انکی حمایت کیلئے نیاموں میں تڑپ رہی تھیں پھر فوج اس لئے نہیں لے جا رہے تھے کہ حجاز سے
انھیں ایک آدمی بھی نہیں مل سکا۔ سب اپنی بیعت پر قائم تھے حتیٰ کہ انکے عزیز و قریب بھی
انکی مدد کیلئے تیار نہ تھے، گھرانے کے چند پرجوش نوجوانوں کے علاوہ اور کسی نے انکا ساتھ نہیں دیا۔

البتہ مودودی صاحب نے یہ صحیح کہا ہے کہ اس تھوڑی سی تعداد کو بآسانی گرفتار کیا
جاسکتا تھا۔ مگر گرفتار کیوں کیا جاتا جبکہ حضرت حسینؓ اپنے موقف سے رجوع کا اعلان
کرچکے تھے لیکن سبائیوں کو یہ بات گوارا نہ تھی اور وہاں کسی دوسری طرف نکل جانے کی
باتیں ہونے لگی تھیں ایسی صورت میں عمر بن سعد رضی اللہ عنہما کیلئے ناگزیر ہوگیا کہ
کوفیوں کو ایسی حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور ان سے مطالبہ کریں کہ زائد ہتھیار
حکومت کے سپرد کردئے جائیں تاکہ عملاً ثابت ہوجائے کہ پیش قدمی واقعی دمشق کیطرف ہے
اور مقاصد پُرامن ہیں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کوفیوں نے دیکھا کہ حضرت حسینؓ دمشق
جانے پر آمادہ ہوگئے۔ ہم ان کے ساتھ گئے تو سزا سے نہ بچیں گے کیونکہ ہم ہی نے تو ان کو اس

اقدام پر آمادہ کیا ہے دمشق نہیں جاتے تو امیر کوفہ کب زندہ چھوڑیگا اس لئے انہوں نے مسلم
بن عقیل کے بھائیوں کو بھی اشتعال دلاتے ہوئے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر اچانک
حملہ کردیا اور یوں فوجی دستہ کو بھی مدافعت میں لڑنا پڑا۔

مودودی صاحب کی عنایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابن سعدؓ کی کمان میں فوج
صرف چار ہزار بتائی ہے ورنہ ان کے ہم مشرب اور ہم خیال لوگ تو چالیس ہزار بتاتے ہیں
بلکہ اس سے بھی زیادہ اور جنگ کا وہ نقشہ پیش کرتے ہیں کہ مہابھارت کا افسانہ بھی
اس کے سامنے گرد ہے۔ شہادت ناموں میں بتایا جاتا ہے کہ شامی لشکر بیس
میل کے گھیرے میں پڑا ہوا تھا، حالانکہ عراقی گورنر کے پاس ایک سپاہی بھی شام
کا نہ تھا۔

سوچنا چاہئے کہ اگر فوج چار ہزار ہوتی اور اس کا مقصد ہوتا حضرت حسینؓ
اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا تو کیا سو کے قریب آدمی اچانک اس پر حملے کی جرأت کر سکتے
تھے اور کیا اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا تھا کہ بہتر (۷۲) ساتھی حضرت حسینؓ کے اور بیاسی کے
قریب آدمی جیسا کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن سعدؓ کے قتل ہوتے اور ہاشمی خانوادہ کے
متعدد حضرات زندہ بچ جاتے؟۔

رہیں رونے رلانے کی باتیں تو ان مورخوں کی داستان سرائی پر تعجب ہوتا ہے کہ
ابن سعدؓ کو "امیر عسکر" جاننے کے باوجود ایسی باتیں انکی طرف منسوب کردیں جو مودودی
صاحب نے انیس و دبیر کے طرز پر نثر میں بیان فرمائی ہیں۔ جاہل عرب بھی اپنے قبیلے کی
خواتین کی حرمت پر کٹ مرنا اپنی آن سمجھتا تھا اور دنیا کا ہر باغیرت آدمی ایسا ہی سمجھتا ہے
تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت ابن سعدؓ اپنے خاندان کی خواتین کی بیحرمتی برداشت کرلیں
وہ کافر ہوتے تب بھی ایسا نہ ہونے دیتے۔ چہ جائیکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں
کا بیٹا اپنی عزیز ترین خواتین کے ساتھ یہ سلوک کرے جو بیان کیا جاتا ہے یا حضرت حسینؓ
کے جسد بے جان کے ساتھ یہ کچھ ہونے دے جو مودودی صاحب نے عقل و ایمان کو خیر باد کہکر
بیان کیا ہے حضرت ابن سعدؓ کو حضرت حسینؓ سے ذاتی مخاصمت ہوتی تب بھی یہ باتیں

نہیں ہوسکتی تھیں کہ شرف عربی اور جلادت قریشی کے خلاف ہیں۔

یہ حضرت ابن سعدؓ ہی تو ہیں جنھوں نے حضرت حسینؓ اور حکومت کے مابین تمام معاملہ خوش اسلوبی سے طے کرادیا تھا اور امیر عبید اللہ اس پر خوش تھے کہ حسینی قافلہ دمشق چلا جائے۔ خود طبری جیسے شیعہ نے ابومخنف جیسے غالی کے حوالے سے حضرت ابن سعدؓ اور حضرت حسینؓ کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے (ج ۶ ص ۲۳۵) انهما كانا التقيا مراراً ثلاثاً اور رابعًا حسين وعمر بن سعد (ان دونوں نے تین چار ملاقاتیں کیں یعنی حسین اور عمر بن سعد نے) اور پھر حضرت حسینؓ کی تینوں متبادل شرطیں بتا کر آخری شرط کا تصفیہ کر کے امیر عبید اللہ کو ابن سعدؓ نے اطلاع دی تھی فان الله قد اطفاء النائرة و جمع الكلمة و اصلح امر الامة (اللہ تعالیٰ نے آتش اختلاف کو بجھا دیا امت کا کلمہ متحد کر دیا اور معاملات درست کر دیئے)۔ اس پر امیر عبید اللہ نے کہا هذا كتاب رجل ناصح لاميره و مشفق على قومه نعم قد قبلت (یہ مراسلہ ایک ایسے شخص کا ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے۔ ہاں میں نے یہ شرطیں قبول کر لیں) یہ سب الفاظ اور جملے تو مودودی صاحب ہی کے ماخذ طبری میں اور طبری سے نقل کرنے والے دوسرے مؤلفین کی کتابوں میں درج ہیں۔

لرزہ بر اندام | تعجب ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں کو جمہور صحابہ کرام کو اور قریش کو لوگوں نے ایسا بے حمیت اور بے غیرت اور بزدل کیوں سمجھ لیا کہ اتنا بڑا ہولناک اور دلدوز واقعہ ہو جائے اور سب چپ سادھ لیں۔ حضرت عقبہ بن نافع فہریؓ با ایں جلالت و جلادت و شہامت رومیوں سے تو جہاد کیلئے چلے جائیں۔ اور اس جوش کیساتھ کہ شمالی افریقہ کو روندتے ہوئے ساحل بحر تک پہنچ جائیں اور گھوڑا سمندر میں ڈال کر ہاتھ اٹھائیں اور پروردگار سے کہیں "خدایا اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں تیرا نام بلند کرنے کے لئے پار بھی چلا جاتا" ایسا شخص اور حادثہ کربلا کو پی جائے اور آخر وقت تک امیر المومنین یزیدؒ کا وفادار رہے؟ یہ واقعہ ۶۲ھ کا ہے یعنی کربلا کے ایک سال بعد کا۔ ایسا ہی حال دوسرے بزرگواروں کا تھا جو دین پر اپنی جان قربان کر دیتا اپنی بڑی سی بڑی

سعادت جانتے تھے اور پھر بھی سمجھتے تھے کہ حق ادا نہ ہوا۔ ان میں سے کسی نے اس واقعہ کا نوٹس نہ لیا؟ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ امیر یزید کے پورے دور خلافت میں حادثہ کربلا کے رد عمل کے طور سے کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ہوا۔

ہمارے قومی شاعر نے داہیانہ انداز میں کہا ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اسے تمام پاکستانی مسلمان فخریہ انداز میں جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ اسی یزید کے دور خلافت کا واقعہ جس کے نام کا قافیہ ملا کر پلید کہے بغیر تفضیلہ بلا صاحبان کی سوزش قلب دور نہیں ہوتی یہ انہیں مجاہدین کا زرین کارنامہ ہے۔ جو واقعہ کربلا کے بعد خاموش رہے اور امیر المومنین کے وفادار۔

حقیقت یہ ہے کہ ۶۳ھ کے آخر میں اہل مدینہ نے جو بغاوت کی اور حرہ کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت حادثہ کربلا کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اور نہ حضرت ابن الزبیرؓ کی تحریک میں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے حادثہ کربلا کو کوئی اہمیت دی گئی یہ ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ تمام امت یہ جانتی تھی کہ اس حادثے کی ذمہ داری کسی طرح امیر المومنین یزید اور ان کی حکومت پر نہ تھی۔ اگر ایسی باتیں ہوتیں اور کسی درجے میں اہل مدینہ یا حضرت ابن الزبیرؓ نے حادثہ کربلا کو اپنی تحریک کی بنا بنایا ہوتا یا اسے بھی منجملہ اسباب شمار کیا ہوتا تو ہم یہ نہ دیکھتے کہ بنو ہاشم اہل مدینہ کی شورش سے الگ اور حضرت ابن الزبیرؓ کی تحریک سے بے تعلق ہیں بلکہ اس کے سخت مخالف کیا یہ صورت حال قطعی اور حتمی طور پر یہ ثابت نہیں کرتی کہ پوری امت نے جمہور صحابہؓ نے حتیٰ کہ امیر المومنین یزید کے مخالفوں اور حریفوں نے بھی اس حادثے کی ذمہ داری خلافت اور اس کے کارکنوں پر نہ ڈالی بلکہ اسے محض ایک حادثہ ہی جانا۔ جو غدار کوفیوں کے ہاتھوں پیش آیا۔ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا، جنگ جمل چھیڑی حضرت علیؓ کو شہید کیا۔ حضرت حسنؓ پر قاتلانہ حملہ کیا آخر میں حضرت حسینؓ کو دھوکہ دیکر مقتول کرایا، حادثہ کربلا کو سب سے پہلے اہمیت دینے کی کوشش التوابون نے ۶۵ھ

میں کی۔ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ لیکن بنو ہاشم نے صحابہ کرام نے اور جمہور امت نے اس تحریک سے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اور اسے فساد فی الارض ہی جانا۔

دوسری مرتبہ مختار ثقفی بھی یہی دعوی لے کر اٹھا۔ التوابون نے بنو ہاشم سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ مواقف بنو ہاشم کے تحت وہ انکی ہمدردیاں حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن مختار ثقفی نے یہ چالاکی کی کہ کذباً افتراءً اپنے آپ کو بنو ہاشم کا گماشتہ اور حضرت محمد بن علی بن ابی طالب کا کارندہ بتایا۔ مگر بنو ہاشم نے اس سے بھی کوئی تعلق نہ رکھا تا آنکہ وہ حضرت مصعب بن الزبیرؓ کے ہاتھوں ۶۷ھ میں مارا گیا۔ صحابہ کرام اور جمہور امت نے مختار کو کذاب جانا۔

ان دونوں تحریکوں کا عالم اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور جماعت مسلمین نے ان دونوں تحریکوں کو مفسدہ پردازی ہی سے تعبیر کیا گویا لرزہ براندام ہونا تو اپنی جگہ رہا امت نے تین سو برس تک اس حادثے کو قابل اعتنا بھی نہیں سمجھا کیونکہ حقیقت سب کو معلوم تھی ۔۔۔ حادثہ کربلا کو اہمیت تو چوتھی صدی ہجری میں اس وقت حاصل ہوئی جب خلافت عباسیہ کے کمزور ہو جانے کے بعد بویہی جیسے غالی رافضیہ کا خاندان مشرق میں اور تقریباً اسی زمانے میں عبیدی ملاحدہ مغرب میں غلبہ حاصل کر چکے تھے بویہیوں ہی کے زمانہ میں ماتم حسینؓ اور دوسری بدعات جاری کی گئیں۔ لیکن علماء و فقہاء اور زہاد و عباد امت اور خلفاء کرام سب ان فتنہ انگیزیوں سے متنفر رہے۔ البتہ سیاسی اختلال کے سبب کچھ نہ کرسکے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے سلطان طغرل بیگ رحمہ اللہ کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ کرا دیا۔

مسلم بن عقیلؓ مودودی صاحب نے کس قدر لغو اور لچر بات کہی ہے کہ حضرت حسینؓ امیر عبید اللہ کے پاس اس لئے نہیں گئے کہ انھیں ان کے ہاتھوں مسلم بن عقیلؓ کا انجام معلوم تھا۔ کاش یہ جملہ لکھتے وقت وہ دل کی بجائے کچھ دماغ سے بھی کام لیتے۔ مسلم ایسی حالت میں قتل ہوئے کہ وہ علانیہ بغاوت کو ہوا دے رہے تھے اور حضرت حسینؓ اگر چلے جاتے تو امیر عبید اللہ کے ہاتھ پر امیر المؤمنین یزیدؒ سے بیعت کرتے جاتے۔ کیا

ان دونوں صورتوں میں مودودی صاحب کو کوئی فرق نظر نہیں آتا ؟۔
نظر کیوں نہیں آتا۔ ان کے پیش نظر تو حضرت حسینؓ پر یہ جھوٹ بولنا ہے کہ وہ آخر وقت تک اسی موقف پر قائم رہے جو مکہ سے چلتے وقت تھا اور وہ امیرالمومنین یزید سے بیعت کرنے کو حرام جانتے تھے۔ حضرت حسینؓ پر یہ بہتان رکھے بغیر وہ فضا کیسے قائم رکھی جا سکتی ہے جس سے حادثہ کربلا کی اہمیت بڑھے اور مسلمانوں کو صحابہ کرام سے بیزار کرنے کی سبیل نکلے۔ ساری امت کی توہین و تذلیل کئے بغیر نہ فرقہ بازی کو بنیادی جا سکتی ہے اور نہ ہر طالع آزما کی تخریبی کارروائیوں کو جہاد ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ اس نظام خلافت کے باطل ہونے کا "فتویٰ" دیا جا سکتا ہے جسے صحابہ کرام نے اپنے اجماع کے ذریعہ نہایت ٹھوس اور مثبت بنیادوں پر قائم کیا تھا۔
غرض یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے ہم مشرب لوگوں کی قائم کردہ صورت حال سے صرف تین نتیجے نکالے جا سکتے ہیں اور جو بھی صورت سامنے نہیں آتی۔

(۱) جمہور صحابہ امت نے یہ سمجھا کہ مقتول کربلا کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اسکے مستحق تھے اور ان سب کا قتل واجب تھا نعوذ باللہ من ذالک۔

(۲) جمہور صحابہ آل البیت اور پوری امت نے دین چھوڑ دیا تھا اور کسی کو اسکی پروا نہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے پر کیا گزر گئی۔ مودودی صاحب کا بھی حقیقی نظریہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے دوسرے مضامین بھی ان کا نظریہ یہی بتاتے ہیں کہ جمہور صحابہ آل البیت اور امت سب پر گمراہی اور دین سے بے تعلقی کا عالم طاری تھا یا ان میں سے کسی میں جان نہ تھی کہ حق کیلئے کھڑا ہو یا ظلم کے خلاف احتجاج کر سکے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے سنیت کا چولہ محض تقیۃً اختیار کیا ہے تا کہ باتیں بنا کر اپنا اصلی مذہب لے رائج کر سکیں اور لوگ سمجھیں کہ سنت کا اتنا بڑا عالم کتاب و سنت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا سمجھے ان لوگوں سے جو اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے خیالات پھیلانے کی کوشش کریں اور خدا ہدایت دے مسلمانوں کو کہ ایسے غارت گروں کو پہچان کر ان کے مکر و فریب اور دجل سے اپنے

آپ کو محفوظ رکھیں۔

(۳) تیسری صورت یہی ہو سکتی ہے کہ بات وہ نہ تھی جو تخریب پسند اور فرقہ پرست لوگ باور کرانا چاہتے ہیں بلکہ محض ایک افسوس ناک اور دلگداز حادثہ تھا جس کی ذمہ داری نہ امیر المؤمنین یزیدؒ پر تھی نہ امیر عبید اللہ پر اور نہ عمر بن سعدؒ پر اسی لئے ہم عصر امت میں کوئی اختلال رونما نہیں ہوا۔ کیونکہ سب اصل صورت حال سے واقف تھے یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین یزید کے خلاف اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر کی حمایت میں جو کچھ کہا گیا اس میں حادثہ کربلا کا کوئی ذکر نہیں اور نہ حضرت حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے کا کوئی تذکرہ تھا۔ حضرت ابن الزبیرؓ کے داعیوں نے صرف امیر المؤمنین کی ذات کے خلاف پروپیگنڈا کیا اور ایسا بے اصل کہ خود مدینہ طیبہ کے لوگ بھی اس سے متأثر نہیں ہوئے چہ جائیکہ عالم اسلام کوئی اثر قبول کرتا۔

امیر المؤمنین یزید اولؒ کی خلافت کی حجیّت کی سب سے بڑی دلیل ہے جمہور صحابہ کرام کا اجماع - اسی بناء پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ان کے خلاف خروج کو خدا اور رسول کے ساتھ سب سے بڑی غداری قرار دیا تھا، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابو واقد لیثی حضرت معاویہ بن خدیج، حضرت ابن عمرو بن العاص وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین حسب نص قرآنی اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو امت کا سب سے افضل اور واجب الاتباع طبقہ ہے (الحدید پ-۱)

یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں [صحیح بخاری - کتاب الفتن]

عن نافع قال لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال سمعنا النبي صلى الله عليه وسلم يقول ينصب لكل غادر لواء يوم القيمة وانا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ..	حضرت نافعؓ سے مروی ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمرؓ نے اپنے متعلقین اور اولاد کو جمع کر کے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے روز ہر غدار کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا ..

وانی لا اعلم غدراً اعظم من ان نبایع رجلاً علی بیع اللہ ورسولہ ثم تنصب لہ القتال وانی لا اعلم احداً منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر فکانت الفصل بینی وبینہ ۔

ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑا کوئی غدر نظر نہیں آتا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے نام پر جس شخص سے بیعت کریں پھر اس کے خلاف لڑنے کھڑے ہو جائیں۔ مجھے نہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم میں سے کسی نے بیعت توڑ دی یا اس ہنگامے میں ساتھ دیا ہے اگر ایسا ہوا تو پھر میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہے گا

اگر حضرت حسینؓ کا آخر وقت تک وہی موقف سمجھ لیا جائے جسے سبائیہ نے کذباً وافتراءً شہرت دی ہے اور اہل السنۃ میں سے مودودی صاحب اور بعض سبائیت زدہ مؤلفین نے اپنی غلط اندیشی سے باور کر لیا ہے تو اس سے تمام قوانین شرعیہ باطل ہو جاتے ہیں اور جمہور صحابہ و اہل البیت بلکہ خاص آل علی کے اس موقف کی تغلیط ہوتی ہے جو حادثہ کربلا کے بعد انھوں نے اختیار کیا اور اس شدت کے ساتھ کہ کسی ہاشمی نے حضرت ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی کیونکہ انھوں نے متفق علیہ امام کی بیعت سے انکار کیا تھا اور ان کے مقابلے میں اپنی خلافت حریفانہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح کوئی ہاشمی مدینہ کی شورش میں شامل نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد مختار ثقفی اور التوابین کے ساتھ بھی کسی نے کوئی تعلق نہیں رکھا حالانکہ انھوں نے بزعم خویش خون حسینؓ کا بدلہ لینے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ پھر سب نے امیر المؤمنین عبد الملکؒ سے بیعت کر لی۔ کیونکہ آئینی خلافت وہ شام ہی کی سمجھتے تھے۔

شہادت حادثۂ کربلا کے سلسلے میں مودودی صاحب نے جو عامیانہ لہجہ اختیار کیا ہے وہ ہر صاحب علم کے لئے باعث شرم ہوگا۔ مقتولین کو نماز جنازہ کے

بعد احترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا اور وہ بھی اس ترتیب سے کہ یکجائی قبر میں حضرت حسینؓ سب کے
آگے رکھے گئے اور پھر آپ کے پیچھے اور آپ کے قدموں میں آپ کے ساتھی ان مقتولین کی قبریں
الگ الگ نہیں تھیں جیسے مصنوعی طور پر لوگوں نے اب بنا رکھی ہیں۔ ملا باقر مجلسی تک کو
اس کا اعتراف ہے [جلاء العیون ص ۴۴۲] مقتولین کی نماز جنازہ اس اہتمام سے
ہوئی تھی کہ اس میں شرکت کیلئے حضرت ولیدؓ بن عقبہ بن ابی معیط بھی آئے تھے۔
[جمہرۃ الانساب ص ۱۰۴] یہ وہی امیر ولیدؓ اموی ہیں جن پر مودودی صاحب نے نسبی عصبیت کے تحت
بڑے فقرے چست کئے ہیں جن کی تنقیح ہم پہلے کر چکے۔

آل بیت میں سے جو حضرات زخمی تھے انکا علاج کیا گیا جیسے زید بن حسن بن علیؓ اور
جو زخمی نہیں تھے۔ جیسے حضرت علی الحسین، حسن المثنیٰ بن الحسن بن علی یا عبید اللہ بن عباس بن
علیؓ۔ غرض یہ ہر طرح محفوظ رہے اور ساری عمر امیر المومنین یزیدؒ کے مداح اور اموی
خلافت کے وفادار اور ان کے حریفوں سے بیزار رہے حضرات مخدرات آل بیت کی بے حرمتی
یا ان کا امیر عبید اللہ کے "دربار" میں پیش ہونا یا بعد میں امیر المومنین یزیدؒ کے "دربار" میں
پیش ہونا یا امیر المومنین یزیدؒ کا دربار لگانا اور ان کے ساتھ مفتوحوں اور جنگی قیدیوں کا سا
برتاؤ کرنا سب سبائیہ کے خرافات سے ہے اور واقعات کے قطعاً خلاف ایسی کوئی بات
ہوتی تو ہم عصر امت ایسا احتساب کرتی کہ دنیا سے حکومت کا نام و نشان مٹ جاتا۔

خروج | چونکہ حضرت حسینؓ کے خروج کے جواز میں مودودی صاحب کوئی دلیل ایسی نہیں
لاسکتے جو اہل علم و خبر کو متاثر کرسکے اس لئے وہ اس بحث سے کترا گئے مگر ہم کہتے ہیں کہ
حکومت وقت کا تختہ الٹنے اور نیا سیاسی نظام برپا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ رائے عامہ اپنے
حق میں استوار کیجائے، مادی وسائل مہیا کئے جائیں اور اقدام اس وقت ہو جب کامیابی
صاف نظر آئے، ایسے اقدامات کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ دنیا میں ہزاروں انقلاب آچکے
ہیں۔ جب آئینی ذرائع ناکام ہو جائیں اور طاقت کے بغیر تبدیلی کی کوئی صورت نہ رہے تو
اس وقت خونین انقلاب ناگزیر ہو جاتا ہے، نوع انسانی کا ذہنی اور تمدنی ارتقاء ایسے ہی
انقلابات کے ذریعہ ممکن ہو سکا۔ ایسے انقلاب کے کارگر اور پائدار ہونے کے لئے ضروری ہے،

کہ تعمیری ہو اور ارتقائی تصور کے تحت برپا کیا جائے اور کامیابی کے بعد تمام نظم و نسق ان نظریات کے تحت مرتب ہو۔ ورنہ پھر وہ انقلاب چنگیز اور ہلاکو اور ہٹلر کی طرح سونے فساد فی الارض اور اہل زمین کی بربادی کے اور کچھ نہ کہلائیگا۔ ایسے انقلاب بھی دنیا میں آئے مگر چند برس میں ان کی فساد انگیزیوں کا قلع قمع کر کے نئے سرے سے آبادکاری پر دنیا متوجہ ہو گئی۔

لیکن جب وسائل مہیا نہ ہوں، رائے عامہ خلاف ہو اور تحریک کی پشت پر کوئی منظم طاقت نہ ہو اور پھر کچھ اشخاص حکومت کے مقابلے پر اتر آئیں تو وہ باغی اور مفسد ہی کہلاتے ہیں۔ حکومت وقت موسوی ہو یا فرعونی انھیں فساد فی الارض کا مجرم گردانتی ہے۔

بنو ہاشم کے دلوں میں عموماً اور آل علی کی فاطمی شاخ میں خصوصاً اپنی خلافت قائم کرنیکی دیرینہ آرزو تھی ان میں آل علی کی تمام شورشیں علم سیاست کے مطابق قسم ثانی میں آتی ہیں اور دعوت عباسیہ کے ذریعہ جو انقلاب لایا گیا وہ قسم اول میں شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے آل علی ہمیشہ ناکام ہوئے۔ انہوں نے کبھی رائے عامہ کی تنظیم اور وسائل کی فراہمی کی فکر نہیں کی۔ اور نہ امت کے سامنے کوئی تعمیری نصب العین پیش کیا۔ ان میں سے جو بھی کھڑا ہوا۔ وہ ہمیشہ سبائی فتنہ پردازوں کی غلط بیانیوں سے متاثر ہو کر خلافت کی تمنا میں بے بنیاد امیدیں باندھ کر کھڑا ہوا۔ ان لوگوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ کم از کم وہی لوگ متحد ہو جائیں جو اپنی جگہ خلیفہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تحقیق مزید" جہاں ملیگا کہ کس طرح ایک ہی خلیفہ کے خلاف کئی کئی علوی کھڑے ہوئے مگر باہم متحد ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے حریف بن گئے۔ پھر یہ بھی ان کا ہمیشہ شعار رہا کہ متفق علیہ اور مقبول عام خلیفہ ہی کے خلاف خروج کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کو کبھی اتنے بھی حمایتی میسر نہ آسکے کہ دو چار گھنٹے ہی جم کر لڑ سکیں)۔

اپنی یا اپنے خاندان کی یا گروہ اور طبقے کی یا خاص نظریات رکھنے والی کسی پارٹی کی

حکومت قائم کرنے کی خواہش کسی درجے میں مذموم نہیں اور نہ کبھی کسی صاحب نظر نے ایسی خواہش اور ایسے عزم کو مذموم کہا، لیکن مذموم ہے غلط وقت اور غلط طریقے پر کھڑا ہونا اور وسائل مہیا کئے بغیر خیالی امیدیں باندھنا اور ایسے مقصد کیلئے کھڑا ہونا جس میں قوم کا کوئی عام مفاد مضمر نہ ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جسے کوئی حکومت برداشت نہیں کر سکتی چہ جائیکہ وہ حکومت جس کی پشت پر رائے عامہ ہو اور ملک کے تمام اہل نظر اسکی حمایت کریں۔

لیکن صاحب عزیمت شخص یا گروہ کیلئے طالع آزمائی کا اس وقت بھی امکان ہوتا ہے جب بعض وجوہ کی بناء پر عوام میں بے چینی ہو۔ مثلاً معاشی ابتری یا انتظامیہ یا عدلیہ کی انصاف کشی یا قومی روایات کی پامالی، لیکن تنظیم نہ ہونے کے سبب کسی کو اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی ہو یا حکومت کے اسلحہ کے مقابلے میں رعایا نہتی ہو۔ اس وقت اگر کوئی شخص ہمت کر کے اٹھے تو اس کی آواز پر لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں اور قیادت کیلئے اسی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں۔ اب یا تو حکومت رائے عامہ کے دباؤ کے سامنے جھک جاتی ہے یا پھر تحریک میں ایسی جان پڑ جاتی ہے کہ پیہم قربانیوں کے بعد بالآخر انقلاب آجاتا ہے دنیا کی تمام اقوام کی تاریخ ہمارے اس بیان کی شاہد ہے لیکن علویوں نے سیاست کا یہ گر بھی نہیں سیکھا اور ہمیشہ بے وجہ اور بے اصول ایسا قدم اٹھایا جس کا نتیجہ سوائے تخریب اور پسپائی کے کچھ نہ نکلا۔ شریف حسین تک انکی پوری تاریخ یہی کہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم اسلام میں اس خاندان کو کبھی وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو امویوں کو عباسیوں کو اور ترکوں کو ہوئی۔ انہی ناکامیوں پسپائیوں اور بدنامیوں کو چھپانے کیلئے خیالی مناقب کا ایک ڈھیر لگا دیا گیا اور ان کی غلطیوں پر عصمت کا پردہ ڈال کر جہاد اور شہادت کا نام دیا گیا۔

شریعت اسلامیہ جس کا حوالہ مودودی صاحب بار بار دیتے ہیں اور صحابہ کرام کو اس شریعت سے ناواقف بتلانے کی انھیں جرأت ہے اس کی ہدایات ہمارے نزدیک اس بارے میں بالکل واضح ہیں اور انھیں کو صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے اپنے لئے مشعل راہ بنایا

اس شریعت کے "باطن" تک ہمیں رسائی نہیں اور ہم الفاظ کے وہی معانی سمجھتے ہیں جو ایک فانی اور غیر معصوم انسان سمجھ سکتا ہے۔ اور اس بارے میں صحابہ کرام سے لے کر ہمارے زمانے تک سب اصحاب فکر سمجھتے آئے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے (المائدہ ۳۳)

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد انگیزی کے در پے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں بُری طرح قتل کیا جائے یا انھیں سولی دی جائے یا جانب مقابل کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔ یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے یا قید کر دیئے جائیں۔

گویا جیسا جرم ہو اس کی مناسبت سے اسے سزا دی جائے تمام ائمہ تفسیر کے علاوہ خود مودودی صاحب بھی اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں [تفہیم القرآن، المائدہ ۳۳ بحوالہ منصب رسالت نمبر ص ۱۷۱]

خدا و رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ ایسا نظام جب کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا، قطع نظر اس سے، کہ وہ چھوٹے پیمانے پر قتل و غارت اور رہزنی و ڈکیتی کی حد تک ہو یا بڑے پیمانے پر اس نظام صالح کو الٹنے اور اس جگہ کوئی فاسد نظام قائم کر دینے کے لئے ہو، دراصل خدا و رسول کے خلاف جنگ ہے۔"

مودودی صاحب اپنی اس تحریر کا مآل جانتے تھے اسی لئے صالح اور فاسد کی اصطلاح لائے ہیں۔ لیکن کام اس سے بھی نہیں بنتا۔ کیونکہ کوئی ایسا شخص جو دعوت محمدیہ پر ایمان رکھتا ہو وہ حسب آیات قرآنیہ اور فرمان نبوی یہ عقیدہ رکھنے پر بھی

مجبور ہوگا کہ جو سیاسی نظام حضرات امہات المؤمنین اور کبار و صغار صحابہ کی تائید سے قائم کیا گیا اسے لازماً صحیح نظام ہی کہنا ہوگا اور اسے درہم برہم کرنے کی کوشش کرنے والا خدا و رسول کے خلاف جنگ کرنیوالا سمجھا جائیگا سوائے اس کے کہ بعد میں وہ اپنے موقف سے رجوع کرے جس طرح حضرت حسینؓ نے کر لیا۔ جیسا کہ کربلا پہنچکر واپسی کے لئے یا سرحدی مقام پر چلے جانے کے لئے یا خلیفہ وقت کے پاس جانے کی اجازت لینے سے ثابت ہے۔

ظاہر ہے کہ قانون پر عمل کرتے وقت اصول دیکھا جاتا ہے نہ کہ مجرم کی شخصیت اور اس کا خاندان —

دین اسلام جس طرح امت کو سمجھایا گیا ہے اس میں ایسا نہیں ہے کہ کسی کو برہمن بنا کر اس کیلئے الگ سزا تجویز ہو اور کسی کو شودر کہہ کر گردن زدنی قرار دیا جائے —

یہاں صاف ہے (النساء ۱۲۳) من یعمل سوءً یجز بہ (جو برا کام کریگا اسکی سزا پائے گا) ارشاد نبوی ہے [صحیح بخاری ج ۲، ص ۲۶۲ طبع مصر] ولو ان فاطمۃ بنت محمدؐ سرقت لقطعت یدھا (اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ چوری کرے تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا) لہذا یہ تصور خود بخود باطل ہو گیا کہ چونکہ فلاں شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد دختری میں ہے لہذا اس کی تخریبی کارروائیوں سے چشم پوشی کیجائے اور اسے وہ سزا نہ ملے جو باغیوں کیلئے مقدور ہے —

ارشاد نبوی ہے (صحیح بخاری کتاب الفتن نیز صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶ طبع مصر)

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رأی من امیرہ شیئاً یکرھہ فلیصبر فانہ لیس احدٌ یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ

حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے امیر کی کوئی بات ایسی دیکھی جو اسے ناگوار ہو تو چاہئے کہ صبر کرے کیونکہ جو بھی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہوا اور اس حالت میں مر گیا تو

تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی ۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ہے (ج ۲ ص ۱۳۶ طبع مصر)

عن زیاد بن علاقۃ قال سمعت عرفجہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ ستکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنًا من کان ۔

زیاد بن علاقہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عرفجہؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ عنقریب فتنہ پر فتنہ برپا ہوگا ۔ تو جو شخص ایسے وقت میں اختلال پیدا کرنا چاہے جبکہ وہ مجتمع ہو تو اس کے تلوار مار دو اگر چہ وہ کوئی ہو ۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف گناہوں اور جرموں کی شناخت بتائی ہے دو جرم ایسے ہیں جن کو خدا اور رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے ۔ ایک سودی کاروبار کہ اس سے معیشت تباہ ہوتی ہے دولت چند ہاتھوں میں محصور ہو جاتی ہے اور تقسیم زر کا توازن بگڑ جاتا ہے اور دوسرا جرم ہے سیاسی اختلال پیدا کرنا کہ اس سے قوم کا وقار جاتا رہتا ہے ۔ فرقے پیدا ہوتے ہیں اور اقوام عالم پر اس کا رعب نہیں رہتا ۔

انہی کھلے ہوئے احکام کی روشنی میں ائمہ دین نے اپنا فتویٰ مرتب کیا اور بلا استثناء چاروں ائمہ اور ان کے متبع اس سے متفق ہیں ۔ یہاں ہم امام احمد بن حنبلؒ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں ۔ ابوزہرہ / حیات امام احمد بن حنبلؒ مترجم ص ۲۴۶)

" امام وقت اور خلیفہ قائم خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار اس کی اطاعت واجب ہے ۔ وہ جب مسند خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اسکی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزور شمشیر ، وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المؤمنین کہنے لگے ہوں ، کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلیفہ پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے ۔ اور جس نے امام المسلمین کے

خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت کو مانے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ، تو اس نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا۔ اور اگر اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔

اصالت فتویٰ ائمہ فقہ کا یہ فتویٰ کتاب سنت کے صریح احکام پر مبنی ہے دنیا کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو اور نہ کوئی حاکم ایسا ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو گا جس کے خلاف کچھ لوگ نہ ہوں جب ایک شخص یا ایک گروہ کسی حاکم کو فاسق یا نااہل کہتا ہے تو ظاہر ہے کہ حکومت بھی اسے باغی اور مفسد قرار دے گی۔

بعد دونوں میں محاکمہ اور ان کے تضیے کا فیصلہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ کتاب و سنت کے احکام بتا کر معاملہ جمہور پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر رائے عامہ ایک حکومت یا حاکم کے حق میں ہے اور اس کے خلاف پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوتی۔ تو ایسی حکومت یا حاکم پر عائد کردہ الزامات خود بخود باطل ہو گئے۔ اور جو لوگ اس حکومت کے خلاف کھڑے ہوئے وہ باغی اور مفسد ہی قرار پائیں گے۔

اسی طرح اگر رائے عامہ حکومت یا حاکم کے خلاف ہو جائے تو یقیناً وہ حاکم اپنے منصب پر قائم رہنے کا حق دار نہیں رہا اور وہ حکومت اسی قابل ہو گئی کہ اسے بدل دیا جائے۔ یہی بات ہم پچھلے اوراق میں بیان کر چکے ہیں اور اسی سے بغاوت اور انقلاب کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

کسی ملک اور قوم کے جمہور اپنے نظریہ حیات اور اصول زندگی کے مطابق کبھی باطل یا ناحق پر جمع نہیں ہوتے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ جب انہی کے نظریے کے تحت کوئی تعمیری یا انقلابی تحریک اٹھائی جائے تو عوام اس کی پذیرائی نہ کریں۔

اجتماعی زندگی کا یہی فطری اصول تھا جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی (چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آجتک اس امت کی بھاری اکثریت ہر تخریبی تحریک سے بیزار رہی - اور جب کبھی کوئی مہتم بالشان اور معرکۃ الآراء مسئلہ پیش ہوا تو جمہور اہلِ اسلام حق پر متحد ہو گئے اور غلط رائے کو ٹھکرا دیا - اگرچہ وہ غلط رائے ان لوگوں کی ہو جو عرف عام میں علماء و فضلا کہلاتے ہیں اور صحیح بات اس شخص کیطرف سے ہو جو ان علماء و فضلاء سے کمتر سمجھا جائے -

فرقہ باز لوگوں نے اس غیر مبہم اور واضح فرمان نبوی کا یہ غیر فطری مفہوم لینے کی کوشش کی - اور مودودی صاحب بھی اس زمرے میں ہیں کہ "کچھ نہ کچھ لوگ حق پر رہیں گے اور ایسا نہیں ہو گا کہ تمام امت گمراہی پر جمع ہو جائے اور حق پر کوئی نہ رہے" چنانچہ یہ لوگ اپنے تخریبی عزائم کے تحت موجودہ اور گزری ہوئی پوری امت کو گمراہ کہہ کر ایسے لوگوں کو مجاہد اور شہید کہنا چاہتے ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً امام جماعت کے خلاف خروج کیا - اور بہم عصر امت کی حمایت حاصل نہ ہونے کے سبب قتل کر کے گھاٹ اتار دئے گئے - اگر اس صریح حدیث کا وہ مفہوم لیا جائے جو مودودی صاحب اور ان جیسے لوگ نکالنا چاہتے ہیں تو یہ ارشاد تعمیری ہونے کی بجائے تخریبی ہو جائے گا اور ہر طالع آزما شخص اور ہر باطل فرقہ اپنے آپ کو جماعت کے مقابلے میں حق پر اور جمہور اہلِ اسلام کو باطل پر کہہ سکیگا - اور جب اس کے سامنے یہ حقیقت ثابت آئیگی کہ آج ایک ہزار برس سے بھی زیادہ گزر جانے کے باوجود شروع سے لیکر آجتک کے تمام باطل فرقے متحد ہو جائیں تب بھی ان کی اتنی عددی قوت نہیں ہو سکے گی کہ جماعت کے حریف بن سکیں، تو وہ یہی کہنے پر مجبور ہو جائیگا جو مودودی صاحب کہتے ہیں اور ان کے ایک مریدنے کہا ہے کہ "چند قدم چلنے کے بعد تو یہ امت راہ حق سے ہٹتی تو ہٹتی ہی چلی گئی"

حالانکہ عقل اسلامی کو اگر کام میں لایا جائے تو کتاب و سنت اور علم سیاست کے بنیادی اصول کے مطابق جمہور صحابہ و تابعین اور علماء و فقہاء و صلحاء و عوام جب اپنے امام کے ساتھ ہوں اور اس کے خلاف کسی پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو سکیں اور اس امام

کے خلاف خروج کرنے والے لوگ اتنی بھی حمایت حاصل نہ کر سکیں جس سے نظم و نسق مختل ہو جائے
تو خود بخود وہ خروج کرنے والے اس وعید کے تحت آجائیں گے جو کتاب و سنت اور
مذاہب ائمہ کی روشنی میں ہم بیان کر چکے۔ سوائے ان کے جو اپنے موقف سے رجوع
کر کے جماعت میں داخل ہو جائیں۔ عمرانیات کے اسی اصل اصول کے تحت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [صحیح بخاری کتاب الفتن] تلزم
جماعۃ المسلمین وامامھم (مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام ہی
سے وابستہ رہنا)

خود حادثۂ کربلا بھی اس پر شاہد ہے کہ جب بعض کوفیوں نے صورت حال کا
غلط نقشہ پیش کر کے حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کر لیا تو جمہور صحابہؓ تابعین کے
علاوہ خود عراق کے وہ اکابر بھی بیعت توڑنے پر تیار نہیں ہوئے جو معرکۂ صفین میں
حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ساری عمر انہی کے عقیدت مند رہے۔ مثلاً یہاں حضرت
احنف بن قیسؓ کا نام لیا جا سکتا ہے جو بصرے میں بنو تمیم کے سردار تھے اور اتنے بڑے
کہ ان کے متعلق کہا جاتا تھا اذا غضب غضبت لغضبہ مائۃ الف سیف
لا یدرون فیم غضب (اگر انھیں غصہ آجائے تو یہ جانے بغیر کہ غصے کا سبب کیا ہے
ایک لاکھ تلواریں انہی کی طرح غضبناک ہو جاتی تھیں) وہ جب چاہتے بنو تمیم کو
جنگ میں جھونک سکتے تھے اور جب چاہتے روک سکتے تھے۔

حضرت احنفؓ کا شمار کبار شیعیان علیؓ میں ہے۔ لیکن باقی مسلمانوں کی طرح جب وہ
حضرت معاویہؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے تو اس بیعت کو پوری طرح نبھایا اور اپنے
ذاتی رجحانات کو امت میں اختلال کا سبب نہ بننے دیا۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا جب
مسئلہ اٹھا تو حضرت احنفؓ اس میں شریک تھے اور اس تحریک سے ناپسندیدگی
بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن جب جمہور صحابہ اور تمام عالم اسلام نے اس کی تائید کی
تو حضرت احنفؓ نے بھی بیعت کر لی۔ پھر خلافت کی بھی بیعت کی اور پوری عزیمت
کے ساتھ اس پر قائم رہے۔

کیا اس سے یہ بات الم نشرح نہیں کہ عراق کی بابت ان کوفی سبائیوں نے جو افسانے ستائے تھے ان کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ عراق کے سبائیوں کے علاوہ وہاں کے ممتاز اہل الرائے کسی طرح بھی امیر المؤمنین یزیدؒ کے خلاف پروپیگنڈے سے متأثر نہ تھے اور نہ ان کی اہلیت اور شخصی عظمت ان کی نگاہوں میں کم ہوئی اور نہ انھوں نے یہ جانا کہ ان کا ولی عہد اور پھر خلیفہ ہونا کسی درجے میں اصول و قواعد شرعیہ کے خلاف تھا

موقف صحابہ | کتاب و سنت کے ان کھلے ہوئے احکام اور ائمہ کرام کے اس فتویٰ کی موجودگی میں مودودی صاحب کو اس سوال سے قطع نظر کرنے کا کوئی حق نہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسینؓ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں۔ انھیں بیر کھول کر اپنا نظریہ پیش کرنا چاہئے تھا تاکہ اہل فکر اس پر غور کرتے۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے تو مودودی صاحب کا یہ بیان کسی مومن اور عالم کیلئے قابل قبول نہیں کہ "صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول نہیں ملتا کہ

"ان کا (یعنی حضرت حسینؓ کا) خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے اعتبار سے یہ اقدام نامناسب ہے"

یہ الفاظ لکھ کر مودودی صاحب نے غلط بیانی کی حد کر دی شاید ہی کوئی باوقار شخص اس طرح جھوٹ بولنے کی ہمت کر سکے، اور وہ بھی صحابہ پر۔ انھوں نے بار بار البدایہ والنہایہ کا حوالہ دیا ہے۔ کیا اس میں صحابہ کرام کے یہ اقوال نہیں ملتے۔ (ج ۸، ص ۱۶۳) مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول جو فرماتے ہیں۔

کلمت حسینًا فقلت لہ اتق اللّٰہ	میں نے حسینؓ سے گفتگو کی اور ان سے
ولا تضرب الناس بعضھم	کہا، اللہ سے ڈرو اور لوگوں کو ایک
ببعض	دوسرے سے مت لڑاؤ۔

پھر حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں [ج ۸ ص ۱۶۳]

غلبنی الحسین علی الخروج وقلت	خروج کے بارے میں حسین نے مجھ پر

۔ اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک	زور ڈالا۔ میں نے ان سے کہا تھا اپنی جان کے بارے میں اللہ سے ڈرو یعنی ناحق ضائع مت کرو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو

پھر حضرت ابو واقد اللیثی رض نے انھیں راہ میں جالیا۔ اور روک کر فرمایا (ج ۸ ص ۱۶۳)

لا تخرج فانہ من یخرج لغیر وجہ خروج انما خرج یقتل نفسہ	بغاوت مت کرو کیونکہ جو شخص خروج کی وجہ نہ ہونے کے باوجود بغاوت کرتا ہے تو وہ محض اپنی جان کھونے نکلتا ہے۔

پھر طبری میں ہے (ج ۵ ص ۲۰) کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے حضرت حسین رض اور حضرت ابن الزبیر رض دونوں سے فرمایا اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین (تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ مت ڈالو۔

حضرت حسین رض چار یا پانچ مہینے اپنے عم بزرگوار حضرت ابن عباس رض کے پاس مکہ میں رہے اس عرصہ میں کوفیوں کے خط اور وفد آنے لگے۔ امیر المؤمنین یزید نے حضرت ابن عباس کو خط بھیجا (البدایہ ج ۸ ص ۱۶۴)

احسبہ قد جاءہ رجال من اہل المشرق فمنوہ الخلافۃ وعندک خبرۃ وتجربۃ فان کان قد فعل فقد قطع واشج القرابۃ وانت کبیر اہل بیتک والمنظور الیہ فاکففہ عن السعی فی الفرقۃ	مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کے پاس یعنی حضرت حسین کے) کچھ لوگ مشرق (کوفے) سے آئے اور انھیں خلافت کی امید دلائیں۔ آپ کو حالات کا علم ہے اور آپ تجربہ کار شخص ہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو قرابت کا مضبوط رشتہ توڑ دیا آپ اپنے خاندان کے بزرگ ہیں اور ان کے محترم۔ آپ انھیں تفرقہ ڈالنے سے

روکئے

حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا۔

انی لارجوان لایکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادعہ النصیحۃ فی کل مایجمع الالفۃ وتطفی بہ النائرۃ	میں امید رکھتا ہوں کہ حسین کچھ ایسا خروج نہیں کریں گے جو آپ کو ناگوار ہو اور میں انھیں ایسی نصیحت کرنے سے کبھی باز نہیں رہونگا۔ جس سے باہمی الفت قائم ہو اور فساد کی آگ بجھے

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے انھیں قوانین شرعیہ یاد دلاکر روکا تھا یا تدبیر کے ناقص ہونے کے لحاظ سے؟ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا موقف جو مرتبہ اور علم اور عمر میں حضرت حسینؓ سے کہیں زیادہ تھے پھر وہ ان کے سگے تایا کے بیٹے اور سگے بہنوئی ہیں۔ انھوں نے انھیں روکنے کی انتہائی کوشش کی حتیٰ کہ امیر مکہ سے مہر شدہ فرمان لیا اور امیر نے مزید اطمینان کیلئے اپنے دو بھائیوں کو بھی ساتھ کردیا کہ حضرت حسینؓ واپس آجائیں ان سے سرکاری قافلے کے مال پر قبضہ کرلینے کے بارے میں کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ لیکن جب وہ نہ ملنے تو حضرت ابن جعفرؓ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ زینب کو روکنا چاہا اور جب وہ نہ مانیں اور بھائی کے ساتھ جانے پر مصر رہیں تو انھیں طلاق دیدی۔ اپنے فرزند علی زینبی کو بھی آپ نے روک لیا۔

سبائیوں نے یہ ہوا باندھی ہے کہ سیدہ زینب اپنے ساتھ اپنے دو صغیرالسن بچوں عون و محمد کو لے گئی تھیں جنھوں نے اپنی جانیں اپنے ماموں پر نثار کردیں۔ حالانکہ یہ عون اور محمد الاصغر حضرت عبداللہ بن جعفر کے بیٹے نہیں تھے بلکہ بھائی تھے اور بچے نہیں تھے بلکہ جوان اور شادی شدہ تھے۔ معمولی عقل کی بات ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے اپنے فرزند علی زینبی کو جو سیدہ زینب ہی کے بطن سے تھے روک لیا تو دوسرے فرزندوں کو کیسے جانے دیتے وہ اس خروج سے اتنے ناراض تھے کہ سیدہ زینب

جیسی رفیقۂ حیات کو انھوں نے طلاق دیدی۔
اس طلاق کے بارے میں اور پھر اپنی سالی سیدہ ام کلثومؓ سے نکاح کرنے کے
متعلق امام ابن حزمؒ حضرت ابن جعفرؓ کی بابت کہتے ہیں (جمہرۃ الانساب ص ۳۳)
ام کلثومؓ بنت علی بن ابی طالب اور بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم اولاً حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں تھیں جن سے زید پیدا ہوئے
جو لاولد رہے اور پھر رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد
وہ عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پاگئے تو محمد بن جعفر
نے ان سے نکاح کیا (یعنی محمد الاکبر نے جو کربلا نہیں گئے تھے۔ انکی
وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں (یعنی چونکہ
وہ ان کی بڑی بہن سیدہ زینب کو طلاق دے چکے تھے)
اب سوچنا چاہئے کہ صحابۂ کرام اور ہاشمی گھرانے کے افراد حضرت حسینؓ کے خروج
کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے بالآخر جب حضرت حسینؓ نے بھی کوفیوں کی غداری دیکھ لی
اور یہ معلوم کرلیا کہ عراق میں کوئی اختلال نہیں سب امیر المؤمنین یزیدؒ کی بیعت پر قائم
ہیں تو رجوع کا اعلان کرکے ان سے بیعت کرنے دمشق کی طرف روانہ ہوگئے
حضرت حسینؓ کے اس اعلان کے صاف اور قطعی معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اپنا موقف
غلط ہونا خود تسلیم کرلیا اور یہ بھی کہ امیر المؤمنین یزیدؒ امام برحق تھے اور انکی بیعت توڑنے
کا کوئی جواز نہ تھا۔ صحابۂ کرام اور ان کے خاندانی بزرگوں نے انھیں قواعد شرعیہ کے
تحت روکا تھا۔ ان میں سے کسی نے ان کے ابتدائی موقف سے زبانی ہمدردی بھی
ظاہر نہیں کی چہ جائیکہ انھیں خروج کی تدبیریں بتائیں۔ جو لوگ خدا اور رسول کے
احکام کے حوالے سے روکیں وہ ایسے نہ تھے کہ خود تو خدا و رسول کے نام پر امیر المؤمنین
یزیدؒ سے بیعت کریں اور دوسروں کو بیعت توڑنے کی ترغیب دیں یا خروج کی
ترکیبیں بتائیں) اور کوئی بھی عملاً ساتھ نہ دے۔
مودودی صاحب نے صحابہ کرامؓ پر بہتان رکھتے وقت اس حقیقت ثابتہ کو بھول

نظر انداز کر دیا کہ صحابہ میں سے کسی ایک شخص نے بھی حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ انکی گردنوں میں امیر المؤمنین کی بیعت تھی اور وہ سب خروج کو ناجائز جانتے تھے۔

علی بن الحسین حضرت علیؒ (زین العابدینؒ) اپنے مزاج اور خیالات میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ کی طرح تھے یعنی جس طرح حضرت حسنؓ کو بیعت لیکر صفین تک تمام اقدامات میں اپنے والد ماجد سے اختلاف تھا اور حضرت معاویہؓ کے موقف سے اتفاق اس لئے انھوں نے اپنی بیعت ہوتے ہی کسی جنگ میں مغلوب ہوئے بغیر حضرت معاویہؓ سے بیعت کرلی (صحیح بخاری ج ۲ کتاب الصلح طبع مصر) اور امت کو مزید افتراق و تشقق سے بچا لیا۔ اسی طرح حضرت علی زین العابدینؒ کو اپنے والد حضرت حسینؓ کے خروج سے خلاف تھا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کی طرح وہ فرزندانہ ساتھ تو رہے مگر عملاً انھوں نے مدافعانہ تلوار اٹھانے سے بھی گریز کیا کیونکہ شہید اعظم امیر المؤمنین عثمان صلوات اللہ وسلام علیہ کی طرح وہ قاتل ہونا پسند نہیں کرتے تھے اسی لئے سبائی راویوں نے دو بچوں کے اس باپ کو نو عمر لڑکا اور بیمار بنا دیا۔

حضرت علی بن الحسینؓ نے دمشق جاکر امیر المؤمنین یزیدؒ سے بیعت کرلی اور پھر اموی خلافت کی حمایت پر قائم رہے۔ انھوں نے کسی تخریبی تحریک میں حصہ نہ لیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اندرونی فتنوں سے نجات دلانیوالے عظیم قائد اور امام حضرت عبدالملکؒ کو کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی اور یوں امت پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اقوام عالم میں دعوت محمدیہ کی نشر و اشاعت کے قابل ہو گئی اور تین چوتھائی متمدن دنیا کو پچیس تیس برس میں حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔

مقتولین کربلا کے سر دمشق میں سروں کی نمائش کا قضیہ افترا محض ہے مودودی صاحب نے ساتویں آٹھویں اور نویں دسویں صدی کے مصنفوں کی روایتوں سے استشہاد کیا ہے۔ اگر قریب العہد ماخذ یا معتبر و مقبول سند سے وہ یہ بات ثابت کرنیکی کوشش کرتے تو ایک بات ہوتی۔ لیکن چونکہ ایسا کرنا ان کیلئے ممکن نہ تھا اسی لئے وہ فرقہ پرستوں کی گھڑی ہوئی باتوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے

یہاں ہم مصنف عبدالرزاق سے بواسطہ امام زہری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سروں کے اس طرح منگوانے اور تشہیر کرنے کا سلسلہ کب سے شروع ہوا ملاحظہ ہو (سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۲۱۴ طبع مصر)

فاخرج عبدالرزاق فی مصنفہ عن الزھری قال لم یحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راس الی المدینۃ قط ولا یوم بدر وحمل الی ابی بکر راس فکرہ ذلک۔ واول من حملت الیہ الرؤس عبداللہ بن الزبیر	عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں امام زہری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سر قطعاً مدینہ نہیں لایا گیا حتیٰ کہ بدر کے دن بھی نہیں۔ ایک سر البتہ (حضرت) ابوبکر کے پاس لایا گیا تھا لیکن آپ کو یہ بات ناگوار گذری پہلے شخص جنکے پاس سر لائے گئے وہ عبداللہ بن الزبیر ہیں

یہ عبدالرزاق اکابر محدثین میں سے ہیں مگر تھے شیعہ۔ اگر سروں کی نمائش کا ایک واقعہ بھی کسی اموی خلیفہ کے دربار کا ہوتا تو نہ یقیناً اس کا ذکر آب و تاب سے کرتے۔ یہ ایسے بڑے شیعہ تھے کہ امام احمد بن حنبل نے اس کی توثیق کی ہے (الخطیب البغدادی الکفایہ فی علم الروایۃ ص ۱۲۵-۱۲۶)

ان احمد بن حنبل قال ان عبیداللہ بن موسیٰ یرد حدیثہ للتشیع فقال کان واللہ الذی لا الٰہ الا ھو عبدالرزاق اعلیٰ من ذلک منہ مائۃ ضعف ولقد سمعت من عبدالرزاق اضعاف ما سمعت من عبیداللہ	(امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ عبیداللہ بن موسیٰ کی حدیث اس کے تشیع کے سبب رد کردی جائے۔ پھر فرمایا اللہ قسم ہے اس اللہ کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ عبدالرزاق اس بارے میں اس سے سینکڑوں گنا زیادہ غالی ہیں۔ مگر میں نے عبیداللہ سے جتنی حدیثیں سنی ان سے کئی گنا زیادہ حدیثیں عبدالرزاق سے سُنیں۔

وجہ یہ ہے کہ عبدالرزاق اپنے غلو کے باوجود صادق القول تھے۔ پھر ہیں امام اعظم اور مالک کے استاذ امام زہری، وہ قریب العہد تھے اور ان سے اموی "درباروں" کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ اموی خلفاء کے ہم عصر ہیں اور ایسے معتمد کہ امیر المومنین

عبدالملک نے انھیں اپنے فرزندوں کا اتالیق مقرر فرمایا تھا، اور انہی کے سپرد خانوادۂ خلافت کے نونہالوں کی تربیت تھی۔

جب امام زہری فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے شخص جن کے پاس مقتولوں کے سر لائے گئے وہ عبداللہ بن الزبیرؓ ہیں تو کیا ان سے ایک غالی شیعہ محدث کی یہ روایت فیصلہ کن نہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد کے تنہا اس واقعے کے بعد سے امیرالمومنین یزیدؒ کے آخر عہد تک نہ کوئی سر لایا گیا اور نہ اس کی نمائش کی گئی۔

بعد کے بے قید اور غلیظ رافضیوں کے بیانات کو حجت بنانا ان لوگوں کا کام ہے جو تاریخ اسلام کو مسخ صورت میں پیش کرنے کے درپے ہیں چنانچہ دسویں صدی ہجری کے یہی سیوطی صاحب عبدالرزاق کی یہ روایت لکھنے کے باوجود مقتولین کربلا کے سروں کا دمشق جانا بھی بیان کر گئے ہیں مگر بغیر کسی سند اور حوالے کے (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۷) کیونکہ سند لکھ دیتے تو غلط بیانی کی قلعی نہ کھل جاتی۔ انھوں نے یہ غور نہ کیا کہ کہاں ایک غالی شیعہ محدث کا بیان ایک عظیم اور قریب العہد بلکہ ہم عصر محدث کے حوالے سے اور کہاں ایک بے سند بات۔ تاریخ الخلفاء ایسی ہی متضاد مندرجات سے مملو ہے

اختتامیہ | مودودی صاحب فرماتے ہیں اور اسی کو گویا ان کے اس مضمون کا اختتامیہ کہنا چاہئے (ص ۱۸۰)

فرض کیجئے کہ حضرت حسینؓ یزید کے نقطۂ نظر کے مطابق برسر بغاوت ہی تھے تب بھی کیا اسلام میں حکومت کے خلاف خروج کرنے والوں کیلئے قانون نہ تھا؟ فقہ کی تمام مبسوط کتابوں میں یہ قانون لکھا ہوا موجود ہے مثال کے طور پر ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر باب البغاۃ میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اس قانون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ساری کارروائی جو میدان کربلا سے لیکر کوفے اور دمشق کے درباروں تک کی گئی اس کا ایک ایک جزء قطعاً حرام اور سخت ظلم تھا۔ دمشق کے دربار میں جو کچھ یزید نے کیا اور

کہا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ لیکن سب روایتوں کو چھوڑ کر یہی روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا "میں حسین کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی اطاعت سے راضی تھا۔ اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر۔ خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا اور یہ کہ "خدا کی قسم اے حسین میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو تمہیں قتل نہ کرتا" تو لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سرپھرے گورنر کو کیا سزا دی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی نہ اسے معزول کیا نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا۔

باب البغاۃ ہدایہ اور فتح القدیر دیکھنے سے پہلے مودودی صاحب قرآن حکیم کیوں نہیں دیکھتے جس کے آپ مفسر بھی ہیں اور خود ہی المائدہ ۳۳ کا وہ مفہوم بتاتے ہیں جو اوپر نقل کیا جا چکا کہ ان باغیوں کو بری طرح قتل کیا جائے انھیں سولی دی جائے انکے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے (یا قید کر دیئے جائیں) جس درجے کا جرم ہو اسی کے مطابق سزا دی جائے۔

لیکن زیر نظر بیان میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے اسے کہتے ہیں بناء الفاسد علی الفاسد انھوں نے جتنے خیالی الزام عائد کئے ہیں انکی قلعی پچھلے اوراق میں ہم کھول چکے۔ کاش جس قرآن کی وہ تفسیر کرتے ہیں اس میں اس آیت پر بھی ایک نگاہ ڈال لی ہوتی

(الاحزاب ۵۷) الذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً واثماً مبینا	اور جو لوگ مومنین و مومنات کو بغیر ان کے کچھ کئے ایذا پہنچاتے ہیں تو انھوں نے بہتان باندھا اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد لیا۔

جو باتیں امیر المؤمنین یزیدؒ کی طرف ان صاحب نے منسوب کی ہیں تو یہ طعن محض امیر المؤمنین اور ان کے کارکنوں ہی پر نہیں ہے بلکہ اس "قطعاً حرام اور سخت ظلم" میں

ان تمام اصحابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک ماننا پڑے گا جو تغیل کننا ہیں چپکے بیٹھے دیکھتے رہے اور احتجاج تک نہ کیا۔ کیا مودودی صاحب کو یہ جرأت ہے کہ لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرنے کی بجائے قطعاً حرام اور سخت ظلم میں ملوث ہونے کا فتویٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر لگا دیں جنھوں نے حادثہ کربلا کے باوجود امیر المومنین یزید کی بیعت توڑنے کو خدا اور رسول سے ایسی بڑی غداری قرار دیا کہ انکی نگاہوں میں اس سے بڑی کوئی غداری نہ تھی [صحیح بخاری: کتاب الفتن]

رہا مودودی صاحب کا یہ اعتراض کہ امیر عبید اللہ کو کوئی سزا نہیں دی گئی اور انھیں معزول نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ملامت کا کوئی خط بھی نہ لکھا گیا تو ناظرین کرام پر واضح ہو گیا ہو گا کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی جو امیر عبیداللہ کو مستوجب سزا یا ملامت بنائے۔ اگر صحابہ کرام پر کسی طرح یہ ثابت ہو جاتا کہ حادثہ کربلا کی ذمہداری حضرت عمر بن سعدؓ یا امیر عبید اللہ پر ہے تو انھیں سزا دلوانا یا معزول کرا دینا کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔ ویسے ہم پچھلے اوراق میں بیان کر آئے ہیں کہ اگر ہنگامی حالات میں حکومت کے کسی کارکن سے کوئی شدید غلطی یا ظلم ہو جائے تب بھی سنت یہ ہے کہ اس سے باز پرس کرنے کی بجائے امام اپنی بیزاری کا اعلان کرکے مظلوم یا اس کے وارثوں کو راضی کرلے۔

بفرض محال وہ سب کچھ ہوا تھا جو کذباً و تلبیساً و افتراءً مودودی صاحب نے بیان کیا ہے اور ان کے فرقے کے لوگ بیان کرتے ہیں تو حضرت حسینؓ کی والدہ اور اولیاء الدم کی رضا امیر المومنین یزید کو پوری طرح حاصل تھی۔ آل بیت کا ہر فرد ان سے اتنا راضی اور ان کا ایسا وفادار تھا کہ ان میں سے کسی نے ان ہنگاموں میں حصہ نہیں لیا جو ۶۳ھ کے آخر میں حضرت ابن الزبیرؓ اور ساتھیوں کے سبب برپا ہوئے جن پر تبصرہ آگے آرہا ہے۔ اگر بنو ہاشم کسی درجے میں بھی امیر المومنین یزید سے ناراض ہوتے تو سب کے سب حضرت ابن الزبیرؓ کے ساتھ ہو جاتے اور ہمیں حضرت حسینؓ کے چچا حضرت ابن عباسؓ کا ان کے متعلق یہ ارشاد نہ ملتا [صحیح بخاری کتاب التفسیر

ج ۳ ص ۱۳۶ طبع مصر)

ما اراہ یریدبا خیلاءان کان لابد لا یربنی بنو عمی احب الی من ان یربنی غیرھم

مجھے تو نظر آتا ہے کہ ان کے پیش نظر کوئی بھلائی نہیں۔ اور اگر یونہی ہوتا ہے تو دوسروں کے ہاتھوں پرورش پانے کی بجائے مجھے محبوب تر یہ ہے کہ میرے اپنے چچا کے بیٹے (بنی امیہ) پرورش کریں

بنو ہاشم اور اکابر صحابہ کے اسی عمل سے اموی خلافت کے ہاتھ مضبوط ہوئے اور حضرت ابن الزبیرؓ کو کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔

ایک اور گستاخی | مودودی صاحب نے نسلی تعصب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بھی گستاخی سے دریغ نہ کیا۔ فرماتے ہیں (ص ۱۸۱)

> اسلام تو خیر بدرجہا بلند چیز ہے، یزید میں اگر انسانی شرافت کی بھی کوئی رمق ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا۔ اور اس کی حکومت نے ان کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

آج صدیاں گزر جانے کے بعد مودودی صاحب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے، اور امیر المؤمنین یزیدؒ کے خاندان الگ نظر آتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں ہاشمی اور اموی تو کیا پورا قبیلہ قریش ہی ایک واحدہ تھا۔ رہا گھرانوں کی ایسی تمیز پیدا نہیں ہوئی تھی جیسے بعد کے لوگوں نے پیدا کر لی۔ یا امتداد زمانہ سے ہو گئی۔ کعبۃ اللہ کی خدمت اور شہری انتظام میں تمام گھرانے یکساں شریک تھے اور جس گھرانے کو جو خدمت سپرد تھی اس کی انجام دہی کے وقت وہی گھرانا تمام قریش کی قیادت کرتا تھا۔ یہ تصور کہ فلاں گھرانا اپنی اہمیت کے اعتبار سے اور دل سے جدا یا افضل تھا بعد کی پیداوار ہے۔ اب ہم خاص بنو عبد مناف کو دیکھتے ہیں تو ہمیں عیاناً نظر آتا ہے جس کی تردید ناممکن ہے کہ امیر المؤمنین یزیدؒ کے زمانے ہی تک نہیں

بلکہ پورے اموی دور کے آخر تک امویوں اور ہاشمیوں کی تقسیم اس طرح نہیں ہوئی تھی
کہ سب ہاشمی ایک گروہ ہوں اور سب اموی ایک علیحدہ گروہ۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت
کے بعد جو واقعات رونما ہوئے اور اسلام کے دشمنوں نے ان واقعات کو ہاشمی اموی چپقلش
باور کرانا چاہا ہے۔ تو ان کی تکذیب کیلئے یہ کافی ہے کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی
حضرت عقیلؓ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور جنگ جمل کے بعد حضرت مروانؒ بھی
امیر المؤمنین علیؓ سے بیعت کر کے حضرت ام المؤمنینؓ کے ساتھ چلے گئے اور مدینہ
میں سکونت اختیار کر لی۔ یعنی صفین میں وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے شریک
نہیں ہوئے اسی طرح حضرت حسینؓ کے مقابلے میں بنو ہاشم نے اموی خلیفہ کا ساتھ دیا
یہ بات احسان کی تو یہ احسان ایک ہاشمی نے اموی مفتوحوں پر نہیں کیا تھا
بلکہ خود ہاشمیوں پر بھی تھا۔ ویسے قریش کا کونسا گھرانا ایسا تھا جس میں مؤمن و
کافر نہ ہوں بلکہ امویوں میں جتنے قدیم الاسلام مؤمن تھے اتنے ہاشمیوں میں کہاں
تھے۔ اور حقیقی عداوت ہاشمی کافروں نے دکھائی اتنی اموی کافروں کی طرف سے کب آئی
گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہاشمی ہونے کی حیثیت سے موافقوں کو انعام اور
مخالفوں کو سزا دینے کی سوچتے تب بھی موافق و مخالف خاندانوں میں تمیز کرنے کا امکان تھا
لیکن فتح مکہ کے دن جو کچھ ہوا وہ ایک ہاشمی فاتح کی طرف سے نہیں بلکہ رسول
اللہ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا ر
پر تھا۔ جیسے پہلے ہی فرما چکا تھا (الممتحنہ)

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ	قریب ہی کہ اللہ تمہارے اور ان کے درمیان
بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ	جن سے آج تمہیں عداوت ہے محبت
مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ	پیدا کر دے۔ اللہ قدرت والا ہے اور اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔	ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔

بارگاہ رسالت میں یہ انتہائی گستاخی ہے کہ تمام نہاد خاندانی تنازعات میں آپ کی
ذات اقدس و اعلیٰ کو شامل کرنے کی جرأت کی جائے اور نسلی پیمانے پر آپ کو بھی ناپا جائے

آپ تمام امت کے باپ ہیں اور آپ کی ازواج تمام امت کی مائیں۔ آپ کا قانون اور آپ کی شریعت سب کیلئے یکساں ہے۔ کسی کی یہ حیثیت نہیں کہ آپ سے رشتہ داری کی خصوصیت جتا کر دوسروں کو غیر سمجھے۔

علاوہ ازیں مودودی صاحب کو علم الانساب سے کچھ بہرہ ہوتا تو ایسی سخیف بات ان کے قلم سے نہ نکلتی۔ حضرت حسینؓ اور امیر المومنین یزیدؒ گوناگوں رشتوں میں منسلک تھے حضرت حسینؓ کی زوجہ اولیٰ حضرت معاویہؓ کی سگی بھانجی تھیں اس رشتے سے وہ امیر المومنین یزیدؒ کے بہنوئی تھے اور دوسرے رشتے سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیجے داماد تھے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی دختر نیک اختر ام محمد امیر موصوف کی زوجہ تھیں۔ وہاں نسل کا قطعاً کوئی سوال نہ تھا۔ امیر المومنین کے اپنے بیٹے یا بھائی بھی اگر خروج کرتے تو ان کا برتاؤ کچھ مختلف نہ ہوتا اور نہ قواعد شرعیہ کے تحت مختلف ہو سکتا تھا۔ اور یہاں تو وہ بات بھی نہ تھی جو لوگوں نے بنا رکھی ہے۔ جیسا کہ ان صفحات میں ہم آشکارا کر چکے۔ صحیح النسب ہاشمیوں اور امویوں نے ان سیاسی امور کو نسلی اور خاندانی حیثیت سے کبھی نہ دیکھا، اور نہ دیکھ سکتے تھے کونسا اختلافی مسئلہ ایسا ہے جس کے تحت سب ہاشمی ایک طرف ہوں اور سب اموی دوسری طرف۔

صالح اور فاسد نظام مودودی صاحب کے ہاں صالح اور فاسد کا بہت ذکر ہے۔ قارئین کرام کو ہم اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کہ ایک سیاسی نظام تو وہ تھا جو امہات المومنین کی تائید سے اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین معاویہؓ کی قیادت میں قائم کیا ہر مرحلے پر آپ کی تائید کی اور وہی نظام صدیوں تک امت میں قائم رہا۔ اس نظام کے تحت جماعت ایک واحدہ ہے اور تمام امور اہل الرائے کے مشورے اور امت کی تائید و حمایت سے طے ہوتے ہیں نہ علمی حیثیت سے کسی خاندان کی اجارہ داری ہے نہ روحانی سربلندی کیلئے کسی خاندان یا شخص سے وابستگی لازم ہے۔ صرف اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مدار کار ہے جمہور صحابہ کرام کو

دین کا مقتدا سمجھا جاتا ہے اور ان کے اجماع کو حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک شخص کے واجب التعظیم سمجھے جانے کی بنیاد اس کا علم اور تقویٰ ہے۔ مودودی صاحب کے نزدیک یہ نظام باطل تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس باطل نظام کے مقابلے میں جو نظام ہائے حیات رائج کرنے کی کوشش کی گئیں وہ کیا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی خلافت قائم ہو جاتی تو صورت حال کیا رہتی۔ لیکن عملاً ہمارے سامنے ان کے ایک پوتے زید بن علی کا عمل ہے اور ان کے مذہب کی بنیاد پر ان کے متبعین کا عمل ہے۔ اس نظام میں خلافت کا صحیح استحقاق صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کا ہے اگلے صفحات پر اس کی مزید تفصیل آتی ہے۔ ویسے یزیدی وہ ہیں جو اپنی طرف منسوب شدہ مسلک کے باوجود امیر المؤمنین ولیدؒ سے لیکر امیر المؤمنین ہشامؒ تک تمام خلفاء کی بیعت میں رہے اور پھر ایک نہایت نامعقول وجہ کی بنا پر انھوں نے یہ بیعت توڑ دی اور کوفی سبائیوں کے بہکائے میں آکر خروج کر بیٹھے مگر وقت پر انہیں دو سو حمایتی خاص کوفے سے بھی نہ مل سکے چہ جائیکہ امت ان کی تحریک سے کوئی دلچسپی رکھتی۔

(۲) دوسرا سیاسی نظام وہ تھا جو خلافت عباسیہ کے کمزور ہو جانے کے بعد بنی بویہ خاندان نے قائم کیا۔ اور تقریباً ایک صدی تک یہ امت اس نظام کے تحت پستی رہی۔ اس کے نمایاں مظاہر یہ تھے کہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت ہو۔ امت کے ہاتھوں میں جو قرآن متداول ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک نیا قرآن رائج کیا جائے۔ محرم کے ماتم اور عید غدیر کا رواج ہو۔ قبر پرستی کو فروغ ہو اور گزرے ہوئے لوگوں سے استمداد کو توحید سمجھا جائے۔ سلف صالحین پر بہتان طرازی کو معیار تصنیف بنایا جائے اور جو لوگ یہ نیک کام انجام دیں جیسے مسعودی اصفہانی انہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہو اور فواحش کو دینی حیثیت دے دی جائے۔ اس نظام کے تحت بھی امامت کا حق صرف فاطمیوں کو تھا اور وہ بھی اس تصور کے تحت کہ ایک شاخ کے چند افراد کو خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی۔ مگر اور ان کی اولاد کو نہیں۔

(۳) تیسرا نظام وہ تھا جسے عبیدیوں نے مصر میں قائم کیا کہ جو شخص کتاب و سنت کا نام لے تہ تیغ کر دیا جائے۔ قرآن کے ظاہر کو معطل کر کے باطن کے نام سے ہر قسم کے زندقہ والحاد کو فروغ دیا جائے اور تحریک کا اصل اصول ہو اعدام المسلمین یعنی اول تو ہزاروں علماء و فقہاء کو خود قتل کریں اور پھر بعد میں فدائیوں کو جنت کی سیر کرا کے اعاظم اسلام کو شہید کرایا جائے۔ جب مسلمانوں کی جنگ کفار سے ہو تو اس وقت یہ "سادات کرام" نصرانیوں کے جھنڈے اٹھائے ہوئے مسلمانوں سے "جہاد" کریں۔

ان کے ہاں بھی امامت کا حق صرف فاطمیوں کو ہے اور اللہ کی طرف سے شرعاً تفویض کیا جاتا ہے اسی لئے فاطمی اور عرب نہ ہونے کے باوجود انھوں نے آپ کو فاطمی کہا اور بزور شمشیر کہلوایا اور اپنا نسب فاطمیوں کی اسی شاخ سے ملا لیا جو ان کے نزدیک خدا کی طرف سے مقرر کردہ لوگوں پر مشتمل تھی۔

(۴) چوتھا صفویوں کی ایران میں حکومت کا تھا انھوں نے فاطمی نسب کا دعویٰ کیا سنی علماء و فضلاء اور عام باشندوں کو تہ تیغ کر کے سب صحابہ کو رائج کیا۔

ان کے علاوہ کچھ اور تحریکیں بھی اٹھیں مثلاً عبداللہ بن الزبیرؓ کی حکومت یا ان صحیح العقیدہ فاطمیوں کی حکومتیں جو کہیں کہیں مدت کے لئے قائم ہوئیں اور جن میں سے بعض اب بھی موجود ہیں۔

کیا مودودی صاحب یا ان کے ہم خیال لوگوں میں سے کوئی اور صاحب کسی طرح یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ حکومتیں اموی اور عباسی خلافتوں سے فلاں اعتبار سے بہتر تھیں۔

ان میں سے کوئی حکومت ان قواعد و اصول کے تحت قائم نہیں ہوئی جو مودودی صاحب نے اپنے زعم میں وضع کئے ہیں۔ ان سب کی بنیاد اپنے اپنے عہد کے مقبول امام خلفاء کی بیعت توڑ دینے اور اپنے خاندان کی موروثی حکومت کے قیام ہی پر تھی۔ پھر ان حکومتوں کے مقاصد اور عوامل میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی اور نہ کوئی صاحب ایسی کوئی بات دکھا سکتے ہیں کہ انھیں اجتماعی سیاسی عمرانی اور فقہی اصول کے تحت

کسی امتیاز کا حامل کہا جا سکے۔

مودودی صاحب نے اموی اور عباسی خلافتوں پر تو مطاعن کے انبار لگا دیئے کاش ابن الزبیرؓ کی یا ان صحیح النسب فاطمیوں کی حکومتوں پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہوتی جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ "اسلامی نظام" جس کے مودودی صاحب داعی ہیں۔ اس کا پرتو ان حکومتوں میں بھی کسی اعتبار سے نظر آتا ہے۔

حضرت ابن الزبیرؓ صغار صحابہ میں ہونے کے علاوہ اپنے ذاتی فضائل بھی رکھتے تھے۔ مگر ان کی اور امیر المؤمنین یزیدؒ کی حکومت میں اگر کوئی فرق ہوتا تو ہم عصر اُمّت اسے جان لیتی اور حضرت ابن الزبیرؓ کی حکومت روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی لیکن ہوا یہ ہے کہ وہ ضعیف تر ہوتی چلی گئی اور آخر وقت تک بنو ہاشم اور اکابر صحابہ نے ان سے بیعت نہیں کی اور یہ سب امیر المؤمنین یزیدؒ کی بیعت میں تھے اور ان کے خلاف خروج کو حرام جانتے تھے اور نظام حکومت کو صالح سمجھتے تھے۔

اُمّت کا مرثیہ | مودودی صاحب اموی خلافت میں آزادی رائے کے خاتمے کی ذیلی سرخی کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

"یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔ خطرہ مول لیکر سچی بات کہنے والے ان کے اندر کم ہوتے چلے گئے۔ خوشامد اور ضمیر فروشی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی، اور حق پرستی و راست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔ اعلیٰ قابلیت رکھنے والے ایماندار اور باضمیر لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے اور عوام کا حال یہ ہو گیا کہ انھیں ملک اور اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی حکومتیں آتی اور جاتی رہیں مگر لوگ ان کی آمد و رفت کے تماشائی بن کر رہ گئے۔ عام لوگوں میں اس پالیسی نے جس سیرت و کردار کو نشوونما دینا شروع کیا اس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جو حضرت

علی بن حسین (امام زین العابدین) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ بیان فرماتے
ہیں کہ سانحہ کربلا کے بعد ایک شخص چھپا کر مجھے اپنے گھر لے گیا اور میری خوب
خاطر مدارات کی۔ اس کا حال یہ تھا کہ ہر وقت مجھے دیکھ دیکھ کر روتا
تھا۔ اور میں اپنی جگہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے لئے اگر کسی شخص کے اندر وفا
ہے تو وہ یہ شخص ہے۔ اتنے میں عبید اللہ بن زیاد کی یہ منادی سنی
گئی کہ جو کوئی علی بن حسین کو ہمارے پاس پکڑ لائیگا اسے تین سو
درہم انعام دیا جائیگا۔ یہ اعلان سنتے ہی وہ شخص میرے پاس آیا
میرے ہاتھ میری گردن سے باندھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا اسی
حالت میں وہ مجھے ابن زیاد کے پاس لے گیا اور اس سے انعام
حاصل کر لیا۔

یہ تحریر کسی ذاکر اور سوز خواں کی زبان سے تو ہو سکتی تھی جو محض رونے رلانے
کی غرض سے مہمل قصے بیان کرتے ہیں لیکن کسی مفکر و مفسر قرآن کے قلم سے جو دانش
و بینش کا مدعی بھی ہو ایسی مہمل بات کا ادا ہونا حیرت انگیز ہے کہ سانحہ کربلا کے
بعد حضرت علی بن حسین (زین العابدین) کو ایک شخص چھپا کر اپنے گھر لے بھاگا تھا
جہاں ان کی خوب خاطر مدارات بھی کی لیکن ابن زیاد کی منادی سنکر کہ جو کوئی علی بن حسین
کو پکڑ لائیگا تین سو درہم (تقریباً سوا سو روپیہ) انعام پائیگا وہ ان کے ہاتھ
گردن سے باندھ کر لے گیا اور انعام حاصل کر لیا۔ یہ لغویات وہی شخص لکھ سکتا ہے
جس کی عقل اور سمجھ پر اموی خلفاء کی دشمنی و عناد کا ایسا دبیز پردہ پڑ گیا ہو کہ وہ معمولی
سمجھ سے بھی کام نہ لے سکے۔

حسینی خاندان کے انساب اور حالات سے جس کو بھی قدرے واقفیت ہوگی
اسے معلوم ہوگا کہ حضرت علی بن حسین (زین العابدین) سانحہ کربلا کے زمانے میں
چوبیس پچیس برس کے جوان مرد، دو بچوں کے باپ تھے۔ اپنے دوسرے عزیزوں کی
طرح جنگ [illegible] نہ کر سکی تھی وہ بھی ہنگامہ میں صحیح و سالم بچے تھے اور ساتھ

سکے پھر وہ تو اپنے عزیزوں کی جن میں وہ ایک مجروح بھی تھے دیکھ بھال میں مصروف تھے ان کے اعزہ میں تین تو ان کے سوتیلے بھائی تھے محمد و جعفر و عمر فرزندان حسین بن علیؓ اور چار ان کے چچا حضرت حسنؓ کے بیٹے تھے یعنی حسن مثنیٰ جو ان کے بہنوئی بھی تھے اور زید وعمر و طلحہ ابنائے حسن بن علیؓ اور دوسرے عزیز فرزندانِ مسلم بن عقیل و عباس بن علیؓ وغیرہم۔ پھر تھیں مخدراتِ اہلِ بیت حسینؓ یعنی خود ان کی والدہ ماجدہ، انکی پھوپی اور بہنیں وغیرہ تو ہاشمی خاندان کے ان سب افراد کی موجودگی میں حضرت زین العابدین جیسے ۲۵ سالہ کڑیل جوان کو کوئی شخص ان سب سے چھپا کر اپنے گھر لے گیا اور کیا مودودی صاحب کسی طرح ثابت کرسکتے ہیں کہ اس زمانہ میں کربلا جیسے صحرائی مقام اور چٹیل میدان میں کوئی آبادی تھی، کسی کا گھر تھا کربلا میں نہیں تو کیا کوسوں دور کوفے کو انہیں اغوا کرکے اس حالت میں لے گیا تھا کہ بقول ان کے چلہ ہزار سرکاری فوج چاروں طرف گھیرا ڈالے پڑی تھی وہ اگر چھوٹے بچے ہوتے کہ گود میں چھپا کر لے جا سکتے تھے۔ تب بھی ان کی ماں بہنوں اور حسینی خاندان کے اتنے افراد کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ اور اگر بیوی بچوں اور ماں بہنوں کو تنہا چھوڑ کر کسی شخص کے ساتھ ناموس سے بے پرواہ ہو کر نکل بھاگے تھے تو یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ وہ شخص ان کے ہاتھ گردن سے باندھتا رہا وہ چپکے سے بندھواتے رہے اور مدافعت کی کوئی تدبیر نہ کی، مودودی صاحب نے اس مہمل روایت کو بطور حجت پیش کرتے وقت کم از کم حضرت علی بن حسینؓ کی ہاشمی غیرت و حمیت و جلادت کا تو پاس کیا ہوتا ثابت کرنا چاہتے ہیں ایک فرضی شخص کو نمونہ بنا کر اس وقت کے مسلمانوں کے کردار کی پستی اور اس سے بدتر پستی اور بے غیرتی ثابت کر دیتے ہیں۔ اس عالی مرتبت ۲۵ سالہ ہاشمی کو جس کی رگوں میں شیر بیشہ شجاعت علی و حسین رضی اللہ عنہما کا خون دوڑ رہا تھا۔

مودودی صاحب کے ماخذ الطبری میں سانحہ کربلا کی بیشتر روایتیں ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے کذاب سبائی راویوں کی ہیں ان ہی میں حضرت علی بن حسین زین العابدین

جیسے پچیس سالہ ہاشمی جوانمرد کو نابالغ بچہ بتایا گیا ہے لکھا ہے کہ علی بن حسین رضؓ بچے سمجھے
گئے اس لئے قتل ہونے سے بچ گئے۔ واستصغر علی بن حسین بن علی
فلم یقتل (طبری ج ۵ ص ۲۶۹) یہ کذب بیانی ان کے دوسرے عزیزوں جناب
حسن مثنیٰ بن حسن علیؓ اور ان کے بھائی عمر بن حسین بن علیؓ کے بارے میں بھی کی گئی
ہے۔ پچیس تیس سالہ ہاشمیوں کو نابالغ بچہ بتا کر لکھا ہے کہ وہ بچہ سمجھ کر قتل نہیں
کئے گئے۔ مودودی صاحب نے سبائیوں کی ان کذب بیانیوں کو باور کر کے لکھ دیا کہ علی
بن حسین (زین العابدین) کو ایک شخص چھپا کر اپنے گھر لے گیا اور انعام کے لالچ میں
ان کے ہاتھ گردن سے باندھ کر گورنر کے سامنے پیش کر کے انعام حاصل کر لیا
ایسی لغو (خرافات) مودودی صاحب جیسے زیرک وفہیم مؤلف کے قلم سے اسی
حالت میں صفحہ قرطاس پر ٹپک سکتی ہے کہ معاویہؓ و یزیدؒ دشمنی اظہار حق سے مانع ہو
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (الفتح) کہ صحابہ اور ان کی وابستہ جماعت ہمیشہ صراط مستقیم
پر قائم رہے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع
نہ ہوگی۔ نیز فرمایا ہے کہ بہترین صدی میری ہے پھر ان کی جو ان کے بعد ہوں پھر
ان کی جو ان کے بعد ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صدی امیر المؤمنین یزیدؒ کے
۶۲ سال بعد ختم ہوگئی مودودی صاحب ہی کے ماخذ البدایہ والنہایہ ج ۸
ص ۲۲۹) میں ہے" فبعث رسول اللہ فی قرن وکان آخرہ موت یزید
بن معاویۃ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم جس قرن میں مبعوث ہوئے وہ یزید بن
معاویہ کی موت پر ختم ہوا) یہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خیر القرون
تھا یعنی پہلی صدی ہجری جو ملت اسلامیہ کا سب سے سنہری دور تھا۔ جس نے
مسلمانوں کے درخشاں کارناموں سے تمام عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور اقوام
عالم آج تک ان کی کامرانیوں پر عش عش کرتی ہیں وہ مودودی صاحب کو ملت
اسلامیہ کے ذہنی انحطاط کا زمانہ نظر آتا ہے جس نے روح اسلامی کو مضمحل کر دیا
تھا۔ تو یہ نتیجہ انہوں نے شاید اسی لئے مرتب کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی اولاد میں حق

حضرات نے سیاسی اقتدار کے حصول کیلئے خلفاء و ائمہ اسلام کے خلاف خروج کیے انھیں اپنے حمایتی نہ مل سکے ان کی تفوق امت کی کوششوں میں امت نے توجہ نہ کی اور مسلمان تسخیر عالم کے جہاد میں مصروف رہے۔ اس کے سوائے اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ مودودی صاحب کو اسلام کی پہلی صدی کی درخشانی میں ظلمت نظر آئے اور ارتقائے ملی کو وہ پستی باور کرنے لگیں۔ کربلا میں خلیفہ وقت کے حکم سے اگر عمال حکومت نے وہ وحشیانہ و بہیمانہ افعال کئے ہوتے جو کذابین نے منسوب کئے ہیں تو حضرت علی بن حسین (زین العابدین) اس سانحہ کے بعد امیر المؤمنین یزید کی ستائش نہ کرتے اور دعائیں نہ دیتے جیسا کہ ان ہی کے صاحبزادے جناب محمد (باقر) کا یہ قول مودودی صاحب کے ماخذ طبقات ابن سعد (ج ۵ ص ۱۵۹) حتیٰ کہ الامامۃ والسیاسۃ (ج ۱ ص ۲۱۲) میں بھی جو علامہ ابن قتیبہ کی جانب غلط منسوب ہے ان الفاظ میں درج ہے کہ جب امیر مسلم بن عقبہ نے حضرت علی بن حسین سے بوقت ملاقات یہ کہا کہ امیر المؤمنین یزید نے آپ کے ساتھ بھلائی اور اکرام کا حکم دیا ہے تو جناب محمد (باقر) فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ان کو دعائیں دیں اور کہا۔ وصل اللہ امیر المؤمنین واحسن جزائہ (اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے اور اچھی جزا دے)"

واقعہ حرہ مودودی صاحب کے خیال باطل میں دوسرا واقعہ جس نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا تھا "جنگ حرہ کا تھا۔ اس واقعہ کی خود ساختہ روداد وہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں (ص ۱۸۱)

> "اس کے بعد (یعنی حادثہ کربلا کے بعد) دوسرا المناک واقعہ جنگ حرہ کا تھا۔ جو ۶۳ھ کے آخر اور یزید کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر روداد یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر اس کے خلاف بغاوت کر دی اسکے عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا سربراہ بنا لیا۔

یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبہ المرّی کو (جسے سلف صالحین مسرف بن عقبہ کہتے ہیں) ۱۲ ہزار فوج دے کر مدینے پر چڑھائی کے لئے بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا اور جب فتح پالو تو تین دن تک مدینہ کو فوج پر مباح کر دینا یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لئے فوج کو اجازت دیدی گئی کہ شہر میں جو چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا۔ امام زہری کی روایت کے مطابق سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے اور غضب یہ ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں حتی قیل انہ

حبلت الف امراۃ فی تلک الایام من غیر زوج

دکھا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں"

یہ ہے وہ مختصر بلکہ روداد جوان صاحب نے جنہیں "داعی حق" ہونے کا دعوی ہے عقل وحیا کو خیر باد کہہ کر ایسے فیصلہ کن انداز میں پیش فرمائی ہے جیسے مدینے کے سارے سب باشندے ۶۳ھ کے آخر میں اس وقت جبکہ حادثہ کربلا کو تین سال گذر گئے تھے خلیفہ وقت سے اس کو فاسق وظالم قرار دیکر یکایک باغی ہوگئے ہوں۔ حالانکہ حادثہ کربلا کا جن لوگوں کے دلوں سے خاص تعلق تھا یعنی حضرت حسینؓ کے اہل خاندان بنی عبدالمطلب و بنی ہاشم وہ سب ان باغیوں کے مخالف اور خلیفہ یزیدؒ کے طرفدار تھے اور ان کی بیعت پر مستقیم رہے تھے، اور جیسا پچھلے اوراق میں بیان ہوا شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ اور ان کے گھرانے کے لوگ باغیوں کی جماعت سے بیزار اور کنارہ کش رہے۔ یہ سب واقعات تو مودودی صاحب کی کتب ماخذ میں صراحتاً درج ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ۔

واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدین) وکذلک عبداللہ بن عمر ابن الخطاب لم یخلعا یزید ولا من بیت ابن عمر وکذلک لم یخلع یزید احد من بنی عبد المطلب (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۸)

اور علی بن الحسین (زین العابدین) ان لوگوں (باغیوں) سے کنارہ کش رہے اسی طرح عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے (خلیفہ) یزید کی بیعت نہیں توڑی اور نہ ابن عمرؓ کے گھرانے میں کسی ایک شخص نے۔ اور اسی طرح نہ بنی عبدالمطلب (ہاشمی گھرانے) کے کسی ایک فرد نے بھی (خلیفہ) یزید کی بیعت سے انحراف کیا۔

مودودی صاحب کے یہی معتبر مورخ ابن کثیر دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

وقد کان عبداللہ بن عمر بن الخطاب وجماعت اھل بیت النبوۃ ممن لم ینقض العھد ولا بایع احداً بعد بیعۃ یزید (ص ۲۲۳)

اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب اور اہل بیت نبوت کے لوگ (جماعات) یقیناً ان میں سے تھے جنھوں نے نقض عہد نہیں کیا اور یزید سے بیعت کے بعد کسی سے بھی بیعت نہیں کی۔

پھر حضرت حسینؓ کے پوتے جناب ابوجعفر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

قال ابوجعفر الباقر لم یخرج احد من آل ابی طالب ولا من بنی عبد المطلب ایام الحرۃ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۳)

ابوجعفر الباقر نے فرمایا کہ جنگ حرہ کے دنوں میں نہ تو ابو طالب کے خاندان کا کوئی شخص (خلیفہ کے خلاف) نکلا اور نہ بنی عبدالمطلب (بنی ہاشم) میں سے کوئی شخص۔

بنی ہاشم و فاروقی خاندانوں کے اشخاص کے علاوہ عثمانی وصدیقی اور اموی یہ سب خاندان بغاوت کے مخالف تھے۔ نیز انصاریوں میں سے سب سے بڑا گھرانا

بنی خارجہ (بنو اشہل) کا تھا جنہوں نے سرکاری فوجی دستے کو اپنے محلہ میں سے گذار کر
شہر پر قبضہ کرا دیا تھا۔ ان سب خاندانوں کے افراد کی تعداد کئی ہزار نفوس کی تھی۔
یہ سب اہل مدینہ ہی تو تھے۔ بلکہ اہل مدینہ کے ممتاز و سربرآوردہ اشخاص تھے
تو جب یہ لوگ باغیوں کے خلاف اور خلیفہ وقت کے طرفدار تھے اور انکی بیعت پر
قائم رہے تھے۔ صرف حضرت ابن زبیرؓ کے داعیوں عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے سیاسی
مقصد سے تین برس کے خفیہ پروپیگنڈے سے مفسدین اور شر پسند عوام کی بڑی تعداد
کو دام تزویر میں پھانس کر بغاوت پر ابھار دیا تو ان حالات میں "اہل مدینہ" کے الفاظ
سے گویا کل باشندگان مدینہ کو باغی کہہ کر مدینہ کے ان سب امن پسند ممتاز خاندانوں
جماعت اہل بیت نبوت وغیرہم کو بغاوت سے متہم کرنا صریحاً کذب بیانی ہے۔

جس وقت ابن مطیع وغیرہ داعیان حضرت ابن زبیرؓ نے خلیفہ وقت کی ذات
کے خلاف محاذ بنا کر شرب خمر اور ترک صلوٰۃ کے اتہامات عائد کئے تھے۔ اسی وقت
ان کی تردید و تکذیب حضرت حسینؓ ہی کے بھائی اور حضرت علیؓ کے عالم و فاضل فرزند
حضرت محمد ابن الحنفیہؒ نے جو امیر المؤمنین یزیدؒ کے پاس مقیم رہے تھے اپنے ذاتی
معلومات اور چشم دید حالات کی بنا پر کی تھی۔ داعیان ابن زبیرؓ نے حضرت محمد الحنفیہؒ
کی مخالفت سے خائف ہو کر انہیں خود اپنے لئے بیعت خلافت لینے پر جب آمادہ کرنا
چاہا تو جو مکالمہ ان میں اور ابن مطیع میں ہوا وہ ہم تفصیل سے اپنی کتاب "خلافت
معاویہؓ و یزیدؒ" میں درج کر چکے ہیں۔ یہاں مودودی صاحب ہی کے معتبر ماخذ
البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۲۳۳) سے اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ
ابن مطیع کے جواب میں حضرت محمد ابن الحنفیہؒ نے فرمایا۔

ما رأیت منه ما تذکرون و
قد حضرته و اقمت عنده
فرأیته مواظباً علی الصلاة
متحریاً للخیر یسأل عن الفقه

میں نے ان میں (یعنی امیر المؤمنین یزیدؒ
میں) وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم لوگ
بیان کرتے ہو۔ میں تو ان کے یہاں گیا
ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔

ملا زمًا للسنة — میں نے انہیں نماز کا پابند، نیک کاموں کا جویاں یا بادہ فقہی امور میں مذاکرات کرتے ہیں اور سنت کے پابند ہیں۔

اسی طرح حضرت حسینؓ کے چچا حبرالامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے امیرالمومنین معاویہؓ کے انتقال کی خبر سن کر اپنی ذاتی معلومات سے امیر یزیدؒ کے بارے میں فرمایا تھا۔

وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم (کتاب الانساب بلاذری قسم ثانی) — اور ان کے (حضرت معاویہؓ کے) فرزند (امیر یزیدؒ) اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا، اطاعت کرنا اور بیعت کرنا

مودودی صاحب کے پسندیدہ ماخذ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویہ موضوعۃ لا یصح شیٔ منھا (ج ۸ ص ۲۳۱) — اور ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جو روایتیں درج کی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں۔

پھر ان ہی حافظ ابن کثیرؒ نے امیرالمومنین یزیدؒ کے طبعاً حلیم و کریم اور ستودہ صفات ہونے کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ۔

وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ حسن الرائی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ ج ۸ (صفحہ ۲۳۰) — اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم فصاحت و شعرگوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ اور خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔

انہی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدینے کی باغی جماعت جو شراب نوشی اور ترک

صلوٰۃ کا اتہام امیرالمومنین پر عائد کرتے ہی تھی حضرت حسینؓ کے بھائی محمد ابن الحنفیہؒ
جیسا ضمناً اوپر ذکر ہوا ان لوگوں سے امیر یزیدؒ کی طرفداری میں جھگڑتے اور
مناظرہ کرتے تھے۔

وناظرھم وجادلھم فی یزیدؒ
ردعلیھم ما اتھموا یزید بہ من
شرب الخمر وترکہ بعض الصلوٰۃ
ج ۸ ص ۲۱۸)

(محمد ابن الحنفیہ باغیوں کے ساتھ امیر یزید
کے بارے میں بحث وتکرار کرتے اور جو اتہامات
یزید پر شرب خمر اور ترک صلوٰۃ کے یہ
لوگ لگاتے وہ ان کی تردید کرتے تھے۔

مودودی صاحب ہی کے کتب ماخذ البدایۃ النہایۃ، طبقات ابن سعد، الامامۃ
والسیاسۃ میں صراحتاً بیان ہے کہ ایام حرہ میں حضرت حسینؓ کے صاحبزادے جناب علی
زین العابدینؒ "امیرالمومنین یزیدؒ" کہہ کر انھیں دعائیں دیتے رہے، نہ انکی بیعت
توڑی اور نہ ابن زبیرؓ سے بیعت کی۔ ان واقعات اور تصریحات کے باوجود جو
مودودی صاحب کے کتب ماخذ ہی سے یہاں نقل ہوا انکا یہ کہنا کہ "اہل مدینہ" نے
یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر اس کے خلاف بغاوت کردی" اصل صورت
واقعہ کو مسخ کر کے پیش کرنا اور اہل بیت نبوت کے ممتاز افراد پر جو "اہل مدینہ"
شامل اور امیر یزیدؒ کی نیکی پرہیزگاری اتباع سنت اور پابند صلوٰۃ ہونے کے بارے
میں باغیوں سے جھگڑتے تھے۔ ان سب حضرات ساکنان مدینہ کو بھی امیرالمومنین کی
بدگوئی سے متہم کرنا کذب بیانی ہے۔

اصل واقعہ | حضرت حسینؓ کوفیوں کے مواعید پر یقین کر کے حصول خلافت
کے لئے جب مکہ سے عراق جانے لگے متعدد صحابہ کرام کے علاوہ ان کے بزرگوں عزیزوں
ہمدردوں سب ہی نے سمجھایا کہ کوفی غداروں پر بھروسہ نہ کریں۔ طبری کی روایت
میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے ان سب حضرات کے برخلاف حضرت حسینؓ سے کہا
تھا، اگر آپ کے شیعوں کی طرح میرے لوگ عراق میں ہوتے تو میں وہاں جانے سے
انحراف نہ کرتا۔ بالآخر حضرت حسینؓ نے کوفے سے اپنے نمایندے مسلم بن عقیلؓ کے

خط کے آنے پر عراق جانے کا تہیہ کر لیا تو حضرت ابن عباسؓ کا منجملہ اور باتوں کے ان سے یہ
بات کہنا بھی مورخین نے بیان کیا ہے کہ تم نے تو ابن زبیرؓ کی مراد پوری کر دی ملک حجاز
کو ان کے لئے چھوڑ دیا اور خود نکل کر چلے چنانچہ حادثہ کربلا کے بعد جب دوسرا حریف
طلب خلافت کے مقابلے میں نہ رہا حضرت ابن زبیرؓ نے خفیہ خفیہ اہل حجاز کو اپنے
حق میں داعیوں کے ذریعہ ہموار کرنے کا کام شروع کر دیا۔ امیر یزیدؒ کو عامل مکہ کے
ذریعہ یہ اطلاعات پہنچیں انہوں نے انھیں خط میں لکھا کہ آپ قریش کے سن رسیدہ
اشخاص میں سے ہیں دین کے اچھے اچھے کام بھی کر چکے ہیں اب کوئی ایسی بات نہ
کیجئے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے آخری فقرہ بلاذری کی روایت کے مطابق یہ تھا

ولا تبطل ما قدمت من حسن	جو اچھائیاں آپ کر چکے ہیں انہیں باطل
وادخل فیہ الناس ولا تردھم	تو نہ کیجئے لوگ جس (بیعت) میں داخل
فتنۃً ولا تحل حرم اللہ	ہو چکے ہیں آپ بھی داخل ہو جائیے
(ج ۴ ص ۱۶)	اور لوگوں کو فتنے میں دھکیلنے حرم اللہ
	(کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب کیجئے۔

مگر انہوں نے خلیفہ وقت کو جو تین برس سے کاروبار خلافت چلا رہے تھے پھر سے
انتخاب خلافت کیلئے شوریٰ کرانے کو جواباً لکھا امیر المومنین نے عامل مدینہ کو حکم
دیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کیا جائے۔ اس زمانے میں پولیس کے افسر خود انہی
ابن زبیرؓ کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے وہ جب پولیس کی جماعت کے ساتھ
مکے آئے اور اپنے بھائی کو خلیفہ کی بیعت کر لینے کی غرض سے پیغام بھیجا تو حسب
روایت بلاذری حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا تھا۔

انی علی طاعۃ یزید وقد	میں تو خلیفہ یزید کی اطاعت ہی
بایعت عامل مکۃ حین دخلہا	میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے
(ص۱۷ ایضاً)	ہی ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں

اس پر یہ پولیس افسر جھکیے میں آ گئے ابن زبیرؓ نے موقع پا کر ان کا انہیں ہی

گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا بلاذری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ ابن زبیرؓ نے اپنے ان سوتیلے بھائی کو کوڑوں سے پٹوا کر مروا ڈالا (انساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۱۶)

پولیس ایکشن کی ناکامی کے بعد عامل مدینہ عمرو بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عقبہ کا تقرر کیا گیا انہوں نے اپنے عہدے کا چارج لیتے ہی ابن زبیرؓ اور ان کے داعیوں کی ریشہ دوانیوں کی سختی سے نگرانی شروع کر دی حضرت ابن زبیرؓ نے نئے عامل سے گلو خلاصی کی غرض سے بقول طبری و بلاذری عمل بالمکر (مکر و حیلہ سے کام لیا) اور امیر المؤمنین یزیدؒ کو مراسلہ بھیجا جس کا مضمون طبری و بلاذری کی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

"آپ نے کس بیوقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا کسی عاقل کے سمجھانے سے بھی باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملے میں غور کیجئے۔ اسی میں خدا نے چاہا تو عام و خاص کی بہتری ہے۔ والسلام۔ (طبری ج ۷ ص ۲)

امیر المؤمنین موصوف حضرت ابن زبیرؓ کی اس چال کو اپنی طبعی نرمی و نیک دلی، اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ اپنی محبت و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے نہ سمجھ سکے ولید بن عقبہ جیسے کار آزمودہ عامل کو برطرف کر کے ایک ناآزمودہ کار نوجوان عثمان بن محمد بن ابو سفیان کا تقرر کر دیا۔ سابقہ عامل تو داعیان ابن زبیرؓ پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو نئے عامل کی غفلت سے انہیں ڈھیل ملی چاروں طرف اپنے آدمی پھیلا دئے طائف میں حکومت کے وفادار عہدہ دار مع اپنے پچاس ساتھیوں کے قلعہ بند ہو گئے تھے۔ ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑوا لیا اور ان کے عدم انقیاد کی سزا یہ دی کہ حرم میں لا کر ان کی گردنیں ماردیں ضرب اعناقهم في الحرم (بلاذری ج ۴ ص ۳) حضرت ابن عباسؓ نے اس واقعہ پر

ہی تو فرمایا تھا اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی ــــــ حرم کے اندر پا پاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا سکے کے ان واقعات کا اثر مدینے کے شورش پسندوں پر بھی پڑا۔ مگر ان حالات میں بھی نرم دل اور حلیم و کریم خلیفہ وقت نے تشدد کی کسی کارروائی کے بجائے افہام و تفہیم کے لئے بعض صحابہ کرام کا وفد مدینے اور مکے ابن زبیرؓ اور ان کے کارکنوں کو سمجھانے کو بھیجا اس وفد میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے جو بلوائیوں مدینہ کے ایک قائد عبداللہ بن حنظلہ کے قریبی عزیز بھی تھے۔ نیز حضرت مالک بن حمزۃ الہمدانیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعدۃ الفزاریؓ و حضرات الضحاک بن قیسؓ و حضرت عبداللہ بن عصام الاشعریؓ و حضرت حصین بن نمیر السکونیؓ ان سب صحابہ کے علاوہ بعض تابعین شامل تھے انساب الاشراف بلاذری ج ۴)

وفد کے ہاتھ اہل مدینہ کے نام ایک مراسلہ تھا بعنوان من عبداللہ یزید امیرالمؤمنین الی اھل المدینۃ (اللہ کے بندے یزید امیرالمومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) اس میں لکھا تھا کہ تم لوگ جو رسولؐ کے رہنے والے ہو میں نے تم لوگوں کی قدر و عزت اتنی کی کہ تمہارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی تمہیں اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر۔ میرے حلم و نرم دلی سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھ لیا ہے پھر یہ شعر بھی کہے ۔

أَظُنُّ الحلم دلّ على قومي	وقد يستضعف الرجل الحليم
میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا	اور حلیم و نرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے۔
ومارست الرجالَ ومارسوني	فمعوجٌ عليَّ ومستقيم
میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں نے میری۔	تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہِ راست پر۔

حضرت ابن زبیرؓ کے داعیوں کی ہٹ دھرمی اور ریشہ دوانیوں کے وفد کی

مساعی کامیاب ہوئیں۔ حلیم الطبع خلیفہ نے اس پر بھی کوشش کی کہ لوگ شر و فساد سے
باز آجائیں۔ فہمائشاً باغیان مدینہ کو مخاطب کر کے یہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا ؎

قطعہ اشعار باغیان مدینہ کی فہمائش میں

یا ایها الراکب الغادی لطیبة
اے سوار جو طیبہ (مدینہ) کی طرف ایسی اونٹنی پر جا رہا ہے

علیٰ عذافرة فی سیرها قحم
جس کی چال میں بانکپن ہے، کہ تھکاوٹ کے باوجود قدم جم کر پڑتا ہے۔

ابلغ قریشاً علی شحط المزار بها
میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے

بینی و بین حسین الله والرحم
کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے۔

وموقفٌ بفناء البیت انشده
اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے۔

عهد الاله وما ترعی به الذمم
میں انہیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں کے عہد برآ ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہیں۔

عنقتم قومکم فخراً بامکم
تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو۔

امٌ حصانٌ لعمری برة کرم
ہاں وہ ایسی ہی نفیس پاکدامن اور میری جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی

هی التی لا یدانی فضلها احدٌ
وہ ایسی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا

بنت النبی وخیر الناس قد علموا
نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب لوگوں سے اچھی۔

وفضلها لکم فضلٌ وغیرکم
ان کی فضیلت میں تمہاری (حسینؓ کی) فضیلت ضرور ہے۔

من قومکم لهم من فضلها قسم
مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو انکے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لاعلم او ظناً کعالمہ — والظن یصدق احیاناً فینتظم

میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی طرح گمان کرتا ہوں۔ — کیونکہ بسا اوقات گمان سچا نکلتا ہے اور پوری بات ہو کر سامنے آجاتی ہے

ان سوف ینزلکم ما تطلبون بہا — قتلی تہاداہم العقبان والرخم

کہ اے باغیان مدینہ عنقریب تم پر وہی چیز نازل ہوگی جو اِس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو — یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف سے عقابوں اور کرگسوں کیلئے سامانِ ضیافت ہوں گی۔

یا قومنا لا تشبوا الحرب اذ خمدت — واَمسکوا بحبال السلم واعتصموا

اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ چکی اسے مت بھڑکاؤ۔ — اور صلح کی رسی کو مضبوط پکڑو اور اسی پر قائم رہو۔

لا ترکبوا البغی ان البغی مصرعۃ — وان شارب کأس البغی یتخم

بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے۔ — اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کر سکتا۔

قد جرب الحرب من قد کان قبلکم — من القرون وقد بادت بہا الامم

لڑائی کا تجربہ انہیں ہو چکا جو تم سے پہلے گذر گئے — قوموں کے لئے یہ بھولی بسری باتیں ہو چکیں۔

فانصفوا قومکم لا تہلکوا بذخاً — فرب ذی بذخ زلت بہ القدم

اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بے جا حرکتوں سے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ — کیونکہ اکثر بے جا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔

امیرالمؤمنینؑ کا یہ قطعہ اشعار مودودی صاحب کی کتب ماخذ طبری والبدایہ والنہایہ میں بھی درج ہے اور ناسخ التواریخ میں بھی جو شیعہ بادشاہ قاچار ایران کی سرپرستی میں تصنیف ہوئی تھی اس قطعہ اشعار ہی سے طالبان خلافت اور

اور ان کے داعیوں کے اقدامات اور بدگوئی کے پروپگینڈے کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اس فہمائش کے ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی گئی کہ مدینہ کے نمایندہ لوگوں کا وفد دمشق بھیجو تاکہ امیرالمومنین اس کی باتیں خود سنیں اور استمالت قلب بھی ان کی کی جا سکے۔

فکتب یزید الی عثمان بن محمد بن ابی سفیان عامله ان یوجه الیه وفدا یستمع مقالتهم ویستمیل قلوبهم (انساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۲۱)

(خلیفہ) یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابو سفیان کو لکھا کہ ہمارے پاس وہاں کے لوگوں کا وفد بھیجو کہ ہم انکی باتیں خود سنیں اور استمالت قلوب کی کریں۔

عامل مدینہ عثمان بن محمد نے جنہیں ابن کثیر کہتے ہیں کہ ناسمجھ ناتجربہ کار نوجوان تھے (ج ۸ صفحہ ۲) ناسمجھی سے انہی لوگوں کو دمشق بھیجدیا جو حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت کے داعی تھے اور لوگوں کو بغاوت پر اکسا رہے تھے دمشق میں ان کی خوب خاطر و تواضع کی گئی۔ گراں قدر عطیات سے بھی نوازے گئے جوان سب نے بخوشی لے لئے مگر جو جذبات لیکر گئے تھے وہی لیکر واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے بزرگان مدینہ نے ہر چند سمجھایا مگر ابن مطیع وغیرہ نے فساد کی آگ شدت سے بھڑکا دی۔ اور یکایک عامل مدینہ اور بنی امیہ ان کے موالی اور ان سے میل رکھنے والے قریشیوں پر یہ لوگ جھپٹ پڑے حسب روایت بلاذریؒ وثب اهل المدينة على عثمان بن محمد ومن بالمدينة من بني اميه و مواليهم ومن عرف بالميل من قريش۔ انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۲) یہ سب سادات بنی امیہ مع اپنے دیگر قریشی دوستوں اور موالی کے جنکی تعداد کوئی ہزار نفوس کی تھی اپنے گھروں سے نکل کر امیر عثمان کے ساتھ حضرت مروانؓ کے یہاں چلے گئے۔ جہاں باغیوں نے انہیں محصور کر لیا حتی نزلوا بجمانا عنہم

دارمروان فحاصرھم الناس فی دار مروان (ایضا) یہ اموی سادات اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنا چاہتے جس سے حرم شریف وجوار رسول میں کلمہ گو یوں کا خون بہے۔ مودودی صاحب نے ان سب حالات وواقعات کا اخفا ہی کر دیا اس کذب بیانی کے لئے ضروری سمجھا کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر اس کے خلاف بغاوت کر دی اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا۔ اہل مدینہ کو فساد برپا کرنے کی ساری کارروائی حضرت ابن زبیرؓ مدعی خلافت کی اشارے سے کی گئی تھی جیسا کہ مودودی صاحب کے کتب ماخذ میں بالصراحت مذکور ہے اور بلاذری کی روایت میں بھی بیان ہے کہ جب عبداللہ رضؓ نے اپنے سوتیلے بھائی سرکاری پولیس افیسر کو قتل کرا دیا اور سخت گیر عامل کو بمکر وحیلہ جیسا بیان ہو چکا تبدیل کرا دیا تو اہل مدینہ کو انہوں نے ہی بغاوت پر برانگیختہ کیا (ص ۴۱ ایضاً)

حضرت مروان رضی اللہ عنہ نے ان تمام واقعات کی تحریری اطلاع ایک تیز رو قاصد حبیب بن کرہ کے ذریعہ امیر المؤمنین کو بھیجی۔ جس وقت قاصد حبیب نے دمشق پہنچکر حضرت مروانؓ کا خط پیش کیا امیر یزیدؒ عارضہ نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی طشت میں پانو یہ کرا رہے تھے۔ باغیان مدینہ کے اس ظلم کو سنکر کہ مدینے کے جو امن پسند شہری مدعی خلافت کی طرفداری میں آمادہ فساد نہ ہوئے ان کو محصور کر لیا گیا ہے اور شہر چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ باغیان مدینہ کی تادیب کا عزم کر لیا اور فرمایا ؎

لقد بدلوا الحلم الذی فی سجیتی	فبدلت قومی غلظة بعد لیان
میری طبیعت میں جو حلم و نرمی تھی اسے لوگوں نے بدل دیا	میں نے بھی اب اپنی قوم کیلئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کیا۔

اس سختی سے مراد باغیوں کی سرکوبی اور ان کے عزائم کو پولیس ایکشن کے یعنی فوجی قوت کے استعمال سے ناکام بنانا تھا۔ مگر معاملہ تھا جوار رسول کے باشندوں کا جن میں سے بڑی تعداد امن پسند شہریوں اور طرفداران اموی خلافت

کی تھی چنانچہ فوجی دستے کو متعدد صحابہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا اور بمزید احتیاط ایک کبیر السن صحابی کو جن کی عمر اسوقت ۹۳ برس کی تھی امیر عسکر مقرر کیا گیا تاکہ پولیس ایکشن میں کوئی دوسرا افسر جوانی کے جوش میں بیجا سختی کا ارتکاب نہ کر سکے حضرت مسلم بن عقبہ المری رض معمر صحابی امیر عسکر مقرر کئے گئے فوجی دستے کی تعداد کے بارے میں سبائی راویوں نے بہت کچھ مبالغہ کیا ہے۔

لیکن ایک قدیم شیعہ مورخ المسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں جو انہوں نے سنہ ۳۴۵ھ میں تالیف کی تھی اس فوجی دستے کی تعداد صرف چار ہزار بتائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فبعث الیهم یزید مسلم بن عقبة المری فی اربعة آلاف (ص ۳۰۴ مطبوعہ لیدن ۱۸۹۳ء)	پس (امیر) یزید نے مسلم بن عقبہ المری کو چار ہزار (فوج) کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی) کو بھیجا۔

جو دوسرے افسران ایک ایک ہزار کی کمان ان کے زیر قیادت کر رہے تھے وہ بھی چار (ل) صحابی ہی تھے یعنی (۱) حضرت عبداللہ بن سعدۃ الفزاری رض (الاصابہ ج ۲ صفحہ ۳۶۷) مجاہدین دمشق کے کماندار تھے (البدایہ ج ۸ صفحہ ۲۱۱) (۲) حضرت حصین بن نمیر السکونی (الاصابہ ج ۱ صفحہ ۳۳۹) مجاہدین حمص کے کماندار تھے (البدایۃ ایضاً) (۳) حضرت روح بن زنباع الجذامی رض (الاصابہ) اہلِ فلسطین کے کماندار تھے (البدایہ ایضاً) (۴) حضرت عبداللہ بن عصام الاشعری رض (الاصابہ ج ۲ صفحہ ۳۲۶) وحبیش بن دلجہ القینی رض اہل اردن کے کماندار تھے۔ (البدایہ ایضاً) ان صحابی افسران فوج کے ساتھ تابعین مجاہدین بھی تھے اور ان میں اکثریت ان کی تھی جو اسلام کی سربلندی کے لئے کفار سے نبرد آزما رہے تھے ان کے کردار ایسے مثالی تھے کہ ایک واقعہ بھی ان کی بے راہ روی کا اوراق تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتا۔

فوجی دستے کی روانگی کے وقت امیر المؤمنین یزید رح باوجود علالت کے گھوڑے

پرسوار آئے اور سواران فوج کو رخصت کرتے ہوئے فی البدیہہ فرمایا:-

اَبلغ ابا بکر اذا الجیش انبری	واشرف القوم علی وادی القری
ابوبکر (ابن زبیر کی کنیت ہے) کو میرا پیغام اسوقت پہنچا دینا	جب دیکھنا رات ہوگئی اور فوج وادی القریٰ میں اتر پڑی
اَجمع سکران من الخمر تری	ام جمع یقظان نفی عنہ الکریٰ
کہ یہ شراب سے مست و سرشار لوگوں کی جماعت تم کو اے باغیو معلوم ہوتی ہے	یا یہ لوگ بیدار ہیں کہ نیند کو پاس آنے نہ دیا۔
واعجبًا من ملحدٍ و اعجبًا	مخادعٍ فی الدین یقفو بالعریٰ
کیا ہی تعجب ہے ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنیوالے کیا ہی تعجب ہے	جو دین میں مکاری کرتا ہے اور عیب سے پاک لوگوں کو برا کہتا ہے۔

یہ شعر امیر المومنین کے مودودی صاحب کے ماخذ طبری میں بھی ہیں (البدایہ اور دیگر کتب میں بھی)۔ دیکھیے کس بلیغ پیرایہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کنیت ابوبکر کا اظہار کرتے ہوئے ان کے اور ان کے داعیوں کے پروپیگنڈے کی تضحیک کر دی ہے جو سیاسی مقصد سے شرب خمر کی الزام تراشی کر کے لوگوں کو بغاوت پر ابھار رہے تھے۔ پھر امیر لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:-

واعلم انك تقدم علی قوم ذوی جہالۃ	یہ سمجھ لو تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو
واستطالۃ قد انسأہم حلم امیر	جو ناسمجھ اور اکھڑ ہیں جنہیں امیر المومنین
المؤمنین معاویۃ وظنوا ان	معاویہ کے علم و نرمی نے بیگانہ رکھا ہے
الایدی لاتنالہم فلا تروعن	ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک
اهل الشام عما ارادوہ بہم	نہیں پہنچ سکتا۔ مگر تم اہل شام کو اسوقت
(انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۴)	تک ان سے نہ ٹکرانا جب تک وہ خود نہ چاہیں۔

اسی کے ساتھ یہ ہدایت کر دی گئی کہ باغیوں کو تین دن مہلت دینا کہ اطاعت کر لیں

نہ مانیں اور لڑنے پر تل جائیں اور تم غلبہ پا جاؤ تو ہاتھ روک لینا اور امن پسند شہریوں سے بتواضع پیش آنا۔ مدینے پہنچ کر امیر عسکر نے باغیوں کو تین دن کی مہلت دی اور سمجھایا کہ بغاوت سے باز آ جائیں۔ تین دن گذر جانے کے بعد بھی امیر مسلم رضی اللہ عنہ نے پھر باغیوں کو مخاطب کیا اور کہا۔

ولما انقضت الایام الثلاثة التی
فرجها مسلم بن عقبة لهم اجلاً
قال لهم یا قوم ان امیر المؤمنین
یکره اراقة دمائکم ولقد استة
امکم منذ زمان لانکم اصله
فاتقوا الله فی انفسکم فشتموه
وشتموا یزید فجروه و
قالوا بل نحارب ثم نحارب رائیما

تمہارا خون بہانا امیر المؤمنین پسند نہیں کرتے وہ شروع زمانہ سے تمہارے ساتھ رفق و مدارات سے پیش آتے رہے ہیں کیونکہ تم ان کی اصل ہو پس تم خدا کا خوف کرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ اسپر باغیوں نے گالیاں دیں اور (امیر) یزید پر بھی سب و شتم کیا اور کہا ہم لڑیں گے اور لڑیں گے۔

ج ۴ ص ۳۵)

ان کبیر السن صحابی امیر مسلم رضی اللہ عنہ نے گالیاں سننے پر بھی متنبہ کیا اور اطاعت قبول کرنے کو کہا مگر باغیوں نے گالیوں کی بوچھاڑ کے ساتھ پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ بھی جب فوجی دستے پر شروع کر دی مجبوراً جوابی حملہ کا حکم دیدیا گیا۔ تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی باغیوں کا سرغنہ عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ مارے گئے۔ انصاریوں کے مقتدر بنو حارثہ (بنو عبدالاشہل) نے جیسا کہ مودودی صاحب کے معتبر غالی مولف الامامۃ والسیاسۃ نے بھی لکھا ہے اپنے محلے سے سرکاری فوج کو شہر میں داخل ہو جانے کیلئے راستہ دیدیا (ص ۲۲۲ ج ۱) یہ حال دیکھ کر بغاوت کے بڑے سرغنہ ابن مطیع ۔ یہ سے ایسے سرپٹ بھاگے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس مکے جا کر دم لیا۔ مودودی صاحب کے دوسرے معتبر ماخذ طبری میں بھی صراحتاً بیان ہے کہ "ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ ناگاہ شہر سے تکبیر کی آوازیں آنے لگیں ہوا یہ کہ بنی حارثہ نے باغیوں کے مقابلے میں اہل شام

کو راستہ دیدیا۔" مودودی صاحب ہی کی کتب ماخذ سے ان کی اس غلط بیانی کی تکذیب ہو گئی۔ کہ اہلِ مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دیکر بغاوت کردی تھی۔" کیونکہ یہ شر و فساد تو صرف دو اعیان ابن زبیرؓ کا بپا کیا ہوا تھا۔ اہلِ مدینہ کی بڑی تعداد باغیوں کے خلاف تھی۔ تین چار گھنٹہ میں بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ پانچ چھ سرغنہ قتل ہوئے۔ رہیں وضعی مکذوبہ تفصیلات جو ابو مخنف وابن کلبی مشہور کذاب راویوں نے وضع کیں اور ابن جریر طبری شیعی نے مشتہر کیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے تین دن تک مدینہ بیدریغ لوٹا گیا۔ بعد میں عورتوں کی عصمت دری کے بازاری قصے مشہور کئے گئے یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جنھیں مودودی صاحب نے اعتبار کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے اسی کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ان صحابہ کرام کے ناموں کا اخفا بھی کیا ہے جو فوجی دستے کی کمان کر رہے تھے حالانکہ انہی کی کتب تہذیب و البدایہ والنہایہ وغیرہ میں جیسا بیان ہو چکا صراحتاً ذکر ہے اور الاستیعاب الاصابہ میں ان صحابہ قائدین جیوش حضرت عبداللہ بن مسعدہ الفزاریؓ حضرت روح بن زنباع الجذامیؓ حضرت عبداللہ بن عصام الاشعریؓ کا راویان حدیث میں شمار ہے۔ سپہ سالار فوج حضرت مسلم بن عقبہ المریؓ کا جن اہانت آمیز لہجے میں انہوں نے ذکر کیا ہے اور دمشق و فلسطین و حمص والاردن کے عربی النسل فوجیوں کو جو ان ہی صحابہ خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعدہؓ اور حضرت حصین بن نمیرؓ کی سرکردگی میں رومی عیسائیوں کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کی حیثیت سے بارہا نبرد آزما ہو چکے تھے ان کو "وحشی فوجی" اور "نبطی و قبطی سپاہی" بتانے کی جو کذب بیانی کی گئی ہے وہ اس اعتبار سے بھی افسوسناک ہے کہ لڑائی کا مختصر سا حال لکھ کر موجودہ زمانہ کا مشہور مورخ حتی لکھتا ہے کہ "مدینہ کی تباہی اور تاراجی وغیرہ کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب بعد میں وضع کئے گئے" مسلمانوں کو شرم آنی چاہئے کہ وہ خود تو یزید دشمنی میں اپنے اسلاف کو جو تمام تر صحابہ و تابعین کی جماعت سے تھے رسوا و بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور ایک غیر مسلم مورخ ان کو واقعہ کی نوعیت مورخانہ انداز سے معلوم کر کے ان کے اسلاف کو

اس طرح بری ثابت کرتا ہے۔۔

مودودی صاحب نے باشندگانِ شہر کے قتل عام کے ثبوت میں البدایہ کے حوالے سے "امام زہری کی روایت" کا جو ذکر کیا ہے اس کی اصلیت کا اندازہ تو اسی بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ امام زہری سے روایت کرنے والا ہی مجہول الاسم ہے یعنی عن شیخ من اھل مدینۃ" البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۲۲۱) اور خود زہری صاحب متوفی ۱۲۴ھ کا کوئی چشم دید بیان تو ہے نہیں گویا باعتبار سند یہ روایت ہیچ محض ہے۔ پھر ان راویوں کے صدق وکذب کا اور ان سے نقل کرنے والوں کے عقل وفہم کا اندازہ لگانے کو یہ بات ہی کافی ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے معتبر مؤرخین کے مطابق بارہ ہزار اور المسعودی کے بیان سے چار ہزار سپاہیوں نے دس ہزار عوام اور سات سو معززین کو اور الامامۃ والسیاستہ کے بیان کے سے دو ہزار سات سو معززین اور دس ہزار عوام کو (ج ا ص۲۲۶) تو قتل کر دیا مگر خود فوجیوں میں سے کسی ایک کے خراش تک نہ آئی۔ گویا مودودی صاحب کے نزدیک یہ سب گیارہ بارہ ہزار باشندگان مدینہ ایسے نامرد تھے جو گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے انہی کے معتبر مؤلف الامامہ والسیاستہ نے جو رپورٹ امیر عسکری کی درج کی ہے اس میں صراحتاً لکھا ہے کہ فوجی دستے کے کسی سپاہی کو باغیوں کے مقابلے میں کوئی ضرب آئی "فلم یصب منھم احد بمکروہ (ج ا ص۲۲۹) مودودی صاحب نے من گھڑت بازاری قصوں کے سہارے پہلی صدی ہجری کے عیوب اور شجیع انصاری و قریشی باشندگان مدینہ کی بزدلی اور بے غیرتی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ حد درجہ قابل مذمت ہے۔ وہ بھی تو غازیان ومجاہدین اسلام اور انہی کے بھائی بند تھے جنہوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے یورپ ایشیا وافریقہ تینوں براعظموں کو کھونڈ ڈالا تھا

مؤرخ بلاذری نے اشراف مدینہ کے بارے میں خاص باب باندھا ہے۔ اور قال ابو مخنف کہہ کر اس رافضی کذاب راوی کی روایت تو وہی درج کی ہے مگر فہرست مقتولین میں نام صرف چھ اشخاص کے بتائے ہیں۔ جناب سیوطی نے ایک جگہ تو یہ لکھا ہے کہ واقعہ حرہ میں "صحابہ اور دوسرے لوگ بتعداد کثیر قتل ہوئے (تاریخ الخلفاء ص۲۰۷)

مگر دوسرے ہی صفحہ پر یہ بھی لکھتے ہیں "وعدۃ المقتولین بالحرۃ من قریش و الانصار ثلثمائۃ وستۃ رجال" (یعنی حرہ میں قریش و انصار کے مقتولین کی تعداد تین سو چھ تھی) تعداد مقتولین کے بارے میں متضاد بیان ہی اس کا ثبوت ہیں کہ راویوں نے اپنے اپنے رجحان طبع کے مطابق تعداد قرار دے لی ہے خواتین کی بے حرمتی و عصمت دری کے بارے میں قدیم مورخین میں کسی نے اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی ذکر نہیں کیا مودودی صاحب کے ممدوح مورخ طبری نے واقعہ حرہ کے متعلق ابومخنف وابن کلبی کی سب روایتیں درج کر دی ہیں مگر خواتین کی بے حرمتی کا مطلق کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح الامۃ والسیاستہ کے غالی مؤلف نے اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا بلاذری نے انساب الاشراف کی بڑی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر واقعہ حرہ کی روایتیں درج کیں لیکن خواتین مدینہ کے متعلق کسی مکروہ واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ مودودی صاحب کو جب قدیم مورخین کے یہاں کوئی روایت نہ ملی تو انھوں نے آٹھویں صدی کے مورخ ابن کثیر کی ایک بے سند روایت کے سہارے صحابہ و تابعین کی محترم خواتین مدینہ کی پاکی و پاکیزگی عزت و حرمت، غیرت و حمیت کو مجروح کرنے کی دیکھئے کیسی سفیہانہ حرکت کی ہے فرماتے ہیں۔ "کہ مدینہ کی ایک ہزار خواتین زنا سے حاملہ ہوئیں"۔ ان کو جانا آئی کن خواتین کے بارے میں یہ بکواس کی جا رہی ہے۔ یہ خواتین تو ان ماؤں کی بیٹیاں، ان دادیوں نانیوں کی پوتیاں اور نواسیں تھیں جنھوں نے عہد رسالت اور اس کے بعد کے غزوات میں موجود رہ کر بعض کفار کو اپنے ہاتھوں واصل بجہنم کر دیا تھا انہی خواتین کے چچا تایا، شوہر اور برادر تھے۔ جن کے سرفروشانہ حملوں کے خوف سے ایران اور روم کی سلطنتیں ترساں و لرزاں رہتی تھیں، جدھر رخ کرتے فتح و ظفران کے قدم چومتی تھی۔ ان کے گھروں میں سپہیانہ کے اسلحہ تلوار، تلم نیزے۔ خنجر پیش قبض، چھوٹے تیر کمان ہر وقت موجود رہتے کس کی مجال تھی کہ ان کے پاک جسموں کو چھونا تو درکنار بری نظر سے بھی دیکھ سکے، پھر گھروں میں وہ اکیلی تو نہ تھیں۔ چھوٹے بڑے اہل بیت عالی موالی اور پڑوسی موجود ہوں اور مودودی صاحب ان محذرات عصمت مآب کو عصمت دری سے متہم کریں۔ نعوذ برتولے چرخ گرداں تفو۔

البدایہ والنہایہ کی جس بے سند روایت اور بازاری قصے کی آڑ لیکر مودودی صاحب نے بغض معاویہ و یزیدؓ دشمنی میں یہ رکیک حرکت کی ہے اسے خود ابن کثیرؒ ہی نے ایک بے پرکی سمجھتے ہوئے واللہ اعلم (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) الفاظ کے ساتھ بلا کسی سند کے یوں لکھدیا ہے۔

"ووقعوا علی النساء حتی قیل انہ حبلت الف امراۃ فی تلک الایام من غیر زوج واللہ اعلم (عورتوں پر پل پڑے یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں غیر شوہر سے حاملہ ہوئیں واللہ اعلم (البدایہ والنہایہ ج ۸ صہ ۲۲۱ سطر ۲)

ابن کثیرؒ کی مندرجہ بالا عبارت بھی جب مودودی صاحب کی مقصد برآری کیلئے پوری نہ اتری تو ان " داعی حق" صاحب نے کتاب اور صفحے کا حوالہ دیکر بھی اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے اول اور آخر کے خط کشیدہ فقروں کو بھی ترک و حذف کر دیا۔ اور عبارت کے شروع فقرے کا مفہوم مسخ کر کے لکھدیا کہ " وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی" اس کذب بیانی کے ساتھ ہی آخر کار فقرہ " واللہ اعلم" پورا ہضم کر گئے اور کس ڈھٹائی سے حافظ ابن کثیرؒ پہ اتہام لگادیا۔ کہتے ہیں حالانکہ حافظ بیچارے نے تو " واللہ اعلم" لکھ کر صاف اظہار کر دیا تھا کہ یہ قول ان کے نزدیک لائق اعتبار و قابل یقین نہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے تو بعض روایتوں کو درج کرتے ہوئے یہ بھی کہدیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ روایتیں اگرچہ لائق اعتبار نہیں لیکن دوسرں نے چونکہ لکھدی ہیں ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں ایسی روایتوں کے بعد وہ " واللہ اعلم" لکھدیا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا واہی روایت کے ساتھ ہی ایک مجہول راوی ابن قرہ کا جو قول ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ واقعہ حرہ کے بعد اہل مدینہ کی ایک ہزار عورتوں نے زنا کے ایک ہزار بچے جنے وہ مودودی صاحب نے . . . . شاید اس خوف سے نقل نہ کیا کہ ادنیٰ تامل سے ان دونوں بازاری قصوں کی حقیقت ہر شخص پر آشکارا ہو جائے گی۔ یعنی مودودی صاحب کے معتبر راوی نے پوری ایک ہزار حاملہ عورتیں شمار

کر ڈالی تھیں نہ ایک کم نہ زیادہ اور نو ماہ کے بعد جو بچے جنے وہ بھی شمار میں پورے ایک ہزار ہی ہوئے نہ ایک کم نہ زیادہ۔ نہ کوئی اسقاط ہوا اور نہ حمل ضائع گیا۔ گویا یہ ولد الزنا سب صحیح سلامت رہ کر پروان چڑھے۔ مودودی صاحب کو شاید اس کا علم ہو کہ حرّہ کے ولد الزنا سے مدینہ جیسے پاک شہر کے نجیب و شریف خاندانوں کی کونسی نسلیں چلیں۔ وہ بتائیں کتب انساب میں جو سب اس زمانہ کے بعد تالیف ہوئیں انکا ذکر کیوں نہیں نعوذ باللہ من ذلک من ہفوات الکذابین المفترین۔

مودودی صاحب کے نزدیک "دور یزیدؒ" کے اس دوسرے واقعہ حرّہ نے عالم اسلام کو "لرزہ بر اندام کر دیا"، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابن الزبیرؓ کی ہر طرح حمایت ہو اور خلافت بنی امیہ کو کسی صورت میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہوا اس کے بالکل خلاف۔ بنی امیہ کی خلافت اور سیاسی قوت روز بروز پائیدار ہوتی رہی اور ابن الزبیرؓ کی تحریک کا پوری قوت سے خاتمہ کر دیا گیا۔ خود ان کے اپنے عزیز بھائی اور بیٹے تک ان کا ساتھ چھوڑ بیٹھے۔ اکابر صحابہ اور بزرگان بنی ہاشم ابن الزبیرؓ سے محترز رہے۔ امیر المؤمنین یزیدؒ کی وفات ہو جانے پر جب حضرت حصین بن نمیرؓ صحابی کی سرکردگی میں فوجی دستہ مکے سے واپس دمشق جاتے ہوئے مدینہ سے گزرا تھا تو مودودی صاحب ہی کے ممدوح شیعہ مورخ ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق اکابر مدینہ نے ان کی آؤ بھگت کی اور حضرت حسینؓ کے صاحبزادے جناب علیؒ (زین العابدین) نے فوجی دستے کے قائد حضرت حصینؓ کا استقبال کیا اور یہ معلوم ہو کر کہ ان کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ دانہ چارہ فراہم کر دیا (طبری ج ۷، ص ۱۷) مظالم کربلا اور مظالم حرّہ کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت حسینؒ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں ان کے گھوڑوں کیلئے دانہ چارہ لا کر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

احادیث مودودی صاحب اسی واقعہ حرّہ کے ضمن میں مزید لکھتے ہیں (ص ۱۸۲)

"یہاں تو معاملہ کسی اور شہر کا نہیں خاص مدینۃ الرسول کا تھا جس کے متعلق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں متعدد صحابہ سے منقول ہوئے ہیں۔ لا یرید احد المدینۃ بسوءٍ الا اذابہ اللہ فی النار ذوب الرصاص۔

(مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی برائی کا ارادہ کریگا اللہ اسے جہنم کی آگ میں سیسے کی طرح پگھلا دیگا) اور من خاف اھل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیٰمۃ صرفاً ولا عدلاً (جو شخص اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے خوف زدہ کریگا اسپر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز اللہ اس سے کوئی چیز اس گناہ کے فدیہ میں قبول نہ فرمائے گا۔

صحیح بخاری وغیرہ کی یہ دو حدیثیں جو مودودی صاحب نے نقل کی ہیں بالکل صحیح ہیں لیکن ان کا مورد امیر المؤمنین یزیدؒ یا امیر المؤمنین مسلم بن عقبہؓ اور دیگر صحابی قائدین فوج کو قرار دیکر انھوں نے اپنے علم اور سمجھ کی قلعی کھولدی۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ عن اخاف اھل المدینۃ ظلماً (جس نے اہل مدینہ کو ظلماً خوف زدہ کیا) یہاں وہ بات کب ہوئی۔ ظلم تو انھوں نے کیا تھا۔ جنھوں نے متفق علیہ امام وخلیفہ کے خلاف بغاوت و خروج کیا، جماعت کے موقف سے روگردانی کی اور حرم نبوی کو اپنے غلط اقدام سے شہر کی اکثریت کی رائے کے خلاف مورچہ بنایا اور یوں اس حرمت کو پارہ پارہ کردیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی اسی لئے تو حضرت ابن عمرؓ نے اس بغاوت کو خدا اور رسول سے ایسی بڑی غداری قرار دیا تھا کہ اس سے بڑی غداری ان کی نگاہ میں کچھ اور نہ تھی۔ چنانچہ اس حدیث شریف کے مطابق نتیجہ ان ہی اشخاص کے حق میں جنھوں نے وقتاً فوقتاً خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کرکے مدینہ کو مورچہ بنایا تھا برا نکلا مودودی صاحب اگر دل نسلی عصبیت سے صاف رکھتے ہوں تو ان لوگوں کا انجام اپنی

ہی کتب مآخذ کے اوراق پر دیکھیں جنہوں نے خروج و بغاوت میں اہل مدینہ کو اپنے ظلم و عدوان کا نشانہ بنایا تھا۔ ان کو لوٹا کھسوٹا، لوگ بھوکوں مرنے لگے، مسجد نبوی میں کتنے دنوں تک نماز بھی نہ پڑھ سکے اور بہت سی شرمناک بدفعلیاں کیں چند مثالیں اس کی ذیل میں درج کرنا مناسب ہوگا۔

(۱) محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب جنہیں سبائیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر "النفس الزکیہ" کا لقب دیا ہے اور مودودی صاحب نے بھی ان کے اصل نام و کنیت کے بجائے سبائیہ کے دئے ہوئے اسی لقب کو دہرایا ہے اور امیر المؤمنین ابوجعفر المنصور عباسیؒ کے خلاف ان کے خروج کو جہاد بتایا ہے ان کا حشر اور ان کے بھائی ابراہیم کا جو ہوا اوراق تاریخ پر ثبت ہے اہل مدینہ کو محمد الارقط کے ایام بغاوت میں خوف و ہراس کا سامنا کرنا پڑا۔

(۲) محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن الحسن علی بن ابی طالب سنہ ۱۹۰ھ میں عباسی خلیفہ کے خلاف مدینے میں بغاوت ہنگامہ و فساد کر کے اپنے ساتھیوں کی ملنے گئے

(۳) اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب سنہ ۲۵۱ھ میں انہوں نے خروج کر کے کعبہ شریف کا خزانہ لوٹ لیا حاجیوں کو قتل کیا پھر مدینہ پر چڑھائی کی اور ایسا سخت محاصرہ کیا کہ لوگ بھوکے مرنے لگے اور مسجد نبوی میں نماز تک نہ پڑھ سکے۔

(۴) محمد الاکبر بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب سنہ ۲۵۲ھ میں بغاوت کر کے کیفر کردار کو پہونچے۔

(۵) محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم بن حسن بن علی بن ابی طالب سنہ ۲۵۶ھ میں امیر المؤمنین المعتمد علی اللہ عباسیؒ کے زمانے میں بغاوت کی ان کے اعمال قبیحہ ایسے تھے کہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب نوشی اور بدفعلیوں سے بھی باک نہ تھا امام ابن حزم فرماتے ہیں:۔

كان من افسق الناس شرب الخمر علانية في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم وفسق فيه بقينة لبعض اهل المدينة وقتل اهل المدينة بالسيف والجوع۔ (۲۴ جمہرۃ الانساب)

یہ نہایت درجہ فاسق شخص تھا اس نے علانیہ مسجد نبوی میں شراب پی۔ اور بعض اہل مدینہ کی لونڈیوں کے ساتھ بدفعلی کی اہل مدینہ کو تلوار سے قتل کیا۔ اور بھوک سے مار ڈالا۔

۲۔ محمد بن حسین بن جعفر بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ۲۷۱ھ میں امیرالمؤمنین معتمد علی اللہ کے خلاف خروج کیا۔ اسی کے ساتھ علی بن حسین بن جعفر بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بھی تھا۔ ان دونوں کے متعلق امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔

وهما اللذان قاما في سنة ۲۷۱ه بالمدينة فقتلا اهلها و اخذا اموالهم واخربا المدينة حتى بقيت لا يصلي في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم شهرا كاملا لا جمعة ولا جماعة اصلا۔ وقتل محمد بن الحسين قيامه ثلاثة عشر رجلا من ولد جعفر بن ابي طالب رضي الله عنه صبرا

یہ دونوں ۲۷۱ھ میں مدینہ میں کھڑے ہوئے وہاں کے لوگوں کو قتل کیا ان کا مال لوٹا اور سب شہر کو تباہ کر دیا۔ حتیٰ کہ پورے ایک مہینے مسجد شریف میں نہ جمعہ کی نماز ہو سکی اور نہ کسی دوسرے وقت کی جماعت۔ اس محمد بن حسین نے جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں سے تیرہ حضرات کو بغیر ان کی شمشیر کشی کے قتل کر دیا۔
(ص۵۵ جمہرۃ الانساب)

اسی طرح اور بھی فساق و فجار ہیں تا آنکہ ہمارے زمانے میں شریف حسین نے حرمین شریفین کے ترک باشندوں کے ساتھ وہ حرکتیں کیں کہ شاید چنگیز کو بھی نہ سوجھی ہوں گی۔ مودودی صاحب ہی کے کتب ماخذ میں یہ سب تفصیلات درج

ہیں جن کا مختصراً ذکر اوپر کیا گیا اب وہ بتائیں کیا ان لوگوں کا یہ سمجھ لینا درست تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دختری اولاد ہونے کے سبب انھیں لائسنس مل گئی ہے کہ اُمت کے ساتھ جو چاہیں کریں سب معاف ہے! وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ کسی کا نسب دیکھا جاتا ہے اور نہ شخصیت اس کا قانون سب کیلئے یکساں ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ سے لیکر امیر المؤمنین محمد الخامسؒ تک جتنے لوگوں نے امام جماعت کے خلاف خروج کیا ان سب کا حشر ایک سا ہوا۔

جن لوگوں نے حرمین شریفین کو اپنی سیاست کا مرکز اور فوجی مورچہ بنایا ان سب کیلئے ناکامی اور نامرادی مقدر ہوگئی۔ لیکن ان باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے جب امام وقت نے فوجیں بھیجیں تو ہمیشہ کامیاب وکامران ہوئیں اور فساد کی بیخ کنی کردی گئی۔

یہ ہے سنت اللہ جس کا مشاہدہ تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے۔ اب ہم پوچھنا چاہتے ہیں مودودی صاحب سے اور متوجہ کرنا چاہتے ہیں مسلمانوں کو کہ تیرہ سو برس کے اس مشاہدے کی روشنی میں مودودی صاحب کی نقل کردہ حدیثوں کا مورد امیر المؤمنین یزیدؒ اور ان کے امیر عسکر حضرت مسلم بن عقبہؓ کو سمجھا جائے یا انھیں جنھوں نے مدینے میں یہ فساد بپا کیا تھا۔

رہا وہ افتراء جو خواجہ حسن بصریؒ پر کیا گیا ہے کہ وہ اموی خلافت سے ناراض تھے تو اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ خود یہ روایت بتلا رہی ہے کہ خواجہ موصوف نے امویوں کے خلاف کسی تحریک میں شرکت نہ کی۔ ان کے اس متفق علیہ عمل کے مقابلہ میں کسی مفتری کی بات کا کیا اعتبار۔ اور نہ ان جیسے فقیہہ یہ لغویات کہہ سکتے تھے جو مودودی صاحب نے ان کے متعلق بیان کی ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں تو ان اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف دیکھنا چاہیے جن سے ہمیں دین پہنچا ہے۔ ان کے موقف کے خلاف بعد کا کوئی شخص اگر اپنا کوئی خیال ظاہر کرے تو اس کی کچھ قیمت نہیں۔

تیسرا واقعہ جس سے مودودی صاحب کے نزدیک عالم اسلام لرزہ براندام ہو گیا وہ ہے حضرت ابن الزبیرؓ کے خلاف مکہ پر فوج کشی چنانچہ فرماتے ہیں (ستمبر ص ۴۷)

"تیسرا واقعہ وہی ہے جس کا حضرت حسن بصریؒ نے آخر میں ذکر کیا ہے مدینہ سے فارغ ہونے کے بعد وہی فوج جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں یہ اودھم مچایا تھا۔ حضرت زبیرؓ (ابن الزبیرؓ) سے لڑنے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوئی اور اس نے منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگباری کی جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہو گئی اگرچہ روایات یہ بھی ہیں کہ انھوں نے کعبہ پر آگ بھی برسائی تھی لیکن آگ لگنے کے کچھ دوسرے وجوہ بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ البتہ سنگباری کا واقعہ متفق علیہ ہے۔"

سنگباری کا واقعہ مودودی صاحب کے نزدیک متفق علیہ ہو لیکن اہل تحقیق اس کے خلاف کہتے ہیں چنانچہ مصر کے جلیل القدر محقق ڈاکٹر ضیاء الدین الرئیس اپنی نئی کتاب "عبد الملک بن مروان" میں کہتے ہیں (ص ۱۲ طبع مصر وزارۃ الثقافہ)

ولکن الحقیقۃ ان القذف بہ	حقیقت یہ ہے کہ (کعبہ پر) سنگباری
حصل فی الحصار الثانی وھو	دوسری دفعہ کے محاصرے میں ہوئی
الذی سیحدث بعد سنین	تھی جو کئی سال کے بعد کی بات ہے
لا فی الحصار الاول	نہ کہ پہلی مرتبہ کے محاصرہ کی۔

امیر المومنین یزیدؒ کے زمانے میں حضرت ابن الزبیرؓ کی حیثیت ایک حریف حکمراں کی نہ تھی جس کے خلاف باقاعدہ اور ساز و سامان کے ساتھ فوج کشی کی ضرورت ہو۔ وہ ایک شورش پسند اور فتنہ انگیز شخص کی حیثیت رکھتے تھے جن کے خلاف معمولی تادیبی کارروائی کافی تھی اور یہی حال اہل مدینہ کی شورش کا تھا۔ پھر امیر المومنین کو معلوم تھا کہ حرمین شریفین میں ان کے اپنے حمایتی بہت ہیں اور ایسے ذی وجاہت اور محترم کہ کسی بڑی فوجی کارروائی کی حاجت نہیں۔ چنانچہ معمولی ساز و سامان

کے ساتھ یہ فوج روانہ کردی۔ اس فوج کے ساتھ منجنیقیں نہیں تھیں، اگر ہوتیں تو حرہ
کے سلسلے میں بھی انکا کچھ ذکر ہوتا جو قطعاً نہیں، چونکہ امیرالمؤمنین عبدالملکؒ نے حضرت
ابن الزبیرؓ کو فیصلہ کن شکست دینے کیلئے فوج بھیجی تھیں اس لئے اس کے ساتھ
منجیقوں کی بھی ضرورت تھی کیونکہ اس وقت حضرت ابن الزبیرؓ طاقت حاصل
کر چکے تھے، اور ایک وسیع علاقے کے حکمراں بنے ہوئے تھے۔ چونکہ اس موقع پر منجیقیں
استعمال ہوئیں اس لئے راویوں نے سہواً یا عمداً پہلے حصار میں بھی منجیقوں کا تصو
پیدا کردیا۔

حضرت حصین بن نمیرؒ نے مکہ کا محض حصار کیا تھا۔ انھیں توقع تھی کہ اہل شہر کو
مغلوب کرنے کیلئے اتنی ہی کارروائی کافی ہوگی۔ اسی عرصے میں امیرالمؤمنینؓ کی رحلت کی اطلاع
آگئی اس لئے انھوں نے یہ حصار اٹھالیا۔ مودودی صاحب نے یہاں منجیقوں کے ذریعہ سنگباری اور
کعبہ شریف کے جل جانے کا ذکر اپنی اسی عداوت اور بغض کیوجہ سے کیا ہے جو انھیں اموی
خلفاء اور امیرالمؤمنین یزیدؒ سے ہے اگر وہ کھلے دل اور ادنیٰ تامل سے کام لیتے تو ان پر
کھل جاتا کہ یہ واقعہ حصار ثانی کا ہے نہ کہ حصار اول کا۔

حرمین شریفین: حرمین شریفین کو اللہ تعالیٰ نے امت کا روحانی مرکز اور جائے
امن بنایا ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ ان دونوں شہروں کو وہ اپنی ملکیت بنائے یا وہاں اپنا
سیاسی اکھاڑہ جمائے۔ ان شہروں کی تولیت تمام امت کے سپرد کی گئی ہے اور یوں اسکا
متولی امیرالمؤمنین ہوتا ہے۔ اس امام جماعت سے بغاوت کرنے والا اگر مکہ یا مدینہ
میں اپنا مرکز بنائیگا تو اسکی سرکوبی کی جائے گی کائناً من کان لہذا ایسی صورت میں
مدینہ یا مکہ پر فوج کشی کو ان شہروں پر حملہ نہیں کہا جا سکتا یہ حملہ ان باغیوں پر ہوگا
جو حرم کی تقدیس پر حرف لانے کے لئے وہاں امت میں افتراق وانشقاق کا بیج بونا
چاہئیں۔

مودودی صاحب نے جس عامیانہ انداز میں جہلاء کے جذبات بھڑکانے کے
لئے مذکورۂ بالا بیان دیا ہے۔ اس سے نہ اہل علم متاثر ہوسکتے نہ انھیں یہ خیال

آسکتا ہے کہ اس قسم کی فوج کشی کو حرمین شریفین پر حملہ تصور کیا جائے، امیرالمومنین یزیدؒ یا امیرالمؤمنین عبدالملکؒ یا امیرالمؤمنین المنصور یا کسی دوسرے خلیفہ نے جب باغیوں کی سرکوبی کے لئے حرمین پر فوج کشی کی تو یہ حملہ ان پاک شہروں پر نہ تھا بلکہ ان باغیوں پر تھا جنھوں نے حرمین کی بے حرمتی کر کے شعائر اللہ کی تقدیس پر حرف لانا چاہا۔

حضرت ابن الزبیرؓ نے کعبہ شریف میں پناہ لینے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس دعویٰ کی سچائی تو اس وقت ثابت ہوتی جب وہ چپکے بیٹھے رہتے۔ اس صورت میں ان سے قطعاً کوئی تعرض نہ ہوتا جیسا کہ حضرت مسور بن مخرمہؓ سے نہیں ہوا۔ وہ بھی امیرالمؤمنین یزیدؒ کی بیعت سے انکار کر کے مکہ میں خاموش بیٹھ گئے اور اسی بنا پر امیر عمرو بن سعید نے حضرت حسینؓ کو امان نامہ بھیجا تھا کہ اگر آپ مکہ واپس آجائیں تو پورے احترام کے ساتھ رہیں گے اور سرکاری قافلے کے معاملہ میں بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔ امیرالمؤمنین کی بیعت سے اگر کچھ لوگ محترز ہوں مگر چپکے بیٹھے رہیں تو تمام خلفاء کی یہ سنت رہی ہے کہ ان سے کبھی تعرض نہ کیا گیا تعرض اس وقت ہوتا ہے جب وہ جتھا بنائیں اور حکومت کا تختہ الٹنے کی کوششوں میں مشغول ہوں لہذا مدینہ اور مکہ پر جو چڑھائی کی گئی وہ شرعاً کسی درجے میں بھی قابل اعتراض نہیں بلکہ یہ چڑھائی اگر نہ کی جاتی تو اس پر یہ خلفاء قابل مواخذہ ہوتے انھیں جواب وہی کرنی پڑتی کہ حرمین شریفین کو انھوں نے امت میں افتراق کا سبب کیوں بننے دیا۔ اور امت نے امامت کا منصب دیکر حرمین کی تولیت کا جو فرض عائد کیا تھا اسے بجالانے میں کیوں کوتاہی کی۔

اللہ تعالےٰ کعبہ شریف کے متعلق فرماتا ہے (الحج ع ۲)

ومن یرد فیہ بالحاد بظلم	اور جو کوئی ارادہ کرے ظلم کے ساتھ
نذقہ من عذاب الیم	گمراہی پھیلانے کا تو ہم اسے دردناک

عذاب چکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی وعدہ آج تک ہمیشہ سچا ثابت ہوا۔ فتح و کامرانی انھیں نصیب ہوئی جنھوں نے ان لوگوں کو شکست دی جو کعبہ شریف کو فتنہ و فساد کا مرکز بنانے کے درپے ہوئے۔ تیرہ سو برس کا یہ مشاہدہ کیا اس کا ثبوت نہیں کہ حق پر وہ خلفاء کرام تھے جنھوں نے حرمین شریفین میں برپا ہونیوالی شورشوں کا خاتمہ کیا۔ اور یہ وعید ان کے حق میں ثابت ہوئی جنھوں نے امام جماعت سے روگردانی کرکے حرمین کی آڑ میں اپنے سیاسی مقاصد پورے کرنے چاہے۔

اب ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳ طبع مصر۔ کہ آج کے لوگوں کیطرح حرمین کی تقدیس برقرار رکھنے کے بارے میں یہی شبہ ایک جلیل القدر صحابی کو ہوا۔ لیکن پھر مسئلہ ان کی سمجھ میں آگیا۔ حضرت ابوشریح فرماتے ہیں۔

عن ابی شریحؓ انہ قال ابن سعید وھو یبعث البعوث الی مکۃ ائذن لی ایھا الامیر احدثک قولاً قام بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغد من یوم الفتح سمعتہ اذنای ووعاہ قلبی وبصرتہ عینای حین تکلم بہ حمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ان مکۃ حرمھا اللہ ولم یحرمھا الناس فلا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یسفک بھا

"اے امیر مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بیان کر دوں جو فتح کے دوسرے دن آپ نے فرمایا تھا۔ میرے ان دونوں کانوں نے اسے سنا ہے اور میرے دل نے اسے حفظ کیا ہے اور میری ان دونوں آنکھوں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا۔ جب آپ فرمارہے تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا "مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت کا شہر قرار دیا ہے اور یہ حرمت آدمیوں نے قائم نہیں کی۔ اب کسی ایسے شخص کے لئے

دمًا ولا يعضد بها شجرة فان
احدٌ ترخص لقتال رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فيها فقولوا ان الله قد اذن
لرسوله ولم يأذن لكم
وانما اذن لي فيها ساعة
من نهار ثم عادت حرمتها
اليوم كحرمتها بالامس و
ليبلغ الشاهد الغائب
فقيل لابي شريح ما
قال عمرو قال انا اعلم
منك يا ابا شريح لا يعيذ
عاصيًا ولا فارًا بدم و
لا فارًا بخربة

جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان
رکھتا ہو۔ یہ جائز نہیں کہ وہاں
کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت
اکھاڑے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ
کے رسول کے قتال کو نظیر بنا کر
اس فعل کو اپنے لئے جائز کر لینا چاہے
تو تم اس سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے رسول کو اس کی اجازت دی
تھی اور تمہیں اس نے یہ اجازت
نہیں دی اور انھیں بھی دن کی بس ایک گھڑی
کیلئے اجازت تھی پھر اس کی حرمت
آج اسی طرح قائم ہو گئی جیسے کل تھی جو
حاضر ہیں انہیں چاہئے کہ یہ بات
ان تک پہنچا دیں جو اس وقت حاضر
نہیں۔ ابو شریح رضؓ سے پوچھا گیا
کہ پھر امیر عمرو نے کیا کہا تو فرمایا
انھوں نے کہا کہ اے ابو شریح میں
آپ سے زیادہ اسے جانتا ہوں۔
مکہ کسی سرکش کو پناہ نہیں دیتا نہ کسی
قاتل کو اور نہ کسی ایسے شخص کو جو
تخریب کے درپے ہو۔

مکّہ کے دونوں حصاروں کے وقت اجلّہ صحابہ زندہ تھے، انھوں نے
امیر المؤمنین یزیدؒ اور امیر المؤمنین عبدالملکؒ کی پوری طرح تائید کی اور ان فوجی

اقدامات کو ہرگز کعبہ شریف کے خلاف جارحانہ کارروائی نہیں سمجھا۔ اور نہ قواعد شرعیہ جاننے والا کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اگر مدینہ اور مکہ پر چڑھائی کو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہما نے برا جانا ہوتا یا ان شورشوں میں قواعد شرعیہ کے خلاف کچھ حرکتیں ہوئی ہوتیں یا ان باتوں کا شائبہ بھی ہوتا جو مودودی صاحب جیسے متعصب لوگوں نے بیان کی ہیں تو اموی خلافت امت میں کبھی ایسی مقبول نہ ہوتی جیسے کہ ہوئی، تاریخ شاہد ہے۔ کہ چار دانگ عالم میں اسلام کی تبلیغ ہوئی اور اس کا سیاسی اقتدار اموی دمروانی خلفار کی بدولت قائم ہوا۔ چنانچہ اس خطۂ پاک میں اسلام کا جھنڈا اسی خلافت میں بعہد امیرالمؤمنین الولید بن امیرالمؤمنین عبدالملک ابن امیرالمؤمنین حضرت مروانؒ نصب ہوا تھا۔

ابن الزبیرؓ | حضرت ابن الزبیرؓ صغار صحابہ اور کبار تابعین میں ہیں نسبی شرف اور شخصی فضائل میں ممتاز تھے۔ فقہائے امت میں ان کا شمار ہے۔ اعلیٰ درجے کے شہسوار تھے۔ شمشیر زن تھے اور خطیب تھے۔ مگر طبیعت میں بخل کا مادہ تھا انھوں نے حصول خلافت کے لئے جو طریقے اختیار کئے اور اعلان خلافت کے بعد جو طرز عمل رکھا اس نے ہم عصر امت میں انھیں نامقبول بنادیا۔ انھوں نے ایسی ایسی زبردست سیاسی غلطیاں کیں کہ ان کے اقدامات میں تعمیر کی بجائے تخریب کے پہلو زیادہ نمایاں رہے یعنی۔

(۱) متفق علیہ امام کی بیعت سے گریز کیا۔ اور اس طرح اجماع صحابہؓ کی بے وقعتی کی۔

۲۔ پھر اعلان کیا کہ وہ حرم میں پناہ گزین ہیں۔ لیکن عملاً سیاسی جوڑ توڑ میں مشغول رہے۔

۳۔ حضرت حسینؓ کو مکہ سے چلے جانے کی ترغیب دی۔ حالانکہ پوری کوشش سے انھیں روکنا چاہئے تھا نظام خلافت میں اگر واقعی کسی تبدیلی کی ضرورت تھی تو ان دونوں کا تعاون نہایت مؤثر ہوتا۔ مگر یہ دونوں

تو ایک دوسرے کو حریفانہ دیکھتے تھے۔

۴۔ انھوں نے اول مدینہ طیبہ میں بغاوت کروائی اور پھر مکہ کو اپنا سیاسی مرکز بنایا اس طرح حرمین شریفین کی تقدیس اور حرمت قائم نہ رہ سکی۔

۵۔ انھوں نے مدینہ میں مقیم بنو امیہ کو حکماً نکلوا دیا حالانکہ انکی استمالت کی ضرورت تھی تاکہ حکمراں خاندان میں اختلاف پیدا ہو جاتا۔

۶۔ انھوں نے بنو ہاشم سے معاندانہ برتاؤ کیا تا آنکہ انھیں مکہ سے نکلوا دیا حالانکہ اپنی مقبولیت کیلئے انھیں بنو ہاشم کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے تھی۔

۷۔ ان کے اپنے بھائی اور بیٹے جو امیر المؤمنین یزید کی بیعت توڑنے پر تیار نہیں ہوئے ان کے ساتھ انھوں نے سختی کی حتیٰ کہ ایک بھائی کو عین حرم میں مار مار کر شہید کر دیا۔

۸۔ امیر المؤمنین یزید کی وفات کے بعد امیر حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ اب آپ ہر طرح مستحق خلافت ہیں اور ہم آپ سے بیعت کرنے پر بھی تیار ہیں۔ بشرطیکہ آپ شام تشریف لے چلیں جو مستقر خلافت ہے۔ میرے ساتھ جتنے لشکری ہیں وہ ممتاز حیثیت کے لوگ ہیں یہ آپ سے بیعت کریں گے تو دو آدمی بھی آپ کی مخالفت نہ کر سکیں گے لیکن اس صائب ترین مشورے کو انھوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور اس طرح اپنے متفق علیہ خلیفہ بن جانے کا بہترین موقعہ اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

۹۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوت کے بل پر خلافت کا اعلان کیا اور اس کی پروا نہ کی کہ اول ان حضرات کو ہموار کریں۔ جو اہل الرائے تھے اور امت جن کی پیروی کی خوگر تھی۔

برخلاف اس کے اموی خلافت کی بنیادیں آئینی اعتبار سے نہایت مضبوط

تھیں اور قواعد شرعیہ پر ہر طرح پوری اترتی تھیں۔ اس پر مستزاد تھی وہ عام مقبولیت جو اموی خانوادے کو ہمیشہ حاصل رہی۔

۱۔ امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ جمہور صحابہ کرام کے اجماع سے طے ہوا تھا اور عالم اسلام اس پر متفق و متحد تھا۔ اس بیعت کا توڑنا کسی کے لئے جائز نہ تھا۔ اور یہ امر ناممکن تھا کہ یہ بیعت توڑ کر کوئی شخص امت میں اپنا سیاسی مقام پیدا کر سکے۔ امیر یزیدؒ کی زندگی میں تو جیسا پچھلے اوراق میں ذکر ہوا وہ یہی کہتے رہے کہ میں ان کی بیعت پر ہوں اور خفیہ پروپیگنڈا بھی کرتے رہے۔

۲۔ اس متفق علیہ امام نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند ارجمند معاویہ ثانی کو نامزد کیا جو دستور سابق کے تحت بالکل جائز امر تھا۔ شرعاً و عرفاً چلنے والا امام جس کو بھی نامزد کر جائے اس کی وصیت بہر حال نافذ ہوتی تھی۔

۳۔ امیر معاویہ ثانی نے بیعت لے کر جو آئینی حیثیت سے ایک امر لازم تھا تاکہ امام سابق کی وصیت پوری ہو۔ خود امامت پر فائز ہونے کے بعد اپنی خرابی صحت کی وجہ سے کہ تھوڑے دنوں بعد وفات بھی ہو گئی تھی۔ امت کے سامنے استعفا پیش کر دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں کسی شخص کو نامزد نہیں کرتا۔ آپ حضرات مختار ہیں کہ جسے چاہیں منتخب کریں۔

۴۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ارباب حل و عقد میں انتخاب خلیفہ کے بارے میں تگ و دو شروع ہو جائے۔ اس عرصے میں حضرت ابن الزبیر رضؓ کی زبردست سیاسی غلطی کے نتیجے میں حضرت مروانؓ مع اپنے اہل و عیال کے دمشق پہنچ گئے اور یوں لوگوں کے سامنے وہ ہستی آ گئی جو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور عظمت و جلالت و اہمیت کے اعتبار سے امامت کی ہر طرح اہل تھی۔ شام و فلسطین کے قبائل کے عام اجتماع میں حضرت مروانؓ کی خلافت پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اس طرح دستوری اور آئینی حیثیت سے یہی اموی و مروانی خلافت

صحیح تسلیم کی گئی کیونکہ اسکی پشت پر مستقر خلافت کے علاقے کی رائے عامہ تھی

۴۔ حضرت مروانؓ نے مصر کو بھی معمولی فوج کشی سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عالی مقام حضرت عبدالملکؒ کو خلافت کیلئے نامزد کر گئے۔

۵۔ حضرت امیر معاویہؓ کی یہ غلطی بتائی جاتی ہے کہ انھوں نے خلافت کیلئے ولیعہدی کی بیعت اپنی زندگی میں لی انھیں چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کو جمہور پر چھوڑ جاتے وہ جسکو چاہے خلیفہ منتخب کر لے۔ معاویہ ثانی کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت امیر معاویہ سے محض چار سال بعد ہی وہ طریقہ اختیار کیا جو آجکل کے لوگ چاہتے ہیں یعنی وہ نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ جمہور امت کو سونپ گئے، تاریخ کے واقعات شاہد ہیں کہ اسکا نتیجہ اندوہناک نکلا چند قسمت آزماؤں نے جنگ و جدل کا بازار گرم کر کے اسلامی مملکت کو مسلمانوں کے خون سے رنگ دیا۔ اور آخر میں پھر بھی اموی خاندان ہی کا ایک فرد کامیاب ہوا۔ اور بعد از خرابی بسیار یہ مسئلہ طے ہوا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کمال دور اندیشی سے ان باتوں کو سمجھ لیا اور امت کو خونریزی سے بچانے کیلئے نہایت دیانتداری سے یہ حل حضرت مغیرہؓ کے توجہ دلانے سے نکالا تھا مگر اس پر بھی وہ متہم ہیں حالانکہ ان کے پیش رو حضرت علیؓ نے بھی اپنی زندگی کے آخری وقت میں اپنے فرزند کی جانشینی سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔

آخر میں ہمیں پھر عہد علوی کی یاد آتی ہے۔ شام و مصر پوری طرح امیر المومنین عبد الملکؒ کا مطیع و منقاد تھا۔ کہیں کوئی اختلاف رائے نہ تھا جو حضرت علیؓ کے زیر نگین علاقے میں ہمیشہ رہا۔ اور اسی طرح حضرت ابن الزبیرؓ کے علاقے میں صحابہ کرام اور ہاشمی اکابر کا ایک جم غفیر تھا جس نے حضرت ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی تھی اور سب کی ہمدردیاں خلافت شام کے ساتھ تھیں۔

علاوہ ازیں امیر المومنین عبدالملکؒ سوائے شرف صحابیت کے باقی ہر میدان میں حضرت ابن الزبیرؓ کے مقابلے میں فضیلت و مقبولیت و احترام کے اعتبار سے بدرجہا فائق تھے۔ اسی لئے ان کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت ابن الزبیرؓ کا

موقف کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ رہا ان کی لاش کو سولی پر چڑھانا اسے کسی قوی روایت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابو حنیفہؒ اور سیاسی شخصیات

وضعی روایات و بہتانات

خروج زید بن علی

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی پر مودودی صاحب نے زیر عنوان "خروج کے معاملہ میں امام کا اپنا طرز عمل" بہتان باندھے ہیں اور ایسی باتیں کہی ہیں جو امام ممدوح کے مدوّن مذہب و مسلک کے بھی خلاف ہیں اور تاریخی حیثیت سے بھی بے پایہ پھر ان فضولیات کے لئے سہارا لینے پیشتر مناقب کی ان کتابوں کا جو صدیوں بعد اس زمانے میں لکھی گئیں جب مغالاۃ فی البشریٰ وضعی روایات کا جال خوب پھیل چکا تھا اور لطف یہ کہ ان کتابوں کی متضاد روایتوں میں سے بھی ان صاحب نے ایسی حکایتیں چھانٹ لیں جن سے امام اعظمؒ کی مدحت ذم نما یا ذم مدحت نما کا پہلو نکلتا ہو اور ساتھ ہی خلفاء اسلام پر حرف گیری بھی ممکن ہو چنانچہ زید بن علی بن الحسینؓ کے ناکام خروج و بغاوت کے سلسلے میں لکھتے ہیں بحوالہ الطبری (ص ۲۶۶-۲۶۷)

"پہلا واقعہ زید بن علی کا ہے جن کی طرف شیعوں کا فرقہ زیدیہ اپنے کو منسوب کرتا ہے۔ یہ امام حسینؓ کے پوتے اور امام محمد الباقر کے بھائی تھے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، فقیہ اور متقی و صالح بزرگ تھے اور خود امام ابو حنیفہؒ نے بھی ان سے استفادہ کیا تھا۔ ۱۲۰ھ-۷۳۸ء میں ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے اس کے خلاف تحقیقات کرائی تو اس سلسلے میں گواہی کے لئے حضرت زید کو بھی مدینے سے کوفہ بلایا گیا۔ ایک مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خاندان علیؓ کا ایک ممتاز فرد کوفہ آیا۔ یہ شہر شیعہ ان علی کا گڑھ تھا اس لئے ان کے آنے سے یک لخت علوی تحریک

میں جان پڑ گئی اور لوگ کثرت سے ان کے گرد جمع ہونے لگے ویسے بھی عراق کے باشندے سالہا سال سے بنی امیہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے تنگ آچکے تھے اور اٹھنے کے لئے سہارا چاہتے تھے۔ علوی خاندان کی ایک صالح عالم فقیہ شخصیت کا میسر آجانا انھیں غنیمت محسوس ہوا۔ ان لوگوں نے زید کو یقین دلایا کہ کوفہ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں اور ۱۵ ہزار نے بیعت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی ان کے رجسٹر میں درج کرا دیئے ہیں۔ اس اثناء میں کہ خروج کی تیاریاں اندر ہی اندر ہو رہی تھیں اموی گورنر کو ان کی اطلاع پہنچ گئی زید نے یہ دیکھ کر کہ حکومت خبردار ہو گئی صفر ۱۲۲ھ/۷۴۰ء میں قبل از وقت خروج کر دیا۔ جب تصادم کا موقع آیا کوفہ کے شیعان علیؓ ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جنگ کے وقت ۲۱۸ آدمی ان کے ساتھ تھے دوران جنگ میں ایک تیر سے وہ گھائل ہو گئے اور ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ (طبری)

اس حقائق کشی کی داد نہیں دی جا سکتی۔ طبری کا حوالہ دے کر بھی غلط بیانی سے اجتناب نہ کیا۔ تاریخ طبری (عربی ایڈیشن) کے ۱۶ صفحات پر زید بن علی کے ناکام خروج کی روایتیں درج ہیں جو بیشتر ہمعصر راوی کی بیان کردہ ہیں۔ ان میں نہ کہیں عراق کے باشندوں سے بنی امیہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے تنگ آچکنے کا ذکر ہے نہ زید کے مدینے سے براہ راست کوفے جانے اور کوفہ میں ان کے موجود ہونے سے کسی نام نہاد "علوی تحریک" میں یک لخت جان پڑ جانے کا تذکرہ ہے۔ بخلاف اس کے ہمعصر راوی کا پہلے تو یہ بیان کہ گورنر عراق عبداللہ القسری کے پاس ہاشمی گھرانے کے یہ تین حضرات کوفہ آئے تھے یعنی (۱) جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ (۲) محمد بن عمر بن علیؓ بن ابی طالب (۳) زید بن علی بن حسینؓ۔ اموی گورنر نے ان تینوں ہاشمیوں کو گراں قدر رقوم کے عطیات دیئے پھر یہ سب حضرات

اپنے وطن مالوف مدینہ کو واپس چلے گئے۔ رجعوا الی المدینۃ (طبری)
گورنر خالد کی معزولی پر نئے گورنر یوسف بن عمر نے خلیفہ وقت امیرالمومنین ہشام کو
جو بڑے منتظم اور ساتھ معاملات میں نہایت کفایت شعار و حریص تھے ان تینوں
ہاشمی حضرات کے نام اور عطیات کی تعداد رقوم کے ساتھ یہ اطلاع بھی دی تھی
کہ خالد مذکور نے زید بن علی سے مدینہ کی کچھ اراضی دس ہزار دینار میں خریدی تھی
جو پھر انھیں ہی واپس بھی کر دی تھی اور رقم بھی انہی کے پاس رہی امیرالمومنین نے
عامل مدینہ کے ذریعہ ان تینوں حضرات کو تحقیق حال کے لئے اپنے پاس دمشق بلایا۔
انہوں نے اقرار کیا کہ ایک ایک لاکھ درہم کے عطیات ہمیں دیئے تھے۔ زید نے اراضی
مدینہ کی بیع و شراء سے انکار کیا اور حلف اٹھایا امیرالمومنین نے ان کے بیان کو تو
باور کر لیا مگر ہدایت کی کہ مدعی کا سامنا کرنے کے لئے انھیں گورنر عراق کے پاس
جانا ہوگا۔ زید کوفہ جانے سے خائف تھے امیرالمومنین سے عرض کرنے لگے انشدک
اللہ والرحم ان تبعث بی الی یوسف (طبری) یعنی میں آپ کو اللہ کا اور
اپنی قرابت کا واسطہ دیتا ہوں مجھے یوسف (گورنر عراق) کے پاس نہ بھیجئے امیرالمومنین
نے اطمینان دلایا گورنر کو مراسلہ تحریر کیا اور مزید احتیاط اپنا اردلی بھی ساتھ کیا
اس طرح یہ کوفے گئے تھے۔ کوفے جاتے ہوئے امیرالمومنین نے ان تینوں ہاشمیوں کو اپنے
سابق گورنر کی رقوم عطیات پر اضافہ کرتے ہوئے خود بھی عطیات دیئے و وصلھم
ہشام (طبری) معاملہ تصفیہ طلب زید کے اراضی کے فروخت کرنے اور بیش قرار
رقم وصول کرنے کا تھا اسی سے وہ خائف بھی تھے۔

طبری کی دوسری روایتوں میں بیان ہے کہ زید کے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ
بن حسن مثنیٰ ابن حسن بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے جو اوقاف علی کے متولی تھے مقدمہ بازی
چل رہی تھی۔ حاکم مدینہ کی عدالت میں کئی پیشیاں ہو چکی تھیں دوران سماعت فریقین
ایک دوسرے کی بد کلامی میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ عبداللہ نے زید سے
کہا کہ تم وقف لینا چاہتے ہو حالانکہ سندھی[1] لونڈی کے بچے ہو۔

---

[1] زید کی والدہ سندھی کنیز تھیں۔

فقال عبد اللہ لزید اتطمع ان تنالها وانت لامة سندھیة (طبری) زید نے بھی ترکی بترکی جواب دیا وتبا لغا یومئذ کل غایۃ فلما کان الغد احضرھم الوالی واحضر قریشا والانصار فتنازعا (طبری) غرض کہ اس روز ایک نے دوسرے کو برا کہنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی دوسرے دن والی نے پھر انھیں بلایا اور تمام قریش انصار (مدینہ) کو بھی بلایا۔ فاغلظ عبد اللہ لزید وقال یا ابن الهندیکة (طبری) عبد اللہ نے زید کو سخت برا کہا اور "ہندیہ کے بیٹے" کہکر خطاب کیا زید نے جواب میں کہا کہ میری ماں نے تو اپنے شوہر کے بعد کسی اور سے نکاح کیا نہیں صبر سے بیٹھی رہیں بخلاف دوسروں کی ماں کہ ان سے صبر نہ ہوسکا۔ یہ چوٹ زید نے اپنی پھوپی والدہ عبد اللہ یعنی سیدہ فاطمہ[1] بنت الحسین پر کی تھی جنہوں نے یہ سنکر زید سے کہلا بھیجا تھا تمہاری ماں کو عبد اللہ نے برا کہا ہے تو تم بھی اس کی ماں کو برا کہو ان سب عبد اللہ امک فاسدب امه (طبری) زید اپنی پھوپی سے اسی بنا پر شرمانے لگے۔ اور ایک عرصہ تک ان کے سامنے نہ گئے واستحی زید من عمته فلم یدخل علیها زمانا (طبری) ایک دوسرے کی ماں کی بدگوئی کے اس شرمناک واقعہ کو مودودی صاحب کے معتبر ماخذ تاریخ طبری میں تفصیل سے بیان کرتے ہوئے راوی نے بدگوئی اور طعن کے اپنی پھوپی پر یہ الفاظ ان بزرگوار سے منسوب کیے ہیں جنھیں مودودی صاحب نے "جلیل القدر عالم فقیہ اور متقی وصالح بزرگ" کا سرٹیفکٹ دے کر انھیں امام اعظم ابوحنیفہ کا استاد بھی بتایا ہے

---

[1] سیدہ فاطمہ بنت الحسین نے اپنے پہلے شوہر حسن مثنیٰ بن حسن بن علی کی وفات کے بعد اموی خاندان میں عبد اللہ بن عمرو بن حضرت عثمان بن عفان سے عقد ثانی کرلیا تھا پہلے شوہر سے ان کے تین بیٹے تھے عبد اللہ وابراہیم و حسن اور دو بیٹیاں زینب وام کلثوم تھیں دوسرے اموی شوہر سے بھی دو بیٹے محمد الدیباج اور قاسم اور ایک بیٹی رقیہ تھیں جو حضرت حسین کے اموی نواسے، نواسی تھے۔

مگر ہمعصر راوی، شاخباری ابو مخنف نے جو جناب زید کے دوران قیام کوفہ کے حالات و واقعات کا چشم دید شاہد ہے نہ کہیں امام ابو حنیفہؒ کا نام کسی واقعہ کے سلسلے میں لیا ہے اور نہ زید کی جلالت قدر و فضائل علمیہ کا ذکر کیا ہے نہ زید کی موجودگی سے نام نہاد علوی تحریک میں جان پڑنے کا اشارہ کیا ہے۔

طبری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ زید اپنا دعویٰ عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے خلاف امیرالمومنین ہشامؒ کے حضور میں پیش کرنے دمشق گئے وقیل ان زیدا انما قدم علی ھشام مخاصما ابن عمہ عبداللہ بن حسن بن علی (طبری) عرصہ تک باریابی کا موقع نہ ملا، عرض داشتوں پر عرضداشتیں پیش کرتے رہے۔ جو پہونچکم ہوتا ہے ارجع الی امیرک (طبری) جو تمہارے حاکم ہیں ان کے پاس جاؤ۔ زید چونکہ حاکم مدینہ کی عدالت میں ناکام رہے تھے، اور فریق ثانی سے گالم گلوچ کی جگ ہنسائی بھی ہو چکی تھی اس لئے حاکم مدینہ کی عدالت میں پھر جانے کو آمادہ نہ تھے امیرالمومنین سے عرض کرتے واللہ لا ارجع الی خالد ابدا بخدا اب میں خالد (حاکم مدینہ) کے سامنے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ یہ بھی کہا کہ میں کچھ مانگنے تو نہیں آیا اپنا مقدمہ پیش کرنے آیا ہوں آخر کار بہت عرصے کے انتظار کے بعد امیرالمومنین نے انھیں باریابی کا موقع دیا۔ پھر ایک موقع پر زید عمر بن الولید سے اپنا تنازعہ طے کرانے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ طبری میں خود زید سے روایت ہے کہ ہشام نے مجھ سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کے متمنی ہو۔ تم ایک لونڈی کے بطن سے ہو کر ایسی توقع کیونکر کرسکتے ہو میں نے کہا امیرالمومنین آپ کی بات کا جواب بھی ہے چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ کا ذکر۔ امیرالمومنین نے انھیں نکل جانے کا حکم دیا انہوں نے کہا میں جاتا ہوں مگر اب ایسی ہی صورت میں تم دیکھو گے جو تمھیں ناگوار ہوگی اخرج ولا تراني الا حیث تکرہ (طبری) دمشق سے سیدھے کوفے پہنچے اور سیاسی توڑ جوڑ میں مشغول ہوگئے۔

مدینے میں کئی اولادیں[1] اور بیٹیاں چھوڑ آئے تھے کوفے میں ازدی و سلمی قبیلوں کی لڑکیوں سے نکاح کئے۔ ہمعصر راوی ابومخنف نے ایک خوبصورت دوشیزہ کے دامِ محبت میں ان کے پھنسنے کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ایک شیعہ عورت بنت الصلت جو بڑی طرحدار حسین و جمیل گدا نبدن تھی جناب زید کے پاس آئی جب وہ تب اس کا پوچھکر زید اس سے کہنے لگے۔ مجھ سے نکاح کرلو عورت نے کہا میری عمر زیادہ آگئی ہے البتہ میری ایک بیٹی ہے جو مجھ سے زیادہ گوری، زیادہ خوبصورت، زیادہ گداز جسم اور نہایت عمدہ شکل و صورت اور تازوانداز کی ہے ابیض وادم وجسم واحسن منّی دلاوشکلا (طبری) آپ چاہیں تو اسے آپ کی زوجیت میں دیدوں زید اس دوشیزہ کے حسن و جمال کی کیفیت سنتے ہی ریجھ گئے تھے فوراً شادی کرلی اور بقول ابومخنف اس پر عاشق بھی ہوگئے وکان بہا معجب (طبری) اپنی شادی کے بعد سے زید کبھی اپنی اسدی بیوی کے یہاں رہتے کبھی دوسرے سسرال والوں کے یہاں۔ گورنر یوسف کو جب معلوم ہوتا کہ زید ابھی کوفہ میں مقیم ہیں مدینہ نہیں گئے ان سے کہلواتا، جا واپس چلے جاؤ۔ یہ اس وقت تو اقرار کرلیتے پھر دردکا بہانہ کرکے جب تک چاہتے اپنی روانگی کو ٹالتے رہتے۔ فیقول نعم ویعتل له بالوجع فمکث ماشاء اللہ (طبری) دوبارہ جب چلے جانے کو کہلوایا۔ اس مرتبہ یہ حیلہ کیا کہ مجھے کچھ اشیاء خریدنی ہیں۔ خریدلوں تو جاؤں غرضیکہ مودودی صاحب کے یہ "جلیل القدر عالم، فقیہ اور متقی و صالح بزرگ" جو بقول کذب امام اعظمؒ کے استاد

---

[1] مدینہ کی بیبیوں سے زید بن علی کے چار بیٹے یحییٰ و عیسیٰ و حسین و محمد تھے یحییٰ اپنے والد کے پاس کوفے میں موجود تھے ان کے اولاد ذکینہ تھی عیسیٰ کی نسل خوب چلی ان میں بڑے صاحب عزم و حوصلہ لوگ تھے حسین بن زید کے کئی بیٹے اور بیٹیاں تھیں ایک بیٹی فاطمہ عباسی خاندان میں محمد بن ابراہیم امام بن محمد بن ابراہیم امام بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کی زوجہ تھیں محمد بن زید کی نسل باقی نہ رہی۔

بھی تھے طرح طرح کے حیلے بہانے قیام کوفہ کے لئے تراشتے رہے مگر گورنر نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا مجبوراً کوفہ سے نکل کر قادسیہ پہنچے اور بروایت دیگر گورنر نے اپنے آدمی کے ساتھ ان کو مقام العذیب تک پہنچا دیا تھا مگر بدبخت کوفی سبائی چرب زبانی سے آخرکار انھیں کوفہ واپس لے آئے۔ ان کے دونوں عزیز یعنی جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ جو رشتہ میں ان کے چچا تھے اور محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب ان کے چچازاد بھائی پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے تھے اور جاتے وقت انھیں ان کے دادا حضرت حسینؓ کے واقعہ سے عبرت دلاتے ہوئے صاف کہہ گئے تھے کہ کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر بیٹھے تو ان سے زیادہ تمہارے حق میں کوئی سخت دل اور ظالم نہ ہوگا۔

امیر المومنین ہشامؒ کو زید کے بارے میں جب اطلاعیں پہنچیں گورنر عراق کو جو فرمان بھیجا تھا اس کے ابتداء میں لکھا تھا کہ "زید بن علی میرے پاس عمر بن الولید کے خلاف مدعی کی حیثیت سے آئے تھے میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا میں نے دیکھا زید ایک جھگڑالو چرب زبان تقریر میں رنگ آمیزی کرنے والے اور اپنے مطلب کے مطابق کلام کو ڈھالنے والے شخص ہیں" فرمان میں گورنر کو ہدایت کی گئی تھی کہ زید کو کوفہ میں نہ ٹھہرنے دیا جائے کیونکہ یہ جھگڑالو شغل ہی چرب زبانی سے لوگوں کو گمراہ کر سکیں گے ان کا وہاں سے اخراج اس طرح کرو کہ جس میں سب کی سلامتی ہو، کسی کا خون نہ بہے، تفرقہ سے امن کو میں زیادہ اچھا سمجھتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ ان کا خون بہے، ان کا نام باقی نہ رہے اور ان کی نسل منقطع ہو جائے جماعت اللہ کی مضبوط رسی ہے والجماعۃ حبل اللہ المتین ودین اللہ القویم وعروۃ [illegible] الوثقی (طبری) فرمان بہت طویل ہے اور اس کے لفظ لفظ سے امیر المومنین کی رحمدلی اور شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی فرمان میں یہ ہدایت بھی گورنر کو تھی کہ اگر مفسدوں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو تم اس وقت اللہ کی مدد کے مستحق ہوگے جب ان پر اپنی حجت پوری کر دو

ان کی آل اولاد سے تعرض نہ کرو اور اپنے فوج کو منع کردو کہ ان کے گھروں اور ان کے زنان خانوں میں نہ گھسے" یہ بھی لکھا تھا کہ امیرالمومنین کا طرز عمل اپنی قوم کو مہالک سے بچانے، راہِ راست پر لانے خطرہ سے ہٹانے اور سیدھے راستوں پر لیجانے میں شفیق والد جیسا ہے جو اپنی اولاد کو ہر خطرے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے یا تجربہ کار ہوشیار چرواہے کا جو اپنے گلہ کی نگہبانی کرتا ہے فعل الوالد الشفیق علی ولدہ والراعی الحدب علی رعیتہ (طبری) ایسے مثالی حکمران کے عہد کو ظلم وستم کا زمانہ بتلانا بدترین کذب بیانی ہے۔ مودودی صاحب کے معتبر ماخذ البدایہ والنہایہ (ج صـ۲۵۲) میں امیرالمومنین ہشامؓ کی رحمدلی کے ذکر میں بتایا ہے کہ تمام انسانوں میں وہ سب سے زیادہ خونریزی کو بُرا جاننے والے شخص تھے وکان ہشام من اکرہ الناس لسفک الدماء۔ چنانچہ ان کا یہ نہایت رحم وکرم تھا کہ زید کے خروج وبغاوت کی اطلاع پاکر عسکر خلافت کو خاص طور سے ہدایت کی گئی کہ اول توبہ پیش کریں اور جب تک شورش پسندوں کی جانب سے ابتداء نہ ہو ان کے خلاف قدم نہ اٹھایا جائے اور اگر جنگ ناگزیر ہوجائے تو کوئی حرکت ایسی نہ ہو جس سے باغی مسلمانوں کے اہل وعیال پر آفت آئے یا بے وجہ اتلاف جان ہو۔ جو باغی میدان میں آئیں ان ہی کو سزا دینے پر اکتفا کیا جائے غرضیکہ زید کا یہ ایک محدود مقامی فتنہ تھا جسے فرو کردیا گیا نہ کوئی "علوی تحریک" تھی جس میں زید کی موجودگی سے جان پڑ گئی نہ اس بغاوت کا کوئی شرعی یا سیاسی یا اخلاقی سبب تھا کوفے کے باشندے بنو امیہ کے ظلم سے تنگ آچکے تھے نہ انھیں حکومت کے خلاف اُٹھنے کے لئے کسی کا سہارا درکار تھا اگر ایسا ہوتا تو زید کے جھنڈے کے تلے واقعی ایک لاکھ آدمی جمع ہوجاتے نہ کہ تین برا عظموں میں پھیلی ہوئی اُمت میں سے صرف ۲۱۸ کوفی زید کو مل سکے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُمت زید بن علی اور ان کے اقدام کو کیا حیثیت دیتی تھی اور یہ امت وہ تھی جو امیرالمومنین کے ایک اشارے پر ہزاروں پر ہزاروں کی تعداد میں کھڑی ہوجاتی کیونکہ وہ دور

جہاد فی سبیل اللہ کا مجاہد مسلمان اموی قائد کے زیر کمان رخ کرتے فتح و ظفران کے قدم چومتی تھی۔

مودودی صاحب جسے "علوی" یا آل علی کی تحریک" کہتے ہیں۔ علم السیاست کی کسی شق کے تحت عمرانی تحریک نہیں کہی جا سکتی البتہ خفیہ تخریبی تحریک اسے ضرور کہا جا سکتا ہے جس کے سبب قدم قدم پر مسلمانوں کو کئی صدیوں تک مصائب کا سامنا ہوا اور دعوت محمدیہ کے اثر و نفوذ کی راہ میں مشکلات پیدا ہوئیں اسی تخریبی تحریک کے نتیجے میں مسلم معاشرے کے اندر زندقہ و الحاد کی تخم ریزی ہوئی۔ مودودی صاحب کو صحیح النسب آل علی کی حرمت کا کچھ بھی پاس و لحاظ ہوتا تو اس تحریک کو ان کی طرف کبھی منسوب نہ کرتے۔ یہ تو ملت اسلامیہ کے اندرونی دشمنوں کی ریشہ دوانیاں تھیں جن کے سبب بعض طالع آزما علوی شریک ہو کر خود بھی تباہ ہوئے اور ملت میں بھی انتشار کا سبب بنے [۱]

امام اعظم پر بہتان اب ملاحظہ ہو وہ بہتان و اتہام جو مودودی صاحب نے امام ابوحنیفہؒ پر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں (ص ۲۶۷)

"اس خروج میں امام ابوحنیفہؒ کی پوری ہمدردی ان کے (زید بن علی کے) ساتھ تھی۔ انھوں نے زید کو مالی مدد بھی دی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی۔ انھوں نے ان کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دی جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک جس طرح اس وقت آنحضرتؐ کا حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا اسی طرح اس خروج میں زید بن علی کا بھی حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا جب زید کا پیغام ان کے نام آیا کہ آپ میرا ساتھ

---

[۱] ملاحظہ ہو "تحقیق مزید بسلسلہ خلافت معاویہؓ و یزید" جس میں ۶۶ علویین کے خروجوں کی تفصیلات درج ہیں جو چوتھی صدی ہجری تک ہوتے رہے۔

دیں تو انھوں نے قاصد سے کہا کہ "اگر میں یہ جانتا کہ لوگ ان کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور سچے دل سے ان کی حمایت میں کھڑے ہوں گے تو میں ضرور ان کے ساتھ ہوتا اور جہاد کرتا کیونکہ وہ امام حق ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسی طرح ان سے بے وفائی کریں گے جس طرح ان کے دادا (حضرت حسینؓ) سے کر چکے تھے۔ البتہ میں روپے سے ان کی مدد کروں گا"

لطف تو یہ ہے کہ مودودی صاحب کو خود اعتراف ہے کہ زید کے خروج کے وقت امام ابو حنیفہؒ کو "فقیہ اہل مشرق ہونے کا مرتبہ اور اثر و رسوخ حاصل نہ ہوا تھا" اور سنہ ۱۲۰ھ میں یعنی زید کے خروج کی تیاریاں شروع کرنے کے زمانہ میں "ابو حنیفہؒ اس وقت تک محض ان کے (حماد کے۔م) ایک شاگرد کی حیثیت رکھتے تھے" (ص ۲۶۰) تو ایسی حالت میں جب امام صاحب کو نہ فقیہ اہل شرق کا مرتبہ حاصل ہوا تھا اور نہ ان کا کوئی اثر و رسوخ تھا تو ایسے شخص سے زید کو مدد لینے کا خیال ہی کیوں آتا۔ اور امام صاحب اگر از خود اس حالت میں کہ اثر و رسوخ ان کو حاصل نہ ہوا تھا کسی رائے کا اعلان کرتے تو اس کی قیمت ہی کیا ہوتی۔ امام صاحب خلیفہ وقت وامام جماعت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے۔ سلطان ابو المظفر عیسیٰ بن ایوب الملک المعظم امام حنیفہؒ کا مذہب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں (السہم المصیب فی الرد علی الخطیب ص ۷۴ طبع دیوبند) لانری الخروج علی ائمتنا وولاۃ امورنا ان جاروا علینا (یعنی ہم اپنے اماموں اور حاکموں کے خلاف خروج وبغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں) اس کے بعد سلطان ابو المظفر فرماتے ہیں فمن یکون ھذا رأیہ کیف یری الخروج علی الائمۃ (تو جس شخص کا نظریہ یہ ہوگا وہ خلفاء کے خلاف خروج کو کب جائز سمجھے گا)

امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب موافق صحابہ پر مبنی تھا جن کی تعلیم حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ اور امت کو دی (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶ طبع مصر)

عن زياد بن علاقة قال سمعت عرفجة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ستكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان

زیاد بن علاقہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں عرفجہؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کہ عنقریب فتنے پر فتنہ ہوگا تو جو شخص بھی ایسے وقت امت کے سیاسی نظام میں انتشار پیدا کرنا چاہے اور امت مجتمع ہو تو ایسے شخص کو قتل کر دو اگرچہ وہ کوئی ہو۔

پھر ملاحظہ ہو صحیح بخاری (ج ۴ کتاب الفتن ص ۲۲۲ طبع مصر)

عن جنادة بن امية قال دخلنا على عبادة بن الصامت وهو مريض قلنا اصلحك الله حدثنا بحديث ينفعك الله به سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم قال دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعنا فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان

جنادہ بن امیہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم حضرت عبادہ بن صامتؓ کی خدمت میں گئے وہ اس وقت علیل تھے ہم نے عرض کیا خدا آپ کو شفا بخشے ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جس کی برکت سے آپ منتفع ہوں اور وہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو انہوں نے کہا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور بیعت لی اور جن امور پر بیعت لی وہ یہ تھے کہ ہم حکام کا حکم سنیں اور اطاعت کریں ہمیں پسند ہو یا ناپسند اس سے تنگی ہوتی ہو یا فراخی یا ہمیں ہٹا کے کام لینا چاہے اور یہ کہ ہم حاکموں سے تنازع نہ کریں سوائے اس کے کہ تم ایسا کفر دیکھو جس سے خروج حلال

ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف سے تمہارے
پاس اس بارے میں حجت ہو۔

نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج کتاب الاحکام طبع مصر۔

عن ابن عباس یرویہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رأی امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت میتۃ جاھلیۃ	حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے امیر کی کوئی بات دیکھے اور اسے ناگوار گزرے تو چاہیئے کہ صبر کرے کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا اور مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

ان صریح احکام کی موجودگی میں امام ابو حنیفہؒ اُس وقت کہ ان کو فقیہ اہل مشرق کا منصب اور اثر و رسوخ بھی حاصل ہوتا۔ زید یا ایسے کسی دوسرے شخص کی بغاوت کی حمایت کس طرح کر سکتے تھے مودودی صاحب نے جس واہی روایت کو حجت بنا کر زید کے خروج کی بابت امام صاحب کی جانب یہ قول منسوب کیا ہے وہ کفر محض ہے امام اعظمؒ کی زبان مبارک سے یہ ملحدانہ الفاظ کبھی نہیں نکل سکتے۔ ایک بتدع امتی کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ بتانا اور کوئی غداروں ومنافقوں کو مہاجرین وانصار کا درجہ دے کر امیرالمومنین ہشامؒ جیسے یگانہ روزگار خلیفہ اور امت کے متفق علیہ امام کو ابوجہل جیسا سمجھنا اور تمام علماء وفقہا اور ہاشمی سادات کو جو حکومت کے ساتھ اور زید کے خلاف تھے کفار قریش کی طرح سمجھ لینا ایسی بات ہے کہ کہنے والے کا ایمان سلب ہوجائے چہ جائیکہ ان الفاظ کا ادا کرنے والا جماعت اسلامی کا امیر کہلائے۔

مودودی صاحب کے اس دعویٰ کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے زید سے استفادہ کیا تھا زید تو ان کے ہمعمر ودشمن تھے امام صاحب نے تو زید

کے خاندان کے اکابر سے بھی استفادہ نہیں کیا۔ چنانچہ لوگوں نے جو یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے زید کے بڑے بھائی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؓ سے یا بھتیجے جعفر بن محمد بن علی بن الحسینؓ سے باقاعدہ تحصیل علم کیا تھا وہ من گھڑت ہے اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۴۳)

ان هذا من الكذب الذي يعرفه من له ادنى علم فان اباحنيفة من اقران جعفر الصادق۔ توفى الصادق سنه ثمان واربعين وتوفى ابوحنيفه سنة خمسين ومائة۔ وكان ابوحنيفة يفتى فى حيٰوة ابى جعفر والد الصادق وما يعرف ان اباحنيفة اخذ عن جعفر الصادق ولا عن ابيه مسئلة واحدة بل اخذ عمن كان اسن منهما كعطاء بن ابى رباح وشيخه الاصلى حماد بن ابى سلمان۔	یہ وہ دروغ بیانی ہے جسے ہر وہ شخص جانتا ہے جسے ادنیٰ علم ہو۔ کیونکہ ابوحنیفہ تو جعفر الصادق کے ہم چشم ہیں۔ صادق کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا اور ابو حنیفہ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ ابو حنیفہ صادق کے والد ابو جعفر کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور ایسی کوئی بات معروف نہیں کہ ابو حنیفہ نے جعفر الصادق یا ان کے والد سے کوئی ایک مسئلہ بھی لیا ہو۔ بلکہ انھوں نے علم ان سے حاصل کیا۔ جو عمر میں ان دونوں سے بڑے تھے۔ مثلاً عطاء بن ابی رباح سے (جو حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں۔م) اور اپنے اصلی شیخ حمادؒ بن ابی سلیمان سے۔

ہو سکتا ہے کہ ابو جعفر محمد بن علی اور جعفر الصادق وغیرہم سے کبھی ان کے مذاکرات ہوئے ہوں لیکن استفادہ کرنے کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔ اور نہ وہ شخص جو اجماع صحابہ کو حجت سمجھتا ہے اور جس کے نزدیک جماعت سے وابستگی جزو ایمان ہو وہ بغرض استفادہ ایسی صحبتوں میں شریک ہو سکتا تھا جہاں سے نکلے ہوئے بعض جابر الجعفی جیسے ہوتے تھے جن کے متعلق امام صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مارأیت احداً

آکذب من جابر الجعفی ولا افضل من عطاء ابی رباح (میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ فضیلت رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا)
(جامع ترمذی کتاب العلل)

امام ابو حنیفہؒ نے چونکہ زید کے خروج میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور نہ کتاب و سنت کی روشنی میں وہ ایسا کر سکتے تھے۔ اس لئے اموی خلافت کے خلاف پروپگنڈا کرنے والوں نے اس قسم کی لغو و بیحودہ روایتیں وضع کر لیں اور پانچویں چھٹی صدی ہجری کے مصنفوں نے درایت سے بے پروا ہو کر اپنی کتابوں میں انھیں لکھ مارا اور پھر ایک دوسرے سے انھیں نقل کرتے رہے۔

اگر نعوذ باللہ من ذالک امام صاحبؒ نے زید کے خروج کو غزوۂ بدر کا مماثل سمجھا تھا اور انھیں وہ امام حق سمجھتے تھے تو دو باتوں میں سے ایک بات انھیں کرنی تھی یا تو ان کا ساتھ دے کر بزعم خویش ابو بکرؓ و عمرؓ کی سی فضیلت حاصل کر لیتے یا انھیں سمجھاتے کہ اول وسائل مہیا کریں رائے عامہ کی حمایت حاصل کریں اور پھر وقت مناسب کھڑے ہوں جب کامیابی یقینی نظر آئے۔ ان دونوں باتوں میں سے انھوں نے جب کچھ نہیں کیا تو کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو زید کا ساتھ دینے کی تلقین کرتے تھے، اور روپیہ سے ان کی امداد کی تھی۔

مودودی صاحب نے امام ابو حنیفہؒ کو ایک انقلابی ہیرو بنانے کی کوشش فرمائی لیکن اس پر غور نہ کیا کہ سمجھدار لوگوں کے نزدیک انھوں نے انھیں ریچ محض بنا دیا۔ اور ان کا کردار ایسا پست کر دیا کہ امت کی پیشوائی کے وہ اہل نہ رہے۔ جس شخص کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا تذکرہ حقارت سے کیا ہے جو دوسروں کو ایک فعل کی تلقین کریں اور خود اس سے احتراز برتیں۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط (تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو) مگر امام صاحب کا جو کردار

صحیح طور سے معلوم ہے اس کے مطابق یہ امر حتمی ہے کہ انہوں نے زید کے اقدام بغاوت سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ لی تھی اور نیز ان حالات و واقعات کے اعتبار سے جو مودودی صاحب کے معتبر ماخذ تاریخ طبری میں ہم عصر راوی نے بیان کئے ہیں امام صاحب کے تعلقات زید سے نہ عقیدتمندانہ تھے نہ انہوں نے زید کی بغاوت میں مالی مدد کی۔ علامہ شبلی نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے کہ امام صاحب نے زید کی بغاوت میں کسی قسم کی مدد کی تھی لکھا ہے :-

"جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اس کا ذکر نہیں حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۲ھ میں بغاوت کی تھی اس وقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا۔ ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جز رس تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی۔ ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی۔ بیت المال میں ناجائز آمدنیاں نہیں داخل ہو سکتی تھیں اس حالت میں امام ابو حنیفہؒ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی (سیرۃ النعمان ص۴۲ طبع دیوبند)

علاوہ ازیں امام ابو حنیفہؒ نے امیر المومنین ہشامؒ کے شروع زمانہ خلافت میں بلکہ چند سال پہلے ہی سے مشہور تابعی بزرگ ابو محمد عطاء بن ابی رباحؒ سے جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد تھے عرصہ تک علمی استفادہ کیا تھا پھر بعد میں مکہ و مدینہ میں مہینوں قیام کیا کرتے تھے انھیں معلوم تھا کہ ہاشمی خاندان خصوصاً آل علی سے اموی خلفاء کے قرابت و محبت و یگانگت کے کیسے شگفتہ تعلقات قایم تھے وظائف و عطایا کی بیش بہا رقوم برابر ملتی تھیں اور ان کی عزت و حرمت کا کس قدر پاس لحاظ کیا جاتا تھا ابن جریر طبری ہی نے حضرت حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ کے اس واقعہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے کہ جب اپنے دوسرے شوہر عبداللہ بن عمرو بن

حضرت عثمانؓ کی وفات سے وہ پھر بیوہ ہوگئیں۔ عاملِ مدینہ عبدالرحمن بن الضحاک بن قیس الفہری نے اپنے نکاح کا پیام دیا اور اصرار کیا مگر انھوں نے قطعی انکار کیا اس پر اس نے دھمکی دی سیّدہ فاطمہ نے اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کے پاس خط لکھ کر قاصد کے ہاتھ بھیجا جس میں اپنی قرابت اور رشتہ داری کا ذکر کر کے لکھا تھا" عامل مدینہ ابن الضحاک مجھ سے اس قسم کی خواہش رکھتا ہے اور اس بنا پر مجھے دھمکی بھی دی ہے" خلیفہ یزید نے جس وقت سیّدہ فاطمہ بنت الحسینؓ کا یہ خط پڑھا عامل مدینہ پر اس درجہ غیظ و غضب میں آیا کہ مسند خلافت سے اتر کر نیچے زمین پیٹتے جاتے اور کہتے جاتے اَللّٰہُ اَکْبَرُ! ابن الضحاک کی یہ جرأت! کوئی ہے اسے ایسی سزا دے کہ میں اس کی چیخیں یہاں بیٹھے سنوں۔ ابن الضحاک کو اسی وقت معزول کیے اور بھاری جرمانہ اس پر عائد کر کے دوسرے شخص کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ آل علی کے ساتھ اموی خلفاء کے ایسے تعلقات محبّت اور عمدہ سلوک سے واقف ہو کر طابع آزما علویوں کی بغاوتوں کو کیونکر جائز قرار دے سکتے تھے۔

امیر ابن ہبیرہ و امام ابوحنیفہؒ

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۲۵۸) سنہ ۱۳۰ھ کا زمانہ تھا جبکہ عراق میں اموی سلطنت کے خلاف فتنوں کے وہ طوفان اٹھ رہے تھے جنھوں نے دو سال کے اندر امویوں کا تختہ الٹ دیا اس موقعہ پر ابن ہبیرہ چاہتا تھا کہ بڑے بڑے فقہاء کو ساتھ ملا کر ان کے اثر سے فائدہ اٹھائے چنانچہ اس نے ابن ابی لیلیٰ، داؤد بن ابوالہند ابن شُبرمہ وغیرہ کو بلا کر اہم مناصب دیے۔ پھر ابوحنیفہ کو بلا کر کہا کہ میں آپ کے ہاتھ میں اپنی مہر دیتا ہوں۔ کوئی حکم نافذ نہ ہوگا جب تک آپ اس پر مہر نہ لگائیں اور کوئی مال خزانے سے نہ نکلے گا۔ جب تک آپ اس کی توثیق نہ کریں۔ امام نے یہ ذمّہ داری قبول کرنے سے انکار کیا تو اس نے انھیں قید کر دیا اور کوڑے لگوانے کی دھمکی

دی۔ دوسرے فقہاء نے امام کو سمجھایا کہ اپنے اوپر رحم کرو ہم سب اس خدمت سے ناخوش ہیں مگر مجبوراً قبول کیا ہے تم بھی مان لو۔ امام نے جواب دیا۔ اگر وہ مجھ سے چاہے کہ اس کے لئے واسط کی مسجد کے دروازے گنوں تب بھی میں قبول نہ کروں گا کجا کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ کسی آدمی کے قتل کا حکم دے اور میں اس فرمان پر مہر لگاؤں۔ خدا کی قسم میں اس ذمہ داری میں شریک نہ ہوں گا۔

اس سلسلے میں ابن ہبیرہ نے ان کے سامنے اور خدمات پیش کیں اور وہ انکار کرتے رہے پھر اس نے ان کو قاضی کوفہ بنانے کا فیصلہ کیا اور اسی پر قسم کھائی کہ ابوحنیفہ انکار کریں گے تو میں انھیں کوڑے لگواؤں گا۔ ابوحنیفہ نے بھی قسم کھائی اور کہا "دنیا میں اس کے کوڑے کھا لینا میرے لئے آخرت کی سزا بھگتنے سے زیادہ سہل ہے۔ خدا کی قسم میں ہرگز قبول نہ کروں گا خواہ وہ مجھے قتل ہی کر دے"۔ آخرکار اس نے ان کے سر پر بیس یا تیس کوڑے لگوائے۔ بعض روایات یہ ہیں کہ دس گیارہ روز تک وہ روزانہ ۱۰، ۱۰ کوڑے لگواتا رہا۔ مگر ابوحنیفہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ آخرکار اسے اطلاع دی کہ یہ شخص مر جائے گا اس نے کہا کیا کوئی ناصح نہیں ہے جو اس شخص کو سمجھائے مجھ سے مہلت مانگ لے۔ امام ابوحنیفہ کو ابن ہبیرہ کی یہ بات پہنچائی گئی تو انھوں نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے دوستوں سے اس معاملے میں مشورہ کر لوں۔ ابن ہبیرہ نے یہ پیغام ملتے ہی انھیں چھوڑ دیا اور وہ کوفہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے جہاں سے بنی امیہ کی سلطنت ختم ہونے تک وہ پھر نہ پلٹے"

چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین روایتوں کا یہ مربوط افسانہ مرتب کرتے وقت مودودی صاحب نے نہ سوچا کہ ان کے بقول یہ زمانہ فتنوں کا تھا اور امیر ابن ہبیرہ اگر

یہ چاہتے تھے کہ اکابر کو ہموار کرکے رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار رکھیں تو کیا وہ امام صاحبؒ کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرسکتے تھے کہ اول تو ان کی مقبولیت کا خیال کرکے اپنی مُہر ان کے ہاتھ میں دیدیں اور اطمینان دلائیں کہ جو وہ کہتے ہیں وہی ہوگا اور پھر ان کو قید کرکے کوڑے برسائیں۔ انھوں نے مہر قبول نہ کی تو قاضی بنانے کی پیش کش کریں، اسے بھی نہ مانیں تو قید وبند کی سختیاں تیز تر کردیں پھر ان کے مرنے کا بھی خوف ہو اور آزاد کردینے کے حیلے تلاش کریں۔ اگر امام صاحبؒ کی حیثیت عوام میں اسوقت ایسی ہی بلند تھی تو امیر کا یہ رویہ فساد انگیز ہوتا یا موجب امن؟ علاوہ ازیں امام صاحبؒ نے بہانہ تو کیا دوستوں سے مشورے کا اور بھاگ گئے مکّہ مگر مکّہ بھی تو اموی خلیفہ وامیر المومنین ہی کی قلمرو میں تھا۔ امیر ہبیرہ انھیں وہاں سے بآسانی پکڑوا کے بلا سکتے تھے۔ مگر یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ قاضی ابن شُبرُمہ اور امام ابن ابی لیلیٰؒ تو ابن ہبیرہ کے گورنر عراق مقرر ہونے سے سالہا سال پہلے سے اموی خلافت کے اہم مناصب پر فائز تھے۔ قاضی ابن شُبرمہؒ جن کا نام عبداللہ شبرمہ تھا زید بن علی کے ناکام خروج وبغاوت کے زمانے میں کوفہ کے قاضی تھے۔ مودودی صاحب کے ماخذ تاریخ طبری میں ۱۲۰ھ و ۱۲۱ھ کے فہرست عمال حکومت بنی اُمیّہ میں صراحتاً تحریر ہے ۱۲۰ھ "وعلی القضاء الکوفۃ ابن شُبرمہ" نیز ۱۲۱ھ "وعلی القضاء الکوفۃ ابن شبرمہ" ۱۲۲ھ امام ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے قاضی رہے ۱۲۲ھ کے عمال کے سلسلے میں تحریر ہے "قاضی الکوفۃ فی ھذہ السنۃ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ"۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے المعارف میں امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ خلافت بنی اُمیّہ وبنی عباس میں عہدہ قضاء پر مامور رہے تھے۔

وکان محمد بن عبد الرحمٰن	اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بنی امیّہ
بن ابی لیلیٰ ولی القضاء لبنی	کی خلافت میں عہدہ قضا پر مامور رہے
امیۃ ثم ولیہ لبنی العباس	پھر بنی عباس کے عہد خلافت میں بھی

وکان فقیہا مفتیا بالرای۔ وہ فقیہ و مفتی بالرائے تھے
(المعارف ص ۲۱۶)

رہے تیسرے صاحب داؤد بن ابی ہند وہ کوئی امتیازی حیثیت کے نہ تھے۔ بنی قشیر کے موالی میں سے تھے کوفی بھی نہ تھے اہل سرخس میں سے تھے (المعارف)
جس شخص نے مودودی صاحب کی پیش کردہ روایتیں صدیوں بعد وضع کیں اس کے پیش نظر جہاں "اموی خلافت" کی عدم مقبولیت بیان کرنی تھی وہاں دراصل امام ابن ابی لیلیٰ "جیسی علمی شخصیتوں پر طعن بھی مقصود تھا لیکن اس نے امام ابوحنیفہ" کی حریت اور حکومت وقت سے مفروضہ نفرت کا منظر وضع کرنے کی خاطر ان کا کردار بھی داغدار کر دیا۔ اموی خلافت کی عام پالیسی جس کا خمیازہ بالآخر اسے بھگتنا پڑا یہ بھی کہ غیر عرب لوگوں کو حکومت کا کوئی عہدہ نہ دیا جائے اس لئے اس کا امکان نہ تھا کہ امیر ہبیرہ کی طرف سے امام صاحب کو عہدہ پیش کیا جائے۔
مودودی صاحب نے چھٹی صدی ہجری کے المکی کی متضاد روایات کو افسانوی رنگ میں مربوط کر کے نہ امام ابوحنیفہ" کی خدمت انجام دی ہے اور نہ المکی نے جنھوں نے ملائی ذہنیت کے تحت اپنی کتاب میں رطب ویابس روایتوں کے ساتھ ایسی واہی باتیں بھی درج کر دی ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ" کی منقبت میں لکھدیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں ایک شخص ہوگا نعمان بن ثابت جسے ابوحنیفہ" کہا جائیگا وہ میری امت کا چراغ ہے" اس ذہنیت کے مولف کو تاریخ میں کیا مقام دیا جا سکتا ہے۔ المکی کی کتاب اور اسی طرح مناقب ابوحنیفہ" کی دوسری کتابوں کی بے سند و من گھڑت مبالغہ آمیز روایتوں کو حقائق تاریخ کا درجہ کس طرح دیا جا سکتا ہے۔

امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسیؒ

(۱۳۶ھ — ۱۵۸ھ)

امام ابو حنیفہؒ کو مودودی صاحب نے خلافت عباسیہ ہاشمیہ کا مخالف ثابت کرنا چاہا ہے اور اس ذیل میں امیر المومنین المنصورؒ جیسے بلند پایہ محدث و اعلم و اعظم خلیفہ عباسی کے خلاف بھی جو دراصل امام صاحب کے قدردان سرپرست تھے کسی ہرزہ سرائی سے گریز نہیں کیا۔ قسم قسم کی غلط باتیں ان دونوں بزرگواروں کے متعلق لکھ کر افترا پردازی کا حق ادا کر دیا ہے۔ امام صاحب کے عہدہ قضا قبول نہ کرنے پر ان کے کوڑے لگوانے کی وضعی روایت چھٹی صدی ہجری کے مؤلف المکی کے حوالے سے نقل کی ہے اس مؤلف نے مدح و منقبت میں عجب واہی روائتیں درج کرنے سے بھی اجتناب نہیں کیا مثلاً المکی نے کتاب "مناقب النعمان" میں جو مودودی صاحب کا ماخذ ہے یہ روایت درج کر ڈالی ہے۔ (ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) :-

"روایت ہے کہ ایک موقعہ پر فرشتہ جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا لقمان حکمت کے اس بلند درجہ تک پہنچا کہ اگر وہ کہنا چاہتا تو غلے کے انبار کے دانوں کے برابر حکمت کی باتیں کہہ سکتا تھا۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق رشک پیدا ہوا کہ لقمان جیسا شخص ان کی امت میں پیدا ہوا ہے پھر جبریل دوبارہ واپس آئے اور کہا داؤد (علیہ السلام) کی امت میں اگر لقمان جیسا شخص پیدا ہوا تو آپ کی امت میں بھی اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ لقمان جیسا شخص پیدا فرمائیگا جو غلے کے بڑے ڈھیر کے دانوں کے برابر مسائل اور

ان کے جوابات پیش کرے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
(حضرت) انسؓ کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اس کی وصیت کی
کہ وہ اسی طرح ابو حنیفہ کے منہ میں اپنا تھوک ڈالے'' [1]

اس وصیت کے مولف نے ایک جگہ تو (ص ۱۶۲) یہ لکھا ہے کہ خلیفہ المنصورؒ نے سفیان ثوریؒ، شریکؒ، مسعر اور امام ابو حنیفہؒ کو بغداد طلب کیا کہ انھیں قاضی بنایا جائے سفیان تو راستے ہی سے فرار ہو گئے، مسعر نے جنون ظاہر کیا امام صاحب نے عرض کیا" میرے باپ نانبائی تھے کوفے کے لوگ یہ پسند نہ کریں گے کہ ایک نانبائی کا لڑکا ان کا قاضی ہو" دوسری روایت کے مطابق امام صاحب نے یہ عذر کیا کہ کوفے کے باشندوں میں قریش، انصار اور عرب کے دوسرے لوگ ہیں اور میں موالی ہوں اگر آپ نے مجھے قاضی بنا دیا تو وہ لوگ مجھے سنگسار کر دیں گے اس پر امیر المومنین نے انھیں چھوڑ دیا۔ پھر المکی نے عبداللہ بن عصام کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے کہ جب امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ نے امام ابو حنیفہؒ کو قضا کا عہدہ پیش کیا اور وہ انکار پر مصر رہے تو انھیں برہنہ کر کے تیس کوڑے لگوائے کہ ان کا جسم لہو لہان ہو گیا اتنے میں امیر المومنین کے چچا عبد الصمدؒ آ گئے انھوں نے کہا "تم نے یہ کیا غضب کیا۔ یہ اہل عراق کے فقیہ ہیں بلکہ تمام اہل شرق کے تم نے ایک لاکھ تلواریں اپنے خلاف بے نیام کر لیں۔ امیر المومنین شرمندہ ہوئے اور ہر کوڑے کے بدلے ایک ہزار درہم امام صاحب کو دینے چاہے مگر انھوں نے قبول نہ کئے لوگوں نے کہا خیرات کر دیجئے، انھوں نے کہا کیا ان کے (خلیفہ کے) پاس کوئی مال حلال کا ہے بھی؟ مودودی صاحب نے بھی یہی مکذوبہ روایت لکھ دی ہے (ص ۲۵۷) لیکن

---

[1] روایت گھڑنے والے کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انسؓ کوفے میں نہیں بصرے میں مسکن گزیں تھے اور وہیں ۹۳ھ میں اس وقت کہ امام ابو حنیفہؒ گیارہ برس کے تھے ان کا انتقال ہوا تو ضرور ہے کہ یہ کذب راوی حضرت انسؓ کے بجائے کسی اور صحابی کا نام لیتا۔

یہ نہ سوچا کہ امام صاحب کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہ تھی کہ امیر المؤمنین ان کی حیثیت سے واقف نہ ہوں اور ان کے چچا عبد الصمدؒ کو ان کا تعارف کرانا پڑے پھر ایک لاکھ تلواروں کا بے نیام ہونا۔ ایسی ہی ایک لاکھ خیالی تلواریں تو حسنی باغیوں محمد الارقط و ابراہیم۔ کے لئے بھی بے نیام ہو رہی تھیں اور زید اور ان کے دادا حضرت حسینؓ کے لئے بھی لیکن ایک لاکھ تو کجا ہزار یا نسو تلواریں بھی بے نیام نہ ہوئیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سبائی غداروں نے بڑھ بڑھ کے باتیں تو بہت بنائیں مگر عین وقت پر علویوں کو ان کے خروجوں میں دغا دے گئے ایسے غدار کوفیوں کا رعب امیر المومنین پر کیا پڑ سکتا تھا۔ وہ تو اعظموں میں پھیلی ہوئی امت کا جو امام و امیر المومنین یہ طاقت رکھتا ہو کہ محمد الارقط اور ابراہیم کی بغاوتوں کا چند دن میں قلع قمع کر دے۔ جنھوں نے سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر "مہدی" ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور سیاسی پروپگنڈے میں "ابن رسول اللہ" کے نعرے بھی لگوائے ہوں وہ امیر المومنین ایک عجمی الاصل شخص کو قتل کر ڈالنے سے کیوں خائف ہوتا اور تیس کوڑے لگوانے سے کیوں ندامت ہوتی لیکن یہ سب روائتیں بے حقیقت وضعی و من گھڑت ہیں قدماکی روایتوں میں ان کا مطلق ذکر نہیں۔ کتب تاریخ کی سلسلے وار تصریحات کو پیش نظر رکھنے سے حقیقت واضح ہو جائیگی

المکی متوفی ۵۶۸ھ اور الکردری متوفی ۸۲۷ھ جن کے متعدد حوالے مودودی صاحب نے دئے ہیں بہت بعد کے لوگ ہیں اول الذکر امام ابو حنیفہؒ سے چار سو اٹھارہ برس اور ثانی الذکر چھ سو ستتر برس بعد کے ہیں خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے جو امام صاحب کے تقریباً تین سو برس بعد کے ہیں۔ اپنی تاریخ بغداد میں ایسی ہی متضاد روائتیں لکھدیں اہل علم نے ان کی اس حرکت کو ناپسند کیا چنانچہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں خطیب پر گرفت کی ہے مگر یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہؒ اور امیر المومنین المنصورؒ کے عہد کے تین سو برس بعد اپنی کتاب تالیف کی اور سلطان ابو المظفر عیسٰی ابن ایوب

الملک العادلؒ نے بھی خطیب کے رد میں ان سے تین سو برس بعد اپنی کتاب السہم المصیب فی الرد علی الخطیب تالیف کی یہ تالیفات بہرحال بعد کے زمانے کی ہیں تاریخ کے طالب علم کے لئے تو قریب العہد مولف و مورخ کی تصریحات ہی سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ خطیب بغدادی سے ڈیڑھ صدی پہلے کے مصنف و مورخ محمد بن جریر الطبری نے جو اپنے شیعی جذبات و رجحانات کے تحت امیرالمومنین ابی جعفر المنصورؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں بزرگواروں کی بظاہر کوئی عزت و حرمت نہ رکھتے تھے اس قسم کی کوئی بات نہیں لکھی اگر باہمی ہتک و حرمت اور قید و بند کی کوئی وضعی روایت انھیں پہنچی ہوتی تو ضرور رکھتے انھوں نے اس ذیل میں صرف یہ تین روائتیں لکھی ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ طبری بذیل مادہ امیرالمومنین المنصورؒ وقائع ۱۴۵ھ ۱۵۰، بر تعمیر بغداد

(۱) ان المنصور وجّه فی حشر الصناع والفعلة من الشام والموصل والجبل والکوفة وواسط والبصرة فاحضروا وامر باختیار قوم من ذوی الفضل والعدالة والفقة والامانة والمعرفة بالهندسة فکان ممن حضر لذالک الحجاج بن ارطأة وابوحنیفة النعمان بن ثابت وامر بخط المدینة وحفر الاساسات وضرب اللبن وطبخ الاجر فبدئ بذالک واول ما ابتدئ به فی عملها سنة ۱۴۵ھ

(امیرالمومنین) المنصورؒ نے حکم دیا کہ کاریگروں اور مزدوروں کو شام موصل جبل، کوفہ، واسط اور بصرے سے جمع کیا جائے اور ایسے لوگ نگرانی کے لئے مقرر کئے جائیں جو اپنی فضیلت، عدالت، فقہ، امانت اور فن تعمیر سے واقفیت میں ممتاز ہوں چنانچہ جو حضرات اس غرض سے حاضر ہوئے ان میں (قاضی) حجاج بن ارطأۃ اور ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بھی تھے۔ پھر (امیرالمومنین) نے حکم دیا کہ شہر (بغداد) کی داغ بیل ڈالی جائے بنیادیں کھودی جائیں، اینٹیں بنائی جائیں جو پزنیکایا جائے اس طرح یہ کام شروع کر دیا گیا اور اس کی ابتدا ۱۴۵ھ میں ہوئی۔

اس صحیح اور مناسب حال روایت کے علاوہ طبری نے یہ دو روائیتیں اور بھی نقل کی ہیں یعنی :-

(۲) (امیرالمومنین) المنصورؒ نے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو قاضی بنانا چاہا انھوں نے انکار کر دیا المنصورؒ نے قسم کھائی کہ میں ضرور اس کو سرکاری عہدہ دونگا ابو حنیفہ نے بھی قسم کھائی کہ میں کبھی قبول نہ کرونگا چنانچہ خلیفہ نے اپنی قسم کو پوری کرنے کے لئے ابو حنیفہ کو اینٹیں بنوانے، ان کا شمار کرنے اور مزدوروں سے کام لینے کی نگرانی پر متعین کر دیا چنانچہ شہر کی خندق سے متصل دیوار کی تکمیل تک ابو حنیفہ نے اس خدمت کو انجام دیا اس دیوار کی تکمیل ۱۴۹ھ میں ہوئی ۔

(۳) تیسری روایت طبری کی یہ ہے کہ خلیفہ المنصورؒ نے امام ابو حنیفہؒ کو دیوانی و فوجداری کے محکموں کا قاضی بنانا چاہا انھوں نے انکار کر دیا اس پر امیرالمومنین نے بقسم کہا کہ کلو خلاصی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک حکومت کی کوئی خدمت انجام نہ دیں امام صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی انھوں نے ایک چھڑی اٹھائی اور تعمیر بغداد کے لئے اینٹیں بنانے والوں کی اینٹیں شمار کرنی شروع کر دیں اس طریقے سے اینٹیں شمار کرنا سب سے پہلے انھوں نے ہی کیا اور اس طرح امام صاحب نے امیرالمومنین کی قسم پوری کر دی فعد اللبن لیبر بذلک یمین ابی جعفر (طبری) ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں یہی روائیتیں درج کی ہیں ابن جریر طبری خطیب بغدادی سے ڈیڑھ سو برس پہلے گذرے ہیں انھوں نے اپنے خفی شیعی رجحانات سے یوں تو اپنی کتاب میں ایسی روائیتیں درج کی ہیں جن کے ذریعہ اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے امت و خلفائے اسلام پر طعن کی کوئی سبیل نکل سکے بایں ہمہ انھوں نے بس یہی تین روائیتیں لکھی ہیں جن میں سے صرف پہلی صحیح ہے کیونکہ امر واقعہ یہی ہے کہ تعمیر شہر بغداد کے لئے معماروں کاریگروں کے علاوہ بقول طبری قوم من ذوی الفضل والعدالۃ

والفقہ والامانۃ والمعرفۃ بالھندسۃ یعنی ایسے حضرات بھی جمع کئے گئے جو اپنی فضیلت و عدالت، فقہ اور امانت اور فن تعمیر کی معرفت میں ممتاز ہوں چنانچہ ان میں ایک محدث و فقیہ قاضی حجاج بن ارطاۃ تھے۔ انھوں نے ہی بغداد کی جامع مسجد کا نقشہ بھی مرتب کیا تھا اور اس کی سمت قبلہ بھی قرار دی تھی۔ دوسرے صاحب فضیلت وامانت وعدالت امام ابوحنیفہؒ تھے اور یہ دونوں صاحب فضیلت وامانت بزرگوار نگراں اعلیٰ متعین ہوئے تھے۔ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب کی آخری جلد "ذیل المذیل" کے پورے ایک صفحہ پر امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ذکر میں ان کے حالات لکھے ہیں لیکن اشارتاً بھی ایسی کوئی بات نہیں لکھی جو صدیوں بعد کے لوگوں نے ہتک حرمت و قید وبند کے سلسلہ میں متضاد وضعی روائتیں بیان کی ہیں مگر طبری کی مندرجہ بالا تینوں روایتوں میں نہ قید و بند کا ذکر ہے نہ کوڑے لگوانے کا نہ زہر خورانی کا۔ ابن جریر طبری سے بھی قدیم مورخ ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے المعارف میں بذیل "اصحاب الرائے" امام صاحب کا تذکرہ "ابوحنیفہ صاحب الرائے رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے عنوان سے کرتے ہوئے آپ کی وفات کے بارے میں لکھا ہے ومات ببغداد فی رجب سنۃ خمسین ومائۃ وھو یومئذ ابن سبعین سنۃ ودفن فی مقابر الخیزران (المعارف ص ۲۱۶) یعنی رجب ۱۵۰ھ میں ابوحنیفہ کی وفات ہوئی اس وقت وہ ستر برس کے تھے تدفین ان کی مقابر الخیزران میں ہوئی۔ اور مقابر الخیزران کے بارے میں خطیب بغدادی کا بیان ہے۔ (ج ص ۱۲۵) کہ یہ مقابر منسوب ہیں امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ کے فرزند خلیفہ مہدی عباسی کی زوجہ خیزران والدہ خلیفہ ہارون الرشید و موسیٰ سے اور اسی قبرستان میں امام ابوحنیفہؒ و محمد بن اسحٰق صاحب المغازی کی قبور بھی ہیں پھر لکھتے ہیں :-

واول دفن فیھا الباقونۃ بنت المہدی ثم الخیزران و	سب سے اول اس قبرستان میں (خلیفہ) مہدی کی صاحبزادی باقونہ کی تدفین

دفن فیها محمد بن اسحٰق صاحب المغازي والحسن بن زيد ونعمان بن ثابت وقيل هشام بن عروة

ہوئی پھر خلیفہ موصوف کی زوجہ) الخیزران دفن ہوئیں اور اسی قبرستان میں محمد بن اسحٰق صاحب المغازی اور حسن بن زید اور (ابوحنیفہ) نعمان بن ثابت دفن ہوئے کہا جاتا ہے کہ ہشام بن عروہ بھی۔

المکی نے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مقابر الخیزران میں دفن ہونے کا ذکر کیا ہے۔ عباسی خلفاء کے قبرستان میں ان چار حضرات کا دفن ہونا امیرالمومنین المنصورؒ سے ان کے خصوصی اعتماد اور شگفتہ تعلّقات کا بیّن ثبوت ہے یعنی (۱) محمد بن اسحٰق صاحب المغازی کا جنھوں نے امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ کی فرمائش سے کتاب سیرۃ لکھی جو سیرۃ ابنِ ہشام کہلاتی ہے (۲) حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کا جو امیرالمومنین کے معتمد علیہ فضلاء میں سے تھے اور اپنے چچیرے بھائی اور بھتیجوں محمد الارقط و ابراہیم ابنائے عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کی باغیانہ سرگرمیوں کے سخت مخالف تھے امیرالمومنین کے مصاحب رہے اور مدینہ کے عامل بھی۔ (۳) ہشام بن عروہ بن الزبیرؓ کا جو بڑے فاضل محدث وفقیہ تھے اور خلیفہ المنصورؒ سے تقرب خاص رکھتے تھے اور (۴) امام ابوحنیفہؒ کا کتاب المعارف ابن قتیبہ کے جدید اڈیشن کے مقدمہ میں جو غایت تحقیق سے لکھا گیا ہے صراحتاً بیان ہے کہ امیرالمومنین المنصورؒ سے جو "احسن رواۃ الحدیث" میں سے تھے علماء الفقہ وحدیث کو تقرب حاصل تھا جن میں ابوحنیفہ النعمان بن ثابت بھی تھے۔ صاحب فجر الاسلام کا یہ کہنا بھی اظہار حقیقت ہے وعاش (ابوحنیفہ) نحو ۱۸ سنۃ فی ظل الدولۃ العباسیۃ (ص۲۴۹) یعنی امام ابوحنیفہؒ نے ۱۸ برس دولت عباسیہ کے ظل عاطفت میں زندگی بسر کی۔ المکی نے بھی مناقب نعمان (ج ۲ ص ۱۰) میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ خلیفہ ابوجعفر المنصورؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد میں بلا لیا تھا اپنے پاس ہی مقیم رکھا قاضی بننے سے تو انھوں نے

متعدد بار عذر کیا بالآخر خلیفہ نے انھیں اس سے معاف رکھا ؒ عفا عنہ، لیکن دیگر شہروں سے جو مسائل اور قضایا آتے تھے ان کے مطالعہ اور مناسب جواب کے لئے امام صاحب بغداد میں خلیفہ کے پاس مقیم رہے حتیٰ کہ وہیں ان کی وفات ہو گئی فلم یزل مقیما عند بغداد ولا یاذن لہ فی الانصراف الی الکوفۃ حتیٰ مات بھا (مناقب نعمان) خود المکی کی اس روایت سے قید وبند و زہر خورانی کے اتہامات کی کیا حقیقت رہتی ہے۔ قدماء کے بعد پھر متاخرین میں یاقوت حمویؒ ہیں جنھوں نے معجم البلدان میں تعمیر بغداد کی تفصیلات دی ہیں [جزو ۲، ص ۲۴۶ طبع بیروت] انھوں نے بھی وہی روایات لکھی ہے جو طبری نے پہلے بیان کی ہیں یاقوت کا قاعدہ ہے کہ شہروں کی بابت لکھتے وقت کوئی اہم واقعہ ان کی نگاہ میں ہوتا ہے تو اُسے بھی لکھدیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؓ کے ساتھ اگر اس زمانے میں ایسی باتیں ہوئی ہوتیں جو لوگوں نے مشہور کر رکھی ہیں تو یاقوت حموی ان کا ذکر ضرور کرتے وہ تو صرف اتنا لکھتے ہیں:۔

ووجہ المنصور فی حشر الصناع والفعلۃ من الشام والموصل والجبل والکوفۃ وواسط فاحضروا امر باختیار قوم من اہل الفضل والعدالۃ والفقہ والامانۃ والمعرفۃ بالھندسۃ فجمعہم وتقدم الیہم ان یشرفوا علی البناء وکان ممن حضر الحجاج بن ارطاۃ وابوحنیفۃ الامام وکان اول العمل فی سنۃ ۱۴۵ھ

(امیر المؤمنین) المنصور نے اہل صنعت وحرفت کو جمع کرنے کے لئے شام، موصل، جبل، کوفہ، واسط کو اپنے کارندے بھیجے چنانچہ انھیں حاضر کر دیا گیا پھر آپ نے حکم دیا کہ (نگرانی کے لئے) ایسے لوگ منتخب کئے جائیں جو اہل فضل وعدالت ہوں، فقیہ ہوں اور تعمیر کرانا جانتے ہوں اس طرح یہ حضرات جمع ہوئے اور آپ نے انھیں حکم دیا کہ تعمیر شروع کر دیں۔ جو حضرات حاضر ہوئے تھے ان میں حجاج بن ارطاۃ و امام ابوحنیفہ بھی تھے اس کام کی ابتداء ۱۴۵ھ میں ہوئی۔

ظاہر ہے امیرالمومنین نے امام صاحب کو ان صفات کا حامل سمجھا اور امام صاحب نے امیرالمومنین کے فرمان کی تعمیل کی تو اس کی گنجائش کہاں رہی کہ باہمی منافرت اور بغض و عناد کی داستانوں پر توجہ کی جائے اور مودودی صاحب جیسے لوگ ان بے احتیاط اور غیر ذمہ دار لوگوں کی منقولات کو حجت بنا کر مسلمانوں کو بے وقوف بنانا چاہیں۔

پھر دیکھنا چاہیئے کہ المسعودی (م ۳۴۶ھ) جو طبری کے بعد قریب ترین عہد کا مصنف اور مسلکاً شیعہ ہے۔ اس نے مروج الذہب میں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اسلام پر طعن کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ جن محاسن و مناقب و فضائل کا انکار ممکن نہ تھا وہ تو اس نے اپنے طریقے پر بیان کر دئے لیکن ساتھ ساتھ واہی اور خود ساختہ روایات کے ذریعہ چٹکیاں بھی لی ہیں۔ اسے نہ امام ابوحنیفہؒ سے کوئی روحانی یا علمی تعلق تھا اور نہ اپنے اعتقاد میں وہ امیرالمومنین المنصورؒ کو اپنا امام سمجھ سکتا تھا۔ اسے اگر ان دونوں بزرگواروں کے مابین کسی تلخی کا علم ہو جاتا یا قید و بند اور زہر خوانی وغیرہ کی بابت کوئی داستان پہنچتی تو خوب اچھا لتا آتا لیکن وہ تو امیرالمومنین کے عہد مبارک کے اہم واقعات کے تحت امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بارے میں صرف اتنا لکھتا ہے۔

وفی سنۃ خمسین ومائۃ مات ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت مولی تیم اللات بن بکر بن وائل فی ایام المنصور ببغداد وتوفی وھو ساجد فی صلاتہ وھو ابن سبعین سنۃ۔	۱۵۰ھ میں ابوحنیفہ نعمان بن ثابت نے بعہد (امیرالمومنین) المنصورؒ بغداد میں وفات پائی وہ تیم اللات میں بکر بن وائل کے موالی میں تھے۔ نماز پڑھتے وقت سجدے کی حالت میں ان کا انتقال ہوا تھا اور وہ اس وقت ستر برس کے تھے۔

ان مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں اور مودودی صاحب جیسے "محققوں"

کی تمام خرافات اور زہریلی روایات کی تردید کے لئے یہ واقعہ بھی یہاں نقل کرنا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے قیام بغداد کے زمانے میں اپنے سب سے چھوٹے شاگرد امام محمد کو سیر کی دونوں کتابیں املا کرائیں۔ سلطان الملک المعظمؒ فرماتے ہیں (السہم المصیب فی الرد علی الخطیب ص ۶۶ طبع دیوبند]

ان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ املی محمد (رحمہ اللہ تعالیٰ کتابی السیر و ذکر فیھا من امور الجھاد ووصایا الامراء وما ینبغی ان یفعلہ اھل الثغور وقسمۃ الغنائم مالم یسبقہ الی جمعہ احدٌ ولم یجمع مثلہ بعدہٗ احدٌ

امام ابوحنیفہؒ نے (امام) محمد کو سیر کی دونوں کتابیں املاء کرائیں۔ ان میں آپ نے جہاد کے مسائل اور امراء کو نصیحتیں لکھوائیں نیز یہ کہ سرحدی علاقوں کے لوگ کیا انتظام رکھیں اور مال غنیمت کیسے تقسیم ہو۔ یہ وہ کام ہے جو اس طرح ان سے پہلے کسی نے جمع نہیں کیا تھا اور نہ ان کے بعد کسی نے اس طرح مدوّن کیا۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے چھوٹے شاگرد ہیں اور آپ کے بعد بقیہ علوم کی تکمیل امام ابویوسفؒ اور امام مالکؒ سے کی۔ امام محمدؒ کی پیدائش ۱۳۲ھ کی ہے۔ گویا بغداد شریف کی تعمیر کے وقت یعنی ۱۴۵ھ میں تیرہ برس کے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ کی ہے اور اس وقت بغداد کی اندرونی فصیل تیار ہو گئی تھی۔ گویا یہی پانچ برس ہیں جب امام اعظمؒ کا قیام بغداد میں رہا۔ اگر چودہ یا اٹھارہ برس کی عمر میں امام محمدؒ نے یہ دونوں کتابیں اپنے استاد کے املاء سے لکھیں تو یقیناً ۱۴۶ھ سے ۱۵۰ھ کے درمیان کی بات ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ اچھوتا علمی کام نہایت اطمینان ہی کی حالت میں انجام

دیا جا سکتا تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ بغداد شریف کے قیام کے دوران امام صاحب احترام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسرے فرائض کی انجام دہی کے باوجود ان کے پاس اتنا وقت تھا کہ یہ علمی کارنامہ بھی انجام دیں۔ پھر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ کام امیر المومنین کے فرمان ہی کے تحت پورا کیا گیا کیونکہ اس کا موضوع وہ ہے جس کی ضرورت حکومت کو ہوتی ہے۔

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ سیر کی دونوں کتابیں محض ایک تفصیلی خاکے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ انھیں باقاعدہ اور مبسوط تصنیف کی صورت تو امام محمدؒ نے اپنے آخر زمانے میں دی جیسا کہ ہم بعد میں لکھیں گے۔

حسینیوں کی بغاوت

مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۲۶۹)

"دوسرا خروج محمد بن عبد اللہ (نفس زکیہ) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کا تھا جو امام حسن بن علیؓ کی اولاد سے تھے۔ یہ ۱۴۵ھ ۶۲-۷۶۳ء کا واقعہ ہے جب امام ابوحنیفہؒ بھی اپنے پورے اثر و رسوخ کو پہنچ چکے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی خفیہ تحریک بنی امیہ کے زمانے سے چل رہی تھی حتیٰ کہ ایک وقت تھا جب خود المنصور نے دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ جو اموی سلطنت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے نفس زکیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ عباسی سلطنت قائم ہو جانے کے بعد یہ لوگ روپوش ہو گئے اور اندر ہی اندر اپنی دعوت پھیلاتے رہے۔ خراسان الجزیرہ رے طبرستان یمن اور شمالی افریقہ میں ان کے داعی پھیلے ہوئے تھے۔ نفس زکیہ نے خود اپنا مرکز حجاز میں رکھا تھا۔ ان کے بھائی ابراہیم نے عراق میں بصرے کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ کوفہ میں بقول ابن اثیر ایک لاکھ تلواریں ان کی حمایت میں نکلنے کو تیار تھیں (المنصور ان کی

خفیہ تحریک سے پہلے ہی واقف تھا اور ان سے نہایت خوف زدہ تھا کیونکہ ان کی دعوت اسی عباسی دعوت کے متوازی چل رہی تھی جس کے نتیجے میں دولتِ عباسیہ قائم ہوئی تھی اور اس کی تنظیم عباسی دعوت کی تنظیم سے کم نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کئی سال سے اس کے توڑنے کے درپے تھا اور اسے کچلنے کے لئے انتہائی سختیاں کر رہا تھا۔

جب رجب ۱۴۵ھ میں نفس زکیہ نے مدینے سے عملاً خروج کیا تو منصور سخت گھبراہٹ کی حالت میں بغداد کی تعمیر چھوڑ کر کوفہ پہنچا اور اس تحریک کے خاتمے تک اسے یقین نہ تھا کہ اس کی سلطنت باقی رہے گی یا نہیں۔ ....

اس خروج کے موقعہ پر امام ابوحنیفہؒ کا طرزِ عمل پہلے خروج سے بالکل مختلف تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انھوں نے اس زمانے میں جبکہ منصور کوفہ ہی میں موجود تھا اور شہر میں ہر رات کرفیو لگا رہتا تھا بڑے زور شور سے کھلم کھلا اس تحریک کی حمایت کی یہاں تک کہ ان کے شاگردوں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم سب باندھ لئے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو ابراہیم کا ساتھ دینے اور ان سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے وہ ان کے ساتھ خروج کو نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گنا زیادہ ثواب کا کام قرار دیتے تھے۔"

مودودی صاحب نے جو خیالی فضا قائم کی ہے اس کی کچھ بھی اصل نہیں۔ اگر واقعی حسنیوں کی تحریک دعوت عباسیہ کے متوازی چل رہی تھی تو اس کا ظہور کیوں نہیں ہوا اور ہمیں یہ کیوں ملتا ہے کہ محمد الارقط بن عبداللہ حسنی نے جب ۱۴۵ھ میں خروج کیا تو خود مدینے کے لوگ بھی ان کے ساتھ نہ تھے اور انھیں اتنے آدمی میسر نہ آسکے کہ دو چار گھنٹے ہی عسکر خلافت کا مقابلہ کر سکتے۔ یہی حشر

محمد الارقط کے بھائی ابراہیم کا ہوا کہ بآسانی انھیں ختم کر دیا گیا۔ اور عالمِ اسلام میں ایک پتہ بھی نہ کھڑکا۔

اس بغاوت کا حال سُن کر امیر المومنین منصورؒ کا کوفہ تشریف لے جانیکا کوئی ثبوت نہیں اور نہ انھیں اس کی کسی درجے میں ضرورت تھی۔ لوگوں نے محمد الارقط کے خروج کو اہمیت دینے کے لئے یہ افسانے تراشے ہیں جن کا عملی ظہور کچھ نظر نہیں آتا۔

رہی وہ افتراء پردازی جو امام صاحبؒ پر کی گئی ہے تو ناظرین کرام کو سطورِ بالا سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ قریب ترین مآخذ کے مطابق امام ابوحنیفہ کا قیام محمد الارقط کی بغاوت کے وقت خاص بغداد میں تھا۔ اور وہ دارالخلافہ کی تعمیر میں مشغول تھے انھیں اس کی فرصت کہاں تھی کہ دارالخلافہ کی تعمیر کا کام چھوڑ کر بصرہ جائیں اور ابراہیم کی بغاوت میں شرکت کے لئے لوگوں کو ابھاریں اور نہ قواعد شرعیہ اور اپنے کھلے ہوئے مذہب کے مطابق وہ ایسا کر سکتے تھے۔

خلافتِ عباسیہ ۱۳۲ھ میں قائم ہو چکی تھی اور امیر المومنین المنصورؒ کو بھی امامتِ امت پر فائز ہوئے آٹھ برس ہو چکے تھے سندھ سے لے کر مراکش تک تمام اُمت ان کی بیعت میں تھی اور چینی ترکستان وغیرہ پر بھی انہی کا پرچم لہراتا تھا۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف جو بھی کھڑا ہوا وہ قواعد شرعیہ کے تحت باغی تھا اور واجب القتل۔ یعنی ارشادِ نبوی کے مطابق اس نے جماعت سے باہر ہو کر اپنے آپ کو ہلاکت کیلئے پیش کر دیا تھا۔ امام صاحبؒ اور دوسرے ائمہ کسی طرح اس قسم کی شورشوں میں باغیوں کے ہمنوا نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ افتراء پرداز راوی جنھیں مودودی صاحب نے حجت بنا کر پیش کیا ہے اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ اگر ابراہیم کی بغاوت میں شرکت کرنا پچاس یا ستر نفلی حج کرنے کے برابر تھا تو امام صاحب نے خود یہ فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ دوسروں کو ایک فعل پر ابھارنا اور

خود اس سے محترزرہنا ایسی بات ہے جسے کوئی سلیم العقل شخص امام ابوحنیفہؒ جیسے عالم و فقیہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا۔ مودودی صاحب جیسے لوگ جن کا کام ہی اکابر امت پر تہمت تراشی ہے ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔

ان دونوں حسنی باغیوں محمد الارقط و ابراہیم۔ کی بغاوتوں کو نہ علم السیاست کے مطابق "انقلاب کی کوشش" کا نام دیا جاسکتا ہے اور نہ شرعی احکام کی بنیاد پر "اقدام جہاد" کا۔ اسے تو فساد فی الارض ہی کہا جاسکتا ہے اور ایسے مفسدین کے ساتھ کوئی رعایت بھی نہیں برتی جاسکتی۔ مودودی صاحب نے علویوں کی خاندانی دعوت تو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی بتادی مگر اس بات کو چھپا گئے کہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے امیرالمومنین المنصورؒ نے جو فوجی دستہ ایک ہاشمی قائد یعنی اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی السجاد بن عبداللہ بن العباسؓ کی قیادت میں بھیجا تھا اس میں ہاشمیوں کے سب ہی گھرانوں کے نمایندے شامل تھے اور اس بات کا خاص اہتمام تھا کہ حسنی باغی کے مقابلے کے لئے اسی کے اہل خاندان حسنی و حسینی و جعفری و عقیلی بڑی تعداد میں جائیں تاکہ اس بغاوت کی حقیقت اور اصلیت جو محض نسبی و خاندانی تعلیوں کی بناپر کی گئی سب پر واضح ہوجائے۔ طبری و دیگر مورخین نے یہ چند نام ان ہاشمیوں کے لکھے بھی ہیں یعنی محمد الارقط کے چچازاد بھائی (۱) قاسم بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب (۲) عبداللہ بن حسین الاصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (محمد الارقط نے انہیں مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی یہ بھاگ آئے تھے) (۳) عمر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب (۴) عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب (۵) عبداللہ بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (۶) محمد ابی الکرام بن عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (یہ حضرات حسنین کی بہن سیدہ زینب کے حقیقی پوتے تھے (۷) قاسم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب۔ (۸) ابو عقیل محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب سرکاری دستۂ فوج کے قائد نے جب اہل مدینہ کو

یہ پیغام بھیجے کہ جو لوگ اس مخمصے سے الگ ہیں ان کو امان ہے تو آخرالذکر حقیقی بزرگ مع اپنے چند اعزہ کے سرکاری لشکر میں چلے آئے تھے۔

امیرالمومنین المنصورؒ نے فوجی دستہ بھیجتے وقت عیسیٰ بن موسیٰ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:۔

یا عیسیٰ! انی ابعثک الی جنبی هذین فان ظفرت بالرجل فشم سیفک وناد فی الناس بالامان (البدایہ والطبری)

اے عیسیٰ میں تم کو اس کی طرف بھیج رہا ہوں جو میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے یعنی میرا عزیز قریب ہے۔ اگر تم (محمد الارقط کو زندہ) پکڑسکو تو اپنی تلوار نیام میں کرلینا یعنی قتل نہ کرنا اور لوگوں کو امان دینے کا اعلان کر دینا۔

ہاشمی خاندان کے ایک فرد ہونے کے علاوہ محمد الارقط کے امیرالمؤمنین سے اور بھی کئی رشتے تھے۔ محمد کے والد عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی پھوپی ام کلثوم بنت حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب امیرالمومنین المنصورؒ کی دادی یعنی جناب علی السجاد بن عبداللہ بن العباسؓ کی زوجہ تھیں (نسب قریش ص۵۰) نیز محمد کے حقیقی چچا محمد بن حسن مثنیٰ کی صاحبزادی کہ ان کا نام بھی ام کلثوم تھا امیرالمومنین کی چچی تھیں یعنی عیسیٰ بن علی السجاد بن عبداللہ بن العباسؓ کے نکاح میں تھیں (ایضاً ص۵۳) اور خود محمد الارقط کی اپنی بیٹی زینب امیرالمومنین المنصورؒ کی بہو تھیں یعنی ان کے بھتیجے محمد بن امیرالمومنین عبداللہ ابی العباس السفاحؒ کی زوجہ تھیں:۔

وکانت زینب بنت محمد عند محمد بن ابی العباس امیرالمؤمنین۔ (نسب قریش ص۵۵)

اور محمد (الارقط) کی بیٹی زینب امیرالمومنین ابوالعباس (السفاحؒ) کے فرزند محمد کی زوجیت میں تھی۔

محمد الارقط کے یہ داماد محمد بن ابوالعباس السفاحؒ بھی اپنے ہاشمی عزیزوں کے ساتھ اسی فوجی دستے میں شامل تھے جو ان کے خسر کی بغاوت فرو کرنے بھیجا گیا تھا۔

طبری کی روایتوں میں بیان ہے کہ مدینہ پہنچکر فوجی دستے کے سردار نے تین دن متواتر
محمد اور ان کے ساتھی باغیوں کو بغاوت سے باز رکھنے کی طرح طرح کوشش کی حتیٰ کہ
اپنے ساتھی حسنی وحسینی وجعفری وعقیلی نسب دس اشخاص کو بھیجا کہ محمد کو سمجھائیں محمد نے
الٹا ان ہی سے شکوہ کیا کہ میرے قرابت دار ہو کر مجھ سے کیوں لڑنے آئے ہو۔
ابی الکرام جعفری نے جواباً کہا کہ تم باز نہ آئے تو ہمیں بھی تم سے اسی طرح لڑنا پڑے گا
جس طرح تمہارے دادا علیؓ طلحہؓ و زبیرؓ سے اسی لئے تو لڑے تھے کہ ان دونوں نے
ان کی بیعت توڑ دی تھی اسی بات کا اظہار امیر المومنین نے اپنی مشہور تقریر میں کیا تھا
جو بغاوتوں کے فرو ہونے کے بعد کی تھی یہ پوری تقریر طبری میں نقل ہے امیر المومنین
نے فرمایا تھا کہ محمد کے اپنے گھر کا کوئی شخص بوڑھا ہو یا جوان، چھوٹا ہو یا بڑا ایسا
نہ بچا جس نے میرے بھیجے ہوئے لوگوں سے رقمیں نہ لے لی ہوں اور ان کے ہاتھ
پر میری ایسی بیعت نہ کی ہو جس کے توڑ دینے پر میرے لئے ان کی سزا دہی حلال
نہ ہوگئی ہو (طبری)" مورخ طبری کی ان روایتوں سے اس اتہام کی قلعی کھل جاتی
ہے جو مودودی صاحب نے یہ کہکر لگایا ہے کہ "خود المنصور نے دوسرے بہت
سے لوگوں کے ساتھ جو اموی سلطنت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے نفس زکیہ
(محمد الارقط) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی" ان کا یہ کہنا بھی محض بے اصل ہے کہ "ان
دونوں بھائیوں (محمد و ابراہیم) کی خفیہ تحریک بنی امیہ کے زمانے سے چل رہی تھی"
یہ تو خالص وضعی اور خیالی بات ہے ان دونوں بھائیوں کے عالم وجود میں آنے
سے بھی پہلے سے وہ تحریک چل رہی تھی جسے مورخین نے "دعوتِ عباسیہ" کے نام
سے بیان کیا ہے چنانچہ طبری (ج ۸ ص ۱۳۵) نے بنی العباس کی "اول الدعوۃ"
کے جلی عنوان کے تحت سنہ ۱۰۰ھ کے واقعات کے ضمن میں بتایا ہے کہ:

وفی ھذہ السنة اعنی سنة ۱۰۰
وجّه محمد بن علی بن عبد اللہ
بن عباس من ارض الشراة

اور اسی سنہ یعنی سنہ ۱۰۰ھ میں محمد بن
علی بن عبد اللہ بن عباسؓ نے مقام
شراۃ سے (جہاں اموی حکومت نے

میسرۃ الی العراق ووجہ محمد بن خنیس وابا عکرمۃ السراج وھوا ابومحمد الصادق وحیان العطار الی خراسان ...... وامرھم بالدعاء الیہ والی اھل بیتہ

عباسی امام اوران کے گھروالوں کو نظربند کر دیا تھا) میسرہ کو عراق اور محمد بن خنیس، ابوعکرمہ السراج کو جنہیں محمد الصادق بھی کہتے تھے اور حیان العطار کو خراسان بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ میرے اور میرے خاندان والوں کے لئے لوگوں کو دعوت (بیعت خلافت کی) دیں۔

طبری کے علاوہ دیگر کتب تاریخ نیز البدایہ والنہایہ (ج ۹ ص ۱۸۹) میں بعنوان جلی دعوت عباسیہ کی ۱۰۰ھ میں ابتداء ہونے کا ذکر تفصیلاً کرتے ہوئے لکھا ہے "وفیھا کان بدء دعوۃ بنی العباس" امیرالمؤمنین ابوجعفر المنصور کے والد ماجد امام محمد بن امام علی السجاد بن سیدنا عبداللہ بن العباس نے دعوتِ عباسیہ کے حامی ممالک یعنی عراق و خراسان وغیرہ میں تبلیغ واشاعت کے لئے بارہ نقیب مقرر کئے تھے جن کی تعداد بعد میں ستر ہو گئی تھی ان عباسی نقباء کے حالات اوران کی جانثارانہ کارگذاریاں صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہیں برخلاف علویوں کے جن کے خروج اور بغاوتیں تمامتر نسبی تعلیوں اور شخصی و ذاتی مفادات کے پست ترین اغراض سے وابستہ رہیں۔ دعوت عباسیہ کا عظیم و دوجیلہ مطمح نظر ملتِ اسلامیہ کے عمومی مفاد کے خاطر عرب و غیرعرب کے غیراسلامی امتیازات کو ختم کرکے اسلامی معاشرے میں اصول مساوات کو بروئے کار لاکر سیاسی انقلاب بپا کرنا تھا اس پرآشوب زمانے میں جبکہ بعض اموی خلفا کی غلطیوں سے خود مودودی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ ایک طرف تو مصری و یمنی عرب قبائل میں عصبیت جاہلیہ کے جذبات سے خوفناک خوں ریزیاں ہو رہی تھیں اور دوسری جانب حکومت کے تمام شعبوں، منصبوں اور عہدوں کے دروازے غیرعرب مسلمانوں پر کلیتاً بند تھے غیرعرب باشندے جنھوں نے اسلام

کی ابتدائی ایک صدی کی مدت میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر اپنی ذہنی اخلاقی و علمی صلاحیتوں سے اسلامی معاشرے میں اپنا مقام پیدا کر لیا تھا اپنا واجبی حصہ حاصل کرنے کے لئے مضطرب و بے چین تھے۔ دعوت عباسیہ کو بڑی خوش دلی سے لبیک کہا گیا اموی حکومت نے بعض عباسی نقیبوں کو باغیانہ سرگرمیوں کے جرم میں موت کی سزا بھی دی مگر عباسی امام سے دیگر نقباء کا رابطہ برابر قایم رہا عباسی امام اور ان کے قریبی عزیزوں کو بھی اموی حکومت نے ان کے وطن مدینہ منورہ سے خارج البلد کر کے پہلے اور مقامات پر اور بالآخر قصبہ حمیمہ (نزد شام) میں نظر بند کر دیا صرف موسم حج میں حرمین شریفین جانے کی اجازت تھی اس تمام مدت میں جو ربع صدی کا زمانہ ہوتا ہے ان دونوں حسنی باغیوں محمد الارقط و ابراہیم کے اہل خاندان خصوصاً ان کے والد عبداللہ بن حسن مثنی کے اموی خلفاء سے گہرے روابط قائم تھے انھوں نے اپنی حقیقی بہن زینب کو جو حضرت حسن بن علیؓ کی حقیقی پوتی اور حضرت حسینؓ کی حقیقی نواسی تھیں اموی خلیفہ الولید بن عبدالملک کے حبالۂ عقد میں دیدیا تھا۔

وکانت زینب بنت حسن بن حسن بن علی عند الولید بن عبدالملک بن مروان وھو خلیفه (نسب قریش ص۵۲)	اور زینب دختر حسن (مثنیٰ) ابن حسن بن علیؓ (بن ابی طالب) خلیفہ الولید بن عبدالملک بن مروان کے حبالۂ عقد میں اس وقت آئیں جب وہ خلیفہ تھے۔

محمد الارقط کے والد یہ عبداللہ حسنی اموی خلفاء کے حاشیہ نشین بھی رہے دعوت عباسیہ جب وسیع پیمانہ پر پھیل گئی تھی شیعہ مولف عمدۃ الطالب کے حسب روایت ایک عباسی داعی نے جب ابراہیم امام عباسی کو یہ اطلاع دی کہ قد اخذت لك البیعة بخراسان اجتمعت لك الجیوش (یعنی خراسان میں آپ کی بیعت لے لی گئی ہے اور آپ کے واسطے لشکر بھی جمع ہو گئے ہیں) ان عبداللہ کو بھی اس کا پتہ لگ گیا انھوں نے اموی خلیفہ سے تحریراً مخبری کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ انی بریٔ من ابراھیم وما احدث یعنی میں ابراہیم (امام عباسی) کی اس کارروائی سے بری الذمہ

ہوں ایک اور شیعہ مورخ نے اپنی مشہور تالیف مقاتل الطالبین (ص ۲۵۷، ۲۵۹) میں مراحتاً بیان کیا ہے کہ اموی خلیفہ نے عبداللہ حسنی کو اس مخبری و جاسوسی کے صلہ میں گرانقدر رقم بھی عطا کی تھی دعوتِ عباسیہ کے قائد اس وقت ابراہیم امام بن امام محمد بن امام علی السجاد بن سیدنا عبداللہ بن العباس رض تھے اموی حکومت نے محمد الارقط کے باپ کی اس جاسوسی کے نتیجہ میں ان کو یکایک گرفتار کر کے مقام حران میں قید کر دیا۔ بحالت قید ان کی غیر طبعی موت واقع ہو گئی جس کا لوگوں کے قلوب پر بڑا اثر پڑا تھا جو ابن سلمہ قریشی کے مرثیہ کے ان چند اشعار سے بھی ظاہر ہوتا ہے ابن سلمہ نے کہا تھا: ۔

قد کنت احسبنی جلد فضعضعنی	قبر بحران فیہ عصمہ الدین
میں تو اپنے کو بہت چست و چالاک خیال کرتا تھا مگر	مجھکو سست کر دیا اس قبر نے جو حران میں ہے
لید امام وخیر الناس کلہم	بین الصفائح والاحجار والطین
اس قبر میں وہ امام ہیں جن کے مرنے کی مصیبت تمام	ان کی موت نے ہر مالدار اور مسکین کو یتیم کر دیا
فلا عفا اللہ من مروان بمظلمۃ	لکن عفا اللہ عمن قال امین
پس خدا معاف نہ کرے مروان کے اس ظلم کو	لیکن خدا معاف کرے جس نے میری اس دعا پر آمین کہی

عباسی امام کے ان سب کے سب بھائی بھتیجے جنھیں اموی حکومت نے قصبہ حمیمہ میں نظر بند کر رکھا تھا محمد الارقط کے والد عبداللہ حسینی کی اس جاسوسی کی بھنک پاتے ہی بسرعت تمام دجس تدبیر اپنے طرفداروں عباسی نقیبوں کے پاس عراق جا پہنچے جہاں عباسی امام ابراہیم شہید کے حسب وصیت ابوالعباس عبداللہ السفاح کی بیعت ہو کر اموی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ یہ ہے سیاسی انقلاب کی وہ صحیح صورت حال جس کے بارے میں زمانہ حال کے شیعہ مورخ مسٹر جسٹس امیر علی کو بھی تسلیم کر لینا پڑا کہ دعوت عباسیہ کے ذریعے جو سیاسی انقلاب رونما ہوا اس کا آئیڈیل اور مطمح نظر ایسا ارفع و اعلیٰ تھا کہ زمانہ ماضی و حال میں جس کی مثال نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: ۔

"ایسا زبردست سیاسی انقلاب نہ زمانہ ماضی میں رونما ہو سکا

اور نہ زمانۂ حال میں اس انقلاب کی بدولت اخوت و مساوات
انسانی کے جمہوریت پرور اصول عملی طور سے نافذ ہوئے یہی اصلی
باعث اور سبب تھا عباسی خلافت کے غیر معمولی استحکام و قوت کا
اور اس کی مذہبی عظمت کی پائیداری کا کہ دنیوی اقتدار کے انحطاط
و زوال کے بعد بھی اس کی مذہبی عظمت باقی رہی، عباسی خاندان کے
ابتدائی حکمرانوں نے اپنی تمام رعایا میں نسلی و طبقاتی مساوات کے
بنیادی اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی سلطنت کے ڈھانچے کو کچھ
اس طرح استوار کیا کہ پانچ صدیوں تک بلا کسی مدمقابل کے قائم
رہی اور خاتمہ بھی ہوا تو باہر کے وحشیوں کے یلغار سے (صفحہ ۴۰۳
ہسٹری آف سیریسنز)

الغرض دعوت عباسیہ کی مقبولیت عوام الناس میں اسی بنا پر تھی
جسے شیعہ مورخ نے مندرجہ بالا فقرے میں بیان کیا ہے مودودی صاحب کا
قول محض بے اصل اور باطل ہے کہ محمد و ابراہیم کی کوئی تحریک عباسی دعوت کے
متوازی چل رہی تھی اور اس کی تنظیم بھی عباسی دعوت سے کم نہ تھی،" ان خیالی
باتوں کی قلعی تو محمد و ابراہیم کے پدر بزرگوار کے اس واقعہ ہی سے پوری طرح
کھل جاتی ہے کہ جونہی امیر المومنین ابو العباس عبداللہ السفاحؒ نبیرۂ حبر الامت
حضرت عبداللہ بن العباسؓ کی بیعت ہو کر خلافت عباسی قائم ہوگئی اموی خلیفہ کے
یہ مجزوم جاسوس عبداللہ حسنی مدینہ سے چل کر امیر المومنین کی خدمت میں تہنیت کے لئے
الانبار (کوفہ) پہنچ گئے عالی ظرف عباسی خلیفہ ان کے پست کردار سے صرف نظر
کرتے ہوئے اپنی دریا دلی سے کہ طبعاً بڑے سخی تھے کان السفاح اسخی الناس (ابن
تاریخ الخلفاء) اور اسی سخاوت و دریا دلی سے السفاح کہلاتے ان کو بھی گرانبہا
عطیات سے نوازا مورخ طبری نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے اور کہا ہے :۔
قدم عبداللہ بن حسن علی   عبداللہ بن حسن (امیر المومنین) السفاحؒ

بنی العباس بالانبار فاکرمہ وحباہ وقربہ وادناہ ووضع شیئا لم یصنعہ باحد
ج ۳ ص ۱۰۱

کی خدمت میں انبار حاضر ہوئے خلیفہ نے عزت وتوقیر کی محبت کا برتاؤ کیا عزیز کی طرح اپنے پاس ٹھہرایا اور ایسی بات لطف و احسان کی ان کے ساتھ کی جو کسی اور کے ساتھ نہ کی تھی

پھر مورخ طبری نے بتایا ہے کہ جواہرات کے صندوقچے سے نصف ان کو عطا فرمائے عبداللہ اتنے مسرور ہوئے کہ بے ساختہ چند شعر زبان سے ادا ہو گئے جن سے رنگ وحسد کا اظہار ہوتا تھا پھر اپنی حرکت پر متنبہ ہو کر کہنے لگے :-

یا امیر المومنین ھفوۃ کانت والله ما اردت بہا سوا (ایضاً)
اے امیر المؤمنین یہ میری بکواس ہوئی قسم بخدا میرا ارادہ اس سے برائی کا نہ تھا۔

امیر المؤمنین نے ان کی معذرت قبول کرتے ہوئے اپنے برتاؤ میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ بلکہ عبداللہ کی اس درخواست کو بھی شرف قبولیت بخشا کہ ان کی پوتی زینب دختر محمد الارقط امیر المومنین کے نوعمر فرزند محمد کے جب زعقد میں آئے اس رشتہ کا ذکر پچھلے اوراق میں آچکا ہے۔ امیر المومنین عبداللہ السفاحؒ کے چند سالہ عہد خلافت میں عبداللہ حسنی کئی مرتبہ حاضر ہوئے ایک مرتبہ قرآن شریف بغل میں دبا کر حاضر دربار ہوئے اور کہنے لگے "اے امیر المؤمنین ہمارا حق ہمیں دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں دیا ہے" امیر المؤمنین عبداللہ السفاحؒ بڑے حاضر جواب تھے برجستہ فرمایا۔ "تمہارے دادا علیؓ بن ابی طالب جو مجھ سے بہتر اور زیادہ عدل کرنے والے تھے انھوں نے اپنے ایام خلافت میں تمہارے دونوں بزرگوں حسن وحسین کو جو تم سے زیادہ بہتر اور برتر تھے کیا اس سے کچھ زیادہ دیا جو اب تم کو دیا جاتا ہے (ص ۵۹ ج ۱ البدایہ والنہایہ) عبداللہ یہ معقول جواب سنکر سٹپٹا کر رہ گئے اپنے غلط طالبہ کی نامنظوری سے مشتعل ہو کر حکومت کے خلاف بغاوت کی ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی پر یہ صریح اتہام ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی برپا کی ہوئی شورشوں کی تائید اور باغیوں سے ہمدردی کا برتاؤ کرسکتے تھے جن کے کردار

کی پستی کی یہ کیفیت ہو کہ ایک طرف تو سربراہ حکومت خلیفہ وقت کے یہاں برابر حاضر ہوں "یا امیر المؤمنین" کہکر مخاطب کریں اور بیعت اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کریں عطیات و وظائف کی بیش بہا رقوم بار بار حاصل کر کے شاد کام بھی ہوں، مزید مطالبات کے لئے بھرے دربار میں قرآن شریف ہاتھوں پر رکھکر بیت المال میں خمس و فی پر اپنا حق جتائیں اور امیر المومنین سے رشتۂ ودادو محبت استوار کرنے کی خاطر ان کے فرزند دلبند کے حبالۂ عقد میں اپنی دختر نیک اختر بھی دیں اور دوسری طرف اسی حکومت و خلافت کی جڑیں اکھاڑنے اور اپنی خاندانی حکومت قائم کرنے کے لئے بغاوت کی خفیہ خفیہ تیاریاں بھی کریں۔ عبد اللہ حسنی اور ان کے بیٹوں کے غلط اقدام بغاوت کو صحیح بتانے کے لئے امام اعظمؒ کا نام کذاب راویوں نے استعمال کرنے کی حماقت کی تھی مودودی صاحب نے اس کے مضمرات پر غور کئے بغیر واہی روایت نقل کر دی ہے جو محض بے اصل ہے۔

انقلاب حکومت | امیر المومنین عبد اللہ السفاحؒ کی بیعت خلافت کے موقع پر مودودی صاحب نے طبری وغیرہ کے

حوالے سے امیر المومنین کے عم بزرگوار جناب داؤد بن علیؒ کی جو تقریر نقل کی ہے (ص ۱۹۲) اس کا ایک ایک لفظ کذب محض ہے۔ مودودی صاحب ٹھنڈے دل سے اگر غور کر لیتے تو اس کا لغو ہونا عیاں ہو جاتا کیونکہ وہ مواقف بنی ہاشم کے قطعاً خلاف ہے۔ حضرت داؤد عباسی جیسے محدث و فقیہ یہ خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

ہمیں جس چیز نے نکالا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا حق چھین لیا گیا تھا اور ہمارے بنی عم (آل ابی طالب) پر ظلم کیا جا رہا تھا اور تمہارے بیت المال میں بے جا تصرف کر رہے تھے۔ اب ہم پر تمہارے لئے اللہ اور اس کے رسول اور حضرت عباسؓ کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلعم کی سیرت کے مطابق حکومت

کریں گے"

(۱) یہ تصور باطل ہے کہ آل عباس خلافت پر اپنا شرعی حق سمجھتے تھے اور دوسروں میں خلافت کا جانا ان کے نزدیک غاصبانہ عمل تھا۔ امیر المومنین ہارون الرشیدؒ نے قسطنطین شاہ روم کو جو تبلیغی مراسلہ بھیجا تھا، اس میں صراحت سے مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی درجے میں اپنے اقارب کی خلافت کی وصیت نہیں کی تھی۔ یہ کذب بیانی تو سبائیہ کی ہے۔ عباسی سادات میں شرک نہ تھا کہ خدا اور رسول کے ذمہ کے ساتھ حضرت عباسؓ کے ذمہ کا بھی ذکر کریں یہ حرکت تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو کامل نہیں جانتے اور دوسروں کو آپ کے بعد آمر و ناہی کہنے کی جرأت رکھتے ہیں۔

امیر المومنین ہارون الرشیدؒ نے عباسی امام اور اسلام کے نمایندے کی حیثیت سے نصرانیت کے نمایندے کو یہ تبلیغی مراسلہ سرکاری حیثیت سے بھیجا تھا جو جمہور اہل بیت کے مذہب کے عین مطابق ہے۔ دلائل نبوت کے تحت فرماتے ہیں۔ (عصر المامون طبع ۱۹۲۷ء دار الکتب المصریہ طبع ثانی۔ رسالہ ابی الربیع محمد بن ثابتؒ)

لعمر اللہ لو اراد الملک لاقاربہ	بخدا اگر وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم)
وأراد طلب السلطان لذوی	اپنے رشتہ داروں کی حکومت چاہتے
رحمہ لوکد لھم عقداً لا یحل	اور عزیزوں کے حاکمانہ اقتدار کے
ولا برم لھم امراً لا ینقض ولا	خواہشمند ہوتے تو تاکید کے ساتھ عہد کی
ثنی لھم فی عنفوان امرہ ملکا لا	ایسی گرہ لگا جاتے جو کھولی نہ جا سکتی اور
یخرج من ایدیھم ولا یبرح	بات ایسی پختہ کر دیتے جو توڑی نہ جا سکتی
ابداً بنیھم	اور ابتدائے تحریک ہی میں ان کی حکومت
	کی جڑیں ایسی مضبوط کر جاتے کہ وہ ان

کے ہاتھ سے نہ نکلتی اور ہمیشہ ان ہی کے ہاتھ میں رہتی۔

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی عباسی اور وہ بھی حضرت داؤد بن علیؒ جیسا محدّث و فقیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جھوٹ بولتا کہ آپ بنو ہاشم کی حکومت کا کوئی تصور پیش کر گئے تھے جو انھیں نہ ملی اور دوسروں نے غصب کر لی۔

(۲) اموی خلافت میں آلِ ابی طالب پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ دو واقعے بیشک گزرے ایک حادثۂ کربلا اور دوسرا زید بن علی کا خروج۔ لیکن ان دونوں حادثوں میں جمہور بنی ہاشم کی تائید و حمایت حکومت وقت کو حاصل تھی اور سب کے سب ان خروجوں کے خلاف تھے۔ حضرت داؤد عباسیؒ کے جد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین یزیدؒ سے دونوں بیعتیں کی تھیں اور حضرت حسینؓ کو سمجھایا تھا کہ خروج کی غلطی نہ کریں۔ پھر وقت پر حضرت حسینؓ نے خود اس غلطی کو تسلیم کر لیا اور اپنے موقف سے رجوع کر کے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت کے لئے دمشق روانہ ہو گئے وہ ساٹھ کوفی سبائی جو آپ کو کوفہ لانے کے لئے عرض داشتوں کے پلندے لیکر گئے تھے اور آپ کے ساتھ آ رہے تھے آپ کے دمشق جانے کے اس بنا پر سخت مخالف تھے اگر وہ بھی ساتھ چلے جاتے ہیں تو خروج پر آمادہ کرنے کے جرم میں سزا سے نہ بچ سکیں گے نہیں جاتے تو گورنر عراق اسی جرم میں ان کے سر قلم کر دے گا ان غدار سبائیوں نے اچانک حملہ کر کے صلح آشتی کی فضا کو ہنگامی صورت دے دی۔

لیکن اس حادثے کے باوجود بنو ہاشم اور خصوصاً بنو علیؓ کے تعلقات امیر المؤمنین یزیدؒ سے بغایت شگفتہ رہے اور ان سب حضرات نے ان کے مخالفوں کو اپنا مخالف جانا نہ انھوں نے حرّہ کے ہنگامے میں شرکت کی نہ ابن الزبیر سے بیعت کی نہ توابوں سے کوئی تعلق رکھا اور نہ مختار ثقفی کی تحریک میں کوئی دلچسپی لی۔ بلکہ سب کے سب پوری استقامت کے ساتھ اموی خلافت کے ساتھ رہے اور اموی خلفاء سے اپنے برادرانہ تعلقات میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ایسی صورت میں

یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حادثۂ کربلاء کو انھوں نے اموی خلافت کی طرف سے ظلم سمجھا۔ انھوں نے اس کی ذمہ داری امیر عبید اللہ پر بھی نہیں ڈالی۔

بنو ہاشم کا یہ موقف اس کی مسکت دلیل ہے کہ انھوں نے کربلاء کے واقعہ کو محض ایک حادثہ جانا۔ اگر کسی درجے میں بھی انھوں نے اسے امیر المومنین یزیدؒ کی طرف سے ظلم سمجھا ہوتا تو سب کے سب ابن الزبیرؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر اموی خاندان کا استیصال کلی کر دیتے۔ لیکن وہ تو سب ابن الزبیرؓ کے اس لئے مخالف تھے کہ انھوں نے امیر المومنین یزید کی بیعت سے گریز کیا تھا ان کے نزدیک وہ باغی کی حیثیت رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کے نزدیک آئینی خلافت شام کی تھی اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے اپنے اہل و عیال کو وصیت کی تھی کہ وہ سب شام چلے جائیں۔ حضرت محمدؒ بن علیؓ بن ابی طالب بھی اسی لئے شام چلے گئے تھے۔!

رہا زید بن علی کا خروج مودودی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ خود حضرت داؤد بن علی عباسیؒ نے انھیں خروج سے منع کیا تھا (ص ۲۹۸) ایسی صورت میں وہ ان کے انجام کو امیر المومنین ہشامؒ جیسے حلیم و نیک سیرت اموی خلیفہ کے ظلم سے کیسے تعبیر کر سکتے تھے۔ اس پر تفصیلی گفتگو پچھلے اوراق میں آ چکی ہے۔

ان دو واقعات کے علاوہ جن میں حضرت داؤد بن علی عباسیؓ اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابن عباسؓ کا موقف عیاں ہے اور کون سے مظالم تھے جو آل ابی طالب پر کئے گئے جس کا بدلہ لینا ضروری تھا؟ عباسیوں اور اُمویوں کا اختلاف کسی درجے میں خاندانی نہ تھا اور نہ وہ اس کے مکلف تھے کہ علویوں کی سیاسی غلطیوں کو اپنے سر لیں اور مفروضہ مظالم کا بدلہ لینے کھڑے ہوں پچھلے اوراق میں دعوت عباسیہ کے بلند ترین مقاصد کے بارے میں تاریخی حقایق کے اعتبار سے گفتگو آ چکی ہے۔

بیت المال پر ناواجب تصرف کا مسئلہ ہم پہلے بدلائل قطعیہ صاف کر چکے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا دستاویزی ثبوت اس کے ملنے کا فی ہے کہ نہ خلفائے اسلام نے کبھی بیت المال پر ناجائز تصرف کیا اور نہ وہ کر سکتے تھے۔ اگر کرتے

تو حکومت کے ساتھ امت کی شیفتگی اور وابستگی قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔ یعنی ہم یہ نہ دیکھتے کہ جو بھی امام وقت کے خلاف کھڑا ہوا ناکام رہا اور امت نے اس کے اقدام سے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

حضرت داؤد بن علی عباسیؓ کے اس وضعی بیان پر مودودی صاحب نے یہ فقرہ چُست کیا ہے (ص ۹۲)

"لیکن حکومت حاصل ہونے کے بعد کچھ زیادہ مدت نہ گزری کہ انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ فریب تھا"

گویا ان کے نزدیک خلافت عباسیہ میں کتاب وسنت پر عمل نہ تھا اور خلفاء کرام اپنی من مانی کیا کرتے تھے۔ یعنی تقریباً چھ سو برس تک جو خلافت قائم رہی وہ دینی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی اور امت اتنی بے وقوف بزدل اور بے دین تھی کہ ایسی خلافت کو اس نے برپا رہنے دیا اور جب سبائیوں کی غداری سے یہ خلافت ہلاکو کے ہاتھوں تباہ ہوئی تو پھر بھی یہی ضروری سمجھا کہ نئی خلافت عباسیوں ہی کی ہو۔ چنانچہ قاہرہ (مصر) میں دو صدی تک اپنی خلافت بنو العباس کی رہی سکہ انھیں کا چلتا اور خطبہ میں نام عباسی خلیفہ ہی کا لیا جاتا رہا۔

پھر فرماتے ہیں: (ص ۱۹۴)

"منصور کے زمانے میں عباسیوں کے اس دعوے کی قلعی بھی کھل گئی کہ وہ آل ابی طالب پر بنی امیہ کے مظالم کا بدلہ لینے آئے تھے۔ جس زمانے میں محمد بن عبداللہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی روپوش تھے اور منصور ان کی تلاش میں سرگرم تھا اس نے ان کے پورے خاندان اور ان کے رشتہ داروں کو صرف اس قصور میں گرفتار کر لیا کہ وہ ان کا پتہ نہیں دے رہے تھے۔ ان کی ساری جائداد ضبط کر کے نیلام کی گئی۔ ان کو بیڑیوں اور طوق و زنجیر میں مقید کر کے مدینے سے عراق لے جایا گیا۔ جیل میں ان پر سخت مظالم کیے گئے محمد بن ابراہیم

بن الحسن کو دیوار میں زندہ چنوا دیا گیا۔ ابراہیم عبداللہ کے خسر کو ننگا کر کے ڈیڑھ سو کوڑے لگائے گئے پھر قتل کر کے اُن کا سر خراسان میں گشت کرایا گیا اور چند آدمی اس کے ساتھ عوام کے سامنے یہ شہادت دیتے پھرے کہ یہ نفس زکیہ (؟) کا سر ہے۔ کچھ مدت بعد جب نفس زکیہ مدینہ میں شہید ہوئے تو ان کا سر کاٹ کر شہر شہر پھرایا گیا اور ان کی اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں تین دن تک مدینہ میں برسر عام لٹکائی گئیں پھر کوہ سلع کے قریب انھیں مقابر یہود میں پھینک دیا گیا۔"

اس بازاری قصے کی قلعی کہ عباسی "آل ابی طالب پر بنی امیہ کے مظالم کا بدلہ لینے" کو اٹھے تھے پچھلے اوراق میں کھولی جاچکی ہے رہی "پورے خاندان کی گرفتاری" سو طبری سے قدیم مورخ ابن قتیبہ (المعارف صـ۹۳) محمد الارقط کے صرف باپ اور تین چچوں حسن، داؤد اور ابراہیم کے گرفتار کئے جانے کا ذکر کیا ہے جو بغاوت کی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے نہ کہ مودودی صاحب کی اس غلط بات کا کہ "پورے خاندان اور ان کے رشتہ داروں کو صرف اس قصور میں گرفتار کر لیا کہ وہ ان کا (محمد و ابراہیم باغیوں کا) پتہ نہیں دے رہے تھے" طبری نے ان حسنیوں کی بغاوت کے سلسلے میں بے شمار وضعی و متضاد روایتیں درج کی ہیں جو کتاب کے اردو اڈیشن (مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) کے تقریباً پونے تین سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ان ہی کے سرسری مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ بغاوت کی ساری باگ ڈور باغیوں کے پدر بزرگوار عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے ہاتھ میں تھی جو ایک طرف تو جیسا اوپر بیان ہوا خلیفہ المنصورؒ کی اطاعت و وفاداری کا پختہ عہد منافقانہ کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف عباسی خلافت کی جڑیں اکھیڑ کر اپنی خاندانی حکومت قائم کرنے کی غرض سے بغاوت کے سارے جتن بھی کرا رہے تھے۔ امیرالمومنین المنصورؒ نے ان کے راز معلوم کرنے کے لئے جیسا طبری کی روایتوں میں صراحتاً بیان ہے

ایک عیار شخص عقبہ بن سلم ازدی کو اس کام پر مقرر کیا کہ باغیوں کے طرفداروں کی جانب سے وہ ایک مصنوعی خط اور زر ہے جا کر عبداللہ کو پیش کرے ابتداء میں اُسے دھتکاریں خط و روپیہ لینے سے انکار کریں تو بار بار جائے عاجزی و انکساری سے پیش آئے حتیٰ کہ وہ اس سے مانوس ہو جائیں تو اس طرح ان کے سارے راز معلوم کرنے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امیر المؤمنین نے اس کے بعد عبداللہ سے جب بوقت ملاقات پوچھا کہ تم اپنے عہد وفاداری پر قائم ہو کہنے لگے بیشک میں اپنے مضبوط عہد پر قائم ہوں امیر المؤمنین نے عقبہ جاسوس کو جو ایک جانب کھڑا تھا اشارہ کیا جو ان کے سامنے آگیا اب عبداللہ کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے دو زانو ہو کر عاجزی سے معافی مانگنے اور یہ عرض کرنے لگے اقلنی یا امیر المؤمنین اقالک اللہ اے امیر المؤمنین میری خطا بخشئے اللہ آپ کی خطا پوشی کرے) امیر المومنین نے ایسے مجرم کو قید کرنے کا حکم دے دیا اور ان کے ساتھ ان کے شریک ان کے بھائیوں کو بھی قید کر دیا محمد الارقط اپنے باپ چچوں کے قید و بند کی خبر پا کر اپنی ماں ھند سے خفیہ ملے اور کہا بغاوت سے اب میں نے دستکش ہونے کا ارادہ کر لیا ہے تم قید خانے جا کر ابا کا خیال معلوم کر آؤ اُنھوں نے جا کر شوہر سے محمد کے ارادے کا جب ذکر کیا۔ عبداللہ نے سختی سے منع کیا۔ بیوی سے کہا تم جا کر محمد سے کہدو کہ "وہ اپنی حکومت کی دعوت دے اور اس کے لئے پوری کوشش کرے ہمارا کچھ خیال نہ کرے" طبری اردو صفحہ ۱۵۹ ج ۳) ایسے مجرموں کو جو بغاوت کراتے ہوں۔ قید و بند کی سزا دینا کیا ظلم میں شمار ہو سکتا ہے۔ طبری کی ایک اور روایت میں جناب جعفر الصادقؓ کی بھتیجی ام الحسین بنت عبداللہ بن محمد الباقرؒ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے چچا سے پوچھا آپ محمد (الارقط) کے معاملے کے متعلق کیا کہتے ہیں جناب جعفرؓ نے فرمایا یہ ایک فتنہ ہے جس میں محمد یہاں قتل ہو جائے گا اور اس کا بھائی عراق میں (طبری اردو صفحہ ۲۳۹) علوی گھرانے کے اکابر جب اس غلط اقدام کو فتنہ جانتے ہوں تو اس فتنے میں شرکت کیوں کرتے چنانچہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ مدینہ میں ایک علوی بھی

وہ حسنی ہو یا حسینی حسنی محمد کا شریک نہ ہوا ان کے چند ساتھیوں کے طرزِ عمل کے بارے میں البدایۃ والنہایۃ (ج ۱۰ ص ۹۰) میں صراحتاً بیان ہے کہ اس ہڑبونگ میں گنتی کے چند ہی آدمیوں نے ان کا ساتھ دیا تھا باقی سب بھاگ گئے اور آخر میں تو وہ بالکل ہی تن تنہا رہ گئے۔

وفر بوا وبقی محمد فی شرذمۃ قلیلۃ جداً ثم بقی وحدہ ولیس معہ احد (ایضاً ص ۹۰)	محمد کے ساتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے صرف چند ہی لوگ باقی رہ گئے اور آخر میں تو وہ تن تنہا رہ گئے کوئی ایک شخص بھی ان کے ساتھ نہ تھا۔

اب مودودی صاحب ہی بتائیں کہ کیا ایسی بے کسی اور کس مپرسی کی حالت اس شخص کی ہو سکتی ہے جس کی دعوت وہ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس وضع وکردار کے باغیوں اور مجرموں کا ساتھ دینے کی لوگوں کو ترغیب دی تھی۔ محمد اور دوسرے مقتولین کی لاشوں کے تین دن تک لٹکے رہنے کے بعد یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دئے جانے کی تردید تو مودودی صاحب کے اسی معتبر ماخذ طبری کی اس روایت سے ہو جاتی ہے کہ محمد کے قتل ہو جانے کے بعد ان کی بہن زینب اور بیٹی فاطمہ نے فوجی دستے کے افسر اور اپنے قرابتدار عیسیٰ بن موسیٰ کو یہ پیغام بھیجا کہ :-

"محمد کو قتل کر کے تمہاری غرض پوری ہو گئی تم اجازت دو ہم اسے دفن کر دیں عیسیٰ نے جواب میں کہلا بھیجا۔ اے میری چچازاد بہنو! تم نے اپنے اس پیام میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اس کا (محمد کا) قتل کرنا میرا مقصود تھا تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ نہ میں نے اس کے قتل کا حکم دیا اور نہ مجھے علم ہوا تم بڑی خوشی سے اسے دفن کر دو چنانچہ انھوں نے آدمی بھیج کر اس کے لاشہ کو اٹھا منگایا۔ . . . . . . اور بقیع میں دفن کر دیا اس کی قبر علیؓ بن ابی طالب کی گلی کے سامنے

جہاں وہ گلی بڑی سڑک سے آکر ملجاتی ہے یا اس کے کہیں قریب ہے۔
(ص۲۳۳ طبری اردو ایڈیشن)

محمد الارقط کے اس واقعہ سے ایک سو چالیس سال پہلے ہی یعنی عہد رسالت میں مدینہ سے یہودیوں کا نام ونشاں مٹ چکا تھا ان کے قبرستان کو مدت مدید کے بعد بھی مدینۃ النبی میں موجود بتانے اور مقتولین کی لاشیں وہاں پھکوانے کی روایت محض لغو ہے جائدادوں کے نیلام کی حقیقت بھی اس واقعہ سے معلوم ہو جاتی ہے جو طبری کی روایت میں ہے کہ محمد الارقط کے بھائیوں عیسٰی وسلیمان وادریس نے اپنے مقتول بھائی کی وراثت کے بارے میں محمد کے بیٹوں سے تنازع کیا اور کہا تمہارے باپ چونکہ اپنے والد عبداللہ[1] کی زندگی ہی میں قتل ہوگئے تم محجوب الارث ہو، حقدار نہیں یہ مقدمہ والی مدینہ حسن بن زید بن حسن مثنیٰ کی عدالت میں پیش ہوا وہ محمد کے حقیقی چچازاد بھائی تھے انھوں نے امیرالمومنین سے رجوع کیا امیرالمؤمنین موصوف نے جواب دیا کہ جب تم کو میرا یہ خط ملے تم محمد کے بیٹوں کو ان کے دادا کا ورثہ دلا دو۔ (ص۲۴۱ طبری اردو اڈیشن)
جائداد اگر نیلام ہوچکی ہوتی تو ورثہ دلانے کا سوال ہی نہ تھا۔ مورد دی صاحب غیر متعصب ہوکر ان تاریخی واقعات کو بیان کرسکتے تو وضعی روایتوں کی خرافات کو قبول نہ کرتے اور نہ محمد مقتول کے نام کے بجائے سبائیہ کے مخترعہ لقب "نفس زکیہ" کی بار بار موقع بموقع یوں تکرار کرتے اب چند لفظ اس سلسلے میں بھی لکھنے ضروری ہیں:۔

محمد الارقط۔ محمد نام الارقط لقب یلقب الارقط (جمہرۃ الانساب ابن حزم) چہرے پر چیچک کے داغ بکثرت ہونے سے" الارقط کہلائے لحیم شحیم

---

[1] عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی عمر اپنے بیٹے محمد الارقط کے مقتول ہونے کے وقت ۷۵ سال کی تھی بیٹے کے مارے جانے اور حصول خلافت کی اس بغاوت کی ناکامی کے صدمے سے جانبر نہ ہوسکے اُن کو زہر سے ہلاک کرنے کی روایت محض بے اصل ہے۔

سیاہ فام تھا ان کا بیٹا حسن ان سے بھی زیادہ سیاہ رنگت ہونے سے "ابوزفت" کہلاتا تھا یکان یلقب ابا الزفت لشدۃ سمرتہ وحد الخمر بالمدینۃ (ص۴۲ جمہرۃ الانساب) یعنی یہ حسن بن محمد الارقط زیادہ سیاہ فام ہونے سے ابوالزفت کہلاتا تھا اور مدینہ میں شراب نوشی کی سزا پائی تھی۔ دوسرے بیٹے محمد الارقط کے عبداللہ الاشتر تھے جو اپنے والد اور چچا ابراہیم کے بغاوتوں میں مقتول ہونے کے بعد بھاگ کر سندھ چلے آئے تھے پھر گرفتاری کے خوف سے کابل کے علاقے کی جانب چلے گئے وہاں علیج پہاڑ پر گورنر سندھ کے فوجی دستے کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ محمد الارقط نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے پروپیگنڈے میں اپنے کو "مہدی" کہا اور مراسلات میں بھی "مہدی" لکھا وکان محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ..... یسمی بالمہدی (ص۳۴۲ التنبیہ والاشراف مسعودی) خلقتاً ہکلے تھے ان کے مقتول ہو جانے کے عرصہ بعد ان کی بغاوت کے جواز میں جو جعلی حدیثیں وضع ہوتی رہیں ان میں ان کے ہکلے پن کی خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول کر یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ میری اولاد میں ایک "مہدی" ہوگا جس کا نام میرے نام پر اور

لہ کابل کے علاقے میں پہنچکر ایک عورت کو حبالہ عقد میں لائے تھے اس کے بطن سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا فوجی دستے نے ان کی بیوی اور خوردسال بیٹے کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا امیرالمومنین نے پرورش کے لئے بعطائے وظیفہ مدینہ میں اہل خاندان کے پاس بھیجدیا اسی محمد الکابلی سے ان کی نسل چلی جن میں علماء و فضلاء و امراء کے گھرانے ہوئے۔ عبداللہ الاشتر کا نواح کابل کے پہاڑ علیج پر قتل ہونا تاریخی حقیقت ہے ان کے فرزند کو اس وجہ سے محمد الکابلی کہا گیا مگر چند سال سے کلفٹن (کراچی) پر ایک غیر معروف شخص کی قبر کو ان سے منسوب کرنے کی جسارت کی گئی ہے اور ایک بین تاریخی حقیقت کو نظرانداز کیا گیا ہے۔

جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اور اس کی آواز میں خرخراہٹ ہوگی نی
ساتہ رنۃ (مقاتل الطالبین ص۲۴۲) یہ بھی کہا گیا ان کے دونوں کندھوں کے
درمیان بیضۂ مرغ کے برابر ایک سیاہ خال مہر نبوت کی طرح تھا (معاذ اللہ من
ذلک) چنانچہ "نفس زکیہ" لقب کے لئے سبائیہ نے یہ جعلی حدیث گھڑی :-

روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال تقتل باحجار الزیت من ولدی نفس الزکیہ (عمدۃ الطالب ص۸۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا احجار الزیت (مقام نزد مدینہ) پر میری اولاد میں سے نفس زکیہ قتل ہوگا۔

محمد الارقط کے بعد ان کے چچازاد بھائی اور بیٹوں نے مدینہ کے قریب مقام فخ پر
بغاوت کی تھی اور مقتول ہوئے تھے ان کے بارے میں بھی یہ جعلی حدیث گھڑی گئی کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مع جماعت صحابہ مقام فخ پر اس بغاوت سے ۱۳۵ برس
پہلے ہوا آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا اس جگہ میرے اہلبیت
سے ایک شخص مع جماعت مومنین قتل ہوگا ان کے لئے کفن اور خوشبوئیں جنت
سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائینگے
تسبق ارواحہم اجسادہم الی الجنۃ (مقاتل الطالبین ص۴۳۶)

محمد الارقط نے اپنی بغاوتوں کے دنوں میں حسب روایت طبری مسجد نبوی
کے آرایشی سامان کو کھسوٹ لیا مسجد کے پردوں سے باغیوں کے لئے زرہیں بنوائیں
مسجد نبوی کے شامیانوں کو کاٹ کر اپنے ساتھیوں کے لئے لبادے بنوائے
(ص ۲۲۲ طبری اردو) پھر مسجد نبوی کے منبر سے لوگوں کو بغاوت پر اُبھارنے
کے لئے جو تقریر ہکلاتے ہکلاتے کی اس میں امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ کی
ذات گرامی پر کیسا واہی اور لغو اتہام لگایا طبری نے محمد الارقط کے جو الفاظ
نقل کئے ہیں اس میں کا یہ فقرہ سنئے۔ محمد الارقط نے کہا تھا۔
"اے لوگو! تمکو معلوم ہے کہ دشمن خدا ابوجعفر نے اپنے

عہد میں بیت اللہ کے مقابلے میں اس کی تحقیر کے لئے ایک قبہ خضرا بنایا۔
(الیٰ آخرہ)

بغداد شریف میں قصر الامارۃ کے ساتھ ہی جو عظیم الشان مسجد جامع تعمیر کرائی گئی تھی جس کی تعمیر کی نگرانی دو بزرگ یا۔ قاضی حجاج بن ارطاۃ اور امام ابوحنیفہؒ کر رہے تھے کس سوقیانہ لہجے میں اس کی جانب اشارہ ہے ۔طبری ہی کے حوالے سے جن صاحب کے کردار کی پستی کی یہ مختصر سی کیفیت بیان کی گئی ہے ان کو سبائیہ کے مخترعہ لقب سے مودودی صاحب "نفس زکیہ" بتاتے ہیں۔

اموی و عباسی خلافتیں

سیاسیات اسلامیہ کے گذشتہ حالات کو مودودی صاحب اور ان جیسے لوگ چونکہ خاندانی مسئلہ سمجھتے ہیں اس لئے بنی امیہ کے علوئیین پر اور عباسیوں کے بنی امیہ پر مفروضہ مظالم کی مہمل رحابتوں کو انھوں نے اچھالا ہے۔عباسیوں کا امویوں سے اختلاف سیاسی اور آئینی تھا۔اموی خلافت خالص عربی حکومت تھی اور ابتداءً اسے یہی ہونا چاہئے تھا لیکن جب غیر عرب نسلوں میں کئی پشتیں اسلام کی خوگر ہوگئیں تو ان میں قدرتی طور پر جذبہ ابھرا کہ حکومت میں ان کی بھی نمائندگی ہو۔ عباسیوں کو جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا ہے، غیر عرب مسلمانوں کا یہ موقف واجبی معلوم ہوا اور انھوں نے غیر عرب نسلوں کے اس جذبے سے فائدہ اٹھا کر اپنی خلافت کی دعوت دی امویوں کی جگہ کسی دوسرے خاندان کی حکومت ہوتی اور ان کی حکمت عملی یہی ہوتی جو امویوں کی تھی تو اس وقت بھی عباسیوں کی روش یہی ہوتی کہ امت میں عرب و غیر عرب چپقلش دور کرنے کے لئے انقلاب لایا جائے۔لہٰذا یہ تصور کسی درجے میں درست نہیں کہ عباسیوں اور امویوں کا اختلاف خاندانی چشمک کے پست جذبے پر مبنی تھا اور انھوں نے اپنے بزعم علویوں پر امویوں کی مفروضہ مظالم اور کربلا میں اموی فوج کی مفروضہ بربریت کا بدلا لیا تھا۔ امویوں کے آخر عہد میں ان حالات کی بنا پر جن کا ذکر آچکا ہے انقلاب ناگزیر ہوگیا تھا دعوت عباسیہ کی

بنیاد چونکہ نہایت امیں تھی اس لئے امت میں وہ مقبول ہوئی اور جو لوگ سیاست کو گھریلو تنازع اور خاندانی چپقلش بنائے ہوئے تھے اور اسی بنا پر انھوں نے خروج کئے تھے وہ ناکام رہے۔

انقلاب حکومت کے دوران قتل و غارت گری کے واقعات کم و بیش ہر انقلاب میں پیش آتے ہیں وہ اس انقلاب میں بھی پیش آئے مگر عباسی خلافت قایم ہوجانے کے بعد اموی سادات کو عباسی خلافت میں نہ صرف بڑے بڑے مناصب دیئے گئے بلکہ ان کے خاندانی روابط و تعلّقات مناکحت و مصاہرت برابر قایم رہے۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے زمانے میں عبدالعزیز بن امیرالمؤمنین عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم والی مدینہ تھے ان ہی عبدالعزیز کو امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ نے اپنے ندیم خاص کا منصب عطا کیا وکان فی صحابۃ ابی جعفر المنصور (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۹۷) اموی خلیفہ مروان بن محمد کی صاجزادیاں اور لواحقین جو ان کے ساتھ مصر میں تھے ان کے مقتول ہوجانے پر انھیں عزت کے ساتھ ان کے وطن حرّان (شام) بھیجدیا گیا جہاں یہ خاندان آسایش و آرام سے رہتا رہا خصوصاً خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں حکومت نے ایسا بیش قرار وظیفہ ان کے لئے مقرر کیا تھا جو ان کے درجے کے لائق تھا (ہسٹری آف سیر لینز ص۲۳۵) اموی سادات کے جو خاندان کوفہ و بصرے میں آباد تھے امیرالمومنین ابوجعفر المنصورؒ نے ان سے رشتہ مناکحت قایم کئے ان میں سے ایک خاندان جو خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کے اخلاف سے بصرے میں سکونت پذیر تھا امیرالمومنین نے ان کی ایک خاتون سے خود اپنا نکاح کیا اس اموی خاتون کے بطن سے ان عباسی خلیفہ کے دو فرزند علی و عباس اور ایک دختر عالیہ ہوئیں جو عباسیوں کے اموی نواسے نواسی تھے۔ دوسری اموی دوشیزہ سے اپنے فرزند جعفر کا نکاح کیا (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۱۰۵) امیرالمومنین کے دوسرے فرزند مہدی کی زوجیت میں اموی خاتون سیدہ رقیہ بنت عمرو بن خالد بن عبداللہ بن عمرو بن

حضرت عثمانؓ تھیں جن سے ان کے دو بیٹے ہوئے۔ اسی طرح اور متعدد رشتے ہوتے رہے۔ یحییٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن العاص اموی جو بلند پایہ محدث کوفہ کے ساکن تھے ان کو امیر المؤمنین المنصورؒ نے بغداد بلا لیا تھا قدم بغداد فنزلہا (کتاب المعارف) وہیں سنہ ۱۹۶ھ میں فوت ہوئے۔ دیگر عباسی خلفاء امیر المؤمنین المعتصم باللہ اور ان کے فرزند امیر المؤمنین الواثق باللہ کے عہد میں ابو مروان محمد بن عثمان اموی مکہ معظمہ کے قاضی تھے (جمہرة الانساب ص ۱۰۶) اسی عہد میں محمد بن عبداللہ بن سعید اموی مکہ کے والی تھے۔ امیر المؤمنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ کے عہد سے تقریباً ڈھائی سو برس بعد تک بغداد کے قاضی القضاة کا عہدہ اموی گھرانے بنو ابی الشوارب میں رہا۔ ابن حزم فرماتے ہیں:-

والقضاء فی بغداد متردد فی بنی ابی عثمان بن عبد اللہ بن خالد بن اسید ابی ابی العیص بن امیة من عہد المتوکل الی زماننا ہذا وہم بنو ابی الشوارب (ص ۱۰۵)

اور بغداد میں عہدہ قضا (خلیفہ) المتوکل علی اللہ کے عہد سے ہمارے زمانے تک اخلاف ابی عثمان بن عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ میں جو بنو ابی الشوارب ہیں قائم رہا۔

ان میں علی بن محمد بن عبدالملک بن محمد ابی الشوارب اور ان کے دادا کے چچا محمد بن عبداللہ اموی بغداد کے قاضی القضاة رہے اور العاص بن محمد اموی بصرے کے قاضی تھے۔ علامہ ابن کثیر نے سنہ ۲۴۲ھ کے واقعات کے سلسلے میں ابو الحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بن عباس بن محمد بن عبدالملک بن محمد ابی الشوارب کو بغداد کا قاضی القضاة بتایا ہے۔ اس اموی خاندان کے ۲۴ حضرات بعد میں یکے بعد دیگرے قاضی رہے۔ بصرے میں دوسرا اموی خاندان حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے فرزند عتبہ کی نسل کا آباد تھا جس میں مشہور ادیب و مصنف محمد بن عبداللہ بن عمرو ابو عبدالرحمن الاموی العتبی متوفی سنہ ۲۲۸ھ تھے (قاموس التراجم ج ۲) عباسی عہد کے اموی علماء فضلاء عراق و شام اور دیگر مقامات میں آباد رہے مثلاً عبداللہ بن سعید میں

عبد الملک بن مروان جن کی کنیت ابوصفوان تھی اور امیر المومنین عبد الملک کے پوتے کتاب نوادر وغیرہ کے مصنف تھے دمشق کے ساکن تھے وہیں ۱۴۲ھ بعہد امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ انتقال ہوا۔

دمشق ہی کے ایک اور اموی ادیب و مصنف برہان الدین مسعود بن شجاع بن محمد بن محمد بن الحسن الفقیہ متوفی ۵۹۹ھ تھے۔ اغانی کے مولف علی بن الحسین بن محمد احمد ابن الہیثم بن عبد الرحمٰن بن مروان ابو الفرج الاموی تو بغداد ہی میں رہتے تھے وہیں ۳۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ ابن حزم نے اسی طرح اندلس میں اموی امرا کے پاس متعدد عباسی سادات کو معزز مہمان کی حیثیت سے مقیم بتایا ہے۔

مودودی صاحب نے انقلاب حکومت کے بعد اموی سادات پر وحشیانہ مظالم اور ان کے مزارات کی بےحرمتی کی جو وضعی داستانیں صدیوں بعد کے مؤلفین کے حوالے سے بڑے اہتمام سے درج کی ہیں اور کہا ہے کہ امویوں کا بچہ بچہ قتل کر ڈالا گیا تو سطور بالا کی تفصیلات کی روشنی میں ان کی کیا حقیقت رہتی ہے۔ قدیم مورخ طبری نے ان وحشیانہ مظالم اور قبروں کی بےحرمتی کا اشارۃً تک نہیں کیا اسی لئے مودودی صاحب کو اپنے معتبر ماخذ کو چھوڑ کر صدیوں بعد کی کتابوں سے یہ خرافات لینی پڑیں۔

علاوہ ازیں امیر عبد الرحمٰن الداخلؒ جو اس انقلاب کے عینی شاہد تھے اور انھوں نے ہسپانیہ میں اپنا سیاسی اقتدار قائم کر لیا ان کی اولاد میں ہسپانیہ کی مشہور حکومت مدتوں تک قائم رہی انھوں نے وہاں جا کر ان مفروضہ مظالم کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اگر کرتے تو اندلس کے مصنف اپنی تصنیفات میں ضرور بیان کرتے اس کے برخلاف تاریخ میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہسپانیہ پہنچنے کے بعد امیر الرحمٰن نے اپنے اہل و عیال کو شام سے بلوا لیا تھا پھر ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ خلافت کی بیعت لینا چاہتے ہیں یا امارت کی تو فرمایا خلافت کی بیعت مشرق (عراق) میں ہو چکی ہیں صرف امیر ہوں حالانکہ ان کا یہ حق تھا کہ عباسی

خلافت کے مقابلے میں متوازی خلافت قائم کرتے مگر وہ سیاست اسلامیہ کو خاندانی مسئلہ نہیں سمجھتے تھے اور نہ اموی سادات کی یہ ذہنیت تھی کہ امت کے اجماع کو ٹھکرا کر دو چار سو سبائیوں کو ساتھ لیکر اور "ابن رسول اللہ" ہونے کے نعرے لگا کر خلافت کا دعویٰ کر ڈالیں اور جب ناکام ہو کر مقتول ہوں تو ان کا نام "شہیدوں" کی فہرست میں لکھ دیا جائے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے علویوں کے ادعا کے سلسلے میں ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے اپنی مشہور تالیف ازالۃ الخفا میں صحیح بات لکھدی ہے کہ

" در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا دامانِ قیامت منصور نشوند و ہیچگاہ خلافت ایشاں علی وجہہا صورت نگیرد و ہر کہ از میان ایشا دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول شود "

ان ناکامیوں کی جو داستان سبائی کذابین نے تراشی مودودی صاحب نے اسی سے اخذ کر کے لکھ ڈالا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد ان کے جسم سے کپڑے اتار لئے گئے اور پھر ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا کر اسے روندا گیا اس کے بعد قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اتار لی گئیں۔ یہ سب باتیں اگرچہ کذب محض ہیں لیکن بفرض محال ایک بات بھی صحیح ہو تو اس کے فاعل پر اللہ کی لعنت ہو ورنہ کہنے اور لکھنے والے پر ہو اتنی طرح دمشق کے باشندوں کے قتل عام اور امویوں کے بچے بچے کے ذبح کرنے اور اموی خلفائے کی قبروں کی بے حرمتی کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو ورنہ کہنے اور لکھنے والے پر ہو۔ مودودی صاحب نے عباسی اور اموی سادات کی تنقیص کے لئے صدیوں بعد کے مولفین کی روائتیں جو منتخب کی ہیں اور قدما کی کتابوں اور ہمعصر مولفین کے بیانات سے صرف نظر کیا ہے اسی سے ان کی بدنیتی کا پتہ چل جاتا ہے۔ علویوں کی بغاوتوں کے سلسلے

میں ان سے یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ باغیوں کو پناہ دینے والا یا ان کے بارے حکومت کو خبر دینے سے گریز کرنے والا خود باغی قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں تو یہ جو کچھ انھوں نے محمد الارقط کے والد عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ "صرف اتنے قصور ہیں کہ وہ ان (باغیوں) کا پتہ نہیں دے رہے تھے" اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ جاننے کے بعد پتہ نہ دینا "صرف اتنا قصور ہے" یا نہایت سنگین جرم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ (گواہی کو مت چھپاؤ اگر کوئی اسے چھپائیگا تو اس کا دل گنہگار ہے) گنہگار علویوں کی واجبی سزا پر تو مودودی صاحب کا یہ واویلا اور عباسی و اموی سادات پر بغاوتوں کے فرو کرانے پر سوقیانہ لہجے میں یہ سب وشتم!

انعقاد و بیعت

مودودی صاحب نے امام ابو حنیفہؒ اور امیر المومنین المنصورؒ پر ایک اور افترا کیا ہے اور ایک ایسے مؤلف کے حوالے سے جو ان بزرگوں کے زمانے سے تقریباً سات سو برس بعد کا ہے لکھا ہے کہ۔ ص ۱۲۹

> خلافت کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ پہلے بزور اقتدار پر قبضہ کرنا اور بعد میں دباؤ کے تحت بیعت لینا اس کے انعقاد کی جائز صورت نہیں ہے۔ صحیح خلافت وہ ہے جو اہل الرائے لوگوں کے اجتماع اور مشورے سے قائم ہو۔ اس رائے کو انھوں نے ایک ایسے نازک موقع پر بیان کیا جبکہ اسے زبان پر لانے والے کا سر اس کی گردن پر باقی رہنے کا احتمال نہ تھا۔

> المنصور کے حاجب ربیع بن یونس کا بیان ہے کہ منصور نے امام مالکؒ، ابن ابی ذئب اور امام ابو حنیفہؒ کو بلایا اور ان سے کہا "یہ حکومت جو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں مجھے عطا کی ہے اس کے متعلق آپ لوگوں کا خیال کیا ہے کیا میں اس کا اہل ہوں؟"

امام مالکؒ نے کہا " اگر آپ اس کے اہل نہ ہوتے تو اللہ اسے آپ کے سپرد نہ کرتا "

ابن ابی ذئب نے کہا " دنیا کی بادشاہی اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، مگر آخرت کی بادشاہی اسی کو دیتا ہے جو اس کا طالب ہو اور جسے اللہ اس کی توفیق دے۔ اللہ کی توفیق آپ سے قریب ہوگی اگر آپ اس کی اطاعت کریں ورنہ اس کی نافرمانی کی صورت میں وہ آپ سے دور رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت اہل تقویٰ کے اجتماع سے قائم ہوتی ہے اور جو شخص خود اس پر قبضہ کرلے اس کے لئے کوئی تقویٰ نہیں ہے۔ آپ اور آپ کے مددگار توفیق سے خارج اور حق سے منحرف ہیں۔ اب اگر آپ اللہ سے سلامتی مانگیں اور پاکیزہ اعمال سے اس کا تقرب حاصل کریں تو یہ چیز آپ کو نصیب ہوگی ورنہ آپ خود ہی اپنے مطلوب ہیں "

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جس وقت ابن ابی ذئب یہ باتیں کہہ رہے تھے میں نے اور مالکؒ نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ شاید ابھی ان کی گردن اڑا دی جائے گی اور ان کا خون ہمارے کپڑوں پر پڑیگا۔ اس کے بعد منصور امام ابوحنیفہؒ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا آپ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا " اپنے دین کی خاطر راہِ راست تلاش کرنے والا غصے سے دور رہتا ہے۔ اگر آپ اپنے ضمیر کو ٹٹولیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے ہم لوگوں کو اللہ کی خاطر نہیں بلایا ہے بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے ڈر سے آپ کے منشاء کے مطابق بات کہیں اور وہ عوام کے علم میں آجائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اس طرح خلیفہ بنے ہیں کہ آپ کی خلافت پر اہل فتویٰ لوگوں میں سے دو آدمیوں کا اجتماع بھی نہیں ہوا، حالانکہ

خلافت مسلمانوں کے اجتماع اور مشورے سے ہوتی ہے۔ دیکھئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک فیصلہ کرنے سے رُکے رہے جب تک اہل یمن کی بیعت نہ آگئی"

اس روایت کو نقل کرکے مودودی صاحب نے صفحہ ۲۵۱ پر تعلیقہ دیا ہے کہ:-

"الکردری کی اس روایت میں صرف ایک بات ایسی ہے جس کو میں اب تک نہیں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق "اہل یمن کی بیعت کرنے تک چھ مہینے فیصلہ کرنے سے رُکے رہے"

گویا اس وضعی روایت کی اور سب باتوں کے ساتھ راوی کی یہ صریح غلط بیانی بھی ان کی سمجھ میں آگئی کہ امام مالکؒ "جو اپنی تمام عمر مدینہ ہی میں رہے کبھی حج بیت اللہ کے علاوہ سفر نہیں کیا (حیات مالکؒ ابو زہرہ) وہ بھی ۱۳۶ھ میں جب خلیفۂ المنصورؒ کی بیعت خلافت سابق خلیفہ کی نامزدگی کی بناپر ہو چکی تھی مدینہ سے عراق میں مقام ہاشمیہ پر اس غرض سے تشریف لے آئے تھے کہ خلیفہ موصوف کے اس سوال کا جواب "کیا میں اس حکومت کا اہل ہوں جو اللہ تعالےٰ نے اس امت میں مجھے دی ہے" اثبات میں دے سکیں حالانکہ امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ اس زمانے میں نہ عراق میں یکجا ہوئے اور نہ تین سال بعد جب خلیفہ المنصورؒ ۱۴۰ھ میں ادائے فریضہ حج کے لئے گئے تھے حجاز میں یکجا ہوئے اور اگر بفرض محال یہ ائمہ یکجا ہوئے بھی ہوں تو اب ہم اس وضعی روایت کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں:-

(۱) مودودی صاحب یا اس مردود روایت کے راوی نے یہ نہیں بتایا یہ تینوں بزرگوار امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ سے بیعت کرنے کے بعد ان کے پاس جمع ہوئے تھے یا اس سے پہلے۔ اگر بیعت سے پہلے جمع ہوئے تھے تو بعد میں بیعت کی یا نہیں اور اگر بیعت کے بعد آئے تھے تو خدا اور رسول کے نام پر جو بیعت کر چکے تھے اس کے باوجود یہ کہنا کہ آپ کی خلافت پر دو اہل فتویٰ بھی جمع نہیں ہوئے کس حد تک

درست ہے۔کیا یہ تینوں بزرگ اہل فتویٰ نہ تھے؟ اور کیا امام ربیعہ جو ربیعہ صاحب الرای سے معروف اور امام ابوحنیفہؒ سے مقدم تھے اور مقام انبار ہی میں قاضی تھے نیز امام ابن ابی لیلیٰؒ کروہ بھی اموی عہد سے لیکر ابتدائے عہد عباسی تک کوفے کے قاضی تھے کیا ان میں کوئی اہل فتویٰ نہ تھا اور اگر ان بزرگوں نے بیعت خلافت نہیں کی تھی تو وہ عہدہ قضا پر کیسے ماموز رہتے۔

(۲) دعوت عباسیہ چالیس برس پہلے سے جاری تھی اور اس کا مقصد جیسا ہم تفصیلاً بیان کر چکے ہیں سوائے اس کے اور کیا تھا کہ بعض اموی خلفا کی غلطیوں سے امت میں جو انتشار عرب وغیر عرب کی چپقلش سے پیدا ہوگیا اسے دور کر کے اصول مساوات واخوت کو عملاً نافذ کرنے کے لئے رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار کریں اور قدم اس وقت اٹھائیں جب کامیابی یقینی ہو جائے کیا وہ ہزاروں لاکھوں آدمی جو اس دعوت میں شریک ہوئے مسلمان نہ تھے اور کیا ان علماء وفضلا میں جو اموی عہد سے لیکر شروع عہد عباسی تک عراق اور دوسرے مقامات پر عہدہ قضا پر ماموررہے کوئی اہل فتویٰ نہ تھا؟

(۳) بزور خلیفہ ہونے کے معنی تو یہ ہیں کہ محض ایک صوبہ خراسان کی سپاہ اتنی طاقتور تھی کہ سندھ سے لیکر مراکش تک اور عرب سے چینی ترکستان تک تمام عالم اسلام کو فتح کر کے عباسیوں کی "جابرانہ وظالمانہ" حکومت قائم کردے۔کیا دوسری صدی ہجری کے عرب قبیلوں اور دوسرے مسلمانوں کو زیر کرنا ایسا آسان تھا کہ چند ماہ کے اندر سب لوگ نئی خلافت کے سامنے سپر ڈال دیں۔کوئی سلیم العقل شخص یہ باور نہیں کرسکتا کہ اموی خلافت کیا انقلاب کے ذریعہ اس طرح ختم کیا جاسکتا کہ رائے عامہ اس انقلاب کی پشت پر نہ ہوتی۔ امام ابوحنیفہؒ جیسے شخص جو نسلاً بھی غیر عرب تھے اور دعوت عباسیہ کے ارفع واعلیٰ مقاصد سے واقف اور صورت حال کے عینی شاہد تھے وہ ایسی لغو ولچر بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

(۴) زید بن علی اور محمد الارقط و ابراہیم نے جب خروج کیا تو کیا انھوں نے رائے عامہ کو اپنے حق میں استوار کر لیا تھا یا اُن کا طریقہ کار یہ تھا کہ طاقت کے ذریعہ حکومت وقت کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کریں۔ مودودی صاحب کا یا امام ابو حنیفہ کا جن پر ان خروجوں کی حمایت کا بہتان رکھا گیا ہے وہ اصول کہاں گیا جو اس اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بنو فاطمہ اگر فوج کشی کے ذریعہ خلافت حاصل کر لیں تو وہ جائز خلافت ہوگی اور اس سے منشاء نبوی پورا ہو جائے گا۔ چاہے انھیں امت کی حمایت حاصل ہو یا نہ ہو۔ لیکن اموی سادات اور عباسی ائمہ جب انقلاب کے ذریعہ رائے عامہ کی تائید سے کامیاب اور پائدار حکومت قائم کر لیں تو وہ حکومت ناجائز ہوگی۔ تو یہی سیدھی بات مودودی صاحب کیوں نہیں کہہ دیتے کہ خلافت کا حق بنو فاطمہ کا تھا اور ان کا یہ منصب تھا کہ جس طرح چاہیں امت پر اپنا تسلط قائم کر لیں چاہے امت ان کی حمایت پر ہو یا نہ ہو۔ گویا دین ان کے گھر کا معاملہ ہے جس طرح چاہیں اس کے ساتھ کھلیں اور امت کو جن فتنوں میں چاہیں مبتلا کریں۔ مودودی صاحب کی بیان کردہ یہ روایت بے اصل اور لغو محض ہے۔

بیت المال

مودودی صاحب لکھتے ہیں (ص ۲۵۶)

"جس زمانے میں ان کے (یعنی ابو حنیفہؒ) اور خلیفہ منصور کے درمیان سخت کشمکش چل رہی تھی۔ منصور نے ان سے کہا تم میرے ہدیئے کیوں نہیں قبول کرتے؟ انھوں نے جواب دیا "امیر المومنین نے اپنے مال میں سے مجھے کب دیا تھا کہ میں نے اسے رد کیا ہو۔ اگر آپ اس میں سے دیتے تو میں ضرور قبول کر لیتا آپ نے تو مسلمانوں کے بیت المال سے مجھے دیا حالانکہ ان کے مال میں میرا کوئی حق نہیں ہے۔ میں نہ اُن کے دفاع کے لئے لڑنے والا ہوں کہ ایک سپاہی کا

حصّہ پاؤں نہ ان کے بچّوں میں سے ہوں کہ بچّوں کا حصّہ مجھے ملے
اور نہ فقراء میں سے ہوں کہ جو کچھ فقیر کو ملنا چاہیئے وہ مجھے ملے"

یہ لغو روایت جس کسی نے وضع کی ہے اُسے نہ علم فقہ سے کچھ مس تھا نہ تاریخ
سے اور نہ تعامل صحابہ سے۔ بیت المال کے متعلق ہم پہلے تفصیل سے دے چکے ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جو مال غنیمت اور فئی میں ملا اس میں رسول خدا کا
حصّہ امیرالمومنین کی طرف منتقل کر دیا گیا جیسا کہ سنن ابی داؤد (کتاب[1] الخراج
ص ۵۱۴ طبع کانپور) اور امام ابن قدامہؒ کی شہرۂ آفاق کتاب المغنی میں ہے۔ (ابن
قدامہ المغنی ج ۶ ص ۴۰۸) غنیمت اور فئی کا یہ پچیسواں حصّہ منقولہ جائداد کی
حد تک امیرالمومنین کے ذاتی تصرف میں اس وقت تک ہوتا تھا جب تک وہ
اپنے منصب پر فائز رہیں۔ انھیں اس پر وہی اختیار تھا جو ہر شخص کو اپنے ذاتی
مال پر ہوتا ہے۔ خلفاء اسلام جس کسی کو یوں عطا فرماتے تھے وہ ان کے اپنے
اسی مال میں سے ہوتا تھا تو اس بات کو جانتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ یہ کیسے فرما سکتے
تھے کہ "آپ اپنے مال میں سے دیتے تو لے لیتا۔ یہ مال تو مسلمانوں کا ہے"۔

علاوہ ازیں انھوں نے دیوان فاروقی کا خیال نہیں کیا جس کے مطابق
ہر عرب مسلمان کو وظیفہ ملتا تھا اور ان موالی کو بھی جو کسی عرب قبیلے سے رشتۂ وِلاء
قائم کرلیں۔ مالیات کا یہ انتظام برابر قائم رہا۔ امیرالمومنین محمد المہدی عباسیؒ
کے زمانہ میں اس کے قائم رہنے کا دستاویزی ثبوت موجود ہے (ملاحظہ ہو امام
شافعی کی کتاب الاُم (ج ۴ - ص ۱۰۵ طبع مصر مکتبۃ الکلیۃ الازھریہ مصر)
گویا مسلمانوں کے بیت المال میں ہر مسلمان کا حصّہ تھا امام صاحب بھی اس کے
حقدار تھے تو وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا حصّہ نہیں۔ پھر
دیکھنا چاہئے بزرگان سلف کا معمول کہ خلفاء کے ہدایا قبول کرتے تھے۔ چنانچہ
مودودی صاحب کے ماخذ البدایۃ والنہایۃ (ج ۸ ص ۱۵۰) میں
صراحتاً بیان ہے کہ:—

فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكراماً زائداً ويقول لهما مرحباً يعطيهما عطاءً جزيلاً وقد اطلق لهما في يوم واحدٍ مائتي الف

جب امیر المومنین معاویہؓ کی خلافت قائم ہوگئی تو حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی عزت اوروں سے زیادہ کرتے اور فرماتے مرحبا و اھلاً۔ اور انہیں بہت زیادہ مال دیتے چنانچہ ایک مرتبہ دو لاکھ درہم دئے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ سے بیش بہا عطیات لئے (البلاذری انساب الاشراف بذیل مادہ امیر المومنین یزیدؒ)

یعنی امیر المومنین منصورؒ اپنے خاص بیت المال سے عطاء فرماتے یا عام بیت المال سے دونوں صورتوں میں وہ روپیہ لینا ہر طرح جائز اور طیب تھا اور حضرت امام صاحبؒ اسے قبول کرنے سے اصولاً انکار نہیں کر سکتے تھے یہ اور بات ہے کہ مستغنی ہونے کی بناء پر عذر پیش کر دیں۔

علاوہ ازیں خمس میں سے ایک حصہ اللہ کا ہے جسے بعض فقہاء کہتے تھے کہ اللہ نے اپنا نام اس لئے لیا ہے کہ ہر چیز اس کی ہے اور بعض حضرات کا موقف ہے کہ اللہ کا حصہ تبلیغ دین اور تعمیر مساجد وغیرہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ یعنی یہ تصور باطل ہوا کہ غنیمت اور فئ صرف مجاہدوں اور ان کی اولاد کے لئے یا فقراء کے لئے ہے۔ تبلیغ دین کی اس سے بہتر صورت کیا ہو سکتی ہے جو حصہ اللہ کا ہے وہ علماء اور طلبہ پر خرچ کیا جائے تاکہ یہ علماء و فقہاء کسب معاش کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ غرض یہ ہے چھٹی صدی ہجری کے المکی کی جو مردود مہمل روایت مودودی صاحب نے بطور حجت پیش کی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ امام صاحب

امیرالمومنین کے مابین یہ مکالمہ بے اصل و من گھڑت ہے۔

پھر سوال ہے کہ جب تعمیر بغداد کے سلسلے میں امام صاحب کا قیام دارالسلام میں تھا تو یہ پانچ برس انھوں نے کس طرح گزارے اور دوسرے بزرگوار جو دارالخلافہ کی تعمیر بغداد کے سلسلے میں وہاں موجود تھے ان کے اخراجات کے کفیل امیرالمومنین تھے یا یہ اصحاب اپنے گھروں سے خرچ منگوا کر رضاکارانہ یہ خدمت انجام دے رہے تھے؟ دونوں صورتوں میں یہ امر واضح ہے کہ نہ امام صاحب اور امیرالمؤمنین کے درمیان کوئی کشمکش تھی اور نہ کسی قسم کا اختلاف تھا۔ بلکہ قواعد دینیہ کے تحت اپنی بیعت کی پاسداری میں امام صاحب صمیم قلب سے بغایت وفاداری اپنے فرائض مفوضہ انجام دے رہے تھے اس کے خلاف مودودی صاحب نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ افترا محض ہے۔

خلافت سے تعاون

مودودی صاحب فرماتے ہیں (ص ۲۷۹)

"امام ابوحنیفہ کی زندگی میں ان کے سیاسی مسلک اور حکومت کے ساتھ ان کے ترک تعاون کی وجہ سے سلطنت عباسیہ اور حنفی مدرسۂ فکر کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو چکے تھے اور یہ اثر بعد میں بھی اچھی خاصی مدت تک باقی رہا۔ ایک طرف اس مدرسے کے اکابر اپنے ترک تعلق پر جمے رہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد ان کے نامور شاگرد زفر بن الہذیل (م ۱۵۸ھ ۷۷۵ء) کو جب منصب قضا قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو انھوں نے بھی انکار کر دیا اور جان بچانے کے لئے روپوش ہو گئے۔ دوسری طرف المنصور سے کر ہارون الرشید کے ابتدائی عہد تک سلطنت کا رجحان یہ رہا کہ اس مدرسۂ فکر کے اثر کی مزاحمت کی جائے۔

کذب بیانی اور افترا پردازی کی بھی ایک حد ہوتی ہے مگر مودودی صاحب یہ تمام حدود پھلانگ گئے اور اس کی پروا نہ کی کہ ان کی یہ تحریر اہل علم کے

سامنے آئیگی۔ امام ابو حنیفہؒ جس طرح امیر المومنین جعفر المنصورؒ کے مطیع اور فرماں بردار تھے اس کا ذکر تو اوپر گذر چکا۔ لیکن یہاں ہم اس بہتان کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں جو مودودی صاحب نے امام زفرؒ پر لگایا ہے۔ امام زفرؒ اپنے شیخ امام ابو حنیفہؒ کی زندگی ہی میں بصرے کے قاضی رہے۔ اس زمانے کی ایک دلچسپ رو داد ابن عبد البر نے الانتقاء میں بیان کی ہے۔ (ابو زہرہ ابو حنیفہ ص ۲۱ بحوالہ ابن عبد البرؒ: الانتقاء):-

"جب حکومت نے انہیں امام زفرؒ کو بصرے کا قاضی مقرر کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا "ہمارے اور اہل بصرہ کے مابین جو اختلافات ہیں اور وہ لوگ ہم سے حسد کرتے ہیں ان کے پیش نظر مجھے امید نہیں کہ تم اپنے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دے سکو گے" لیکن وہ توکل بر خدا وہاں گئے اور اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ بصری علماء ان کے پاس آنے لگے اور مناظرے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ روزانہ ایسی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔

امام زفرؒ جب اپنے مخاطب کو قائل کر دیتے تو فرماتے "یہ ابو حنیفہ کا قول ہے"۔ لوگ پوچھتے کہ ابو حنیفہؒ کے علم میں اتنی گہرائی ہے؟ تو فرماتے اس سے بھی زیادہ"۔

اس طرح رفتہ رفتہ علمائے بصرہ کا تعصب جاتا رہا۔ اور محبت و احترام کے جذبات امام ابو حنیفہ کے متعلق پیدا ہو گئے۔ یوں کوفہ و بصرہ میں جو منافست چلی آرہی تھی وہ اتحاد فکر میں تبدیلی ہو گئی۔ حکومت کے ساتھ تعاون اور امیر المومنینؒ کے فرمان کی اطاعت کی اس سے زیادہ اور مثال کیا ہو سکتی ہے کہ امام زفرؒ نے اس علاقے کا قاضی بننا منظور کر لیا جہاں کا ماحول ان کے لئے سازگار نہ تھا۔ ایک قاضی کے لئے بہت مشکل ہے کہ وہ مخالفوں کے درمیان رہ کر مقدمات کا فیصلہ کرے اور فتویٰ دے۔ مگر امام المسلمین حضرت ابو جعفر المنصورؒ کا حکم

انھوں نے مانا اور اسی کی تعمیل اپنے اوپر واجب جانی۔

رہی یہ بات کہ بالآخر وہ مستعفی ہو گئے تو ان کا یہ استعفا اس سبب سے تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے فرائض انھیں ادا کرنے تھے اور یہ اتنی اہم بات تھی کہ حکومت انھیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ مودودی صاحب نے انتہائی تلبیس سے کام لے کر یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد وہ قاضی بننے کے خوف سے روپوش ہو گئے تھے لیکن انھوں نے اس افترا پردازی کے وقت یہ خیال کیوں نہ کیا کہ امام زفرؒ نے آٹھ برس تک اپنے شیخ کی جانشینی کی ذمہ داریاں پوری کیں اور ان کے شاگردوں کی تربیت فرمائی۔ کیا یہ تربیت کسی صحرا میں روپوش ہو کر یا کسی پہاڑ کے غار میں بیٹھ کر کر رہے تھے جو حکومت کو خبر نہ ہوئی کہ جسے ہم قاضی بنانا چاہتے ہیں وہ عدم تعاون کر کے روپوش ہو گیا ہے۔ اور کیا امیر المومنین المنصورؒ کی حکومت ایسی تھی کہ ایک مجرم آٹھ برس تک لوگوں کو دین کی تعلیم دیتا رہے اور اسے گرفتار نہ کرایا جا سکے۔

امام ابو یوسفؒ مودودی صاحب نے اول تو صریح جھوٹ بولا کہ "المنصورؒ سے لے کر ہارون الرشیدؒ کے ابتدائی عہد تک سلطنت کا رجحان یہ رہا کہ اس حنفی مدرسۂ فکر کے اثرات کی مزاحمت کی جائے" اور پھر خود ہی لکھتے ہیں

(ص ۲۸۲)

"شاید ابو یوسفؒ بھی اپنے استاد کی طرح اپنی ساری زندگی حکومت سے عدم تعاون ہی کی روش پر گزار دیتے اگر ان کی معاشی حالت کچھ بھی درست ہوتی...... یہی سبب تھا جس نے انھیں سرکاری ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد ۱۶۶ھ ؍ ۷۸۲ء میں وہ بغداد گئے۔ خلیفہ المہدی سے ملے اور اس نے انھیں مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا۔ الہادی کے زمانے میں بھی وہ اسی پوزیشن پر رہے۔ پھر جب ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو رفتہ رفتہ خلیفہ پر ان کا اثر اس قدر بڑھتا چلا گیا کہ

آخر کار اس نے انھیں تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلم ریاست میں یہ منصب قائم ہوا۔ اس سے پہلے کوئی شخص خلافت راشدہ یا اموی اور عباسی سلطنتوں میں چیف جسٹس نہیں بنایا گیا تھا اور یہ منصب جس پر امام ابو یوسف مامور کیے گئے موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق محض عدالت العالیہ کے حاکم اعلیٰ کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرایض بھی اس میں شامل تھے یعنی وہ مقدمات کے فیصلے کرنے اور ماتحت عدالتوں کے قاضی مقرر کرنے کے اختیارات ہی نہ رکھتے تھے بلکہ سلطنت کے تمام داخلی و خارجی معاملات میں قانونی رہنمائی کرنا بھی انہی کا کام تھا۔"

ایک طرف مودودی صاحب کا یہ صحیح بیان ہے اور دوسری طرف تین چوتھائی امت کے عظیم المرتبت امام کے بارے میں یہ انتہائی گستاخی بھی وہ کر گئے کہ اپنے ضمیر کے خلاف انھوں نے محض محتاجی کے سبب حکومت کے عہدے کے لئے درخواست دی چونکہ اصل صورت حال کا اظہار مودودی صاحب کے مقصد کے خلاف جاتا ہے اس لئے اس غلط بیانی کی انھیں ضرورت ہوئی۔ امام ابو یوسف کو ان کی قطعاً ضرورت نہ تھی کہ سرکاری خدمت کے حصول کے لئے وہ درخواست دیں۔ امام المسلمین کو ان کی قدر معلوم تھی اور یہ قدرتی بات تھی کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کے بعد امام ابو یوسفؒ کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے اس لئے انھیں قاضی مقرر کیا گیا اور پھر امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کے عہد مبارک و مسعود میں وہ قاضی القضاۃ بنائے گئے اور یوں فقہ حنفی کا مشرقی دنیا میں ڈنکا بج گیا۔

حکومت وقت سے تعاون اور امام المسلمین کے دامن سے وابستگی قوانین شرعیہ کے مطابق خاص و عام کے فرائض میں سے تھی۔ خلافت اسلامیہ کا نظام چل ہی اس طرح سکتا تھا کہ علماء و فضلاء و فقہاء و اہل فکر اپنے امام کی قیادت میں تقسیم کار کے اصول پر اپنی اپنی جگہ ملت کی خدمت کریں۔ یہ محض حنفی مکتبہ فکر کی خصوصیت

نہ تھی بلکہ تمام علماء و فقہاء کا شعار تھا۔ ہمارے اکابر خدا و رسول کے نام پر اوپری دل سے تقیۃً بیعت نہیں کرتے تھے۔ اور صیغہ بیعت پر غور کرنے والا کوئی مومن نہ ان الفاظ کو رسمی سمجھ سکتا ہے کہ "میں خدا و رسول کی سنت کے مطابق امیر المومنین کا حکم سننے اور مقدور بھر اس کی اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں"
[صحیح بخاری ج ۴، ص ۲۴۵، طبع مصر کتاب الاحکام]

اپنی نجی حیثیت میں امام یا امیر محض ایک مسلم فرد ہے اور اس کے ساتھ افراد کے تعلقات ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے دنیا کا دستور ہے۔ لیکن منصبی حیثیت میں ان کا احترام اور ان سے تعاون تمام ان امور میں لازم ہے جو احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہوں۔ اسی پر ہمارے ائمہ کا عمل تھا اور یہی سنت صحابہ کرام کی تھی۔ چنانچہ شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب امیر المومنین عبد الملکؒ کو بیعت نامہ بھیجا تو بروایت مؤطا امام محمدؒ اس طرح تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین من عبد اللہ ابن عمر [اللہ کے بندے عبد الملک امیر المومنین کی خدمت میں منجانب عبد اللہ بن عمر]
اسی طرح حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صلوات اللہ علیہا نے امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کو خط اس طرح لکھا تھا (البلاذریؒ، فتوح الاسلام ج ۲ ص ۲۲۵ ترجمہ جناب ابو الخیر مودودی) الیٰ زیاد ابن ابی سفیان من عائشہ ام المومنین حالانکہ یہ دونوں بزرگوار تابعی ہیں اور صحابہ کرام کے تربیت زادہ۔ مگر منصبی حیثیت سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ امام اور امیر کے ساتھ احترام و تعظیم کا برتاؤ کرے۔ اور ان کے احکام کی تعمیل واجب جانے۔ اگرچہ مرتبہ میں ہزار گنا زیادہ ہو۔ اس طرح وہ تمام روائتیں ہیچ محض ہیں جو شرعی آداب اور تعامل صحابہ کے خلاف ہمارے بعض بزرگوں کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

خلفاء اسلام کا احترام ہمارے ائمہ کے ہاں جس نوعیت کا تھا اس کا ایک اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام شافعیؒ جب تحصیل علم کے لئے امام مالکؒ کی

خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو جس مسند پر امام مالکؒ تشریف فرما ہوتے تھے اس
کی پشت پر ریشم سے لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ھارون
امیر المومنین (رحلۃ الامام الشافعیؒ مطبوعہ مطبع اقلیمی بلدہ آرہ
بہار، طبع ۱۳۰۶ھ) یہ تھی عظمت امیر المومنین کی امام مالک کی نگاہوں میں
اور وہ اپنے اس شاگرد کو اس کی منصبی حیثیت میں خدا تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت
سمجھتے تھے۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے:۔

ان امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ — امیر المومنین نے اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے
سالنی ان اضع لہ کتابا جامعاً .... مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں ایک جامع کتاب لکھوں

ایک طرف خلفاء اسلام کے ساتھ صحابہ کرام اور ائمہ فقہ وحدیث کا یہ طرز عمل
ہے اور دوسری طرف مودودی صاحب اور ان جیسے لوگ ان کے بارے میں گستاخانہ
لہجہ میں اختیار کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں السلطان ظل اللہ فی الارض من
اکرمہ اکرمہ اللہ ومن اھانہ اھانہ اللہ۔ اور کمال یہ ہے کہ مودودی
صاحب اسے صحیح حدیث بھی جانتے ہیں۔

غرض یہ کہ امام ابو یوسفؒ نیز امام زفرؒ اور امام ابو حنیفہؒ یا حنفی مکتبۂ
فکر کے بارے میں مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقعات کے سراسر خلاف تیح
محض ہے ہمارے یہ ائمہ ہر طرح خلافت قائمہ کے ساتھ تھے اور بغاوت کرنے
والوں کے خلاف رہے۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے ان شاگردوں کے بارے میں جو ان
کے دامن سے زیادہ وابستہ تھے ایک مرتبہ فرمایا (حیات ابو حنیفہ ابو زہرہ)
"یہ تیس آدمی ہیں ان میں ۲۸ قاضی بننے کے لائق ہیں چھ مفتی بننے کے اور ابو یوسف
و زفر قاضیوں اور مفتیوں کی تادیب و اصلاح کی قابلیت رکھتے ہیں" چنانچہ ان میں
متعدد اشخاص عباسی خلافت میں منصب قضا پر مامور رہے یعنی امام ابو یوسفؒ
و امام زفر و امام محمد شیبانی کے علاوہ حفص بن غیاثؒ، قاسم بن معنؒ، علی بن

المسعودی بن زکریا، مافیہ بن یزید محمد سماعۃ التیمی مولف ادب القاضی وغیرہم اور خود امام صاحب کے حقیقی پوتے اسمٰعیل بن حماد بن ابو حنیفہ بصرے کے قاضی رہے۔
وولی اسمٰعیل بن حماد قضاء البصرۃ (کتاب المعارف ص۲۱۶)

امام ابو حنیفہؒ پر ایک اور لغو اتہام

"کتاب مناقب النعمان" کے مولف الکردری متوفی ۸۲۷ھ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے سے تقریباً سات سو برس بعد کے مولف ہیں ان کی بعض بے سروپا روایتوں پر پہلے بھی اظہار خیال ہو چکا ہے مودودی صاحب نے ایک ایسی لغو و لچر روایت ان کے حوالے سے درج کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا جو تاریخی واقعات کے اعتبار سے بھی ہیچ محض ہے اور امام صاحب کو بھی اس میں متہم کیا گیا ہے کہ وہ حکومت قایمہ کے فوجی افسروں کو ان کے فرائض مفوضہ کی انجام دہی سے روکتے اور باغیوں کی گوشمالی و سزا دہی کے معاملہ میں خلیفہ وقت کی حکم عدولی پر بھی آمادہ کیا کرتے تھے۔ یہ لغو و لچر روایت مودودی صاحب نے نوک پلک درست کرکے اس میں امام صاحب اور ان کے مخاطب کی گفتگو اس طور سے لکھی ہے۔ گویا ٹیپ کا رڈنگ سے بارہ سو برس کی منسوبہ گفتگو سن رہے ہوں لکھتے ہیں کہ:۔

"کہ سب سے زیادہ اہم اور خطرناک اقدام ان کا (امام ابو حنیفہ کا) یہ تھا کہ انہوں نے المنصور کے نہایت معتمد جنرل اور اس کے سپہ سالار اعظم حسن بن قحطبہ کو نفس زکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ پر جانے سے روک دیا۔ اس کا باپ قحطبہ وہ شخص تھا جس کی تلوار نے ابو مسلم کی تدبیر و سیاست کے ساتھ مل کر سلطنت عباسیہ کی بنیاد رکھی تھی اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی جگہ سپہ سالار اعظم بنایا گیا اور منصور کو اپنے جرنلوں میں سب سے زیادہ اسی پر اعتماد تھا لیکن وہ کوفہ میں رہ کر امام ابو حنیفہؒ کا گرویدہ ہو چکا تھا اس لئے ایک مرتبہ امام سے کہا کہ میں آج تک جتنے گناہ کر چکا ہوں (یعنی منصور کی نوکری میں

جیسے کچھ ظلم وستم میرے ہاتھوں ہوئے ہیں) وہ آپ کے علم میں ہیں
اب کیا میرے لئے ان گناہوں کی معافی کی بھی کوئی صورت ہے۔
امام نے کہا "اگر اللہ کو معلوم ہو کہ تم اپنے افعال پر نادم ہو اور
اگر آیندہ کسی مسلمان کے بے گناہ قتل کے لئے تم سے کہا جائے اور
تم خدا سے عہد کرو کہ آیندہ اپنے پچھلے افعال کا اعادہ نہ کروگے
تو یہ تمہارے لئے توبہ ہوگی"۔ حسن نے یہ بات سن کر ان کے سامنے
عہد کرلیا اس پر کچھ مدت بھی گذری تھی کہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے
کے خروج کا معاملہ پیش آگیا۔ منصور نے حسن کو ان کے خلاف جنگ
پر جانے کا حکم دیا۔ اس نے آکر امام سے اس کا ذکر کیا۔ امام نے فرمایا
"اب تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اپنے عہد پر قایم
رہوگے تو تمہاری توبہ بھی رہے گی ورنہ پہلے جو کچھ کر چکے ہو اس پر بھی
خدا کے ہاں پکڑے جاؤگے اور اب جو کچھ کروگے اس کی سزا بھی پاؤگے"
حسن نے دوبارہ اپنی توبہ کی تجدید کی اور امام سے کہا "اگر مجھے مار
بھی ڈالا جائے تو میں اس جنگ پر نہ جاؤں گا" چنانچہ اس نے منصور
کے پاس جا کر صاف کہہ دیا "امیرالمومنین! میں اس مہم پر نہ جاؤں گا۔
آج تک جو کچھ میں نے آپ کی اطاعت میں کیا ہے اگر وہ اللہ کی اطاعت میں تھا
تو میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے اور اگر وہ اللہ کی معصیت میں تھا تو اس سے آگے اب میں مزید
گناہ نہیں کرنا چاہتا"۔ منصور نے اس پر سخت ناراض ہوکر حسن کی گرفتاری کا حکم دیدیا

مودودی صاحب اگر اپنے تعصب اور نسلی حسد کے جذبے میں قدرے
تخفیف و توازن پیدا کر کے طبری والبدایہ والنہایہ وغیرہ کتب تاریخ ہی کے صفحات
پر جہاں کا ماخذ بھی ہیں حسن بن قحطبہ کے اس زمانے کی مصروفیات اور خدمات کی
تصریحات ملاحظہ کرلیتے تو خود بخود ان پر واضح ہوجاتا کہ یہ بے پر کی لغو و لچر کہانی
کسی ایسے احمق ناہنجار کی من گھڑت ہے جسے نہ امام صاحب کے سیاسی موقف

سے کوئی واقفیت تھی اور نہ تاریخی واقعات کا صحیح علم تھا۔ مودودی صاحب کا یہ فرمانا کہ حسن بن قحطبہ امیرالمؤمنین المنصورؒ کا سپہ سالار اعظم تھا جسے حسنی باغیوں محمد الارقط و ابراہیم کی سرزنش کے لئے بھیجا جا رہا تھا کذب محض ہے۔ وہ نہ سپہ سالار اعظم تھا نہ حسنی باغیوں کے مقابلے میں بھیجا جا رہا تھا اور نہ کوفہ میں اس وقت یا بعد میں مقیم تھا۔ بلکہ جہاں اور بیسیوں فوجی سردار عباسی خلافت کے مختلف علاقوں میں انتظامی امور کی نگرانی، سرحدات کی حفاظت، دشمنوں اور سرکش باغیوں کی سرکوبی کے لئے متعین ہو کر خدمات لائقہ بغایت وفاداری انجام دے رہے تھے حسن بن قحطبہ اور اس کا بھائی حمید بھی ان میں شامل تھے۔ یہ دونوں بھائی بدو شعور سے خانوادۂ عباسی کے معتقد اور اطاعت کیش تھے۔ ان کے والد قحطبہ بن شبیب بن خالد بن سعدان التیمی بقول طبری خراسان کے "بڑے مقتدر اور با رسوخ شرفا" میں سے تھے اور ان بارہ عباسی نقیبوں میں شامل تھے جو ۱۰۴ھ میں دعوت عباسیہ کے لئے خراسان میں مقرر ہوئے تھے۔ ۱۲۴ھ میں یہ قحطبہ مع دو دیگر عباسی نقیبوں کے امام ابراہیم عباسی کی خدمت میں یہ اطلاع دینے حاضر ہوئے کہ خراسان میں آپ کی بیعت لے لی گئی ہے اور فوجی قوت بھی مجتمع ہو گئی نیز حسب روایت طبری اپنے امام کو یہ بھی بتایا کہ ہم آپ کے لئے بیس ہزار دینار، دو لاکھ درہم اور بہت سا سامان لیکر آئے ہیں۔...... اس سال یہ لوگ ابو مسلم کو بھی ساتھ لائے تھے۔ ابن کثیر (عباسی نقیب) نے (ابو مسلم کے بارے میں) امام ابراہیم سے کہا یہ آپ کا مولیٰ ہے" (طبری ج ۵ ص ۲۳۶ اردو)

حسنی باغیوں محمد الارقط و ابراہیم کے والد عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو جیسا پچھلے اوراق میں تفصیلاً بیان ہوا اس واقعہ کا علم ہو کر ابراہیم امام عباسی پر کچھ ایسا رشک و حسد ہوا کہ اموی خلیفہ سے مخبری کر کے انھیں گرفتار کرا دیا لیکن ان کی گرفتاری اور غیر طبعی موت سے پہلے ہی یہ قحطبہ عباسی امام کا عطا کردہ جھنڈا لیکر خراسان پہنچ چکے اور اس کو لہرا چکے تھے چنانچہ اسی وقت

سے عباسی داعیوں اور ان کے ساتھیوں کا اموی فوجی قوت سے تصادم شروع ہوگیا تھا قحطبہ نے انتہائی وفاداری اور عقیدتمندانہ جوش و ولولے سے اپنی عمر کا بہترین حصہ یعنی پورے ۲۰ سال دعوتِ عباسیہ کے لئے صرف کئے رکھے سنہ ۱۱۲ھ سے امیر المومنین عبداللہ السفاحؒ کی بیعت خلافت سنہ ۱۳۲ھ سے چند دن پہلے دریائے فرات عبور کرتے وقت قحطبہ اپنی جان سے ہاتھ دھوکر غرق ہوگئے ان کے دونوں بیٹوں حسن و حمید کو ان کی اور ان کے باپ کی خدمات کے اعتراف اور صلہ میں اہم مناصب پر سرفراز کیا گیا۔

مودودی صاحب کی بیان کردہ اس مردودہ روایت کی قطعی تکذیب کے لئے حسن بن قحطبہ کی کوفے سے ہزار آٹھ سو میل کے فاصلے اور بعید مقامات پر تعناتی اس کی خدمات اور کارگذاریوں کا ذکر جو وہ آخر دم تک بغایت وفاداری و اطاعت شعاری کرتا رہا اس موقع پر کیا جانا ضروری ہوا۔

حسن بن قحطبہ سنہ ۱۳۷ھ میں یعنی اس زمانے میں جب بقول مؤلفین "حیات ابو حنیفہ" ابو زہرہ وغیرہم امام ابو حنیفہؒ نے کوفے میں مقیم ہو کر سلسلہ درس و تدریس شروع کیا تھا حسن بن قحطبہ علاقہ شام کے سرحدی مقام آرمینیا میں تعینات تھا امیر المؤمنین ابو جعفر المنصورؒ کے حقیقی چچا عبداللہ بن علی السجاد نے دعوے خلافت سے مقام نصیبین پر جب پڑاؤ ڈالا ان کے مقابلے کے لئے ابو مسلم کو حکم دیا گیا اور حسب روایت طبری اردو (ج ۶ ص ۲۷۴ و ۲۷۵)

> "ابو جعفر (امیر المومنین) نے اس سے پہلے حسن بن قحطبہ کو جو ان کی طرف سے آرمینیا پر ان کا نائب تھا لکھ بھیجا تھا کہ وہ ابو مسلم سے آملے چنانچہ حسن بن قحطبہ ابو مسلم کے پاس آگیا جو اس وقت موصل میں تھا..... ابو مسلم کے میمنہ پر حسن بن قحطبہ تھا"

یہ واقعہ سنہ ۱۳۷ھ کا ہے اسی سے مودودی صاحب کی اس غلط بیانی کی قلعی کھل جاتی ہے کہ حسن بن قحطبہ سپہ سالار اعظم تھا اور کوفہ میں رہ کر امام ابو حنیفہ

کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ عبداللہ بن علی شکست پا کر عراق میں اپنے ایک بھائی کے پاس چلے آئے حسن بن قحطبہ اپنے مستقر کو لوٹ گیا لیکن ابومسلم کے غدارانہ عزائم کا اسے جب علم ہوا۔ امیرالمومنین کی وفاداری کے جذبے سے خاص پیغامبر کے ذریعہ حسب ذیل پیغام امیرالمومنین کے معتمد علیہ کو بھجوایا:۔

"جب سے میں ابومسلم کے پاس آیا ہوں مجھے اس کی وفاداری میں شبہ پیدا ہو گیا ہے جب کبھی امیرالمومنین کا خط اس کے پاس آتا ہے وہ اسے پڑھ کر اپنا منہ بنا لیتا ہے اور پھر اسے دیکھنے کے لئے ابونصر کو دیدیتا ہے اور وہ دونوں استہزاءً اس خط کو پڑھ کر ہنستے ہیں (ایضاً صـ)

امیرالمؤمنین کو یہ سب کچھ پہلے ہی معلوم تھا اس اطلاع کے بعد انھوں نے ابومسلم کا خاتمہ کر دیا۔ حسن بن قحطبہ بدستور علاقہ شام کی سرحدات کے تحفظ کے لئے اور بیس برس سے زیادہ عرصہ تک رومی عیسائیوں کے حملوں کی مدافعت میں جان لڑاتا اور عباسی مجاہدین کی جہادی مہمات میں خدمات لائقہ انجام دیتا رہا۔ ۱۳۸ھ میں عیسائی بادشاہ نے اس علاقے پر یکایک حملہ کر کے بعض مقامات مسمار کر دیئے تھے امیرالمؤمنین کے چچا صالح بن علی عباسی نے رومیوں کے علاقے میں جہاد کی زبردست مہم بھیجی وہ اور ان کے بھتیجے عباس بن محمد بذاتِ خود شریک جہاد تھے اس جہاد کی لاثانی خصوصیت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاشمی خاندان کی دو خواتین سیدہ اُمِ عیسیٰ وسیدہ لبابہ دختران حضرت علی السجاد بن حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی دشمنانِ دین کے خلاف اس جہاد میں اپنے بھائی بھتیجوں کے ساتھ موجود تھیں اگلے سال ۱۳۹ھ میں اور بعض کے نزدیک ۱۴۰ھ میں ابراہیم امام کے فرزند عبدالوہاب عباسی نے حسن بن قحطبہ کی معیت میں رومی عیسائی علاقے میں جہاد کیا ابن جریر طبری کے علاوہ دیگر مورخین ابن کثیرؒ نے بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے :۔ (البدایہ ج صـ)

وذکر بعضہم ان الحسن بن قحطبہ غزا الصائفۃ مع عبدالوہاب
بن ابراہیم الامام سنۃ اربعین۔ موسم گرما میں بلاد روم کی جہادی مہم
کو الصائفہ کہتے تھے بادشاہ روم سے چونکہ فدیہ کا معاہدہ ہو گیا تھا جس کی
رو سے امیر المومنین نے ان تمام مسلمانوں کو جو رومیوں کی قید میں تھے فدیہ دیکر
رہا کرا لیا تھا چند سال تک رومیوں کے خلاف صائفہ کی مہم نہیں بھیجی گئی البتہ
۱۴۰ھ میں عباس بن محمد الامام عباسی نے بروایت ابن جریر طبری رومیوں کے
علاقے میں موسم گرما کی مہم کے ساتھ جہاد کیا۔ ان کے ہمراہ حسن بن قحطبہ تھا (ص۳۵
ج ۷ اردو) پھر بعد کے مختلف سنین میں عباسی مجاہدین کی معیت میں حسن بن قحطبہ
بلاد روم میں جہادی مہمات کی خدمات انجام دیتا رہا۔ امیر المومنین محمد المہدی
عباسیؒ کے عہد میں جب رومیوں نے حدث پر دھاوا کر کے اس کی فصیل توڑ ڈالی
بروایت ابن جریر طبری (ص۱۷ ج۴ اردو) حسن بن قحطبہ نے تیس ہزار باقاعدہ
سپاہ کے ساتھ موسم گرما میں جہاد کیا رضاکاروں کی جماعت اس تیس ہزار کے
علاوہ تھی ابن خلدون نے کل فوج کی تعداد اسی ہزار لکھی ہے ۱۶۳ھ میں امیر المومنین
محمد المہدی عباسیؓ بنفس نفیس مع فرزند ولیعہد ہارون الرشیدؒ بلاد روم کی
جہادی مہم پر روانہ ہوئے ولیعہد ہارون الرشیدؒ نے حسن بن قحطبہ اور دوسرے

لہ ابن جریر طبری و دیگر مورخین ابن خلدون وغیرہم نے لکھا ہے کہ اثنائے سفر
جب خلیفہ المہدی عباسی کا گزر اموی خلیفہ عبدالملک بن مروانؓ کے بیٹے فرزند
مسلمہؒ کے قصر کے مقابل ہوا ان کے چچا عباس بن علی السجاد نے جو ہمسفر تھے یہ واقعہ
عباسی خلیفہ کو یاد دلایا کہ جب ان کے دادا محمد الامام عباسی اس نواح میں آئے تھے
مسلمہ بن عبدالملک امویؒ نے ان کی ضیافت کی تھی اور چار ہزار دینار نذر کئے
تھے یہ سنتے ہی عباسی خلیفہ نے مسلمہؒ کے بیٹوں کو اپنے سامنے بلا کر بیس ہزار
دینار ان کو اور ان کے لواحقین کو مرحمت کئے اور ان کے لئے وظائف بھی مقرر

(نوٹ بقیہ ص۱۶ پر)

افسروں کی معیت میں رومی علاقے میں چند قلعے فتح کئے اور ایک بستی اپنے والد کے نام پر "المہدیہ" بسائی (وکان فی ھذا الجیش الحسن بن قحطبہ (البدایہ) دوسرے سال ۱۶۴ھ میں اور بعض کے نزدیک ۱۶۵ھ میں ولیعہد ہارون الرشید نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ بلاد روم میں جہاد کرتے ہوئے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ مسعودی نے التنبیہ والاشراف (ص۱۴۰) میں خلیج قسطنطنیہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:۔

وقد حاصر القسطنطنیہ فی الاسلام من ھذا العدوۃ ثلاثۃ امراء آباؤھم ملوک و خلفاء اولھم یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان والثانی مسلمۃ بن عبدالملک بن مروان والثالث ھارون الرشید بن المھدی۔	اور اس خلیج کی جانب سے عہد اسلام میں محاصرہ قسطنطنیہ کا تین امرا نے کیا تھا جن کے آبا بادشاہ اور خلفا تھے ان میں سے سب سے پہلے یزید بن معاویہ بن ابوسفیان تھے دوسرے مسلمہ بن مروان اور تیسرے ہارون الرشید بن المہدی تھے۔

سیاسی مقصد کے علاوہ قسطنطنیہ کے محاصرے اور جہاد کی محرک رسول اللہ

(بقیہ نوٹ ص۴۷۵) کردئے (طبری اردو ج۳ ص۴۷۹ وابن خلدون ج۳ ص۲۴۱) اسی طرح ۱۶۰ھ میں حبشیوں نے مدینہ میں فساد و لوٹ مار جب مچا رکھی تھی مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لئے ایک اموی نوجوان نے آواز بلند کیا تھا میں الاصبغ بن سفیان بن عاصم بن عبدالعزیز بن مروان ہوں اور ابوجعفر (امیر المومنین) کی اطاعت کے ساتھ تم سب کو نماز پڑھاتا ہوں (طبری ج۹ ص۲۵۳) مودودی صاحب دیکھیں کہ ان کا یہ بیان کس قدر خلاف واقعہ ہے کہ عباسیوں نے بنی امیہ کے ایک ایک بچے کو قتل کرڈالا تھا شرانتی امویوں کے انقلاب کے ہنگامہ میں قتل ہوجانے سے ابومخنف جیسے کذاب کی اس دروغ گوئی کو کیوں باور کرلیا گیا کہ امویوں کا بچہ بچہ قتل کردیا گیا۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بشارت مغفرت کی رہی ہے کہ آپ کی امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا اس کے لئے مغفرت ہے صحیح بخاری کی اس حدیث بشارت مغفرت کی وجہ سے بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ سب سے اوّل جہاد امیر یزید علیہ الرحمہ نے بمعیت جماعت صحابہ کرام کیا تھا جن میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے بزرگ صحابی و میزبان رسول اکرمؐ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر کے علاوہ حسین بن علی بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ سبائیت زدہ ملّائی ذہنیت کے چند اشخاص کی طرح کیا مودودی صاحب بھی اس حدیث بشارت مغفرت کے انطباق سے امیر یزید علیہ الرحمۃ کو خارج کرنے کی جسارت کر سکیں گے کیونکہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلے امت مسلمہ کے جس لشکر نے جہاد کیا اس کے سردار اور سپہ سالار امیر یزیدؒ ہی تھے اور اس امر کا اعتراف مسعودی معتزلی شیعی کو بھی ہے جو مودودی صاحب کا ماخذ ہے۔

ایام ولیعہدی کے علاوہ خود اپنی خلافت کے زمانے میں امیر المؤمنین ہارون الرشیدؒ نے آٹھ سال دشمن اسلام قوتوں سے جہاد کر کے اسلامی تمدن کے امتیازات بڑھائے اور آٹھ ہی مرتبہ صلحاء، وفقہاء و علماء کی جماعتوں کی معیت میں فریضہ حج ادا کئے اور حجاج قافلوں کے آرام و آسائش کے لیے راستوں میں کثیر رقوم صرف کر کے ہر قسم کے انتظامات کئے، مدینہ میں روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے کئی بار مشرف ہوئے اور امام مالکؒ سے موطا شریف کی سماعت کی۔ ان کے پوتے امیر المومنین المعتصم باللہ عباسیؒ نے اپنے ایام خلافت میں رومی عیسائی قوت سے جہاد کئے، انقرہ و عموریہ شہر فتح کئے۔ انقرہ جس کو آج کل انگورہ کہا جاتا ہے۔ ان کے زمانے سے آج تک اسلامی مملکت میں شامل ہے اور ترکی سلطنت کا اہم مقام ہے۔

بہر حال یہ تو جملہ معترضہ تھا، ذکر یہ تھا کہ اموی و عباسی عہد میں

خلیفہ وقت[1] بذاتِ خود یا ان کے عزیز قریب اور معتمد سردار و منصبداران حکومت دشمنانِ دین کے خلاف جہادی مہمات میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے اور ان زبردست تحریکوں کو نیست و نابود کرنے میں اپنی جانیں کھپاتے جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے بنو عبد مناف میں صرف اموی عباسی غازیوں اور مجاہدوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں اور اس سے قبل بھی دشمنانِ اسلام سے معرکہ آرائیاں اور جہادوں جو امتیازی شان حاصل کی وہ طالبیوں و علویوں وغیرہ کسی گھرانے کے اشخاص کو حاصل نہ ہوئی۔ غزوات نبوی میں بڑا سخت معرکہ حنین کا تھا کفار کی تیر بازی سے لوگ متفرق ہونے لگے تھے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے علاوہ آپ کے اہلبیت میں سے آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ تھے جو آپ کی سواری کی لگام پکڑے تھے ان ہی کی آواز پر لوگ پلٹ آئے تھے ان کے ساتھ ان کے بڑے بیٹے فضلؓ اور ان کے تین بھتیجے علیؓ بن ابی طالب و ابنائے حارث بن عبد المطلب بھی تھے اسی غزوہ میں حضرت ابوسفیانؓ بھی رسول اللہ کے ساتھ تھے کفار کے تیر سے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی حضرت معاویہؓ بھی کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ یرموک کے جہاد میں رسول اللہ صلعم کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابی العاصؓ نے مع اپنے والد ماجد کے شریک ہو کر جام شہادت نوش کیا تھا اسی جہاد میں حضرت ابوسفیانؓ نے دوسری آنکھ بھی نذر کی ان کے ساتھ دونوں بیٹوں حضرت یزیدؓ و حضرت معاویہؓ کے علاوہ سیدہ ہندہ والدہ ماجدہ حضرت معاویہؓ اور ان کی بہن حضرت جویریہ بنت ابوسفیان مع اپنے شوہر حضرت السائب بن حبیشؓ کے نہ صرف موجود تھیں بلکہ کفار سے نبرد آزما بھی ہوئیں۔ اِن الله نرقا تلن یوم یرموك (طبری) اسی طرح عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی میں حضرت عباسؓ عم رسول اللہ کے ان سب چھ بیٹوں نے جو آنحضورؐ کی چچی اور سالی سیدہ ام الفضلؓ کے بطن مطہر سے تھے دشمنانِ اسلام کے خلاف جہادوں میں اور

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱۹ پر)

کے سیاسی اقتدار کو ختم کرنے کی غرض سے داخلی اور خارجی طور سے اٹھتی رہی تھیں خصوصاً رومی عیسائیوں کے جارحانہ اقدامات کے مقابلے میں۔ اِن جہادوں میں باقاعدہ سپاہ کے ساتھ جسے المرتزقۃ کہتے تھے رضاکاروں کی جماعتیں بھی شامل ہوا کرتی تھیں المتطوعۃ کہلاتی تھیں ۱۶۲ھ میں رومیوں سے جہاد کرنے کی مہم حسن بن قحطبہ کے زیر کمان بھیجی گئی تھی اس میں باقاعدہ سپاہ کے علاوہ رضاکاروں کی جماعت بھی شامل تھی ابن کثیر لکھتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۳۵)

فیہا غزا الصائفۃ الحسن بن قحطبۃ فی ثمانین الفا من المرتزقۃ سوی المتطوعۃ فدمر الروم۔

اس سنہ (۱۶۲ھ) میں حسن بن قحطبہ نے اسی ہزار باقاعدہ سپاہ کے ساتھ موسم گرما میں جہاد کیا رضاکاروں کی جماعت اس سے علاوہ تھی ملک روم میں جا کر تباہی مچادی تھی

الغرض مندرجہ بالا تاریخی واقعات کی تفصیلات سے جو بغرض توضیح مطالب قدرے طوالت سے درج ہوئیں اظہر من الشمس ہے کہ امیرالمؤمنین ابو جعفر المنصورؒ کے شروع زمانہ خلافت بالفاظ دیگر ۱۳۷ھ سے جب بقول مؤلفین "مناقب النعمان" امام ابوحنیفہؒ نے بغرض درس و تدریس کوفہ میں قیام کیا تھا حسن بن قحطبہ خلافت عباسیہ کے ذمہ دار منصبدار کی حیثیت سے آرمینا جیسے دور دراز مقام پر متعین رہ کر امام صاحب

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷۸) افریقہ و فلسطین و یمن و ترکستان وغیرہ بعید دور دراز ملکوں میں اعلائے کلمۃ الحق کے مقصد سے جلادت و شجاعت کے کارنامے انجام دے کر اپنی جانیں نثار کیں اِن چھ حقیقی بھائیوں میں کسی بھی دو بھائیوں کے مدفن ایک ملک میں نہیں ہیں کسی کا مزار سمرقند میں ہے تو کسی کی قبر افریقہ میں کوئی طائف میں منتظر نفخ صور ہیں تو کوئی فلسطین میں کسی کی قبر یمن میں ہے تو کسی کا مرقد مصر میں ایسی کوئی مثال کسی علوی و قریشی خاندان میں حقیقی بھائیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی ان ہی بھائیوں کے اخلاف نے اپنے زمانہ سیاسی اقتدار میں اسی جذبہ ایثار کو اسلام کی سربلندی اور کفار و دشمنان اسلام کے حملوں اور ریشہ دوانیوں کے ناکام کرنے کو قائم رکھا تھا جسے مودودی صاحب کی سبائیت زدہ ذہنیت ملک گیری کی حرص و آز سے متہم کرتی ہے۔

کی وفات کے سالہا سال بعد تک دشمن اسلام قوتوں سے نبرد آزما رہا تھا اور رومی و بزنطینی بادشاہوں کی ان کوششوں کو ناکام بنانے میں سرکاری فوج اور رضاکار غازیوں کی معیت میں اپنی جان کھپا رہا تھا چونکہ یہی وہ زبردست دشمنِ اسلام قوتیں تھیں جو ناکام و پسپا ہونے کے باوجود بھی چند صدیوں بعد اسلام دشمنی میں صلیبی جنگوں کی صورت میں نمودار ہوئیں جنھیں بالآخر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بامتثال امر خلیفہ عباسی ناکام کیا، تو ان حالات اور واقعات کی موجودگی میں یہ غازی و مجاہد منصبدار خلافت عباسیہ حسن بن قحطبہ جسے مودودی صاحب عامیانہ لہجے میں "منصور کا نوکر" کہتے ہیں اپنے بغایت اہم فرائض عزیلت جہاد کو یکلخت ترک کر کے کس غرض سے اس زمانے میں کوفے آ جاتا جب نہ امام صاحب کو کوئی امتیازی درجہ حاصل تھا اور نہ ان کی پیری مریدی کا کوئی سلسلہ تھا اور بفرض محال وہ کوفہ آ گیا تھا تو "وہ کوفے میں رہ کر امام ابو حنیفہ گرویدہ" ایسا کیسے ہو گیا کہ اپنی خدمات کی انجام دہی میں امام صاحب سے فتویٰ لینے پر مجبور ہوا پھر وہ کیا گناہ تھے جن کی اس نے امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی تھی۔ کیا مودودی صاحب یہ کہنے کی جسارت کر سکیں گے کہ بلاد روم میں موسم گرما کی جہادی مہمات میں حسن بن قحطبہ کی شرکت ہوتی تھی وہ گناہ ظلم و ستم تھے صفحات کتب تاریخ سے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا بتایا جا سکتا ہے حسن بن قحطبہ کو جسے مودودی صاحب امیر المومنین کا بڑا معتمد علیہ اور سپہ سالار اعظم کہتے ہیں کسی بے گناہ کے قتل کرنے پر مامور کیا گیا ہو مودودی صاحب نے اس لغو و لچر کذب بیانی کو دہراتے وقت کہ حسنی باغیوں محمد الارقط وابراہیم کی تادیبی مہم پر جانے سے جن کی کوئی بڑی حربی اہمیت نہ تھی انکار کرنے پر حسن بن قحطبہ کو قید و بند کی سزا ملی تھی اپنی کتب ماخذ کے صفحات پر کیوں نہ نظر ڈالی جن میں حسن بن قحطبہ کی ان خدمات جلیلہ کی تصریحات موجود ہیں جو اس نے ان بغاوتوں کے ایام میں اپنے مستقر پر متعینات رہ کر اور اس کے بعد بھی اسی وفاداری سے انجام دی تھیں جس وفاداری سے امیر المومنین کے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کو جو اس کے علاقے کے نواح میں کی گئی تھی ناکام بنانے میں مدد دی تھی اور اسی وفاداری کے جذبے میں اس نے ابو مسلم کے غدارانہ عزائم سے خاص ایلچی کے ذریعہ امیر المومنین کو مطلع کیا تھا اور چند ہی دن میں ابو مسلم اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا امام ابو حنیفہؒ کی آڑ لیکر اور ان پر باغیوں کی حمایت میں عمال حکومت کو حکم عدولی پر آمادہ کرنے کا اتہام تھوپنے کے لئے مودودی صاحب کا اس لغو روایت کو آب و تاب سے بیان کرنا ظاہر ہے کہ نسلی تعصب کے گھٹیا جذبے کے علاوہ کسی سیاسی مقصد کے خاطر نئی پود کے ناپختہ ذہن میں غلط نظریات کی تخم ریزی کا اقدام کرنا ہو سکتا ہے۔

مذہب کی اشاعت ایک خیالی مرقع مودودی صاحب نے تیار کیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ علماء و فقہاء اسلام اور خلافت قائمہ کے مابین عدم تعاون تھا، اور اس سلسلے میں انھوں نے رکیک ترین باتیں بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا حتیٰ کہ خلفاء اسلام کے بارے میں سبائیوں اور فرقہ بازوں کی افترا پردازیوں کو حجت سمجھا، اور بنیاد الفاسد علی الفاسد کے تحت کجی قلب کے مظاہرے سے کتاب بھر دی۔ وہ احکام خداوندی اور ارشادات نبویہ پر اگر نگاہ رکھتے اور انھیں حجت سمجھتے تو نہ خلفاء کرام پر بہتان باندھتے اور نہ ائمہ دین کے بارے میں تلبیس و افترا کی جرأت کرتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے ہوئے ارشادات ہیں۔ جن کے تحت ہر مومن پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ حکومت قائمہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے اور ہر حال میں اپنے آپ کو جماعت سے وابستہ رکھے جیسا کہ پچھلے اوراق میں متعدد احادیث ہم بیان کر چکے ہیں۔

یہاں ہم ایک اور ارشاد نبوی پر قارئین کو متوجہ کرتے ہیں اور یہ ارشاد اس زمانہ کیلئے ہے جب مسلمانوں میں افتراق ہو اور قسم قسم کے فرقہ باز لوگ اپنی نظری بدعات اور عملی فتنوں سے امت میں انتشار پیدا کر رہے ہوں، اس وقت نجات کی راہ صرف ایک متعین کر دی گئی ہے یعنی تلزم جماعة المسلمين وامامهم (مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام ہی سے وابستہ رہنا) (صحیح بخاری کتاب الفتن باب کیف الامر اذا لم تکن جماعة) ایسی صورت میں یہ ممکن ہی نہ تھا کہ علماء و فقہاء امت خلیفۂ وقت کے ساتھ پورا پورا تعاون نہ کریں اور مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی زندگی کی تنظیم میں حکومت قائمہ کا ساتھ نہ دیں۔ صفحات گزشتہ سے یہ اچھی طرح ثابت کیا جا چکا۔

اب ہم مودودی صاحب کے اس خیالی بیان کی تنقیح کرتے ہیں جو مذاہب کی ترویج کے سلسلے میں انھوں نے دیا ہے تفصیل اس کی منصب سالت نمبر میں ہے (ص ۲۸۴) اور خلافت و ملوکیت میں اسکی طرف بھی اشارے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

> انھوں نے (یعنی امام ابوحنیفہ نے) کسی سیاسی طاقت اور کسی آئینی حیثیت کے بغیر اپنے تربیت کردہ شاگردوں کی ایک غیر سرکاری مجلس قانون ساز بنائی

(PRIWATE.LEGIS LATIURE) بنائی۔ اس میں قرآن کے
احکام کی تعبیر، سنتوں کی تحقیق، سلف کے اجماعی فیصلوں کی تلاش و جستجو
صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے فتاویٰ کی جانچ پڑتال اور معاملات و مسائل
پر اصول شریعت کی تطبیق کا کام بڑے وسیع پیمانے پر کیا، اور پچیس تیس
سال کی مدت میں اسلام کا پورا قانون مدوّن کر کے رکھ دیا۔ یہ قانون کسی بادشاہ
کی رضا سے مدوّن نہیں کیا گیا تھا۔ کوئی طاقت اس کی پشت پر نہ تھی جس کے
زور سے یہ نافذ ہوتا لیکن پچاس برس بھی نہ گزرے تھے کہ یہ سلطنت عباسیہ
کا قانون بن گیا۔

یہ بیان از سر تا پا غلط ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کو عباسی دور میں صرف اٹھارہ برس ملے تھے اس سے
پہلے کا زمانہ انھوں نے قدماء اور ہم عصر ائمہ کے منہاج پر صرف تعلم و تعلیم میں گزارا اور جیسا کہ
بیان کیا جا چکا کہ تدوین قانون یا تالیف کتاب کا اس وقت رواج نہ تھا جس طرح دوسرے
علماء کے حلقوں میں مسائل کی تنقیح کی جاتی تھی اور مذاہب منقح ہو رہے تھے ایسا ہی کام
ان کے ہاں بھی تھا۔ اگر دوسرے ائمہ کی تنقیحات کو تدوین مذہب نہیں کہا جا سکتا تو امام صاحب
کے درس کو بھی یہ معنی نہیں دئے جا سکتے، چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ فقہ پر امام صاحب کی اپنی کوئی
تصنیف نہیں، ان کی آراء کا علم ان کے شیوخ اور تربیت شاگردوں کی تصنیفات میں ملتا ہے
ان اٹھارہ برسوں میں آخری پانچ سال تعمیر دار السلام کے سلسلے میں انھوں نے بغداد
میں گزارے اور خود مودودی صاحب نے بھی صراحتاً یہ لکھا ہے (ص ۲۲۷) جب سنہ ۱۴۵ھ (۷۶۲ء)
میں (خلیفہ) المنصور نے بغداد کی تعمیر کا آغاز کیا تو ابو حنیفہؒ ہی کو اس کی نگرانی پر مقرر کیا اور
چار سال تک وہ اس کام کے نگران اعلیٰ رہے " ان میں آخری تین سالوں میں ہمیں ملتا ہے
کہ انھوں نے اپنے سب سے چھوٹے شاگرد امام محمدؒ کو سیر کی کتابوں کا املاء کرایا لیکن
اس منضبط و مدوّن شکل میں نہیں جسے امام صاحب کی تالیف کہہ سکیں۔ بالفاظ دیگر یہ
ان کے شاگرد ہیں جنھوں نے مناصب حکومت پر فائز ہو کر ان کی آراء پر مبنی کتابیں مدوّن
کیں اور دوسرے فقہی مذاہب سے استفادہ کر کے اس طرح ان کو مرتب کیا کہ وہ خود ان کی

مستقل کتابیں ہیں نہ کہ امام صاحبؒ کی۔

مودودی صاحب کے نزدیک امیر المؤمنین المنصورؒ جیسے عالم و فاضل خلیفہ کی یہ حیثیت نہ تھی کہ اپنی نگرانی میں وہ اگر قانون اسلام مدون کراتے تو ان کی "بادشاہی" کے زمانے کے بعد قائم رہتا۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ مؤطا اسلام کی پہلی تصنیف ہے۔ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ

"تاریخ کے علماء بیان کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مؤطا جمع کرنا ابوجعفر المنصورؒ کے کہنے پر مبنی تھا لہٰذا لوگ کہتے ہیں ابوجعفر منصور نے کہا لوگوں کے لئے کتاب بنائیے کہ میں انھیں اس مسلک پر چلاؤں ایک روایت ہے کہ ابوجعفر نے کہا اے عبداللہ اس علم کو ملائیے اور کتاب بنائیے اس میں عبداللہ بن عمرؓ کے شدائد سے احتیاط کیجئے اور ابن عباس کی سستی باتوں سے بچئے اور ابن مسعودؓ کے شواذ کا خیال رکھئے۔ اس میں اوسط امور درج کیجئے اور وہ باتیں جن پر صحابہ کا اجماع ہے درج کیجئے (حیات امام مالک ابوزہرہ ص ۲۴۳)

ابن خلدون نے امیر المؤمنین کے مشورے کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے کہا تھا فواللہ لقد علمنی التصنیف یومئذ (یعنی قسم بخدا ابوجعفر المنصورؒ) مجھے اسی وقت تصنیف کتاب کا طریقہ سمجھا دیا

جب تک مؤطا شریف دنیا میں موجود ہے۔ اس وقت تک چار دانگ عالم میں اعلان ہوتا رہے گا کہ اسلامی نظام قانون میں نہ کبھی خلا پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ نیز یہ کہ اموی خلفاء اپنے پیش رو خلفاء کے صحیح جانشین تھے۔ امت ان کی قیادت پر اسی طرح اعتماد کرتی تھی جیسے ان سے پہلے خلفاء کی قیادت پر پھر عباسی خلافت نے فکر و نظر کا وہ ارتقاء قائم رکھا اور امت کی صحیح رہنمائی کی۔ ان کے بعد یہ فرض ترکی خلافت نے باحسن الوجوہ انجام دیا۔ اور اسی حنفی فقہ پر مدار رکھا۔ جس کی تدوین عباسی خلفاء کے ایماء سے اور ان کی سرپرستی میں ہوئی تھی و فی ظل الخلافۃ البغدادیۃ اولی ضبط الفقہ و دونت احکامہ (مقدمہ کتاب المعارف ابن قتیبہ) (یعنی شروع عہد خلافت بغداد میں اور اس کی سرپرستی میں فقہ اسلامی منضبط ہوئی اور اس کے احکام مدون ہوئے۔) رہیں غلطیاں اور

فروگزاشتیں تو وہ کب نہیں ہوتیں اور کس سے نہیں ہوتیں۔ واقعاتِ تاریخ شاہد ہیں کہ امیر المؤمنین المنصورؒ نے فقہ اسلامی کی تدوین کی جو طرح ڈالی تھی اسی پر ایک قصرِ رفیع تعمیر کر لیا گیا اور ان کے جانشینوں نے اس قصر کی آرائش و زیبائش اور بقا، کا تمام سامان مہیا کر دیا۔ کوئی سلیم العقل شخص یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ جس فقہی نظام کی پشت پر منظم سیاسی طاقت نہ ہو وہ دنیا میں باقی رہ سکتا ہے۔

قیادت کی تقسیم

فرماتے ہیں (خلافت و ملوکیت ص ۲۰۴)

اس طرح پہلی صدی ہجری کے وسط سے ہی دینی قیادت کا راستہ سیاسی قیادت کے راستے سے الگ ہو چکا تھا۔ علماء امت نے تفسیر حدیث فقہ، اور دوسرے علوم دینیہ کی تدوین اور درس و افتاء کا جتنا کام کیا، حکومت سے آزاد رہ کر، اس کی مدد کے بغیر بلکہ بارہا اس کی مزاحمت کے باوجود اور اس کی بے جا مداخلتوں کا سخت مقابلہ کرتے ہوئے کیا۔۔۔ سلاطین نے زیادہ تر یہ خدمت انجام دی کہ ممالک فتح کر کے کروڑوں انسانوں کو اسلام کے دائرہ اثر میں لے آئے ہیں۔ اس کے بعد ان کروڑوں کا دائرہ ایمان میں داخل ہو جانا بادشاہوں کی سیاست کا نہیں بلکہ صالحین امت کے پاکیزہ کردار کا کرشمہ تھا۔"

ان صاحب کو اگر تاریخ کا صحیح علم ہوتا یا مصلحتِ خاص سے واقعات کو مسخ کر کے پیش کرنا مدنظر نہ ہوتا تو ایسی لغویات نہ کہتے۔ خلفاء اسلام اور ان کے دامن سے وابستہ امراء و سلاطین کرام جو اسلام کی نمائندگی کرتے تھے انھوں نے کبھی کسی ملک پر جارحانہ حملہ نہیں کیا اور نہ فتوح ممالک کسی "شمع نشاہی" استبداد کے تحت ہوئی، ہمیشہ اسباب پیدا ہوئے اور کفار کی تخریبی کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کو تلوار اٹھانی پڑی۔ تیمور جیسے لوگ جنھیں کبھی اسلام کا نمائندہ نہیں سمجھا گیا خارج از بحث ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے جب کبھی کسی ملک کے خلاف ابتدائی چند صدیوں کے مسلمانوں نے تلوار اٹھائی اور اسے زیر کیا تو فاتح فوج کے ساتھ ہمیشہ علماء اور مبلغوں کی ایک جماعت ہوتی تھی امرار کی معیت میں جو اکثر و بیشتر عالم و فاضل ہوتے تھے مبلغ جماعت نے مل جل کر مفتوح علاقے

کو دار الاسلام بنایا اور تبلیغ و اشاعت علوم کے فرض کی انجام دہی میں لگ گئے، ان میں دوئی اور مغائرت نہ تھی بلکہ سب کے سب اللہ کی رضا کیلئے تقسیم کار کے اصول کے تحت اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان میں باہمی پورا تعاون تھا اور قواعد شرعیہ کے تحت یہ ممکن تھا کہ یہ ایک دوسرے کے حریف ہوں۔

کیا مودودی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امیر المؤمنین الولید اموی جیسے یگانہ روزگار امام نے کفار کے علاقوں پر بے سبب چڑھائی کر دی اور محض فتح ممالک کیلئے اپنی فوجیں روانہ کیں اور کیا ان کے امراء دین اسلام سے ایسے بے بہرہ تھے کہ وہ جارحانہ اقدام کو جائز سمجھیں۔ امیر موسیٰ بن نصیرؒ فاتح ہسپانیہ، امیر قتیبہ بن مسلمؒ فاتح ترکستان اور امیر محمد بن قاسمؒ فاتح سندھ یوں ہی ان علاقوں پر چڑھ دوڑے تھے؟ اور کیا مودودی صاحب کو یہ ہمت ہے کہ اسلام کے ان عظیم المرتبت خادموں اور غازیوں کو جو کبار تابعین میں ہیں قواعد دین اور نکات شریعت سے جاہل قرار دیں؟ اپنے تعصب میں وہ اگر تھوڑا سا بھی اعتدال پیدا کریں تو ان پر ان بزرگواروں کی علمی اور روحانی برتری ظاہر ہو جائے۔ پھر یہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ انھوں نے صرف ممالک فتح کر کے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام تو کر دیا لیکن دلوں میں ایمان کا نور پیدا کرنے کے اہل نہ تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان غازی محمود غزنویؒ مبلغ علماء میں نہیں یا سلطان غازی نور الدینؒ زنگی یا سلطان غازی صلاح الدین ایوبی رحمہم اللہ محض فاتح تھے اور نور محمدی کے حامل نہ تھے۔ ہمارے خلفاء و امراء و سلاطین کرام میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص معیار سے گرا ہوا ملے گا۔ ورنہ عام طور پر وہ اصحاب اصحاب علم و نفس اور اہل تقویٰ و طہارت ہی نظر آئیں گے

الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ میں یہ تصریح ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ اتنے بڑے فقیہ تھے کہ بے شمار مسائل کی انھوں نے تنقیح کی ہے اور یہی حال دوسرے بزرگواروں کا ہے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور یہ پاکستان میں بیٹھ کر بھی آدمی دیکھ سکتا ہے کہ امیر محمد بن قاسمؒ کو یہاں کے ہندوؤں نے دیوتا سمجھ لیا تھا۔

ایک اور عجیب بات انھوں نے کہی (ص ۲۳۰) کہ امیر المؤمنین المنصورؒ کے فیصلے ابو بکرؓ

و عمرؓ کے فیصلے نہ بن سکتے تھے" کوئی ان صاحب سے پوچھے کہ اور کس کے فیصلے ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلے بن سکے؟ حضرت علیؓ کے فیصلے جب ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلے نہ بن سکے تو کسی اور کے کیا بنتے۔ وہ خود ان کا اتباع کرتے تھے اور اس میں اپنی سعادت جانتے تھے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ انفرادی حیثیت سے سب صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ حجت ہیں لیکن جب باقاعدہ ان کی تدوین کی جائے اور انھیں کتابی صورت میں لایا جائے تو پھر منہاج وہی ہوگا جو حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ کا تھا کہ کتاب و سنت کے بعد فتاویٰ صدیقی و فاروقی پر نظر ڈالی جائے۔ پھر اختلاف صحابہ کی صورت میں اپنے اجتہاد سے کسی کو کسی پر ترجیح دی جائے نیز یہ کہ اجماع صحابہ کو دائمی حجت سمجھا جائے۔ اس میں کسی خلیفہ کا استثنا نہیں سوائے اس کے ان کے اجتہادات کو نظائر شرعی کی حیثیت میں کتابوں میں درج کیا جائے جیسا کہ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے کیا۔

مودودی صاحب نے امام ابویوسفؒ کی کتاب الخراج کے سلسلے میں یہ چوٹ کی ہے (ص ۲۸۷)

"بعد کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انھوں نے نظیر بنایا ہے تو وہ المنصور یا المہدی نہیں بلکہ بنی امیہ کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ سلطنت عباسیہ کا یہ آئین سلطنت مرتب کرتے وقت انھوں نے (عمر بن عبدالعزیزؒ کے ڈھائی سال مستثنیٰ کرکے) حضرت علیؓ کی وفات سے لے کر ہارون الرشید کے زمانے تک تقریباً ۱۳۲ سال کی حکومت کے پورے رواج و تعامل کو نظر انداز کر دیا۔ یہ کام اگر کسی حق گو فقیہ نے محض وعظ و نصیحت کے طور پر بالکل غیر سرکاری حیثیت میں کیا ہوتا۔ تو اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، لیکن یہ دیکھتے ہوئے اس کی بہت بڑی اہمیت ہو جاتی ہے کہ اسے ایک چیف جسٹس اور وزیر قانون نے اپنی پوری سرکاری حیثیت میں خلیفۂ وقت کی سپردگی میں ایک خدمت انجام دیتے ہوئے کیا۔"

عبارت آرائی اسی وقت کہہ سکتا ہے جب اس کے سامنے ائمہ دین کی توہین پیش نظر ہو۔ امام ابویوسفؒ کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے حضرت علیؓ کے بعد کا تمام زمانہ نظر انداز کر دیا صرف اس

مقصد کے تحت ہو سکتا ہے جو وہ یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ "حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امت کی قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں چلی گئی" لیکن جس شخص کو اکابر امت کی تحریریں پڑھنے کی سعادت حاصل ہے اور امت کی فلاح پر وہ نظر رکھتا ہے اس کے قلم سے یہ لغو بات نہیں نکل سکتی۔ بالفرض اگر امام ابو یوسفؒ کی نیت یہی تھی کہ خلفائے پیشین کے تعامل کو بطور حجت پیش نہ کریں تو اس سے نفس مسئلہ پر کیا اثر پڑتا ہے یہ ایک مفکر کا عمل ہوگا۔ انھوں نے اگر یہ ذکر نہیں کیا تو ہمارے دوسرے ائمہ نے یہ کمی پوری کردی۔

مودودی صاحب یا ان جیسے لوگ امام مالکؒ کے متعلق کیا کہیں گے، جنھوں نے حضرت معاویہؓ، حضرت مروانؒ اور حضرت عبدالملکؒ کا تعامل مؤطا شریف میں درج کیا ہے اور امام بخاریؒ کو کیا کہیں گے، نیز امام مسلمؒ کو جن کے درج کردہ امور کی طرف ہم پچھلے صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں۔ پھر بھی امام شافعیؒ جنھوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الام میں دیوان فاروقی کے سلسلے میں امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین المہدی عباسیؒ کا تعامل بطور نظیر شرعی درج فرمایا ہے (ج ۴ ص ۱۵۰ طبع مصر مکتبۃ الازھریہ) اور سب سے بڑھ کر امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق کیا رائے رکھیں گے جنھوں نے کتاب الزھد میں امیر المومنین یزید بن معاویہؒ کے طریقہ کار کو زہاد امت کیلئے ایک نمونہ بتایا ہے (قاضی ابوبکر بن العربی العواصم من القواصم ص ۲۳۲)

صحیح بات یہ ہے کہ جو موضوع زیر بحث ہو اس کے متعلق حسب ضرورت دلائل لائے جاتے ہیں اور جب تعامل میں اختلاف ہو تب یہ تفصیل ضروری ہوتی ہے کہ فلاں کا موقف یہ تھا اور فلاں کا یہ۔ لیکن جب اختلاف نہ ہو تو اس تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے یہ سمجھنا کہ جن کا ذکر ہے ان کے علاوہ باقی سب کو نظر انداز کر دیا گیا، ایک لایعنی بات ہوگی۔

اور اگر اسی طرح مودودی صاحب کی منطق چلائی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صحاح میں جو سینکڑوں صحابہ کے مواقف بیان نہیں کئے گئے اور صرف گنے چنے اصحاب کے اقوال و اعمال سے استناد کیا گیا ہے تو گویا ان سینکڑوں اصحاب کی ہستیوں پر خط تنسیخ پھیر دیا گیا۔ کیا کوئی عالم و فقیہ ایسی لچر بات کہہ سکتا ہے؟

سیدھی بات ہے کہ عرف عام میں جسے حنفی مذہب کہا جاتا ہے اس کی تدوین خلفاء اسلام کے امضا سے خلافت عباسیہ کی سرپرستی میں کی گئی اور اس کی اشاعت و مقبولیت کا راز بھی یہی ہے کہ تمام ممالک عباسیہ کا عدلیہ اسی مذہب کے مطابق منتظم کیا گیا۔ محمد ابو زہرہ "حیات ابو حنیفہ" میں تحت عنوان "حنفی مذہب کا شیوع اور اشاعت عام" لکھتے ہیں۔

"جہاں جہاں عباسی خلافت کا تسلط غالب رہا وہاں حنفی فقہ کو بھی فروغ حاصل ہوا، اور جہاں عباسی اثر و نفوذ میں کمی آتی گئی حنفی فقہ بھی ماند پڑ گئی، عراق کے گرد و نواح میں عباسی تسلط بڑے زوروں پر تھا مشرقی ممالک میں بھی عباسیوں کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا جب سیاسی اثر و نفوذ میں کمی واقع ہوئی اس کی جگہ دینی عز و وقار نے لے لی ان دونوں قسم کے حالات میں عباسیوں کا ایسا رعب و داب تھا جس سے حنفی مذہب مستفید ہوا۔ چنانچہ عباسی خلفاء اس کی پشت پناہی کرتے تھے۔

رہا مصر تو یہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد خلافت میں حنفی فقہ سے روشناس ہوا... جب تک عباسی خلفاء مصر پر قابض رہے وہاں حنفی فقہ غالب رہی"

مگر عبیدی ملاحدہ کی حکومت میں فقہ حنفی کو مصر میں اسی بغض و عداوت خلفاء عباسی کی بنا پر سرکاری حیثیت حاصل نہ ہو سکی اور ہوئی تو اس وقت جب سلطان غازی صلاح الدین ایوبیؒ نے نام نہاد فاطمیہ کو ختم کر کے پرچم عباسی دیار مصر میں لہرایا۔

دوسرے مذاہب | مودودی صاحب نے اپنی کتاب میں امام مالکؒ کا جس طرح استخفاف کیا ہے اس کی تنقیح تو گزر چکی۔ یہاں ہم منصب رسالت نمبر سے ان کی ایک اور لغو بیانی پر قارئین کو متوجہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں (حاشیہ ص ۲۸۴)

امام ابو حنیفہ کے بعد تدوین قانون اسلامی کا دوسرا کارنامہ امام مالکؒ نے انجام دیا اور وہ بھی محض اپنی اخلاقی طاقت کے زور سے اندلس اور شمالی افریقہ کی مسلم ریاستوں کا قانون بن گیا۔ پھر امام شافعیؒ اور ان کے بعد امام احمد بن حنبل نے خالص غیر سرکاری حیثیت میں قوانین اسلامی کی تدوین کی اور یہ

دونوں بھی محض عام مسلمانوں کی رضا سے متعدد ریاستوں کے قوانین قرار پائے۔
جو شخص حقائق سے آنکھیں بند کر لے وہ ہی یہ بیان دے سکتا ہے۔ ناظرین نے ملاحظہ
کر لیا ہوگا کہ مؤطا شریف کی تالیف امیر المؤمنین المنصور کے فرمان کے تحت کی گئی پھر چار عباسی خلفاء نے
خود امام مالکؒ سے اس کی سماعت کی یعنی امیر المؤمنین مہدیؒ، امیر المؤمنین ہارون الرشیدؒ امیر المؤمنین
محمد الامینؒ اور امیر المؤمنین عبداللہ المامونؒ۔ امیر المؤمنین ہارون الرشیدؒ نے جس نسخے سے سماعت
کی تھی وہ مصر کے خزانے میں محفوظ تھا سلطان صلاح الدین ایوبی کو جب اس کا پتہ چلا تو انھوں نے
بھی اس کی سماعت کے لئے مصر کا سفر کیا، علامہ سیوطی کہتے ہیں (تاریخ الخلفاء ص ۲۹ طبع مصر)

وقال القاضی الفاضل فی بعض	قاضی فاضل نے اپنے ایک رسالہ میں کہا ہے
رسائلہ ما اعلم ان لملک رحلۃ	"مجھے معلوم نہیں کہ کسی بادشاہ نے طلب علم
قط فی طلب العلم الا الرشید فانہ	کے لئے سفر کیا ہو۔ سوائے ہارون الرشید
رحل بولدیہ الامین والمامون	کے۔ وہ اپنے دونوں فرزندوں الامین اور
لسماع المؤطاء علی مالک رحمہ اللہ	المامون کے ساتھ مؤطا کی سماعت کے لئے
قال وکان اصل المؤطاء بسماع	مالک رحمہ اللہ کے پاس گئے"۔ پھر کہتے ہیں
الرشید فی خزانۃ المصریین	الرشید نے جس نسخے سے سماعت کی تھی
قال ثم رحل لسماعہ السلطان	وہ مصریوں کے خزانے میں محفوظ تھا۔ پھر
صلاح الدین بن ایوب الی	کہتے ہیں کہ اس کی سماعت کیلئے پھر
الاسکندریہ فسمعہ علی ابن	سلطان صلاح الدین بن ایوب نے اسکندریہ
طاہر ابن عوف ولا اعلم	کا سفر کیا اور ابن طاہر بن عوف سے اس کی
لھما ثالثاً	سماعت کی۔ ایسے کسی تیسرے کو میں نہیں جانتا

کیا اس صورتِ حال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلافت عباسیہ میں مؤطا شریف کی سرکاری
حیثیت کیا تھی۔ جب یحییٰ مصمودیؒ یہ مؤطا لے کر مغرب میں تشریف لے گئے اور اسے وہاں کی
اموی حکومت میں مقبولیت حاصل ہوئی تب مالکی مذہب ان علاقوں میں پھیلا۔ اسی سے یہ
بھی اندازہ ہوگا کہ جماعت المسلمین میں دین کا کوئی اختلاف نہ تھا اور وہ روحانی معاملات

میں نسلی یا سیاسی چشمک کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ مشرق کے عباسی ہوں یا مغرب کے اموی سب ایک دین اور ایک طرز زندگی کے پابند تھے۔ جس طرح عباسیوں نے مؤطا شریف میں امیرالمؤمنین مروانؓ اور امیرالمؤمنین عبدالملکؒ کو دین کے بارے میں حجت سمجھا اسی طرح مغرب کے اموی امراء اور بعد میں خلفاء نے اس کا خیال نہیں کیا کہ مؤطا شریف کی تدوین عباسی امام کے اہتمام سے ہوئی ہے۔ یہ شعار اہل باطل کا ہے وہ فرقہ وارانہ تصورات کے تحت دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر ہمیشہ مصر رہتے ہیں۔

امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے مذہبوں کی اشاعت بھی اسی وقت ممکن ہوئی کہ عباسی خلفاء نے ان کی سرکاری حیثیت تسلیم کی۔ امیرالمؤمنین القادر باللہ عباسیؒ فقہ شافعی کے ائمہ میں ہیں۔ اور امیرالمؤمنین المسترشد باللہ عباسیؒ بھی جو عمدۃ الدنیا والدین کہلاتے تھے اور ان کے اسی لقب کی مناسبت سے امام ابوبکر الشاشی نے اپنی کتاب العمدۃ لکھی [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۲۹۱ طبع مصر] پھر امام شافعیؒ بھی امیرالمؤمنین ہارون الرشیدؒ کے قاضی تھے اور ان کے ساتھ انھیں گہرا ربط تھا اور ان کے اجلال علم کے سبب بارگاہ خلافت سے ان پر انعام واکرام کی بارش ہوتی تھی۔

امام احمدؒ کی شان بھی اس وقت ابھری جب امیرالمؤمنین جعفر المتوکل علی اللہ عباسیؒ کے ساتھ ان کا ربط بڑھا۔ اور ان کی عظمت کو چار چاند لگے۔ یہ سب کچھ ان کی علمی جلالت اور علو مرتبہ کی بنا پر ہوا۔ سیاست کو اس میں مطلقاً کچھ دخل نہ تھا اور نہ کبھی ہوا۔ اہل فضل کی فضیلت اہل فضل ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح امیرالمؤمنین الناصر لدین اللہ، امیرالمؤمنین المستضیٔ باللہ وغیرہما حنبلی المذہب تھے۔

جعفری اور زیدی مذہب

مودودی صاحب لکھتے ہیں [منصب رسالت نمبر ترجمان ۲۸ھ]

"اسی طرح زیدی اور جعفری فقہیں بھی اشخاص نے پرائیوٹ حیثیت میں مرتب کیں۔ البتہ وہ بھی صرف اخلاقی قوت سے شیعہ ریاستوں کا قانون بنیں۔"

اس بیان میں صداقت کا شائبہ بھی نہیں۔ زیدی مذہب اس وقت مدون ہوا جب

بلاد دیلم میں زیدیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور وہاں کے حاکم حسن الاطروش وغیرہ اس حکومت کے امام کہلائے اور معلم قرار دئے گئے۔

برخلاف اس کے جسے فقہ جعفری کہا گیا ہے تو اسے صدیوں بعد مدون کیا گیا تیسری صدی کے آخر میں کلینی نے مجروح سندوں کے ساتھ الکافی مرتب کی۔ اور یہ زمانہ آل بویہ شیعی امراء کے عروج میں آنے سے کچھ سال پہلے کا ہے۔ پھر بھی باقاعدہ فقہی مذہب کی حیثیت سے جعفری فقہ کا نام اس وقت سے سننے میں آتا ہے جب ایران میں صفوی حکومت قائم ہو گئی اور اس مذہب پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔

تاریخ اسلام میں صرف دو مذہب ہیں جو باطل بنیادوں پر مدون کئے گئے اور بزور شمشیر ہزاروں علماء و فقہاء اور لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دینے پر رائج ہو سکے، ایک عبیدی فاطمیوں کا اور دوسرا یہ جعفری مذہب جس کے وجود سے عالم اسلام صفویوں سے پہلے ناآشنا تھا۔ امت مسلمہ کا سواد اعظم ان سے ہمیشہ بے تعلق رہا۔

اصل صورت حال

کوئی مذہب ہو حق ہو یا باطل اگر وہ تشریعی ہے یعنی انفراد کا اور اجتماعی زندگی کے لئے اس میں شعائر اور قوانین متعین ہیں تو وہ ہرگز رائج نہیں ہو سکتا جب تک اس کی پشت پر سیاسی قوت نہ ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جماعت المسلمین میں مذاہب حقہ کو رائج کرنے کے لئے کبھی طاقت استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اس لئے جماعت اور اس کے ائمہ میں دوئی نہ تھی۔ خلیفہ کو امیر المومنین اور امام المسلمین کہتے ہی اس لئے ہیں کہ ایک طرف وہ اقوام عالم میں اسلام کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسری طرف تمام مسلمان اس کی امامت میں اپنے انفرادی اور اجتماعی فرائض ادا کرتے ہیں۔ اس طرح امت ایک تنظیم کے ساتھ دین برپا رکھتی ہے اور اس کی نشر و اشاعت کے وسائل بروئے کار لاتی ہے۔

اگر جماعت المسلمین اور حکومت قائمہ میں دوئی ہو اور حاکم وقت علماء و فقہاء کی طرف معاندانہ نظر ڈالے تو ایک تشریعی دین کا قیام ناممکن ہے۔ یا تو حاکم وقت رائے عامہ کے خلاف طاقت استعمال کر کے دین کو غارت کر دیتا ہے یا پھر رائے عامہ اپنی اجتماعی

قوت سے حکومت کا تختہ الٹ دیتی ہے، دنیا میں جتنی تحریکیں اٹھیں اور جتنے اجتماعی نظام برپا کئے گئے وہ صرف اس طرح کہ حکومت قائمہ اور رائے عامہ میں باہمی تعاون و اعتماد تھا۔

کیا سفیان ثوریؒ اور دوسرے فقہاء عظام اپنا اپنا فقہی مذہب نہیں رکھتے تھے اور کیا امت ان کا احترام نہیں کرتی۔ لیکن ان کے مذاہب کا ذکر صرف کتابوں میں ہے امت کی عملی زندگی میں تو انہی چاروں مذہبوں کی کارفرمائی ہے جن کی پشت پر حکومت کی طاقت تھی۔

مودودی صاحب نے ایک اور دلچسپ بات لکھی ہے (منصب رسالت نمبر ا) «اورنگ زیب جیسے پرہیزگار فرماں روا نے بھی وقت کے نامور علماء ہی کو جمع کیا جنھیں مسلمان اپنی حیثیت سے بھروسے کے قابل سمجھتے تھے اور ان کے ذریعہ اس نے فقہاء حنفیہ ہی کے فتاوی کا مجموعہ مرتب کرا کے اس کو قانون قرار دیا۔»

معلوم نہیں اس بیان سے وہ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ ہمارے جن علماء کرام نے فتاوی عالمگیری مرتب کئے وہ اگر ایک طرف مسلمانوں میں بھروسے کے قابل تھے تو دوسری طرف عالمگیرؒ کے بھی تو معتمد تھے۔ اگر وہ معتمد نہ ہوتے تو کیا سلطان موصوف یہ خدمت ان کے سپرد کرتے، سلطان اورنگ زیب چونکہ خود بڑے عالم و فقیہہ تھے۔ اس لئے انھوں نے ایسے ہی علماء کرام کو اس خدمت کے لئے متعین کیا اور وہ بھی حضرت امیر المؤمنین المنصورؒ عباسی کی طرح کہ علماء جو کچھ کر رہے تھے اس پر پوری طرح نگاہ رکھیں۔ سلطان موصوف فتاوی عالمگیری کا ایک ایک صفحہ خود ملاحظہ فرماتے تھے۔ جب وہ مستند قرار پایا۔

یہ ہے فرق جماعت اور اس کے ائمہ میں تعاون اور عدم تعاون کا، اعتماد اور عدم اعتماد کا، باہمی یگانگت اور بے گانگی کا۔ لہذا مودودی صاحب نے جتنی فرضی اور خلاف واقعہ باتیں بیان کی ہیں اور ہمارے خلفاء و ائمہ پر بہتان باندھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ صحابہ کرام کا برپا کردہ جو نظام خلافت اس امت میں بیسویں صدی تک برقرار رہا۔ وہ تمام کمزوریوں اور غلطیوں کے باوجود منشاء نبوی کے مطابق تھا۔

تدوین فقہ

امیر المؤمنین عبداللہ المنصور عباسیؒ کا عہد مبارک ثقافتِ اسلامیہ کی تہذیب و تدوین میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، دعوتِ عباسیہ کی کامیابی کے نتیجہ میں غیر عرب نسلیں حکومت میں دخیل ہوئیں اور اپنے ثقافتی ورثے اپنے ساتھ لائیں، نیز تعلیماتِ قرآنیہ کے مطابق امیر المؤمنین نے تمام متمدن اقوام کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کر کے ساری دنیا کا مشترکہ سرمایۂ فکر بنانے کا منصوبہ مرتب فرمایا تو یہ قدرتی بات تھی کہ آپ صحابہ و تابعین اور ائمۂ فقہ کے تمام مآثر کو تحریری قالب دینے پر متوجہ ہوں اور یوں دینِ متین کے مسائل جو اس وقت تقریری تھے اور سینہ بسینہ منتقل ہو رہے تھے، انھیں کتابی صورت دیں تاکہ بعد میں آنے والی اُمت اس تصادم کے نتیجے میں گم راہ نہ ہو جو مختلف ثقافتوں کے مابین اس وقت ناگزیر ہو گیا تھا۔

گویا دعوتِ محمدیہ کو اپنے صحیح خط و خال کے ساتھ کتابی صورت میں مدوّن کرانے کا سہرا امیر المؤمنین ابو جعفر عبداللہ المنصورؒ کے سر ہے۔ آپ چونکہ جلیل القدر عالم اور ماہرِ علم حدیث و فقہ و لغت عرب تھے۔

وَكَانَ الْمَنْصُوْرُ فِي شَبِيْبَتِهٖ يَطْلُبُ الْعِلْمَ مِنْ مَّظَانِهٖ وَالْحَدِيْث وَ الفقه فنالَ جانباً جيداً وطرفاً صالحًا (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۲۶)	اور (ابو جعفر) المنصورؒ نے اپنے عنفوان شباب میں ہر گوشہ علم حاصل کیا جہاں سے حاصل کر سکتے تھے، علوم حدیث و فقہ میں دستگاہ و بہرۂ وافر رکھتے تھے

نیز علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ (ص ۱۰) میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ (امیر المؤمنین) ابو جعفر (المنصورؒ) کا جو درجہ اور مرتبہ علم اور دین میں قبل خلافت اور بعد خلیفہ ہونے کے تھا وہ معلوم ہے۔ وقد كان ابو جعفر بمكان من العلم والدين قبل الخلافة و بعدها یا یہ اہم علمی کام امیر المؤمنین خود کر سکتے تھے۔ اگر خلافت کا بارِ گراں آپ کے دوشِ مبارک پر نہ ہوتا اور بزرگانِ پیشین کی طرح آپ بھی حلقۂ درس قائم کرتے تو اپنے تبحرِ

نامور حبرالامۃ حضرت ابن عباسؓ کے حلقۂ درس کی یاد تازہ ہو جاتی اور مختلف علوم و فنون کے شیدائی آپ سے مستفیض ہونے کے لئے اسی طرح ہجوم کیا کرتے۔ کیونکہ آپ تبحر علمی کی بناء پر ایک مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور آپ کی یہ حیثیت امام مالکؒ جیسے بزرگوں نے تسلیم کی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

اپنی عظیم مقصد کیلئے انھوں نے علماء وقت کو تصنیف و تالیف کا حکم دیا اور دارالخلافہ کی تعمیر سے پہلے ہی اس کے بارے میں احکام نافذ فرما دیئے۔

۹۔ امام ذہبیؒ کا ایک بیان علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۱ طبع مصر)

فی سنۃ ثلاث واربعین شرع علماء الاسلام فی هذا العصر تدوین الحدیث والفقہ والتفسیر فصنف ابن جریج بمکۃ ومالك الموطا بالمدینۃ والاوزاعی بالشام وابن ابی عروبۃ وحماد بن سلمۃ وغیرهما بالبصرۃ ومعمر بالیمن وسفیان الثوری بالکوفۃ۔

۱۴۳ھ میں اس عصر کے علماء اسلام نے حدیث و فقہ اور تفسیر کی تدوین شروع کی چنانچہ ابن جریجؒ نے مکہ میں اور (امام) مالکؒ نے مدینہ میں مؤطا (تصنیف کی۔ اور (امام) اوزاعیؒ نے شام میں اور ابن ابی عروبہ نے اور حماد بن سلمہ وغیرہما نے بصرہ میں اور معمر نے یمن میں اور (امام) ابوسفیان ثوری نے کوفے میں۔

وصنف ابن اسحاق المغازی وصنف ابوحنیفۃ رحمہ اللہ الفقہ والرای۔ ثم بعد یسیر صنف هشیم واللیث وابن هیعۃ ثم ابن المبارك وابو یوسف وابن وهب وکثر تدوین العلم وتبویبہ ودونت کتب

ابن اسحاق نے مغازی کی تصنیف کی اور (امام) ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ اور رائے کی تدوین کی) پھر کچھ عرصے بعد ہشیم اور (امام) لیث اور ابن ہیعہ نے پھر (امام) ابن المبارک (امام) ابو یوسف اور ابن وہب نے۔ اس طرح علم کی تدوین اور اسکی تبویب کی کثرت ہو گئی کتب عربیہ

العربية واللغة والتاريخ وايام الناس وقبل هذا العصر كان الائمة يتكلمون من حفظهم اويروون العلم من صحف صحيحة غير مرتبة	لغت، تاریخ اور معاشرے کے کوائف پر کتابیں لکھی گئیں۔ اس عصر سے پہلے ائمہ اپنی یاد سے زبانی تقریر کیا کرتے تھے یا صحیح مگر غیر مرتب نوشتوں کی روایت کیا کرتے تھے۔

یہاں امام ذہبیؒ نے اس کی تصریح ضروری نہیں سمجھی کہ یہ سب کام امیرالمؤمنین عبداللہ المنصور عباسیؒ کی توجہ فرمائی کا نتیجہ تھا، مگر ہمیں دوسرے ذرائع سے ان میں سے چند بزرگواروں کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ ان سب کی کاوش امیرالمؤمنین موصوف ہی کے حکم سے تھی۔ امام ذہبی کو یہ معلوم نہ تھا کہ صدیوں بعد مودودی صاحب جیسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کی تحریروں کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوگا کہ علمائے امت اور ان کے اماموں کے مابین دوئی تھی۔ یعنی اس وقت کی امت سیاسی اور علمی میدان میں دو مختلف بلکہ حریف قیادتوں کی طرف دیکھتی تھی۔ مودودی صاحب نے سلف صالحین پر یہ محض افترا کیا ہے کہ وہ حکومت قائمہ کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تھے یا خلفائے اسلام ان بزرگوں کو اپنا حریف جانتے تھے ابتدائی اموی وعباسی خلفاء خود صاحب سیف والقلم تھے اور علماء کے قدرداں۔

یہاں سب سے پہلے بات جو ہر سمجھدار آدمی کو دیکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ امام ذہبیؒ نے جن اکابر علماء کا ذکر کیا ہے ان سب نے تصنیف وتالیف کا کام ایک ہی سال یعنی ۱۴۳ھ میں شروع کیا جب امیرالمؤمنین المنصورؒ داخلی امور پر حادی ہونے کے بعد اس کے لئے فارغ تھے کہ اپنے تعمیری عزائم بروئے کار لائیں۔ دوسری بات دیکھنے کی وہ ملاقاتیں ہیں جو انھوں نے ہم عصر علماء سے کیں۔ انھیں تدوین علم پر متوجہ کیا۔ اور علماء کو اسی امیرالمؤمنین سے تقرب حاصل رہا۔

امام ابوحنیفہؒ امام ابوحنیفہؒ نے باون سال عہدِ اموی میں گذارے تھے، طریق تدریس قدماء کے اصول پر تقریری تھا۔ اس عرصہ میں فقہ اسلامی پر کوئی کتاب نہیں لکھی، زندگی کے آخری اٹھارہ برس عباسی عہد میں گزرے۔ امیرالمؤمنین ابوجعفر المنصورؒ

سے ان کی ملاقات کا ذکر تاریخ الخمیس الدیار بکری کی روایتوں میں ہے (ج ۲ ص ۳۶۶ طبع اولیٰ سنہ ۱۳۰۲ھ)

(۱) قال ابو حنیفة دخلت علی ابی
جعفر امیر المؤمنین فقال لی عمن
اخذت العلم قال قلت عن حماد
عن ابراهیم عن عمر بن الخطاب
وعن علی بن ابی طالب وعبد الله
بن مسعود وعبد الله بن العباس
قال بخ بخ استوثقت ما شئت
یا ابا حنیفة الطیبین الطاهرین
المبارکین رضی الله عنهم
(۲) قیل دخل ابو حنیفة یوماً
علی المنصور وهو ابو جعفر
(امیر المؤمنین) وعنده عیسی
بن موسی قال ابو جعفر ان
هذا العالم الدنیا الیوم فقال
یا نعمان عمن اخذت العلم
قال عن اصحاب عمر عن عمر و
عن اصحاب علی عن علی وعن
اصحاب عبد الله عن عبد الله
وما کان فی وقت ابن عباس
علی الارض اعلم منه قال
لقد استوثقت۔

(امام) ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ میں ابو جعفر
امیر المؤمنین کے پاس گیا انہوں نے پوچھا
تم نے علم کس سے حاصل کیا میں نے بتایا
کہ حماد (بن سلیمان) سے انہوں نے ابراہیم
(النخعی) سے انہوں نے (حضرت) عمر بن الخطاب
سے نیز علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن
مسعود اور عبد اللہ بن العباس سے امیر
المؤمنین نے فرمایا واہ واہ اے ابو حنیفہ
تم نے پختگی حاصل کی یہ حضرات بڑے
پاکیزہ و پاکباز اور برکت والے تھے رضی اللہ
عنہم (۲) کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ ایک دن (امیر
المؤمنین) ابو جعفر المنصور کے پاس گئے اس وقت
عیسیٰ بن موسیٰ (عباسی) بھی ان کے پاس
تھے۔ ابو جعفر المنصور نے عیسیٰ سے کہا دیکھو
یہ شخص آج زمانہ میں یکتا عالم ہے پھر فرمایا
اے نعمان تم نے علم کس سے حاصل کیا انہوں
نے کہا اصحاب عمرؓ سے انہوں نے عمرؓ سے اور
اصحاب علیؓ سے انہوں نے علیؓ سے اور
اصحاب عبد اللہ بن عباسؓ سے انہوں نے
عبد اللہ بن عباس سے اور عبد اللہ بن عباس
کے وقت میں سے ان کے برابر ساری دھرتی
پر کوئی عالم نہ تھا یہ سنکر خلیفہ موصوف نے

کہا تم نے پختہ علم حاصل کیا۔

امیر المؤمنین المنصورؒ سے ملاقاتوں کے بعد سے ہمیں ملتا ہے کہ تعمیر بغداد کے سلسلے میں جب آپ کو طلب کیا گیا اور آپ پانچ برس وہاں رہے تو اس مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے چھوٹے شاگرد امام محمدؒ کو سیر کی دونوں کتابیں املا کرائیں۔ لیکن اس املا کی حیثیت محض ایک تفصیلی خاکے کی تھی۔ سیر کی یہ دونوں کتابیں امام محمدؒ نے اپنے آخری زمانہ میں باقاعدہ مدوّن کیں اور اس انداز میں کہ صحیح معنی میں انھیں امام محمدؒ ہی کی تصنیف کہی جا سکتی ہے۔

اس سے پہلے کوفہ میں کتاب الآثار کی ترتیب شروع ہو گئی تھی اور امور فقہ کو ابواب تقسیم کیا تھا۔ چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ

من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دوّن علم الشریعۃ ورتبہ ابواباً ثم تبعہ مالک بن انس فی ترتیب الموطاء ولم یسبق اباحنیفۃ احدٌ

امام ابو حنیفہ کے فضائل میں سے ہے، اور اس بارے میں وہ منفرد ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدوّن کیا اور فقہی مسائل کو ابواب کے اعتبار سے مرتب کیا۔ پھر ان کی پیروی امام مالک بن انسؒ نے مؤطا کی ترتیب میں کی۔ ابو حنیفہ سے پہلے یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا۔

سیوطی کا یہ بیان تو صحیح ہے کہ آثار کو ابواب کے مطابق مرتب کرنے کی ابتداء امام ابو حنیفہؒ نے کی لیکن یہ محض ابتدائی بنیادی کام تھا۔ ان کے زمانے میں کتاب الآثار کی حیثیت ایک مدوّن کتاب کی نہیں تھی۔ یہ کام تو ان کے شاگردوں نے کیا یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے۔ اسی بنا پر دونوں کی روایت کردہ کتابوں میں فرق معلوم ہوتا ہے، اگر کتاب الآثار کو خود امام صاحب کتابی صورت دے گئے ہوتے اور اس کی ترتیب و ضخامت متعین ہوتی تو یہ فرق کیوں ہوتا۔

امام مالکؒ | سیوطی نے امام مالکؒ کے متعلق جو لکھا ہے وہ بھی غلط ہے۔ امام مالکؒ

تو شاید اس کی خبر بھی نہ تھی کہ امام ابو حنیفہ کس طرح کام کر رہے ہیں، موطا شریف کی تدوین بالکلیہ امیر المومنین المنصورؒ کے فرمان کے مطابق ہوئی جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے (مقدمہ ص ۸ ا طبع مصر) یہ فرمان بہ تغیر الفاظ دوسری کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ ابن خلدون کے بیان کردہ الفاظ فرمان امیر المومنین کے یہ ہیں۔

یا ابا عبد الله لم یبق علی وجه الارض اعلم منی و منك و انی قد شغلتنی الخلافة وضع انت للناس کتابا ینتفعون به تجنب فیه رخص ابن عباسؓ شدائد ابن عمر و وطئه للناس توطئة

اے ابو عبد اللہ روئے زمین پر مجھ سے اور آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا۔ مجھے خلافت نے مشغول کر رکھا ہے لہذا آپ ایک کتاب لوگوں کے لئے مرتب کیجئے جس سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ اس میں ابن عباسؓ کی نرمی اور ابن عمرؓ کی سختی سے پرہیز کیجئے اور لوگوں کے لئے اسے خوب روندڈالئے (یعنی بغایت تحقیق کو کام میں لائیے)

امام مالکؒ فرماتے ہیں و الله قد علمنی التصنیف یومئذ و لذا سمی کتاب الموطاء (بخدا اس فرمان کے ذریعے انھوں نے مجھے تصنیف کا طریقہ سکھا دیا۔ اسی لئے کتاب کا نام موطا رکھا۔ یعنی خوب روندی ہوئی یعنی محقق) دوسرے لوگوں نے بعض نام اور بھی دیے ہیں۔ یعنی فرمان میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کا بھی ذکر تھا کہ فلاں کی یہ بات نہ ہو اور فلاں کی یہ بات نہ ہو۔

مودودی صاحب اپنی مخصوص گستاخانہ ذہنیت کے تحت لکھا ہے (خلافت و ملوکیت ص ۲۷۹)

اس غرض کیلئے (یعنی امام حنیفہ کے مدرسہ فکر کے "مضر" اثرات سے بچاؤ کیلئے) المنصور اور المہدی نے اپنے اپنے زمانوں میں امام مالکؒ کو سامنے لانا چاہا اور ہارون الرشید نے بھی ۱۷۴ھ ۱۷۹ھ میں حج کے موقع پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب الموطا کو ملک کا قانون بنایا جائے۔

گویا مودودی صاحب کے نزدیک امام مالکؒ خود اس قابل نہ تھے کہ علماء امت کے شیخ اور امام

ہوں بلکہ خلفاء نے انھیں اپنا آلۂ کار بنایا اور یوں وہ سامنے آئے۔ بے ادبی اور مسخ قلب کی انتہا ہوگئی۔ امام مالکؒ کی عظمت ان خلفاء کے دلوں میں اس لئے بھی تھی کہ چار خلفاء ان کے شاگرد تھے۔ اور سب نے امام مالکؒ سے مؤطا شریف کی سماعت کی تھی۔ پچھلے صفحات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ مودودی صاحب نے امام ابوحنیفہؒ اور خلفاء کے مابین باہمی تباغض اور عدم تعاون کا جو مفروضہ پیش کیا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں، ورنہ عراقی مکتبۂ فکر اور حجازی مکتبۂ فکر میں کوئی حریفانہ چشمک ہے اور نہ دونوں مسلک ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ شاید مودودی صاحب اور ان جیسے دوسرے لوگ اس میں عیب محسوس کریں کہ امام ابوحنیفہؒ کے چھوٹے شاگرد امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے باقاعدہ تحصیل علم کیا تھا۔ اسی طرح امام اوزاعیؒ سے بھی، مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ مؤطا امام مالکؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہی سارے فقہی مذاہب کی اصل ہے ایک طرف امام شافعیؒ نے جو عربی فقہ کے بانی ہیں امام مالکؒ سے مؤطا پڑھی، دوسری طرف امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگردوں نے مؤطا سے استفادہ کیا۔ مؤطا کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص ان مذاہب کی چھان بین کرے اور انصاف سے کام لے تو لامحالہ اسے ماننا پڑے گا کہ امام مالکؒ کے مذہب کی اساس اور مدار تو مؤطا ہی ہے۔ شافعی اور احمد حنبل کے مذاہب کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کے مذاہب کے لئے مؤطا ہی شمع ہدایت ہے گویا یہ مذاہب شرح ہیں اور مؤطا متن، یہ شاخیں اور وہ تنا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حدیث کی کتابیں مثلاً صحیح مسلم، ابوداؤد نسائی، صحیح بخاری اور ترمذی مؤطا کی شرحیں ہیں (ص ۲۷ مولانا عبیداللہ سندھی از محمد سرور) غرض یہ کہ ایک مذہب کے علماء برابر دوسرے مذاہب کے علماء سے استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں اور سب ائمہ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ ائمہ امت کے متعلق یہ تصور پیدا کرنا کہ وہ ایک دوسرے کے حریف تھے خلاف واقعہ ہونے کے علاوہ نہایت درجہ تخریبی تصور ہے اور کوئی صاحب ایمان ان فضولیات کو قبول نہیں کر سکتا۔

(۳) امام اوزاعیؒ تیسرا نام امام اوزاعیؒ کا لیا جا سکتا ہے جو فقہ شامی کے

مجتہد ہیں۔ اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں امیر المؤمنین المنصورؒ سے ان کی ملاقات کی بڑی تفصیل دی ہے (ج ۶ ص ۱۳۵ - ۱۴۰) اور صراحت کی ہے کہ امیر المؤمنین نے مذاکرات علمیہ کے واسطے طلب فرمایا تھا اور رخصت کے وقت تاکید کی تھی کہ برابر اپنے علمی کارناموں سے باخبر رکھیں اور فرمایا تھا۔

شکرت لک نصیحتک و قبلتها بقبول، والله الموفق للخیر و المعین علیه وبه استعین و علیه اتوکل وهو حسبی ونعم الوکیل فلا تخلنی من مطالعتک ایای بمثلها فانک المقبول غیر المتهم فی النصیحة، قلت افعل ان شاء الله

میں آپ کے نصائح کا شکر گزار ہوں میں نے انھیں قبول کیا، اللہ تعالیٰ بھلائیوں کی توفیق دینے والا ہے اور اس میں مدد دینے والا ہے میں ہی سے مدد چاہتا ہوں، اسی پر میرا بھروسہ ہے وہی میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے آپ اس قسم کی توجہات سے مجھے محروم مت رکھئے گا، کیونکہ خیر خواہی کے بارے میں آپ مقبول ہیں اور متہم نہیں۔ میں نے عرض کی (یعنی امام اوزاعی نے) کہ انشاء اللہ ایسا کرتا رہوں گا۔

اگرچہ یہاں خاص تدوین فقہ کے سلسلے میں کچھ مذکور نہیں مگر یہ کام انھوں نے اسی ملاقات کے بعد شروع کیا اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے تدوین فقہ کے وقت ان کی تحریریں اپنے سامنے رکھیں۔

(۴) چوتھا نام محمد بن اسحاق کا ہے جو ایک ایرانی الاصل شخص تھے، جوانی کی بعض بے اعتدالیوں کے سبب امیر مدینہ نے انھیں شہر بدر کر دیا تھا، وہاں سے اسکندریہ چلے گئے اور مختلف مقامات پر رہتے ہوئے امیر المؤمنین المنصورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امیر المؤمنین نے سیرۃ پاک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے پر مامور کیا، کتاب لکھ کر لائے جو بہت طویل بھی تھی اور جس میں رطب یابس روایتیں بھری ہوئی تھیں ملاحظہ کر کے فرمایا لقد طولته یا ابن

اسحق اذهب فاختصرہ والقی الکتاب الکبیر فی خزانۃ امیرالمؤمنین (مقدمہ السیرۃ النبویہ ابن ہشام) اے ابن اسحق تم نے اس کو زیادہ طویل کر دیا، جاؤ مختصر کر کے لاؤ، چنانچہ تعمیل حکم کی اور ضخیم کتاب کو امیر المؤمنین کے خزانے میں داخل کیا گیا، ان کی کتاب میں جو وضعی اور غیر مستند باتیں درج کردی تھیں، اس لئے وہ یہ کام نہ کر سکے۔ بعد میں ابن ہشام نے یہ کام کیا مگر ان کی یہ تنقیح بھی تنقیح طلب ہے۔

ان چند اشارے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین المنصور نے تدوین علوم کا ایک ہمہ گیر منصوبہ مرتب فرمایا تھا جس کے تحت چاروں طرف ایک ہی سال کام شروع کر دیا گیا، آپ نے محض اتنا ہی نہیں کیا بلکہ کام کی نگرانی بھی کی اور وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے تھے، امام مالک کو زبانی کے ذریعہ طریقۂ کار بتا دیا تھا۔ اسی طرح محمد بن اسحاق کو صحیح انداز میں کام کو دوبارہ کرنے کا حکم دیا، پھر امام ابو حنیفہ کو بھی ایک خط کے ذریعہ متنبہ کیا کہ قیاس کو حدیث پر مقدم نہ رکھیں۔ یہ اس سبب سے تھا کہ بعض لوگوں نے اسے شہرت دیدی تھی کہ امام کے ہاں مدارِ کار قیاس پر ہے۔ چنانچہ شیخ ابو زہرہ اپنی کتاب ابو حنیفہ میں کہتے ہیں (عت۲)

یروی ان ابا جعفر المنصور کتب الیہ "بلغنی انک تقدم القیاس علی الحدیث فرد علیہ ابو حنیفۃ برسالۃ جاء فیہا "ولیس الامر کما بلغک یا امیر المؤمنین انما اعمل اولاً بکتاب اللہ ثم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم باقضیۃ ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ثم باقضیۃ بقیۃ الصحابۃ ثم اقیس بعد ذلک اذا اختلفوا

روایت کی گئی ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے انھیں (یعنی امام اعظمؒ کو) لکھا "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں" تو امام ابو حنیفہ نے جواب میں لکھا "امیر المؤمنین بات وہ نہیں، جو آپ کو پہنچی ہے۔ میں تو اول کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فیصلوں پر رضی اللہ عنہم پھر باقی صحابہ کے فیصلوں پر، پھر اس کے بعد جب ان میں

ولیس بین اللہ و بین خلقتہ قرابتہ۔ | اختلاف ہوتا ہے تب قیاس کرتا ہوں اللہ اور اس کی مخلوق کے مابین قرابت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

یہ آخری فقرہ بہت دلچسپ ہے ان مختصر کلمات میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتے کے سبب دین کو، پنے گھر کا معاملہ سمجھتے ہیں۔ پھر عالم کی یہ تعریف بھی اس میں مضمر ہے کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ کے بعد ہی نصوص کی روشنی میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے اور اسے اپنی رائے دیتے وقت غضب الٰہی سے ڈرنا چاہیئے۔

حنفی فقہ عرف عام میں جسے حنفی فقہ کہا جاتا ہے دراصل وہ مدوّن فقہی نظام ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے عظیم المرتبت شاگردوں نے خلافتِ عباسیہ کے مناصب پر فائز ہونے کے بعد فقہ عراق، فقہ حجاز اور فقہ شام کو سامنے رکھ کر مرتب کیا۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کو چونکہ اصل فیض امام ابوحنیفہؒ سے تھا اس لئے یہ مرتدتی ہے کہ ان کے مذاہب کو بدلائل ترجیح دی اور اصل حجت فقہ امام ہی کو سمجھا باقی سب فقہوں کی طرف انتساب کی بجائے اس کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف ہو گئی درستہ ہے یہ تمام فقہوں کا منتخب مجموعہ

اس ذیل میں مودودی صاحب جو گل افشانی فرمائی ہے، اول منصب رسالت نمبر میں اور پھر خلافت وملوکیت میں، اس کی تنقیح یہاں لازم ہے۔ فرماتے ہیں (خلافت وملوکیت ص۲۳۷)

> لیکن امام ابوحنیفہؒ کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے انھیں اسلامی تاریخ میں لازوال عظمت عطا کی یہ تھا کہ انھوں نے اس عظیم خلا کو اپنے بل بوتے پر بھر دیا جو خلافت راشدہ کے بعد شوریٰ کا سدباب ہو جانے سے اسلامی قانونی نظام میں واقع ہو چکا تھا۔
>
> اس نقصان کو خلفاء، گورنر، حکام اور قاضی سب محسوس کر رہے تھے کیونکہ انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف

مسائل کو بر وقت حل کرلینا ہر منفی، حاکم، جج اور ناظم محکمہ کے بس کا کام نہ تھا اور اگر فرداً فرداً انھیں حل کیا بھی جاتا تھا تو اس سے بے شمار متضاد فیصلوں کا ایک خرخشہ پیدا ہو رہا تھا

مگر دشواری یہ تھی کہ اب ایک ادارہ حکومت ہی قائم کر سکتی تھی اور حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو خود جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی اخلاقی وقار و اعتماد نہیں ہے۔ ان کے لئے فقہاء کا سامنا کرنا تو درکنار ان کو برداشت کرنا بھی مشکل تھا۔ ان کے تحت بننے والے قوانین کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے نزدیک اسلامی نظام قانون کا جز نہ بن سکتے تھے

ابن المقفع نے اپنے رسالۃ الصحابۃ میں اس خلا کو بھرنے کے لئے المنصور کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ خلیفہ اہل علم کی ایک کونسل بنائے جس میں ہر نقطۂ نظر کے علماء پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال پیش کریں۔ پھر خلیفہ خود ہر مسئلے پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو لیکن المنصور اپنی حقیقت سے اتنا بے خبر نہ تھا کہ یہ حماقت کرتا۔ اس کے فیصلے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے فیصلے نہ بن سکتے تھے۔ اس کے فیصلوں کی عمر خود اس کی اپنی عمر سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی، بلکہ اس کی زندگی میں بھی یہ توقع نہ تھی کہ پوری مملکت میں کوئی ایک مسلمان ہی ایسا مل جائیگا، جو اس کے منظور کئے ہوئے قانون کی مخلصانہ پابندی کرے۔ وہ ایک لادینی (SECULAR) قانون تو ہو سکتا تھا، مگر اسلامی قانون کا ایک حصہ ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔

یہ بیان صرف وہ شخص دے سکتا ہے جس نے حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہوں اور ماخذ علمیہ کی تفصیلات کو کھول کر نہ دیکھا ہو، پھر نسلی تعصب اور شخصی انانیت نے بھی عقل ایمانی سلب کرلی ہو۔ ناظرین کرام نے پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب الموطا کی تدوین کس طرح ہوئی اور امیر المؤمنین المنصور علیہ الرحمہ

کس پایہ کے امام تھے اور یہ کہ حجازی، شامی، اور عراقی فقہ کے ائمہ کس درجہ ان کے مطیع تھے اور ان کے احکام کی پذیرائی اپنے اوپر کس قدر ضروری اور واجب جانتے تھے۔ مودودی صاحب کے نزدیک امیر المومنین المنصور کی یہ حیثیت نہ ہو لیکن ان کے ہم عصر علماء و فقہاء ان کی نسبی اور شخصی جلالت قدر کے محض معترف ہی نہ تھے بلکہ قواعد دینیہ کے تحت ان کے ساتھ تعاون اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔ اسی کا یہ ظہور ہوا کہ دین محفوظ ہو گیا اور اہلِ بدعت و الحاد کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔

مودودی صاحب نے ابن المقفع کے رسالۃ الصحابہ کا حوالہ تو دیا ہے کاش وہ اس میں یہ بھی دیکھ لیتے کہ ابن المقفع کو اعتراض کس بات پر تھا۔ اس مجوسی الاصل نے جسے بجرم ارتداد امیر المومنین المنصورؒ کے حکم سے قتل کیا گیا اس نے، اعتراض یہ کیا تھا کہ بلادِ اسلامیہ کے قاضی امیر المومنین عبد الملکؒ کے فتاویٰ کو حجت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس نے یہ نہ جانا کہ انقلابِ حکومت اور سیاسی اختلافات کے معنی یہ نہیں کہ بزرگانِ پیشین کی جلالت و عظمت کا بھی انکار کر دیا جائے۔ چہ جائیکہ امیر المومنین عبد الملکؒ جیسے سرتاج علماء کا۔

سبائیوں اور مودودی صاحب جیسے لوگوں کے نزدیک خلفاء اسلام علم و فضل کے اعتبار سے کیسے ہی بے حیثیت ہوں لیکن ائمہ دین کے ہاں ان کی یہ عظمت تھی کہ ان کے فتاویٰ مؤطا شریف، صحیح بخاری اور صحاح کی دوسری کتابوں میں مرقوم چلے آتے ہیں اور شریعت اسلامیہ میں انھیں حجت سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری میں (طبع مصر ج ۴ ص ۱۹۱ باب القسامۃ) جہاں امیر المومنین معاویہؓ خلیفہ عبد الملکؒ اور خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے فیصلے بطور نظائر بیان ہوئے ہیں۔ ایسے ہی صحیح مسلم میں (ج ۲ ص ۱ طبع مصر) جہاں خلیفہ عبد الملکؒ کا فیصلہ مرقوم ہے۔ حجت ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے ویسے بالاستیعاب مطالعے سے اور بھی بہت کچھ مل سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ قانون ساز تھا

مودودی صاحب کہتے ہیں (ص ۲۳۵):

اس صورتِ حال میں امام ابو حنیفہؒ کو ایک بالکل نرالا راستہ سوجھا۔ وہ یہ تھا کہ وہ حکومت سے بے نیاز ہو کر خود ایک غیر سرکاری

مجلس وضع قانون (PRIVATE LEGISLATURE)
قائم کریں، یہ تجویز ایک انتہائی بدوضع الفکر آدمی ہی سوچ سکتا تھا، اور
مزید برآں اس کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو اپنی قابلیت پر اپنے
کردار پر اور اپنے اخلاق و وقار پر اتنا اعتماد رکھتا ہو کہ اگر وہ ایسا کوئی
ادارہ قائم کر کے قوانین مدوّن کرے گا تو کسی سیاسی قوت نافذہ
(POLITICAL SANCTION) کے بغیر اس کے مدوّن
کردہ قوانین اپنی خوبی، اپنی صحت اپنی مطابقت احوال اور اپنے مدوّن
کرنے والوں کے اخلاقی اثر کے بل پر خود نافذ ہوں گے۔ قوم خود ان کو قبول
کرے گی اور سلطنتیں آپ سے آپ ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گی۔

یہ بالکل بے بنیاد بات ہے جو مودودی صاحب نے کہی کہ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی
غیر سرکاری مجلس وضع قانون بنائی تھی، جیسا حلقۂ درس ان کا تھا ویسے ہی حلقے دوسرے
فقہاء و علماء کے بھی تھے اور وہاں بھی مسائل کی اسی طرح تنقیح ہوتی تھی اور ہر امام کے
شاگرد اپنے اپنے طور پر یادداشتیں محفوظ کر لیتے تھے۔ ان میں امام مالکؒ جیسے حضرات
کو تو اتنی مہلت مل گئی کہ وہ اپنے نوشتے چھوڑ گئے۔ لیکن امام صاحب کا فقہ پر کوئی نوشتہ
دنیا میں موجود نہیں، تحریری کام آپ کے شاگردوں نے آپ کے بعد کیا اور وہ بھی اس وقت
جب خلافت عباسیہ کے مناصب پر فائز ہوئے۔ ان کتابوں کا مطالعہ جو شخص بھی
کرے گا وہ کسی درجے میں بھی انہیں امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف نہیں کہہ سکے گا، اس پر
یہ کھل جائے گا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے جو کچھ تصنیف و تالیف کا کام کیا ہے وہ
محض اس علم کی بنا پر نہیں ہے جو انہیں اپنے استاد و شیخ امام ابوحنیفہؒ سے ملا تھا بلکہ ان
تصنیفوں میں دوسرے ائمہ کے فیوض سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ یہ کتابیں
خود امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہیں اور اس شان کی جن سے ان کا مجتہد مطلق ہونا معلوم
ہوتا ہے نہ کہ محض اپنے شیخ کا مقلد ہونا۔

لہٰذا یہ تصور خلاف واقعہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنی فقہ پوری طرح مدوّن کر گئے تھے

اور وہی اس وقت فقہ حنفی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی کوئی تصنیف نہیں اور نہ آپ اپنی فقہ کی تکمیل کر سکے، آپ کا حلقۂ درس قدماء کے طریقے پر تقریری تھا اور آپ کے شاگردوں نے جو یادداشتیں مرتب کی تھیں انھیں من وعن کتابی شکل انھوں نے نہیں دی، بلکہ جب انھیں کتابی شکل دی تو اس وقت یہ شاگرد درجۂ اجتہاد تک پہنچ چکے تھے اور یہ سب تصانیف انکی اپنی ہیں یعنی اس وقت کی جب وہ خلافت عباسیہ کے منصب قضا پر فائز تھے اور خلفاء کرام نے انھیں اس علمی کاوش کا مکلف کرکے اس کام کے لئے فارغ کر دیا تھا کہ فکر ونظر سے آگے بڑھ کر عدلیہ کے عملی مسائل کا تجربہ حاصل کرکے کتاب مدوّن کریں۔ گویا یہ تصانیف کسی غیر سرکاری مجلس قانون ساز کی نہیں ہیں بلکہ خالص سرکاری مجلس قانون ساز کی ہیں اور عباسی خلفاء کی نگرانی و سرپرستی میں ان کی تالیف وتدوین ہوئی ہے۔

امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ۔ امام شافعیؒ یہ سب امیرالمؤمنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ کے عہد کے قاضی تھے اور امیرالمؤمنین موصوف کو امام مالکؒ کے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے

غرض یہ کہ تدوین فقہ کے سلسلے میں جو کچھ کام ہوا ہے وہ خلفاء اسلام اور علماء و فقہاء ملت کے باہمی تعاون سے ہوا۔ اور اسی لئے خلفاء کرام نے اس فقہ کو مملکت اسلامیہ میں رائج کیا، اور امت میں اسے مقبولیت عام حاصل ہوئی۔ مودودی صاحب جیسے لوگ فرضی باتیں کتنی ہی بنائیں لیکن واقعہ اپنی جگہ ہے کہ امت میں فقہ حنفی کو مقبولیت اسی لئے حاصل ہوئی کہ اس فقہ کے مدوّن کرنے والوں پر جہاں امت کو اعتماد تھا وہاں علماء و فقہاء سب اپنے اپنے وقت کے خلفاء کے بھی معتمد تھے۔ اگر خلفاء کو ان علماء پر اعتماد نہ ہوتا تو ان کا مرتب کردہ نظام کبھی بھی رائج نہ ہو سکتا۔

امیرالمؤمنین المنصورؒ اپنی مساعی جمیلہ کے ثمرات اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکے حتیٰ کہ مؤطا شریف بھی انھوں نے ملاحظہ نہیں فرمائی۔ لیکن جو ابتدا انھوں نے کی تھی وہ بارور ہوئی اور ان کے بیٹوں، پوتوں کے زمانے میں امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کی تصنیفات سامنے آ گئیں اور امام ابو یوسفؒ جب قاضی القضاۃ ہو گئے تو آپ نے امیرالمؤمنین ہارون الرشید رضوان اللہ علیہ کی منشا کے مطابق مملکت اسلامیہ کا عدلیہ اپنے تصورات واجتہادات

کے ذریعہ منظم کیا اور یوں فقہ حنفی کا عباسی خلافت کے جملہ ممالک میں ڈنکہ بج گیا۔

المکی کا جو بیان مودودی صاحب نے دیا ہے (ص۲۳۹) وہ اس اعتبار سے بے پایہ ہے کہ انھوں نے فقہ حنفی کی تدوین کی تکمیل امام ابو حنیفہؒ کے ہاتھوں بیان کی ہے کہتے ہیں:۔

ابو حنیفہؒ نے اپنا مذہب ان کے (یعنی اپنے فاضل شاگردوں کے) مشورے سے مرتب کیا ہے وہ اپنی حد وسع تک دین کی خاطر زیادہ جانفشانی کرنے کا جو جذبہ رکھتے تھے اور خدا و رسولِ خدا اور اہلِ ایمان کے لئے جو کمال درجہ کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس کی وجہ سے انھوں نے شاگردوں کو چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادی رائے سے کر ڈالنا پسند نہ کیا۔ وہ ایک ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلوان کے سامنے لاتے تھے جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر اور اس سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا۔ آخر جب ایک رائے قرار پا جاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کرتے۔

یہ تمام تفصیلات کچھ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ مختص نہیں، اس وقت جتنے بھی علمی حلقے تھے سب میں اسی طرح کام ہوتا تھا، اور امام ابو یوسفؒ کی طرح سب ائمہ کے شاگرد اپنی یادداشتیں اسی طرح ثبت کرتے تھے۔ امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور بعد میں امام شافعیؒ سب کا یہی طریقہ تھا۔ فرق آتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اپنے افکار و اجتہادات کو مدون کر کے اپنی زندگی ہی میں کتابی شکل دینے میں کامیاب ہو گئے چنانچہ امام مالکؒ کی الموطا، اور امام شافعی کی الام اس پر شاہد ہیں، لیکن امام ابو حنیفہؒ کے تمام فیوض ان کے شاگردوں کے ہاتھوں ایسی تصانیف کے ذریعہ سامنے آئے جنھیں کسی درجے میں بھی امام صاحب کی تصنیف نہیں کہا جا سکتی، انھیں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ہی کی ایسی مستقل تصانیف کہا جائے گا جن میں دوسرے ائمہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی غیر سرکاری مجلس دستور ساز قائم کی تھی اور وہ فقہ اسلامی کا نظام اپنی زندگی ہی میں مرتب فرما گئے تھے، مودودی صاحب کے تصورات محض ان کے دماغ کی پیداوار ہیں اور واقعات کے سراسر خلاف۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے فقہ حنفی کی تدوین امام ابوحنیفہؒ کی بجائے امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے کی۔ بلکہ کہنے والا اپنے اس بیان میں سچا ہوگا کہ جسے عرف عام میں فقہ حنفی کہا جاتا ہے اس کی تدوین کا سہرا صحیح معنی میں امام محمدؒ کے سر ہے۔ جو حضرت امیرالمومنین ہارون الرشیدؒ کے نہایت مقرب و معتمد قاضی تھے۔ اور ان ہی کے ایماء سے یہ اہم کام انجام دیا تھا۔

خلافت عباسیہ کے قیام اور امیر المومنین المنصورؒ سے پہلے تحریری کام اور تصنیف و تالیف کا کوئی سلسلہ موجود نہ تھا۔ اور اس سلسلے میں جو کچھ ہوا وہ عباسی خلفاء اسلام شکر اللہ سعیہم کی توجہ و تائید سے خود ان کی نگرانی میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں عبیدی ملاحدہ کی حکومت قائم ہوگئی تو وہاں مالکی اور شافعی قاضیوں کو تو برداشت کیا جاتا تھا لیکن حنفی قاضی کا تقرر انھیں منظور نہ تھا۔ اسی لئے کہ جسے حنفی مذہب کہا جاتا ہے وہ سرکاری حیثیت سے خلافت عباسیہ اسلامیہ کا مذہب تھا۔ تاریخ کا جسے ادنیٰ علم ہے وہ ہمارے اس بیان کی تردید نہیں کر سکتا۔

قانونی خلاء؟ امیرالمومنین معاویہ صلوات اللہ علیہ کے عہد مبارک سے صحابہ کرام نے جس سیاسی نظام پر اجماع کیا تھا اسے مودودی صاحب اندھا جیسے نرے ناشناس لوگ شاہی حکومت اور ملوکیت سے تعبیر کرتے رہیں لیکن جو لوگ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ پر اپنے دین کا مدار رکھتے ہیں وہ ایسی لغویات نہیں کہہ سکتے۔ ان کے نزدیک اس نظام کی حیثیت وہی تھی جو اس سے پہلے کی چاروں خلافتوں کی تھی۔

مودودی صاحب کے زعم باطل میں اس نظام خلافت کی یہ حیثیت تھی کہ اس کا ہر ایک قانون ایک لادینی حکومت کا قانون تو ہو سکتا تھا۔ مگر شریعت اسلامیہ کا جزو نہیں بن سکتا تھا اور ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جو خلوص کے ساتھ اسے اسلامی قانون تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو

لیکن واقعات تو شاہد ہیں کہ امیر المومنین معاویہؓ، امیر المومنین مروانؓ اور امیر المومنین عبدالملک رضی اللہ عنہم کے فیصلے اب تک شریعتِ اسلامیہ کے جز رہے ہیں اور انھیں قانونی نظائر کی حیثیت سے صحاح میں درج کیا گیا ہے۔

مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت اور اس سے پہلے منصبِ رسالت نمبر میں جو خیالی باتیں کی ہیں اور امت میں قانونی طوائف الملوکی کا رونا رویا ہے تو ایسے تصور میں خلفاءِ اسلام کے علاوہ جمہور صحابہ کرام اور تابعین عظام کی انتہائی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جو خلافت تین بر اعظموں میں پھیلی ہوئی تھی وہ بے ربط اور غیر متوازن قوانین کے تحت سو برس تک چلتی رہی۔

ان صاحب نے اپنے قارئیں کو اتنا بے خبر سمجھ رکھا ہے کہ وہ چودھویں صدی کے ماحول کو قرونِ اولیٰ پر منطبق کرنے کی غلطی کر سکتے ہیں۔ اس زمانے میں ایسے مسائل ہی کیا تھے جن کے لئے "قانون" کی کوئی مدوّن کتاب کی ضرورت ہو۔ اللہ کی کتاب موجود تھی جس نے چند لچک دار کلیات بیان فرمائے ہیں۔ سنت کے چند نکات تھے جنھیں بیان کرنے والے اصحاب کرام موجود تھے۔ اور ان کے شاگردوں سے اسلام کے مراکز بھرے ہوئے تھے۔ سادہ سا معاشرہ تھا اور قانون کی تعبیر اور اس کے نفاذ میں موشگافی کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

اسی لئے اس زمانہ میں ہمیں تصنیف و تالیف کا کوئی ادارہ نظر نہیں آتا۔ علماء و فقہاء کے ہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ زبانی تھا اور سب علم سینہ بسینہ چلتا تھا۔ اموی عہدِ مبارک میں اس کی قطعی ضرورت نہ تھی کہ قانونِ اسلامی پر کتابیں لکھی جائیں۔ اور پھر جب عہدِ عباسیہ میں کتابیں لکھی گئیں تو کیا علماء کا اختلاف ختم ہو گیا یا قاضیوں اور مفتیوں کی قوتِ اجتہاد سلب کر لی گئی؟

آج بڑا دعویٰ منظم و منضبط و مبسوط قانون رکھنے کا کیا جاتا ہے تو کیا آج عدالتوں کے سب فیصلے یکساں ہوتے ہیں؟ اور عدالت ماتحت سے سپریم کورٹ/وفاقی عدالت تک ایک نقطہ کو ایک ہی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور کیا عدالتوں کے یہ فیصلے بڑی بڑی ضخیم کتابیں

میں قانونی نظائر کی حیثیت سے محفوظ نہیں رکھے جاتے اور ان کے متعلق یہ نہیں سمجھا جاتا کہ قانون کی تہذیب در ارتقا رکی یہی سبیل ہے۔ کیا کسی نے آجتک نظائر کی ان کتابوں کو قانونی طوائف الملوکی یا فیصلوں کا جنگل کہا ہے۔ گویا جسے قانونی طوائف الملوکی کا نام دیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لہٰذا مودودی صاحب نے صحابہ اور ائمہ کی جناب میں جو گستاخی کر کے انھیں لاقانونی کی زندگی بسر کرنیوالا بتایا ہے اس پہ جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

اہل علم کو ہم اس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ جس صورت حال کو مودودی صاحب نے سخافت عقل اور نسلی تعصب کی بناء پر قانونی طوائف الملوکی کہاہے وہ ہمارے ائمہ کے نزدیک ایک عالمگیر معاشرے کے لئے بالکل قطعی بات تھی اور خدا و رسول کے منشار کے عین مطابق۔ چنانچہ خود وہ بھی حِلْیَۃُ الْاَوْلِیَاء کے حوالے سے آدھی بات کہتے ہیں۔ یعنی اس بات کا جو مغز ہے اسے وہ اڑا گئے۔ انھوں نے امام مالکؒ کو بے حیثیت ثابت کرنے کے لئے یہاں تک لکھ دیا (ص ۲۷۹)

"اس غرض کے لئے (یعنی بقول مودودی صاحب عراقی مدرسۂ فکر کے عدم تعلق کا تدارک کرنے کے لئے) المنصورؒ اور المہدی نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں امام مالکؒ کو سامنے لانا چاہا اور ہارون الرشید نے بھی ۱۷۴ھ ۔ ۷۹۰ء میں حج کے موقعہ پر یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کی کتاب المؤطاء کو ملک کا قانون بنایا جائے۔"

اس گستاخانہ تحریر پر ہم پچھلے صفحات میں تنقید کر چکے ہیں لیکن یہاں وہ پوری عبارت نقل کرنا چاہتے ہیں جس کا حوالہ مودودی صاحب نے تلبیسًا دیا ہے۔ (ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء ص ۳۳۲ ج ۶) اور ناظرین کرام دیکھیں کہ بات کیا تھی اور مودودی صاحب نے اسے کس طرح پیش کیا ہے۔

حدثنا سلیمان ابن احمد املاءً ثنا المقدام بن داود ثنا عبد اللّٰہ	ہم سے سلیمان ابن احمد نے بطریق املاء بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہم سے مقدام بن داؤد نے کہا

بن عبد الحکم قال سمعت مالک
بن انس یقول شاورنی ھارون
الرشید فی ثلاث، فی ان یعلق
الموطا فی الکعبۃ ویحمل الناس
علی ما فیہ وفی ان ینقض منبر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ویجعلہ
من جوھر وذھب وفضۃ وفی
ان یقدم نافع بن ابی نعیم اماماً
یصلی فی مسجد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم۔

فقلت یا امیر المؤمنین
اما تعلیق الموطا فی الکعبۃ
فان اصحاب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اختلفوا
فی الفروع وتفرقوا فی
الآفاق وکل عند نفسہ
مصیب۔

واما نقض منبر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم واتخاذک
ایاہ من جوھر وذھب وفضۃ
فلا اری ان تحرم الناس اثر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
واما تقدمک نافعا اماماً

وہ کہتے ہیں ہم سے عبداللہ بن الحکم نے بیان
کیا وہ فرماتے ہیں میں نے (امام) مالک بن
انسؒ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ مجھ سے (امیر
المومنین) ہارون الرشیدؒ نے تین باتوں کے
کے بارے میں مشورہ کیا۔ ایک یہ کہ موطا شریف
کو کعبہ میں لٹکا دیں اور لوگوں کو اس کی پیروی
کا مکلف کردیں، دوسرا یہ کہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کو توڑ کر اسے
جواہرات اور سونے چاندی کا بنادیں اور
تیسرے یہ کہ (امام) نافع بن ابی نعیم کو امامت
سپرد کردیں کہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں وہی نماز پڑھایا کریں۔

میں نے کہا امیر المومنین! موطا کو کعبہ میں
لٹکانے کی بابت تو یہ ہے کہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے فروعی مسائل میں
اختلاف کیا اور وہ دور دور پھیل چکے ہیں
اور انہیں ہر ایک اپنے نزدیک صحیح موقف رکھتے تھا
رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر توڑنا
اور اسے جواہر سونے اور چاندی کا بنانا
تو مجھے یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی یادگار کی زیارت سے
لوگوں کو محروم کردیں۔

اور رہا آپ کا نافع کو مسجد نبوی میں نماز کا امام

يصلي بالناس في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فان نافعا امام في القرأة لا يؤمن ان تندر منه نادرة في المحراب فتحفظ عليه۔	بناتا تو نافع علم قرأت کے امام ہیں لیکن اس کا اطمینان نہیں کہ ان کی زبان پر محراب میں قرأۃ شاذہ آجائے۔ اور لوگ اسے یاد کرلیں تو امیر المومنین نے فرمایا۔
قال وفقك الله يا ابا عبد الله!	ابو عبداللہ آپ کو اللہ تعالیٰ اسی طرح نیک رائے کی توفیق دیتا ہے۔

اس روایت سے تین باتیں اہم معلوم ہوئیں۔

(۱) فروعات میں اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اختلاف مجتہد ہے اور اسی طرح ان کے اتباع میں علماء، فقہاء اور قاضیوں اور مفتیوں کا، سب اپنے اپنے دلائل رکھتے ہیں۔ اور کسی کے مذہب پر حرف گیری نہیں کی جا سکتی۔ مجتہد کا کام صرف یہ ہے کہ اپنا موقف وہ اپنے دلائل کے تحت متعین کرے اور جو لوگ اس پر اعتماد کرتے ہوں وہ اسکی پیروی کریں۔ مودودی صاحب کے نزدیک (ص ۲۳۸) اس طرح بے شمار متضاد فیصلوں کا ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا۔ لیکن امام مالکؒ کے نزدیک یہ عین مصلحت ملیہ تھی۔ اگر مودودی صاحب کو ہمارے ائمہ کے طرز عمل سے کچھ بھی لگاؤ ہوتا اور محاسن شریعت پر ان کی نگاہ ہوتی تو اس قسم کی فقرہ بازی سے پرہیز کرتے۔ لیکن انھیں تو اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تلامذہ اور خلفاء پر چوٹ کرنی تھی کہ وہ "قانونی طوائف الملوکی" کا شکار ہو گئے تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو بالکل اصلی حالت میں رکھنے کی کوشش کرنی ضروری تھی۔ تاکہ جب تک وہ آثار موجود ہوں آپ کی امت اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے۔

(۳) امام نافعؒ چونکہ قرأت کے امام تھے اور شاذ و نادر قرأتوں پر بھی انھیں عبور تھا اس لئے یہ بات بعید نہ تھی کہ متفق علیہ قرأت کی بجائے شاذ قرأت کا کلمہ ان کی زبان سے ادا ہو جائے۔ اس طرح مصحف عثمانی پر جو اجماع ہے اس پر حرف آتا تھا اور قریش کی زبان کی بجائے کسی دوسرے قبیلے کی زبان کا لفظ منہ سے نکل سکتا تھا چونکہ مصحف شریف

کی موجودہ ترتیب اور قرأت پر جمہور صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اس لئے یہ جائز نہیں رہا کہ اس قرأت کے علاوہ کسی دوسری قرأت کو حجت سمجھا جائے۔ چونکہ اختلاف قرأت کا موضوع وسیع ہے اور ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے اس لئے مزید تفریح کی یہاں ضرورت نہیں۔

ہمیں تو یہ دکھانا ہے کہ جس چیز کو مودودی صاحب قانونی طوائف الملوکی اور متضاد قوانین کا جنگل کہتے ہیں وہ امام مالکؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک "توسع" کہلاتا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ چاروں مذہبوں کے علماء و فقہاء اور اصحاب اجتہاد احوال حاضرہ کے مطابق نہایت اطمینان سے اپنے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب پر فتویٰ دیتے ہیں۔ چنانچہ مفقود الخبر خاوند کے بارے میں حنفیوں کا فتویٰ مالکی مذہب پر ہے۔ اور ایسے ہی اور بھی مسائل ہیں۔ یہ موضوع بھی ایک مستقل مقالہ چاہتا ہے۔ اس لئے اتنے ہی پر اکتفا کیا گیا۔

غرض یہ کہ مودودی صاحب نے فقہ حنفی کی تدوین کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ ان کے دماغ کی پیداوار ہے واقعات سے اس کا کچھ تعلق نہیں، فقہ حنفی کی تدوین خالصۃً عباسی خلفا کی سرپرستی میں ہوئی جب کہ امام ابو یوسفؒ مملکتِ اسلامیہ کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے اور ان کے بعد اس فقہ کے خط و خال امام محمدؒ نے درست کئے، یوں فقہ حنفی کا ارتقاء ہوا اور خلافت عباسیہ کے زیر نگین علاقوں میں زیادہ تر اس کا رواج ہوا۔

حاصل کلام

امیر المؤمنین المنصورؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے متعلق جو لغو اور لچر باتیں مودودی صاحب نے بیان کی ہیں اور تلبیس و افترا کے ذریعہ حالات و واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا ہے اس کی تنقیح کے بعد ہم اختصار کے ساتھ ناظرین کرام کو واقعات کی صحیح صورت حال پر پھر متوجہ کرتے ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ بالکلیہ جماعت سے وابستہ رہے اور سنت کے پابند انھیں کسی درجے میں بھی فرقہ پرستوں اور نسبی ڈینگیں مارنے والے باغیوں سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ تفسیر المنار میں (ج ۸ ص ۲۱۵) ابن بطالؒ کی ایک روایت درج ہے۔ جس سے

امام کا موقف معلوم ہو جاتا ہے اور عطاء بن ابی رباحؒ سے تلمذ کا واقعہ بھی۔

حکی ابن بطال فی شرح البخاری عن ابی حنیفة انہ قال لقیت عطاء بن ابی رباح بمکة فسألته عن شیئ فقال من این انت؟ قلت من اھل الکوفة۔ قال انت من اھل القریة الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا؟ قلت نعم۔ قال من ای الاصناف انت؟ قلت ممن لا یسبّ السلف ویؤمن بالقدر ولا یکفر احدًا بذنب۔ فقال عطاء عرفت فالزم

ابن بطالؒ نے شرح بخاری میں امام ابو حنیفہ کا بیان نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں "مکے میں عطاء بن ابی رباح سے ملا اور ان سے کچھ سوالات کئے، انھوں نے دریافت کیا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے عرض کیا کوفے کا۔ فرمایا "تم ایسی بستی کے رہنے والے ہو جہاں کے لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے؟ میں نے عرض کیا" جی ہاں" فرمایا "ان میں سے کس گروہ سے تمہارا تعلق ہے؟ میں نے عرض کیا" ان سے جو سلف پر طعن نہیں کرتے، تقدیر الہٰی پر ایمان رکھتے ہیں اور گنہگار کو کافر نہیں کہتے۔ تو فرمایا "تمہیں دین کا عرفان ہے اس پر جمے رہو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کسی درجے میں فرقہ بازوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے یعنی نہ آپ کو روافض کے تصورات سے جو مفروضہ حقوق علیؓ کے غصب کرنے پر سلف پر طعن کرتے ہیں کوئی علاقہ تھا نہ منکرین قدر سے اور نہ خوارج سے، تب ہی تو حضرت عطاء نے انھیں اس قابل سمجھا کہ اپنے اور صحابہ کرام کے فیوض سے متمتع کریں۔

(۴) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خلیفہ وقت کے خلاف خروج و بغاوت کا ارتکاب اس وقت تک قطعًا ناجائز و حرام تھا جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو (الا ان تروا کفرًا بواحًا (فقرہ حدیث صحیح بخاری)) ان کو ان لوگوں سے قطعًا کوئی دلچسپی نہ تھی جنہوں نے خلیفہ اور امام المسلمین کے خلاف وقتًا فوقتًا خروج و بغاوتیں

کیں نہ انہوں نے جیسا کہ تفصیلاً ذکر ہو چکا زید بن علی کا مالی مدد سے ساتھ دیا اور نہ محمد الارتط و ابراہیم کا۔

۴۔ حکومت وقت کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ تعاون کیا دین کے تمام تقاضے پورے کرنے کے لئے خلفاء اسلام کی تعمیری جدوجہد میں انکے ہمنوا اور مطیع و منقاد رہے ضمنی روایتوں میں جو یہ جھوٹی باتیں کہی گئی ہیں کہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار پر انھیں کوڑے لگوائے، قید و بند کی سزا دی یا زہر دلوا کر مروا دیا یہ سب کچھ لایعنی خرافات ہے۔ المکی ہی کی کتاب مناقب النعمان کی ان روایتوں سے جو مودودی صاحب کا ماخذ ہے ان اکاذیب کی تردید ہو جاتی ہے (ج ۲ صفحہ ۱۷۰)

ان ابو جعفر کان نقل اباحنیفة من الکوفة الی بغداد وحبسه عند نفسه واراد علی القضاء غیر مرة فاعتذر واستعفیٰ واحتال بکل حیلة فی رفق ومداراة حتی عفا عنه و امره بالاقامة علی بابه حتی یعرض علیه ما ورد من المسائل والقضایا من الامصار فینظر فیها و یامر ما یجب به ان یوم فلم یزل مقیماً عنده ببغداد لا یأذن له فی الانصراف الی الکوفة حتی مات بها۔

(امیر المؤمنین) ابو جعفر (المنصورؒ) نے (امام) ابو حنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد منتقل کرا کے ان کو اپنے ہی پاس ٹھہرا لیا، چند بار قاضی مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے عذر پیش کیا اور ملائمت و مدارات کیا تھے حیلہ و بہانہ سے معذرت خواہ ہوئے حتی کہ معاف رکھا گیا مگر باب القصر پر مقیم رہنے کا حکم دیدیا گیا تاکہ جو مسائل اور قضئے مختلف شہروں سے وصول ہوں ان کا مطالعہ کر کے مناسب فتوی دیں کہ اسی کے مطابق حکم دیا جائے چنانچہ اس کام کے لئے امیر المؤمنین کے پاس بغداد میں اقامت گزین رہے۔ کوفے کو واپسی کی اجازت نہ ملی یہاں تک کہ وہیں بغداد میں انکی وفات ہو گئی۔

المکی کی دوسری روایت میں بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے امیرالمؤمنین کے تعمیل حکم میں صرف دو دن ہی فیصلہ قضا یا کیا تھا کہ بیمار پڑ گئے فمرض ستة ایام ثم مات رحمہ دن تک بیمار رہ کر فوت ہوگئے۔ امیرالمؤمنین نے خود نماز جنازہ پڑھائی (وجاء المنصور فصلی علیہ) اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا امام مرحوم کو امیرالمؤمنین نے اپنے خاندانی قبرستان "مقابر الخیزران" میں دفن کرادیا۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کی کوئی غیر سرکاری مجلس دستور ساز کبھی نہیں بنائی ان کا حلقۂ درس و تدریس اپنے زمانے کے رواج کے مطابق بالکل ویسا ہی تھا جیسے دوسرے علماء و فقہا کا تھا۔

(۵) امام صاحب نے کوئی تحریری کام بھی فقہ میں نہیں کیا بلکہ ان کے حلقہ درس و تدریس میں پیش آمدہ مسائل کی تنقیح ہوتی تھی ان کے بعض شاگرد یادداشتیں لکھ لیتے تھے حنفی مکتبۂ فکر جسے کہتے ہیں اس میں اور خلافت قائمہ میں عدم تعاون کی ادنیٰ رمق بھی نہیں تھی بلکہ امام صاحب اور ان کے عظیم المرتبت شاگرد پوری طرح اور صمیم قلب سے عباسی خلفاء کی بیعت میں تھے اور اپنے آپ کو ان کے احکام کی پذیرائی کا پابند سمجھتے تھے، امام ابوحنیفہؒ نے جہاں امیرالمؤمنین ابوجعفر المنصورؒ کے امتثال امر میں کبھی پس و پیش نہیں کیا وہاں ان کی زندگی میں ان کے سب سے بڑے شاگرد امام زفر بن الہذیل بصرے کے قاضی مقرر ہوگئے تھے۔ اور صرف اس وقت اس عہدے سے مستعفی ہوئے جب امام صاحب کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کے فرائض ادا کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوئی باقی متعدد شاگردوں اور امام صاحب کی اولاد خصوصاً ان کے حقیقی پوتے اسمٰعیل بن حماد ابن امام ابوحنیفہؒ نے محکمہ قضا کے عہدے و منصب لئے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خلفاء عباسی سے اپنا ربط قائم کرکے ثقافت اسلامیہ کے تحفظ کی راہ ہموار کی۔

(۶) یہ امام صاحب کے شاگرد امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ وغیرہما ہیں جنہوں نے ان یادداشتوں کے ساتھ ساتھ دوسرے مکاتب فکر سے پورا استفادہ کرکے فقہ کی تدوین کی جو عرف عام میں فقہ حنفی کہلاتی ہے۔ لیکن تدوین و ترتیب کا یہ سب کام انہوں نے

اس وقت کیا جب خلافت عباسیہ کے مناصبِ قضا پر فائز ہوئے پھر یہ کام بھی مقلدانہ نہیں مجتہدانہ ہے اس لئے اس فقہی نظام کو امام ابو حنیفہؒ سے مستفاد تو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے غیر سرکاری طور پر حکومت وقت کے امضاء کے بغیر پچیس برس میں پورا فقہی نظام مدّون کر کے رکھدیا۔ امام صاحب کے زمانہ میں تدوین و تالیف کا قطعاً کوئی کام نہیں ہوا۔

۷۔ امام صاحب کو جب کوفہ سے بغداد بلایا گیا تھا اور الملکی کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق جب باب قصرِ خلافت میں ان کو مقیم رکھا گیا تھا تو یہ کام بھی ان کے سپرد تھا کہ مملکتِ اسلامیہ کے مختلف مقامات سے جو تصفیہ طلب مسائل و قضایا دربارِ خلافت میں آتے ان پر غور و خوض کر کے احکامِ شریعت کے مطابق فتویٰ دیں ان کی یادداشتیں بھی محفوظ تھیں جن سے بعد میں امام محمد یوسف وغیرہ نے استفادہ کیا اپنی عمر کے آخری پانچ برس میں جب دار الخلافہ بغداد میں امام صاحب کا قیام رہا تعمیر کے کاموں کی نگرانی کے علاوہ انہوں نے حکومت قائمہ کے لئے سیئرؒ کی دونوں کتابوں کا خاکہ اپنے چھوٹے شاگرد امام محمدؒ کو املا کرایا۔

۸۔ امیر المؤمنین ابو جعفرؒ کے فرمان کے تحت ۱۴۳ھ سے مسائل کی تنقیح و فقہ کی تدوین کا جو کام شروع کیا گیا تھا وہ امام صاحب اور امیر المؤمنین کے عہدِ مبارک میں پورا نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کی اور اس کے ساتھ دوسرے علوم و فنون کی تدوین کی داغ بیل ڈالدی گئی تھی، متعدد علماء جیسا پہلے اوراق میں بیان ہوا امیر المؤمنین المنصورؒ اور ان کے جانشینوں کی سرپرستی میں جو بذاتِ خود علم و فضل سے بہرہ ور تھے تصنیف و تالیف کا کام کر رہے تھے۔ کتب تاریخ و سیر میں جس طرح محمد بن اسحاق مولف سیرۃ نبویہ کے بارے میں یہ بیان ہے کہ "اتصل بالمنصور و مات ببغداد وکان عالماً بالمغازی والسیرۃ" یعنی خلیفہ منصورؒ کے ظلِ عاطفت میں رہے بغداد میں رہے۔ مغازی و سیر کے عالم تھے، کتاب سیرت تالیف کی، اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ ان کو بھی خلیفہ المنصورؒ کا تقرب کس طرح حاصل ہوا۔ ابو حنیفہ النعمان نشاء و

بالکوفۃ واتصل بابی جعفر المنصورؒ۔ تاریخ بغداد قدیم والحدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہر علم و فن کے علماء سے کام لیکر امیر المومنین نے بغداد میں حیات علمیہ کی بنیاد رکھی تھی، علم طب و علوم دینیہ کے مدارس قائم ہوئے اور ترویج علوم کے لئے کثیر رقوم خرچ کی گئیں۔

وھکذا اسس المنصور لحیاۃ علمیۃ ادبیۃ فی بغداد وکان اول انشاء ھامدارس لطب والعلوم الدینیۃ انفق سبیلھا اموالاً طائلۃ (ص۱)	اور اس طرح امیر المومنین ابوجعفر المنصور نے بغداد میں حیات علمیہ ادبیہ کی بنیاد ڈالی سب سے اول یہاں مدارس طب و علوم دینیہ قائم ہوے جن پر بڑی کثیر رقوم خرچ کی گئیں۔

امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ نے دیگر علوم کی ترویج کے لئے دارالترجمہ بھی قائم کردیا تھا اور بقول ابن الاثیر خود ان کی اپنی مدونات علمیہ کا ذخیرہ بھی تھا۔ علوم کی نشر و اشاعت کے وہ اس درجہ حریص تھے کہ یہی مورخ کہتے ہیں وکان شدید الولع بھا والحرص علیہا، اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند کو جہاں اور نصیحتیں و وصیتیں کی تھیں ترویج و اشاعتِ علم پر خاص طور سے متوجہ کیا تھا۔ ان کی اولاد و اخلاف سب ہی علوم دینیہ سے اس درجہ بہرہ ور تھے کہ علامہ شبلیؒ بھی فقہ حنفی کی ترویج کے سلسلہ میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ "عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی وہ اکثر حنفی فقہ کے ہی پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں کیونکہ یہ خاندان جب تک عروج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی ان کو خود دعوئی اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو امام ابوحنیفہ کی" (سیرۃ النعمان مطبوعہ دیوبند) علامہ شبلی تحقیق و تفحص سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ متعدد عباسی خلفاء نہ صرف شافعی و حنبلی مسلک تھے بلکہ ان کے ائمہ میں سے تھے۔ ان ہی کے ذوقِ علمی اور علماء و فضلاء کی سرپرستی کی بدولت دارالسلام بغداد پانچ چھ صدیوں تک علم کا گہوارہ رہا۔ کتاب المعارف کے مقدمہ نویس ثروت عکاشہ نے اسی حقیقت کا اظہار

کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کانوا من الخلفاء العلماء فرغبوا فی العلم واحسنوا وفادة اھلہ وشجعوھم علیہ وانتعشت بغداد بمن فیھا وبمن وفد الیھا واصبحت میدانا لحرکۃ علمیۃ فکریۃ واسعۃ (ص۲۷) بغداد کو مرکز علم ہونے کی بنیاد جیسا بیان ہوا۔ امیر المؤمنین ابوجعفر المنصورؒ جیسے بلند پایہ محدث و فقیہ وادیب نے ڈالی تھی۔ ان کے اخلاف نے اسے ارتقاء کے بام اعلیٰ تک پہنچایا اسلامی علوم کے علاوہ دیگر اقوام عالم کا سرمایہ ہر ملک و ہر جگہ سے حاصل کر کے عربی میں منتقل کیا گیا جس سے آگے چل کر علم کے کیسے کیسے سرچشمے چھوٹے ؎

وہ لقمان و سقراط کے دُر مکنوں — وہ اسرار بقراط و درس فلاطون

ارسطو کی تعلیم سولن کے قانون — پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفون

یہیں آ کے مُہر سکوت ان کی ٹوٹی

اسی باغ رعنا سے بو ان کی چھوٹی

بہرحال "خلافت و ملوکیت" اور اپنی دوسری تحریروں میں مودودی صاحب نے جو خیالی باتیں اموی و عباسی خلافتوں کی تنقیص میں کہی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں اور اہل تحقیق کے نزدیک ان کی تمام تحریریں جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہے بادر ہوا ہیں اس سے تو ان کی سبائیت زدہ ذہنیت بخوبی آشکارہ ہے۔ جس سے محض انکی فتنہ انگیزی و تخریب پسندی ثابت ہوتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص سیاسی منصوبے کے تحت انہوں نے اپنی تحریک اٹھائی ہے، اور جب قدم جم گئے تو وہ "خلافت و ملوکیت" کے آئینہ میں پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آ گئے۔

حدیث و تاریخ کا فرق ایک عجیب منطق

ماخذ کی بحث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں (ص ۳۱۷)

"بعض حضرات تاریخی روایات کو جانچنے کیلئے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے اور فلاں راوی جس وقت کا واقعہ بیان کرتا ہے اس وقت تو وہ بچہ تھا یا پیدا ہی

ہ دارالسلام بغداد سے مراد ہے۔

نہیں ہوا تھا اور فلاں راوی ایک روایت جس کے حوالے سے بیان کرتا ہے اس سے تو وہ ملا ہی نہیں ....

خاص طور پر واقدی اور سیف بن عمر اور ان جیسے دوسرے راویوں کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال نقل کر کے بڑے زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حدیث ہی نہیں۔ تاریخ میں بھی ان لوگوں کا کوئی بیان قابلِ قبول نہیں ہے۔ لیکن جن علماء کی کتابوں سے ائمہ جرح و تعدیل کے یہ اقوال نقل کئے جاتے ہیں انھوں نے صرف حدیث کے معاملہ میں ان لوگوں کی روایات کو رد کیا ہے۔ رہی تاریخ و مغازی اور سیر تو انہی علماء نے اپنی کتابوں میں جہاں کہیں ان موضوعات پر کچھ لکھا ہے وہاں وہ بکثرت واقعات انہی لوگوں کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حافظ ابن حجر کو دیکھئے جن کی تہذیب التہذیب سے ائمہ رجال کی یہ جرحیں نقل کی جاتی ہیں وہ اپنی تاریخی تصنیفات ہی میں نہیں بلکہ اپنی شرح بخاری (فتح الباری) تک میں جب غزوات اور تاریخی واقعات کی تشریح کرتے ہیں تو اس میں جگہ جگہ واقدی اور سیف بن عمر اور ایسے ہی دوسرے مجروح راویوں کے بیانات بے تکلف نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ میں خود ابو مخنف کی سخت مذمت کرتے ہیں اور پھر خود ہی ابن جریر کی تاریخ سے بکثرت وہ واقعات نقل بھی کرتے ہیں، جو انھوں نے اس کے حوالہ سے بیان کئے ہیں۔"

یہ عجیب منطق ہے کہ جو شخص حدیث کے بارے میں مردود الروایۃ ہو وہ تاریخ و سیر میں مقبول الروایۃ سمجھا جائے گا۔ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو شخص روایت میں ناقابلِ اعتماد ہو اور آنحضورؐ سے غلط قول اور جھوٹی بات منسوب کرنے کی جسارت کر سکتا ہو، وہ کسی صحابی یا غیر صحابی پر افترا کرنے اور جھوٹے قول منسوب کرنے میں اور بھی ڈھٹائی سے بیباک ہوگا۔ جن مورخین و علماء نے غیر ثقہ

بلکہ کذاب راویوں کی روایتیں بلا تنقید و جرح اپنی تالیفات میں درج کر دی ہیں یہ ان کی شدید بے احتیاطی اور غلطی ہے۔ مودودی صاحب نے چونکہ ان کتابوں سے چھانٹ چھانٹ کر مجروح و کذاب راویوں کی قادحانہ روایات نقل کر کے بعض اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء و صنادید اسلام پر بہتان طرازی کا اس طرح جواز پیدا کرنا چاہا ہے اس لئے انہیں اصرار ہے کہ ان علماء و مورخین کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے بلکہ ان کتابوں اور مؤلفات کو مستند سمجھ کر یہ جھوٹی اور قادحانہ روایات قبول کر لی جائیں۔ مودودی صاحب تو ایک عرصے سے تفسیر قرآن کا شغل بھی رکھتے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کیوں قابل التفات نہ سمجھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ

اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی جانچ کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت کی وجہ سے کسی قوم کو تکلیف پہنچا دو پھر اپنے فعل پر تمہیں ندامت اٹھانا پڑے

اللہ تعالیٰ کے اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے جس کا تعلق خبر سے خواہ وہ خبر حدیث ہو یا تاریخی روایت بغیر جانچے پرکھے آنکھیں بند کر کے اسے قبول کرنے کا آخر کیا جواز ہو سکتا ہے خصوصاً مرح صحابہ و خلفاء کے بارے میں یہ فعل تو دشمنان صحابہ اہل بدعت و ضلالت کا ہے۔ اہل علم کا تو یہ زاویہ نگاہ نہیں وہ واقعات کو واقعات کی حیثیت سے دیکھتے اور روایت قبول کرنے کے جو اصول ہیں ان کے مطابق روایت لیتے اور قبول کرتے ہیں۔ جو شخص تحقیق و ریسرچ کے دعوے سے مصلح و مجدد ہونے کا مدعی ہو وہ اگر ایسی روایات کو سند بنائیگا جو عقلاً و نقلاً باطل اور مجروح راویوں سے مروی ہوں نیز چھان کر اپنی تحریر کا مدار ان پر رکھے گا اس کے متعلق یہی سمجھا جائیگا کہ اس کی نیت خراب ہے اور اس کا مقصد تخریبی ہے۔ ابو مخنف و سیف بن عمر جیسے کذاب و وضاع راویوں کی اس طرح حمایت کر کے مودودی صاحب نے اپنی یہ حیثیت پوری طرح ثابت کر دی۔ ابو مخنف کذاب ہی تو

کربلا کے وضعی و من گھڑت داستانوں کا تنہا راوی ہے۔ چنانچہ خود مودودی صاحب کے معتمد
ماخذ البدایۃ والنہایۃ میں صراحتًا بیان ہے (ج ۸ صفحہ ۲۰۲)

وللشيعة والرافضة في صفة
مصرع الحسين كذب كثير واخبار
باطلة وفيما ذكرنا كفاية وفي
بعض اوردناه نظر ولولا ابن
جرير وغيره من الحفاظ و
الائمة ذكره ما سقته
واكثره من رواية
ابي مخنف لوط بن يحيى وقد
كان شيعياً وهو ضعيف الحديث
عند الائمة ... وعنده من
هذه الاشياء ماليس عند
غيره ولهذا يترامى عليه كثير
من المصنفين في هذا الشان
ممن بعده۔

شیعہ اور رافضیوں میں (حضرت) حسین رض
کے پچھاڑ دئے جانیکے بارے میں بہت کچھ
جھوٹ اور باطل خبریں ہیں ہم نے جن کا
ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور ان میں سے بعض
محل نظر ہیں اگر ابن جریر طبری اور دوسرے
ائمہ و حفاظ ذکر نہ کرتے تو ہم بھی ان کو
ترک کر دیتے ... ان میں سے اکثر روایتیں
تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں
مگر وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک ضعیف
الروایت تھا... اس قسم کے قصے (کربلا
کے) تو اسی کے (بیان کردہ) ہیں کسی اور کے
اس کے سوائے نہیں ہیں۔ چنانچہ ذکر بلا
کے قصوں کے بارے میں اسکے بعد والے
اسی کی جانب لپکتے ہیں۔

ابو مخنف متوفی ۱۵۷ھ نے کتاب "مقتل حسین" جو اس مبحث پر سب سے پہلی کتاب ہے
واقعہ کربلا کے تقریبًا ایک صدی بعد مرتب کی تھی جو اکثر و بیشتر دیومالائی طرز کی خرافات
واکاذیب پر مشتمل ہے۔ اس کے دو سو برس بعد شیعی مورخ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ
نے اکاذیب ابو مخنف کو نوک و پلک درست کر کے قال ابو مخنف کی تکرار کے ساتھ اپنی
تاریخ میں درج کر دیئے اس سے ابن کثیر و ابن الاثیر نے یہ مواد اخذ کیا۔ اس طرح ابو مخنف
کے اس سرمایہ کذب و زور کو ایسے لوگوں کی نظر میں جو اسماء الرجال سے روایتوں کے جانچنے
کی اہلیت نہیں رکھتے تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ زمانۂ حال کے ایک شیعہ مورخ

شاکر حسین نقوی جنہوں نے اس مبحث پر فریقین کی صدہا کتب مطالعہ کرکے واقعۂ کربلا کے اکثر من گھڑت قصوں کی روایتًا و درایتًا تکذیب بھی کی ہے "مقتل ابو مخنف" کے بارے میں لکھتے ہیں۔ (مجاہدِ اعظم ص۱۱۷)

"ابو مخنف لوط ابن یحییٰ ازدی۔۔۔کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا "مقتل ابو مخنف" پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ ہے کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔"

یہی شیعہ مولف "مجاہدِ اعظم" مزید لکھتے ہیں (ص۱۱۲-۱۱۷)

صدہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں، واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔۔۔ جس مؤلف کو جو خبر جس ذریعہ سے مل گئی اس نے وہی لکھدی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔۔۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین کے متعلق تمام واقعات ابتداء سے انتہا تک اس قدر اختلاف سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فردًا فردًا بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہوجائیں اکثر واقعات مثلاً اہلِ بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا۔۔۔ شمر کا سینۂ مطہر پہ بیٹھ کر سر جدا کرنا آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں کا اتار لینا، نعش مطہر کا لگدکوب سُمِ اسپاں کیا جانا، سرادقاتِ اہلِ بیت کی غارت گری اور نبی زادیوں سے چادریں تک چھین لینا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبانِ زدِ خاص و عام ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط ہیں بعض مشکوک بعض ضعیف اور بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔"

مودودی صاحب نے وضاع و کذاب راویوں کی روایتیں حدیث کے علاوہ

تاریخ میں قبول کر لینے کے سلسلے میں جو یہ مثال پیش کی ہے ص۳۱۱) کہ

"حافظ ابن کثیر اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ میں خود ابو مخنف کی سخت مذمت کرتے ہیں اور پھر خود ہی ابن جریر طبری کی تاریخ سے بکثرت وہ واقعات نقل کرتے ہیں جو انہوں نے (یعنی ابن جریر نے) اس کے ابو مخنف کے حوالے سے بیان کئے ہیں "

مگر حافظ ابن کثیر نے، جیسا قارئین ملاحظہ فرما رہے ہیں، اپنی مندرجہ بالا عبارت میں اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ شیعہ اور روافض میں حضرت حسینؓ کے واقعہ کے متعلق بکثرت جھوٹے بیانات اور اخبار باطلہ ہیں اور وہ بیشتر ابو مخنف ہی کی روایت سے ہیں اس کے سوائے کسی اور راوی کے بیان کردہ نہیں ہیں ابن جریر طبری اگر ان کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے با ایں ہمہ ابن کثیر شافعی مورخ نے باحتیاط مزید اس امر خاص کا لحاظ اور التزام رکھا کہ تاریخ طبری سے ابو مخنف کی روایتیں نقل کرتے وقت روافض کے واہی بہتانات واکاذیب ترک کر دیئے اور بعض کی تردید و تکذیب بھی کر دی۔ جو ابن جریر نے اپنے مسلک کے اعتبار سے درج کئے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو مودودی صاحب یہ کارستانی کہ اپنی کتاب "خلافت وملوکیت" (ص۱۸۱) میں ابو مخنف کے مندرجہ ذیل واہی اکاذیب جو ابن کثیر نے طبری سے واقعات کربلا کی روایتیں نقل کرتے وقت لغو سمجھ کر ترک (حذف) کر دیئے تھے مودودی صاحب نے پھر دہرا دیئے ہیں اور طبری کے علاوہ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ کے ۴ صفحات (ص۱۷۰ لغایت ۲۰۳) کا مزید حوالہ بھی دے دیا ہے حالانکہ ابن کثیر کے یہاں ان میں سے کسی کا یوں بیان نہیں ہے فرماتے ہیں۔

"جب وہ (حضرت حسینؓ) زخمی ہو کر گر پڑے تھے اس وقت ان کو ذبح کیا گیا پھر ان کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے کپڑے تک اتارے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑا کر اسے روندا گیا

اس کے بعد ان کے قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اتار لی گئیں اس کے بعد ان سمیت تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفے لے جائے گئے، اور ابن زیاد نے نہ صرف بر سر عام ان کی نمائش کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا الحمد للہ الذی اظہر الحق واھلہ ونصر امیر المؤمنین یزید وحزبہ وقتل الکذاب ابن الکذاب الحسین بن علی وشیعتہ پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی"

لطف یہ ہے کہ خود شیعہ مجتہدین و شیعہ مورخین کو ان واہی اکاذیب کے قبول کرنے سے انکار رہا ہے جو مودودی صاحب لکھ رہے ہیں مشہور شیعہ مجتہد علامہ کلینی نے کافی میں پامالی لاش حسینؓ سے انکار کیا ہے اور علامہ مجلسی بھی بحار میں لکھتے ہیں والمعتمد عندی ما سیاتی فی روایۃ الکافی انہ لم تیسر لہم (میرے نزدیک کتاب کافی روایت معتبر ہے کہ لاش حسینؓ کی پامالی نہیں ہوئی (مجاہد اعظم ص۲۰۳) ابن کثیر نے بھی پامالی لاش کے بارے میں لکھ دیا ہے لا یصح ذلک (یہ صحیح نہیں ہے) ص۱۸۹

پامالی لاش کے نعل شیعہ کے سلسلے میں ابو مخنف نے فاتح ایران اور سابقون الاولون صحابی سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند عمر بن سعد کو متہم کیا ہے جن کا حضرت حسینؓ سے رشتہ تو غالباً مودودی صاحب کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی ہونے کے تعلق سے وہ حضرت حسینؓ اور ان کی بہن سیدہ زینب کے نانا ہوتے تھے، ابو مخنف ہی کی یہ روایت بھی طبری نے لکھی ہے کہ سیدہ زینب نے اپنے رشتہ کے ان نانا عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ سے اس وقت کہ بقول مودودی صاحب حضرت حسینؓ جن کی کنیت ابو عبد اللہ تھی ذبح ہو رہے تھے یہ کہا کہ" ابو عبد اللہ تو قتل ہو رہے ہیں اور تم کھڑے دیکھ رہے ہو"

یہ دیکھ کر راوی کہتا ہے کہ عمر بن سعدؓ ایسے زار و قطار روئے کہ رخسار اور داڑھی پر
آنسو بہنے لگے (طبری ج ۶ صـ ۲۵۹) شیعہ مؤلف مجاہد اعظم فرماتے ہیں عمر بن سعد کو
جو قریشی اور رشتہ دار تھا زینب نے ملامت کرتے ہوئے کہا " ابو عبداللہ تو قتل
کئے جا رہے ہیں اور تو کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے (صـ ۲۷۰) قتل حسینؓ ستان کی گریہ و
زاری بر طبری میں راوی کے یہ الفاظ درج ہیں فکانی انظر الی دموع عمر بن
سعد وھی تسیل علی خدیہ و لحیتہ (راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا
عمر بن سعد کے آنسو ان کے رخسار اور داڑھی پر بہنے لگے) اب دیکھئے ایک طرف تو
قتل حسینؓ پر عمر بن سعد کی گریہ و زاری کی یہ روایتیں ہیں دوسری طرف ان سے یہ
وحشیانہ قول منسوب کیا ہے کہ اپنے دس گھوڑ سواروں کو حکم دیکر حسینؓ کی لاش
کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرادیا ۔ مودودی صاحب ہی بتائیں کہ حضرت
حسینؓ کے ایک قریبی رشتہ دار کے طرز عمل کی ان متضاد روایتوں کو درایت کی آنکھ
بند کرکے کیا محض روایتاً قبول کر لیا جائے ۔ مودودی صاحب نے حضرت حسینؓ
کے ذبح کئے جانے، جسم پر سے کپڑے تک اتارنے اور خواتین کے جسم سے چادریں
اتار لینے کا ذکر تو رنگ آمیزی سے کیا ہے مگر ابو مخنف نے ان لوگوں کا نام بنام ذکر کیا
ہے جنہوں نے افعال شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا، وہ مودودی صاحب شاید اس لئے
چھپا گئے کہ وہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا سردار، ذی ثروت و ذی حیثیت
اشخاص ہونے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے فرزند بھی تھے
اور رشتے میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے برادر نسبتی ہونے کے علاوہ ان کے ایسے
جان نثار طرفداروں میں رہے کہ صفین کے معرکوں میں شامیوں کے مقابل صف
آرا ہو کر لڑائی میں زخمی بھی ہوئے تھے ۔ مودودی صاحب نے شاید عراقی قبائل
کی آپس کی مخاصمتوں اور مخالفتوں کے حالات پر نظر نہیں ڈالی ابو مخنف کے ازدی
قبیلہ اور بنو کلاب و بنو کندہ میں عرصہ سے چپقلش چلی آتی تھی اس کذاب راوی نے
کربلا کی وضعی روایتیں گھڑتے وقت اپنے مخالف قبائل کے سرداروں کے نام بھی انکو

ملعون کرنے کی غرض سے بعض روایتوں میں درج کر دئے۔ قتل حسینؓ کے سلسلے میں اول سے آخر تک اس نے شمر بن ذوالجوشن پر الزامات عائد کئے ہیں، سبائیت زدہ لوگوں میں شمر کا نام سخت مکروہ ہے اور گالی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ شخص حضرت ذوالجوشنؓ کا جنہیں ابن کثیر صحابی جلیل لکھتے ہیں (البدایہ ج ۸ ص۱۸۸) کا بیٹا اور حضرت علیؓ کا سالا تھا یعنی ان کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان وجعفر و عبداللہ ابنائے علیؓ کا ہم جد تھا اور جنگ صفین میں اپنے قبیلے کے سردار کی حیثیت سے حضرت علیؓ کی طرف سے اہل شام سے نبرد آزما رہا تھا، چہرے پر تلوار کا زخم کھا کر بھی رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا تیر باری کرتا رہا تھا (طبری ج ۶ ص۱۵) دوسرا شخص جس کا نام حضرت حسینؓ کی لاش سے کپڑے اتارنے میں لیا گیا ہے وہ عراقی قبیلہ بنو کندہ کے جسے قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا، مشہور سردار اور صحابی حضرت اشعث بن قیسؓ الکندی کا ایک بیٹا بتایا جاتا ہے یہ حضرت اشعثؓ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے بہنوئی بھی تھے اور حضرت حسنؓ کے خسر بھی انہی کی دختر حضرت سیدہ جعدہ کو اپنے شوہر حضرت حسنؓ کو زہر خورانی سے متہم کیا گیا ہے اور اسکے دوسرے بیٹے محمد بن اشعثؓ کا نام مسلم بن عقیلؓ کو گرفتار کرکے قتل کرانے کے سلسلے میں لیا گیا ہے۔ غرضیکہ ابو مخنف اور اسی قماش کے دوسرے مجروح و کذاب راویوں کی وضعی روایتوں کو تاریخ میں آنکھ بند کرکے قبول کرنے کی منطق تو مودودی صاحب نے اسی مقصد سے چلائی ہے کہ حضرت معاویہؓ و یزیدؒ اور دیگر خلفاء کی تنقیص میں مواد ایسے ہی وضاع و کذاب راویوں سے مل سکتا ہے انہوں نے ابن زیاد سے جو حد درجہ قبیح کلمات حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کی طرف بدگوئی کے منسوب کئے ہیں سبائیت زدہ ذہنیت کے سوائے اور کون صحیح العقل شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ ابن زیاد جس کے باپ حضرت علیؓ کے خاص معتمد علیہ اور ایسے طرفدار تھے کہ انکی شہادت کے بعد بھی ان کے ہوا خواہ و طرفدار رہے۔ وہ کرتے میں جہاں حضرت علیؓ کے محب و معتقد ہزاروں کی تعداد میں موجود ہوں ان کے سامنے اور مسجد کے

منبر سے ان کی توہین و تذلیل میں یہ قبیح کلمات زبان پر لا سکتا تھا جو اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے والے ہوتے کوئی گورنر و سیاست داں ایسی خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔ مودودی صاحب غالی الذہن ہو کر اس قسم کے اکاذیب کو درایتاً و روایتاً جانچنے کی زحمت گوارا کرتے تو ان پر یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے کہ ابن زیاد و عمر بن سعدؓ اور دوسرے عمالِ حکومت قتل حسینؓ کے فعل شنیعہ کے ارتکاب سے قطعاً غیر متعلق تھے اسی لئے حکومت کی جانب سے کوئی باز پرس ان سے نہیں ہو سکتی تھی۔ قتل حسینؓ کے مرتکب تو کوفی اشرار کے سوائے کوئی اور نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پچھلے اوراق میں بھی اس پر گفتگو آچکی ہے۔ مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو خلافتِ معاویہؓ و یزید و تحقیق مزید۔

"خلافت و ملوکیت" کی ضرورت اور وجہ تالیف

معترضین کے اعتراضات اور سوالات کے جواب میں کہ ایسی کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی جس میں اکابر صحابہؓ و خلفاء کے حسنِ کردار اور بہترین سیرتوں پر نہ صرف معاندانہ جرح و تنقید کی گئی ہے بلکہ اقرباء نوازی، خاندانی عصبیت، بیت المال کے بیجا استعمال و ناانصافی اور احکام شریعت کی صریح خلاف ورزی کے لغو اتہامات بھی ان پر عائد کئے گئے ہیں نیز اموی و عباسی خلافتوں کو بھی ظالمانہ اور تاریک دور ثابت کرنے کی سعیِ لاحاصل کی گئی ہے۔ مودودی صاحب بعنوان "سوالات و اعتراضات بسلسلۂ بحث خلافت" (ص ۲۹۹) پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ :-

"جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابوں سے ماخوذ ہے۔ جتنے واقعات میں نے نقل کئے ہیں ان کے پورے پورے حوالے درج کر دیئے ہیں۔ کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ بیان نہیں کی "

کتب تاریخ کی نوعیت

اسی ایک بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تاریخ اسلام پر مودودی صاحب کی نظر بہت سطحی ہے، تاریخ کی جن کتابوں کو وہ تاریخ اسلام کی مستند ترین کتابیں کہتے ہیں اور ان ہی سے مواد بھی لیا ہے وہ کتابیں در حقیقت

مجموعہ اور ذخیرہ ہیں ہر قسم کی رطب و یابس، صحیح و غلط، وضعی و من گھڑت، سچی جھوٹی روایتوں کا۔ ان میں سے کسی کتاب کو نہ کلیتاً مستند و معتبر کہا جا سکتا ہے نہ غیر مستند و غیر معتبر ان کتابوں کی جلد اور صفحہ کا حوالہ دیکر کوئی واقعہ بیان کر دینا روایت و واقعہ کی صحت و عدم صحت کی دلیل نہیں، تاوقتیکہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ روایت کی ان اصولوں کے مطابق جو ائمہ فن نے قرار دیئے ہیں پوری طرح چھان بین نہ کر لی جائے، چنانچہ وہ خود بھی اسکے معترف ہیں، اور فرماتے ہیں (صفحہ ۳۰۰)

"اس میں شک نہیں کہ تاریخ کے معاملے میں چھان بین اسناد اور تحقیق کا وہ اہتمام نہیں ہوا ہے جو احادیث کے معاملہ میں پایا جاتا ہے"

پھر ابن جریر طبری وغیرہ چند مورخین و مصنفین کے نام لیکر جن کی کتابوں کے حوالے انھوں نے دیئے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ ان جیسے حضرات کے بارے میں یہ کہنا بھی تو مشکل ہے کہ انھوں نے حالات نقل کرتے وقت (ایضاً صفحہ ۳۰۰)

"اتنی سہل انگاری اور بے احتیاطی برتی ہے کہ بالکل بے اصل باتیں اپنی کتابوں میں صحابہ کی طرف منسوب کر دیں، کیا وہ ان باتوں کو بیان کرتے وقت اس بات سے اتنے بے خبر تھے کہ ہم کن بزرگوں کی طرف یہ واقعات منسوب کر رہے ہیں۔"

مکذوبہ روایتیں یہاں ہم ابن جریر طبری کی کتاب سے جو مودودی صاحب کے نزدیک اسلامی تاریخ کی مستند ترین کتاب ہے "سہل انگاری و بے احتیاطی" ہی نہیں بلکہ کذب بیانی کی صرف ایک قبیح روایت بطور مثال پیش کرتے ہیں حالانکہ اس کتاب سے جو بعد کے مؤرخین کا مأخذ ہے بے شمار روایتیں اسی قبیل کی پیش کی جا سکتی ہیں، یہ روایت خلیفہ اول و بلا فصل حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے اس واقعہ کے متعلق وضع کی گئی ہے جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند ہی گھنٹے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں انصار اور مہاجرین کے سابقون الاولون صحابی بزرگوں حضرت سعد بن عبادہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مابین پیش آیا تھا۔ اب دیکھئے کہ ابن جریر طبری جن کے متعلق مودودی صاحب کہتے ہیں کہ "انکی جلالت قدر

بحیثیت مفسر، محدث، فقیہ اور مؤرخ مسلّم ہے" دو کٹر رافضی راویوں ہشام کلبی اور ابو مخنف کی سند سے جن کو ائمہ فن نے کذاب کہا ہے یہ وضعی روایت اکابر صحابہ کے گالم گلوچ، جدال و قتال کی دھمکیوں اور مدینے کی گلیوں میں کلمہ گویوں کے خون بہانے کا انتہائی مکروہ نقشہ پیش کرتے ہوئے درج کر ڈالی ہے (طبری ج ۳ صفحہ ۲۱۰ طبع اول مطبع الحسینیہ مصر) روایت کا لفظ بلفظ ترجمہ یہ ہے۔

اب ہر طرف سے آ آ کر لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے لگے قریب تھا کہ وہ سعد کو روند ڈالتے۔ سعد کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد کو بچاؤ، سعد کو روندو۔ عمر نے کہا اللہ اسے ہلاک کرے، اس کو قتل کر دو اور خود ان کے سرہانے آکر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو روند کر ہلاک کر دوں، سعد نے عمر کی داڑھی پکڑ لی، عمر نے کہا چھوڑ دو اگر اس کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو تمہارے منہ میں ایک دانت بھی نہیں رہے گا۔ ابوبکر نے کہا، عمر خاموش رہو اس موقع پر نرمی برتنا زیادہ سودمند ہے۔ عمر نے سعد کا پیچھا چھوڑ دیا۔ سعد نے کہا اگر مجھ میں اٹھنے کی طاقت ہوتی تو میں تمام مدینے کے گلی کوچوں کو اپنے حامیوں سے بھر دیتا۔ کہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے ہوش و حواس جاتے رہتے اور بخدا اس وقت میں تم کو ایسی قوم کے حوالے کر دیتا جو میری بات نہ مانتے بلکہ میں ان کی اتباع کرتا۔ اچھا اب مجھے یہاں سے لے چلو۔ لوگ انھیں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے چند روز ان سے تعرض نہیں کیا گیا اس کے بعد ان کو کہلا بھیجا گیا چونکہ تمام لوگوں نے اور خود تمہاری قوم (انصار) نے بھی بیعت کر لی ہے تم بھی آکر بیعت کر لو۔ سعد نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا، تا وقتیکہ میں تمہارے مقابلے میں اپنا ترکش نہ خالی کر دوں، اپنے نیزے تمہارے خون سے نہ رنگ لوں اور اپنی تلوار سے جب تک میرا بس چلے وار نہ کر لوں اور اپنے خاندان اور قوم کے ان افراد کے ساتھ جو میرا ساتھ دیں تم سے نہ لڑ لوں ہرگز بیعت نہ کروں گا اس کے بعد سے سعد ابوبکر کی امامت میں نہ نماز پڑھتے تھے، اور نہ جماعت

ئہ یہ حضرت سعد بن عبادہ انصاری کہا جاتا ہے کہ بیمار تھے اور کمبل اوڑھے بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھے

میں شریک ہوتے تھے۔ حج میں بھی مناسک کو ان کے ساتھ ادا نہ کرتے۔ ابو بکرؓ کے
انتقال تک ان کی یہی روش رہی۔"

کذّاب راوی اس مردود روایت کے مضمون کا لفظ لفظ ہی صاف بتا رہا ہے کہ یہ روایت خود ان ہی دونوں رافضی راویوں کی من گھڑت ہے جن کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

ابو مخنف وهشام بن محمد بن السائب كلبي وامثالهما من المعروفين بالكذب عند اهل العلم (منهاج السنة ج ۱ ص ۱۳)	ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب کلبی اور ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہلِ علم کے یہاں مشہور و معروف ہے۔

ایسے دروغ گو اور جھوٹے لوگوں کی سند سے اکابر صحابہ کے بارے میں یہ مردود روایت ابن جریر طبری نے اپنے رافضیانہ رجحانات سے درج کر ڈالی، سنی مفسر و محدث و مورخ ابن کثیر نے البتہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات لکھتے ہوئے اس مردود روایت کو درج نہیں کیا بلکہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے حضرت ابو بکر الصدیقؓ کی بیعت کرنے کو بھی یہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی گفتگو پر صاف کہہ دیا تھا صدقت نحن الوزراء و انتم الامراء (البداية والنهاية ج ۵ ص ۲۴۷) یعنی آپ نے سچ کہا ہم (انصار) وزیر ہوں اور آپ مہاجرین امیر۔ یہ ہے بیّن فرق صحابہ کے معاملے میں ابن جریر طبری شیعی مورخ کی "سہل سازی و بے احتیاطی، اور کذب بیانی کا اور سنی مورخ کی تحقیق و احتیاط کا باایں ہمہ ابن کثیر اور بعد کے دوسرے مورخین نے جنہوں نے تاریخ طبری سے اخذ کیا ہے، اکثر و بیشتر روایتوں کی، جن پر مودودی صاحب نے اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے، چھان بین نہیں کی۔ حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کے متعلق جو بیعت عقبہ میں موجود اور ان بارہ نقباء میں سے تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تبلیغ دین کے لئے متعین فرمایا تھا، سبائی راویوں کا بہتان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سے انہوں نے بیعت نہیں کی نہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے اور نہ حج کے مناسک ان کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ اسی غلط بات کا مودودی صاحب نے بھی یہ کہہ کر اعادہ کیا ہے کہ "اگر حضرت سعد بن عبادہ کی

کی بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت مشتبہ نہیں ہوتی تو ایا، ۲ صحابہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت علیؓ کی خلافت کیسے مشتبہ قرار پا سکتی ہے" (ص ۱۲۲)

اجتماع و ائتلاف امت

حضرت سعد ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے۔ اور اپنے امام کے پیچھے جنہیں خود رسول اللہ نے امام مقرر کیا تھا نماز پڑھتے رہے چنانچہ خلفائے ثلاثہ کی بیعت پر تمام امت متفق و متحد رہی تھی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول حقیقت پر مبنی ہے کہ:۔

فان الثلاثة اجتمعت الامة علیهم و قوتل بهم الکفار و فتحت بهم الامصار (منهاج السنة ج ۱ ص ۱۶۴)

تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) نے پوری امت کو اپنی خلافت پر مجتمع کر لیا تھا اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہو گیا تھا (اور ان کی امارت کے مسلّم ہو جانے کی وجہ سے) انہوں نے کفار پر جہاد کیا اور ملکوں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے۔

وحدتِ ملت اور اسلامی فتوحات

صدیقی و فاروقی و عثمانی خلافتوں کے عہد میں اور ان کے بعد اموی و عباسی خلافتوں میں عیسائی و مجوسی طاقتوں کے خلاف جو جہاد ہوئے اور فتوحات حاصل ہوئیں وہ محض ملک گیری کے مقصد سے نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کی متابعت میں اللہ کے اعلیٰ دین کو سب مذہبوں پر فوقیت دینا اور اسلام کے بین الاقوامی بلند نظریہ کو فرسودہ نظاموں پر غلبہ دیکر اعلائے کلمۃ اللہ کا فرض ادا کرنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ملک عرب کے تمام حصے اسلامی مملکت میں شامل ہو چکے تھے، آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد عرب کے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیلی، حضرت ابوبکرؓ الصدیق کی بے مثال ہمت و استقامت سے اسکا قلع قمع ہو گیا جس میں مکہ کے قریشی مسلمانوں نے جنہیں مودودی صاحب "طلقا" کا طعنہ دیتے ہیں بڑھ

بڑھ کر حصہ لیا تھا۔ خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں شام و ایران و ایشیا کے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہوگئے ان کی شہادت کے وقت جو ایک ایرانی مجوسی کے قاتلانہ حملے سے ہوئی تھی، اسلامی مملکت ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ غنی ذی النورین کے عہد میں فتوحات کی اور بھی زیادہ وسعت ہوئی آرمینیا انطاکیہ، قبرص، روڈس، طرابلس، مراکش ایک طرف اور طبرستان و جرجان کے علاقے دوسری طرف اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے

فتح یورپ قسطنطنیہ کا عثمانی منصوبہ

حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کی تجویز سے اسلامی بیڑہ جہازات تیار کرایا تھا کہ براعظم یورپ کو اسلامی اقتدار کے تحت لا کر عیسویت و یہودیت پر دین اسلام کو غلبہ حاصل ہو حضرت عثمانؓ نے اپنے سپہ سالاروں کو جو مراکش فتح کر چکے تھے حکم دیا کہ اسپین (اندلس) کو فتح کر کے فرانس ہوتے ہوئے مشرق کی طرف بڑھیں اور ادھر سے بیڑہ جہازات کے ذریعہ حضرت معاویہؓ کی قیادت میں جنھوں نے پہلے ہی قبرص و مضیق قسطنطنیہ پر تسلط کر لیا تھا سمندری جانب سے قسطنطنیہ پر جو عیسائیت کا مرکز تھا حملہ کیا جائے۔ ابن جریر و ابن کثیر اور دیگر مورخین نے حضرت عثمانؓ کے فرمان کے الفاظ نقل کئے ہیں جو فتح اندلس و قسطنطنیہ کے سلسلے میں اپنے دو نامور جرنلوں عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن الحصین کو بھیجے تھے۔ البدایہ والنہایہ (ج ۷ ص ۱۵۲) میں بعنوان "غزوۃ الاندلس" فرمانِ عثمانی کے الفاظ ہیں کہ:-

ان القسطنطنیۃ انما تفتح من قبل البحر و انتم اذا فتحتم الاندلس فانتم شرکاء لمن یفتح قسطنطنیۃ فی الاجر آخر الزمان والسلام	قسطنطنیہ سمندر کی جانب سے بذریعہ بحری جہاد کے فتح ہوگا، جب فتح ہوگیا اور تم نے بھی اندلس فتح کر لیا تو تم بھی فاتحین قسطنطنیہ کے ہمراہ اجر و ثواب کے ہمیشہ کے لئے شریک سمجھے جاؤگے والسلام۔

ابن کثیر میں نیز طبری و ابن الاثیر و ابو الفداء و ابن المنعم کی کتاب خبر الاقطار میں بتغیر الفاظ

صراحتاً بیان ہے کہ مجاہدین بحریہ نے عہدِ عثمانی میں نہ صرف اندلس فتح کر لیا تھا بلکہ اندلس "
پرتگال پر تسلط ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ پر جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کے عام فرض کی ادائیگی کے
علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت مغفرت مجاہدین بحریہ کی حدیث سے اور بھی
مہیج جذبات غزا ہوا۔

مجاہدین بحریہ کو جنت کی بشارت

زمانہ فتح اندلس ۲۷ھ کے ہی دوسرے سال ۲۸ھ
میں حضرت معاویہؓ نے بحری جہاد سے جزیرہ قبرص
نیز رہوڈس فتح کر لئے تھے۔ ۳۱ھ میں عیسائی رومی بادشاہ قسطنطین نے تقریباً پانسو جہازات
کے زبردست بیڑے کے ساتھ جو آلات حرب سے آراستہ تھے فتح مصر کے لئے اسکندریہ پر حملہ کیا
تھا۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والی مصر نے حضرت عثمانؓ کے زمان کی متابعت
میں حضرت معاویہؓ کی بحو بڑا اسلامی بیڑے جہازات کی تیاری اور تکمیل میں انتھک محنت کی
تھی اور رومی بادشاہ کو مجاہدین بحریہ کی قیادت کرتے ہوئے عبرتناک شکست دیدی تھی۔
اس کے بعد تمام بحرِ روم اور سواحل پر اسلامی بیڑے کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجاہدین بحریہ کی فتح و کامرانی کے مناظر بحالتِ رؤیا دکھلائے تھے
آپ نے مجاہدین بحریہ جن میں ان کے قائدین حضرت معاویہؓ و حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ
بدرجہ اولیٰ شامل تھے، بشارت جنت کی دی تھی (ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۹ باب
قتال الروم) نیز البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۵۳) حضرت عثمانؓ کے یہ دو بدگو مخالفین
محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر جو اس وقت مصر میں موجود تھے اور مجاہدین بحریہ کے
جہاز سے اتر آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی بدگوئی کرتے ہوئے شامل جہاد نہ تھے وہ بشارت جنت
سے خارج رہے۔ مجاہدین بحریہ کی بشارت مغفرت کی یہ حدیث دلائل نبوت کی ایک اندر واضح
دلیل ہے کہ یہ دونوں بدگو محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابی بکر جو بعد میں حضرت عثمانؓ کے خلاف
سورش بپا کرنے والوں اور قاتلوں میں شریک تھے مجاہدین بحریہ کی بشارتِ جنت سے کس طرح
خارج و محروم رہے۔

شہادتِ عثمانؓ اور دورِ فتن

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حاکم سے حضرت انسؓ کی

یہ روایت درج کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان حدث بعثمان حدث فتبا لکم الدھر تبا (اگر عثمان کو کبھی حادثہ آجائے تو پھر تمہارے لئے ہمیشہ خرابی ہی خرابی ہے)۔ فتح یورپ و قسطنطنیہ کے عظیم منصوبہ کا حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت سے پورا نہ ہونا ملت اسلامیہ کے لئے ہمیشہ خرابی کا المیہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے دونوں ہمنام سپہ سالاران کیلئے جن کا ذکر اوپر آیا ہے اور جو نسبا بنو فہر سے تھے حضرت موصوف کے رشتہ دار نہ تھے کچھ دشوار نہ تھا کہ شمالی افریقہ کی طرح ممالک یورپ کو بھی فتح کر کے دار الاسلام بنا لیتے دور فتن کی خانہ جنگیوں کے علاوہ عثمانی منصوبہ کے پورا نہ ہونے سے صلیبیوں کی خوفناک یورشوں سے لیکر اسرائیل کی حالیہ چیرہ دستیوں کے مصائب عالم اسلام کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش پیدا ہونے کی وجہ اقربا نوازی و خویش پروری کو قرار دیکر طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں وہ اگر ان عناصر کا کھوج لگا سکیں جن کی اندرونی سازشوں سے یہ سانحہ پیش آکر عظیم عثمانی منصوبہ پورا نہ ہوسکا تو تاریخی ریسرچ ہی نہیں دور فتن کی گتھیوں کے سلجھانے کا موجب ہوگا۔ دور فتن کے آغاز کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں (ازالۃ الخفاء)

مبدا ایں فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند کہ منتظم نہ شوند و ازاں متالم شدند

اس فتنہ کی ابتدا حضرت مرتضیٰ کی خلافت سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی حضرت مرتضیٰ کی خلافت سے خبر دی تھی کہ وہ منتظم نہ ہوگی اور آپ سے رنجیدہ ہوئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلافت مرتضوی کے منتظم نہ ہونے سے متالم ہونا ظاہر ہے اسی بنا پر تھا کہ مقصد خلافت پورا ہونے والا نہ تھا، جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان کی خلافت کی ناکامی کے بارے میں بتایا ہے کہ:۔

لم یظھر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ

انکی (حضرت علیؓ) خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ

بلین اهله و طمع فیهم عدوهم من الکفار والنصاریٰ والمجوس بالشام والمشرق (منهاج السنتہ ۲ صفحہ ۱۴۳)

واقع ہوا اور شام و مشرق (یعنی ایران وغیرہ) کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو مسلمانوں کے دشمن ہیں انکے تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی

خلافت اسلامیہ کا انقطاع و احیاء

مودودی صاحب خلافت عثمانی کے واقعات کو آغاز فتنہ کا سبب قرار دیتے ہوئے یہ کہہ کر کہ میں اس کتاب میں تاریخ نہیں لکھ رہا ہوں خلافت علوی کے واقعات زیر بحث لانے سے گریز کر گئے، حالانکہ بہ تقریباً پانچ سالہ دور وہ افسوسناک دور تھا کہ جس میں جہاد بالکلیہ منقطع ہو گیا، مسلمانوں کی یک جہتی میں فرق آگیا اور باہمی اتفاق واتحاد معدوم ہو گیا۔ جدال و قتال کی وہ ہولناک نوبت پہونچی کہ جمل و صفین و نہروان کی خانہ جنگیوں میں بروایت مختلف تقریباً ایک لاکھ جانیں صدر اسلام و خیر القرون کے مسلمانوں کی تلف ہو گئیں۔ اجتماع و ائتلاف امت کے بجائے افتراق و انتشار کی نحوست طاری ہو کر خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج نبوت کا انقطاع ہو گیا۔ تاریخی واقعات سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تائید ہوتی ہے کہ:—

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد.... آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمانہ خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علیٰ منہاج نبوت منقطع شود (ازالۃ الخفاء ج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کو جو حضرت عثمان کی شہادت کے قریب پیدا ہوا.... زمانۂ خیر اور زمانہ شر کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ بعد شہادت عثمان کے خلافت بر طریق نبوت منقطع ہو جائے گی۔

رحمت الٰہی سے اُمت کو تباہی سے بچنا تھا کہ علوی عہد کی طوائف الملوکی اور خانہ جنگیوں کے بعد حضرت معاویہؓ کی خلافت پر تمام امت متفق و مجتمع ہو گئی اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا گیا یعنی ملت کے اجتماع کا سال۔

بعد حضرت مرتضیٰ چوں معاویہ بن ابی سفیانؓ

حضرت علی کے بعد جب حضرت معاویہؓ ..

متمکن شد اتفاق ناس بروے بحصول پیوست و فرقت مسلمین از میان برخاست (ازالۃ الخفا ج ۱)	ابو سفیانؓ متمکن ہوئے تو لوگوں کا اتفاق ان کی (خلافت) پر حاصل ہو گیا اور مسلمانوں کی باہمی نا اتفاقیاں اٹھ گئیں

امت کے اسی اجتماع و ائتلاف کی فضا میں امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے اسلام دشمن طاقتوں خاص کر رومی عیسائی قوت کے خلاف جہادی سرگرمیاں پھر شروع کردیں جن میں ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان کا تذکرہ پچھلے اوراق میں تفصیلاً آچکا ہے، کتب عقائد میں خلافت اسلامیہ کی تعریف میں جو کہا گیا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت ہوگی جو ارکان اسلام کو قائم رکھے گی نیز والقیام بالجهاد و حفظ حدود الاسلام و ما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة - جہاد کا سلسلہ و نظام درست رکھے گی اسلامی مملکت کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے فوجی قوت کی ترتیب اور سامان جنگ وغیرہ کا انتظام کرے گی ان جملہ فرائض و خدمات کے سلسلے میں احکام شریعت کے بموجب اسلامی حکومت کا نظام و انتظام درست کرکے حضرت معاویہؓ نے خلافت اسلامیہ کا گویا احیاء کردیا چنانچہ بعد علیؓ شروع عہد خلافت معاویہؓ یعنی سنہ ۴۱ھ سے تیرہ صدی بعد تک یعنی ترکوں کی خلافت کے آخری ایام تک جو اسلامی حکومتیں عالم اسلامی کی مرکزی قیادت کی حیثیت میں امت مسلمہ کی مندرجہ بالا خدمات انجام دیتی رہیں وہ سب خلافت ہی سے موسوم رہیں اور اسی طریق و منہاج پر چلتی رہیں جو حاضر الوقت حالات کے اعتبار صحابہ کی رائے و مشورے سے حضرت معاویہؓ نے اسلام دشمن عجمی سازش کے پیش نظر اختیار کیا تھا - امیر المؤمنین حضرت عمر الفاروقؓ کا ایک ایرانی غلام کے ہاتھ سے قتل ہو جانا، محض اتفاقی حادثہ نہ تھا، گہری عجمی سازش کے نتیجے میں پیش آیا تھا، پھر یہی عجمی سازش امت میں تفرقہ و اختلال پیدا کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل نیز حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کے اندوہناک واقعات میں ملوث و کارگر رہی ان ہی حالات کا ردعمل تھا کہ صحابہ کرام نے ضروری سمجھا کہ جس طرح قریش

کی منزلت وسیادت واثر ورسوخ کے اعتبار سے جو انہیں دیگر عربی قبائل پر قدیم الایام سے
حاصل تھا یہ اصول بطور حکمت عملی اختیار کیا گیا کہ امت کے سربراہ (خلیفہ وامام) قریش سے
ہوں۔ الائمة من القریش اس طرح اسلام دشمن عجمی سازشوں اور تخریبی
عناصر کی ریشہ دوانیوں کا استیصال نیز اسلامی تحریک کی حفاظت اور ادیان عالم پر
اس کے فروغ دینے کی خدمات کی بہترین انجام دہی کے لئے خلافت وسربراہی امت
کو قریش کے اسی خاندان بنی امیہ میں مخصوص کیا گیا جس کے افراد کی انتظامی اہلیت
وصلاحیت کے لحاظ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مملکت اسلامیہ کے اسی
فیصد عمال اموی مقرر فرمائے تھے، علوی ایام کے انتشار کے بعد حضرت معاویہ رضی اور
ان کے اہل خاندان بنی امیہ کا برسر اقتدار آنا پھر امویوں کے آخری زمانے کی سیاسی ابتری
سے عباسی خلافت کا قیام اسلامی اصولوں سے کسی قسم کی بغاوت یا اسلامی خلافت کے
طریق ومنہاج سے انحراف نہ تھا بلکہ مقتضائے حالات سے تھا صحابہ، تابعین اور پوری
امت نے جسے بالاتفاق کیا تھا۔ اسکے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اموی وعباسی خلافت | اموی وعباسی خلفاء کی اکثریت فرائض منصبی کی ادائیگی میں اسلامی اصولوں کی ہمیشہ متبع رہی۔

بیت المال کے سلسلے میں تفصیلاً بیان ہو چکا۔ مودودی صاحب نے خلفاء کے اپنے ذاتی بیت المال اور
بیت المال مسلمین کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے تصرف بیجا کے جو عبارتیں آئی کی ہر وہ حقیقت کے خلاف ہے، اندری
کتب تاریخ میں جو انکا ماخذ ہیں اس کی تصریحات موجود ہیں مثال کے طور سے امیر المومنین
ابوجعفر المنصور عباسیؒ کا واقعہ (طبری ج ۹ ص ۳۱۹) میں مذکور ہے کہ اپنے آخری سفر
حج پر جاتے ہوئے انہیں جب یہ احساس ہوا کہ اسی سفر میں شاید منزل آخرت طے ہو جائے
انہوں نے اپنے فرزند وجانشین محمد مہدی کو نصیحت ووصیتیں کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھ پر
تین لاکھ روپیہ قرض ہے وہ تم اپنے ذاتی مال سے ادا کرنا بیت المال مسلمین سے ہرگز
نہ لینا فرمایا تھا لست استحلہا من بیت المال المسلمین (میں اس کو حلال
نہیں سمجھتا کہ بیت المال مسلمین سے روپیہ لوں) حالانکہ بروایت المسعودی (البقیہ

والاشراف) یہی عباسی خلیفہ المنصورؒ چھیانوے کروڑ روپیہ اندوختہ بیت المال مسلمین میں چھوڑ کر جا رہے تھے بجائیکہ وہ اپنی ذات سے تین لاکھ کے مقروض تھے، اسی واقعہ کو ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ میں بیان کیا ہے۔ طبری وغیرہ نے خلیفہ موصوف کے متبع شریعت ہونے کے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ کے کسی سفر کے باربرداروں نے اپنی اجرت کا دعویٰ ان کے خلاف قاضی مدینہ کی عدالت میں دائر کیا تھا، قاضی محمد جوابدہی کے لئے امیر المؤمنین کو طلب کیا آپ بلا تأمل تن تنہا حاضر عدالت ہوئے اور مدعیان کے ساتھ کھڑے رہے قاضی صاحب نے مدعیوں کے حق میں فیصلہ صادر کر کے پوری اجرت کا روپیہ ان سے دلوایا۔ امیر المؤمنین نے عدلیہ کی آزادی اور قاضی کی انصاف پروری سے خوش ہو کے فرمایا جزاک اللہ عن دینک احسن الجزاء اور قاضی صاحب کو انعام واکرام سے نوازا، ایسے متبع شریعت اور دیانت دار و پرہیزگار و متقی خلیفہ کو ظلم و جور سے متہم کرنے کے لئے مودودی صاحب نے وضعی روایتوں کا سہارا لیا ہے، حالانکہ ان ہی کے کتب مآخذ میں ایسی متعدد روایتیں ان واقعات کی موجود ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر المنصورؒ لوگوں کی خطائیں معاف کرنے اور مخالفین سے برتاؤ میں کس درجہ حلم و کرم سے کام لیتے تھے۔ مورخ بن عمر والسدوسی متوفی ۱۹۵ھ جو امیر المؤمنین کے ہم عصر مورخ و نساب تھے اپنی تالیف "حذف من نسب قریش" میں اپنی ذاتی واقفیت سے خلیفہ ابو جعفر المنصورؒ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کان اعظم الناس عفواً[۱۳] یعنی ابو جعفر المنصورؒ (لوگوں کی خطائیں) معاف کرنے میں سب انسانوں سے بڑھ کر معاف کرنے والے تھے۔

اندلسی مؤلف عقد الفرید نے بھی خلیفہ ابو جعفر المنصورؒ کی وصیت کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو محمد الارقط حسنی کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں فوجی دستے کے قائد کو منجملہ اور باتوں کے جن کا ذکر گذر چکا ہے لکھ کے فرمایا تھا۔

فاذا ظفرت به فلا تخیفن — پس اگر تم باغیوں پر فتح پا جاؤ تو اہل مدینہ

اهل المدینة وعمهم بالعفو فانهم الاصل والعشیرة و ذریة المهاجرین والانصار وجیران قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ج ۳ صفحہ ۲۱۵)	کو خوف زدہ مت کرنا۔ لوگوں کو عام معافی دیدینا، کیونکہ یہ ہماری ذات برادری کے ہیں، مہاجرین اور انصار کی نسل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی ہمسائگی رکھنے والے ہیں۔

محمد الارقط حسنی کی شورش و بغاوت کی ناکامی کی کیفیت تو قارئین پچھلے صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں یعنی ایک قلیل التعداد گروہ باغیوں کا ان کے ساتھ اتنا سا ہو گیا تھا کہ چند گھنٹے بھی مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا، آخر میں محمد الارقط تن تنہا رہ گئے تھے مودودی صاحب کا مقصد چونکہ اموی و عباسی خلفاء کی تنقیص و تضحیک ہے فرماتے ہیں (ص ۲۴۹)

"جب رجب ۱۴۵ھ میں نفس زکیہ (یعنی محمد الارقط۔م) نے مدینے سے عملاً خروج کیا تو منصور سخت گھبراہٹ کی حالت میں بغداد کی تعمیر چھوڑ کر کوفہ پہنچا اور اس تحریک کے خاتمے تک اسے یقین نہ تھا کہ اس کی سلطنت باقی رہے گی یا نہیں بسا اوقات بدحواس ہو کر کہتا ہے بخدا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں......"

دو مہینے تک وہ ایک ہی لباس پہنے رہا، بستر پر نہ سویا، رات رات بھر مصلے پر گذار دیتا تھا، اس نے کوفہ سے فرار ہونے کے لئے، ہر وقت تیز رفتار سواریاں تیار رکھ چھوڑی تھیں اگر خوش قسمتی اس کا ساتھ نہ دیتی تو یہ تحریک اس کا خانوادۂ عباسی کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتی۔"

مودودی صاحب کی اس ژاژ خائی کی تردید میں شیعہ مؤرخ المسعودی کا جو ان کا ماخذ بھی یہ قول کافی ہے جو خلیفہ المنصورؒ کی عادات و خصائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

لا یدخل فتور عند حادثة ولا تعرض له ونیة عند مخوفة... ویثب وثوب	جب کوئی حادثہ پیش آتا ان کے (خلیفہ منصور کے) مزاج میں مطلق فتور نہ ہوتا اور کسی خوف کی حالت میں سستی و کمزوری

الاسد العادی لایبالی ان یحرس ملکہ بھلاک غیرہ (صہ ۳۴۱ التنبیہ والاشراف مطبوعہ لیڈن)

عارض نہ ہوتی.... حملہ آور شیر ببر کی طرح اٹھ کھڑے ہوتے اور اس بات کی ذرہ بھر پروا نہ کرتے کہ ان کی سلطنت کی حفاظت غیر کی ہلاکت ہی میں ہے۔

امیر المؤمنین موصوف کے ہم عصر مورخ و نساب مورج بن عمرو السدوسی اپنی تالیف "حذف من نسب قریش" میں (مکتبہ دار العروبہ) اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ سب اسلامی ملک و اقوام ان کی مطیع ہو گئی تھیں لکھا ہے ولم یناویہ قط الا ظفر بہ یعنی جو کوئی بھی ان کے مقابل آیا خلیفہ منصورؒ اس پر غالب آئے۔ مورج السدوسی متوفی ۱۹۵ھ نے خلیفہ المنصورؒ کے علاوہ خلیفہ محمد المہدی، موسی الہادی اور ہارون الرشید متوفی ۱۹۳ھ کے زمانے پائے تھے۔ خلیفہ محمد المہدی عباسیؒ کی جود و سخا کا ذکر تو اور مورخوں نے بھی کیا ہے، شرفاء و صلحا و علماء اور اہلِ حاجت کو بیحد و حساب عطایا دیئے لکھا ہے کہ جذامیوں اور لاوارثوں کے لئے آذوقے کے انتظامات بھی کئے گئے تھے، خلیفہ موسی الہادی اور ہارون الرشید کے خصائل و اوصاف حمیدہ کے بیان کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے خلاف جہادی مہموں میں شرکت کی بڑی رغبت رکھتے تھے المسعودی اس بیان سے ہم عصر مورخ کے بیان کی تائید مزید ہوتی ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید تمام آدابِ اخلاق میں کامل و اکمل، فیاض، بہادر و شجاع، حج اور جہاد کا بڑا شوق تھا اپنی خلافت کے عہد میں آٹھ حج اور آٹھ ہی جہاد کئے تھے۔۔ اموی اور عباسی خلفاء ابتدائی چند صدیوں تک اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد کرنے، کلمہ حق دنیا میں بلند کرنے اور کلمہ کفر کو ناکام کرنے کے لئے بذاتِ خود شریک جہاد ہوتے تھے اماکن مقدسہ مسجد الحرام مکہ و مسجد نبوی مدینہ اور مسجد اقصی بیت المقدس کی صیانت و حفاظت فرض اولین سمجھتے، اموی و عباسی خلفاء کے بعد یہی خدمات ترکی خلفاء نے انجام دیں مسیحی اور یہودی مسلمانوں کے دائمی حریف و دشمن رہے ہیں۔ ۲۲۳ھ میں رومی عیسائی بادشاہ نے مقام ملطیہ پر حملہ آور ہو کر بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے مسلم خواتین کو اسیر کر لیا تھا

اس واقعہ کی خبر جس وقت خلیفہ المعتصم باللہ فرزند امیرالمومنین ہارون الرشیدؒ کو پہنچی کہ یہ مسلمان عورتیں ان سے فریادی ہیں لبّیک لبّیک کہتے ہوئے اور فوج کو پیچھے بسرعت چلنے کا حکم دیتے ہوئے سوار ہو کر چل دیئے کوئی ایک ہزار میل کا سفر کر کے دشمن کو پسپا کیا اور مسلمان بہنوں کو ان کی قید سے آزاد کرا لیا پھر عموریہ شہر کو جو عیسائیوں کا قسطنطنیہ کے بعد دوسرا مقام تھا فتح کر کے جیسا پہلے بیان ہوا انقرہ پر بھی تسلط کر لیا اس زمانہ کی مسلمان خواتین کی نظریں اسلامی مرکزی حکومت کے سربراہ کی جانب امداد و استعانت کے لئے اٹھتی تھیں، اسی مرکزی حکومت کا دوسرا نام ہی تو خلافت ہے۔
حضرت معاویہؓ کے شروع زمانہ سنہ ۴۱ھ سے ترکی خلافت کے آخر ایام سنہ ۱۳۴۲ھ تک کہ تیرہ سو برس کا زمانہ ہوتا ہے مسلمانوں کی وہ اور کونسی طاقتور مرکزی حکومت تھی جس نے یہ خدمات ملّیہ اسلامیہ جو لازمہ خلافت ہیں انجام دی ہوں، عالم اسلام کی مرکزی حکومت بالفاظ دیگر خلافت قوت و شوکت اور ضعف و اضمحلال دونوں حالتوں کے اعتبار سے پچھلی تیرہ صدیوں میں یوں منقسم رہی ہے۔

۱۔	اموی خلافت (دمشق)	سنہ ۴۱ھ لغایت سنہ ۱۳۲ھ	مدت ۹۱ سال
۲۔	عباسی خلافت (بغداد)	سنہ ۱۳۲ھ لغایت سنہ ۶۵۶ھ	مدت ۵۲۴ سال
۳۔	عباسی خلفاء (مصر)	سنہ ۶۶۰ھ لغایت سنہ ۹۲۳ھ	مدت ۲۶۳ "
[illegible]	ترکی خلافت	سنہ ۹۲۳ھ لغایت سنہ ۱۳۴۵ھ	مدت ۴۲۲ "
			۱۳۰۰ سال

بغداد میں عباسی خلافت تاتاریوں کے وحشیانہ یلغار سے جب مٹ گئی سنہ ۶۶۰ھ سے مصر میں عباسی خلفا کا سلسلہ کاروان رفتہ کے ایک نمود غبار کی طرح تقریباً ڈھائی سو برس قائم رہا، سیاسی قوت کے بجائے منصب خلافت کے مذہبی امتیازات انہیں حاصل رہے۔ نیز بعض تبرکات و آثار نبویہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ردا، آپ کی تلوار اور ایک جھنڈا خلیفہ کے پاس اعزازاً رہتا اور مقامات مقدسہ اور حرمین کی کنجیاں بھی اس منصب کی عظمت دینی کا یہ حال تھا کہ ہندوستان کا مسلمان بادشاہ اپنی حکومت کو

شرعی طور پر منوانے کے لئے عباسی خلفائے مصر سے پروانۂ نیابت حاصل کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ شاہانِ ہند کے خطبوں میں عباسی خلیفہ کا نام ناصر امیر المومنین وغیرہ الفاظ سے لیا جاتا اور سکّوں اور عمارتوں پر کندہ ہوتا، بالآخر سنہ ۱۹۱۴ء کی عالمی جنگ کے دوران بعد ہی عیسائی یہودی سازش نے شریف حسین حسنی کو جو ترکی خلافت کی جانب سے صوبہ حجاز کے والی تھے، یہ سبز باغ دکھا کر کہ جملہ عرب ملکوں کی متحدہ حکومت کے وہ سربراہ ہوں گے ترکی خلافت سے بغاوت پر آمادہ کر لیا، شریف حسین نے بغاوت کی قیمت میں پچاس ہزار پونڈ نقد ماہانہ کے علاوہ اسلحہ اور ہر قسم کے غلہ و دیگر اشیاء کی کثیر مقدار حاصل کی۔ شریف حسین حسنی نے برٹش حکومت کی سازش سے ۵ جون سنہ ۱۹۱۶ء کو ترکی خلافت سے بغاوت کر دی، دارالامان مکہ میں کشت و خون کا بازار گرم ہوا، حدود حرم میں گولہ باری ہوئی، ترکی کی حکومت کے حصے بخرے کئے گئے، برطانیہ کے یہودی سکریٹری آف اسٹیٹ بالفور نے فلسطین میں یہودی اسٹیٹ (اسرائیل) کے قیام کا اعلان بھی کیا، عالم اسلامی خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں میں خلافت اسلامیہ کی تباہی سے سخت اضطراب پیدا ہوا، خلافت کمیٹی قائم ہوئی جس کا جال سارے ملک میں پھیل گیا "جان بیٹا خلافت پہ دیدو" نعرے ہر جگہ لگنے لگے۔ مودودی صاحب بھی خلافت کی تحریک میں عملی حصہ لیتے رہے، ان مختصر تاریخی حالات کا یہاں اعادہ مودودی صاحب کے اس دعوے کے سلسلے میں کیا گیا کہ اسلامی تاریخ کو غلط پیش کیا جا رہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں (صفحہ ۳)

اسلامی تاریخ غلط رنگ میں

"اگر ہم صحت نقل اور معقول و مدلل اور متوازن طریقے سے اس تاریخ کو خود بیان کریں گے اور اس کے صحیح نتائج نکال کر مرتب طریقے سے دنیا کے سامنے پیش نہ کریں گے تو مغربی مستشرقین اور غیر معتدل ذہن و مزاج رکھنے والے مسلمان مصنفین، جو اسے نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں اور آج بھی پیش کر رہے ہیں، مسلمانوں کی نئی نسل کے دماغ

میں اسلامی تاریخ ہی کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت اور اسلامی نظام

زندگی کا بھی غلط تصور بٹھا دیں گے "

مستشرقین | اسلامی تاریخ کو آخر کس "درنہایت غلط رنگ" میں پیش کر رہے ہیں کس دور کو اس کے اور کن تاریخی شخصیات کو کس رنگ میں دکھا رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیا ضرر پہنچانا چاہتے ہیں مودودی صاحب ان باتوں کو گول کر گئے، مثال کے طور پر کسی ایک تاریخی واقعہ کے متعلق بھی یہ نہ بتایا کہ مستشرقین نے اسے کس غلط رنگ میں پیش کیا ہے نہ اس سلسلہ میں کسی مستشرق کا یا اسکی تالیف کا نام لیا، حالانکہ متعدد مستشرقین کی تصنیفات پاکستانی یونیورسٹیوں کے سلیبس میں شامل ہیں مودودی صاحب کے اس بغایت مبہم دعوے سے تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اگر مستشرقین کے غلط رنگ کی مثالیں پیش کرنے کی کوشش کرتے بھی تو خود ان کو اپنے اور مستشرقین کے رنگ میں فرق اور امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا، کیونکہ مستشرقین نے بھی مودودی صاحب کی طرح بالعموم مکذوبہ روایتوں پر حصر کیا ہے۔ بایں ہمہ بعض یورپین مصنفین ولہاوزن وغیرہ نے جنگ صفین اور واقعہ تحکیم کے سلسلے میں بے لاگ تحقیق اور مسکت وقوی دلائل سے ان اکاذیب کی تردید کی ہے جو حضرت معاویہؓ وعمرو بن العاصؓ پر مکذوبہ روایتوں میں عائد کئے گئے تھے مودودی صاحب نے بھی ان ہی اکاذیب کو دہرانے کی بخیال خویش سعادت حاصل کی ہے۔ ولہاوزن نے اپنی تالیف "عرب سلطنت اور اسکا زوال" کے پیش لفظ میں ابو مخنف کے بارے میں صراحتاً لکھا ہے کہ اس کی ہمدردیاں اہل شام کے مقابلہ میں اہل عراق کے ساتھ اور امویوں کے خلاف حضرت علیؓ کی طرفداری میں رہی ہیں اور بعض اوقات وہ ایسے واقعات کو چھپا بھی جاتا ہے جو اس کے مفید مطلب نہیں ہوتے، مثال کے طور سے اس واقعہ کا اخفا کر دیا گیا کہ حضرت عقیلؓ جنگ صفین میں اپنے بھائی (حضرت علیؓ) کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوئے تھے ۵

---

۵ Aqil at siffin fought against his brother Ali

اس طرح کے حقائق تاریخیہ کے اظہار و بیان ہی کو تو مودودی صاحب اسلامی تاریخ کا نہایت غلط رنگ کہتے ہیں کیونکہ وہ ان کے مفید مطلب نہیں مگر علوی دور کے واقعات کے اخفار اور کتمان حق کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق بھی بتلاتے ہیں اور بعض نے بھی اسی بات کو نہج البلاغۃ کے خطبہ (نمبر ۳) میں جس کی شرح مودودی صاحب کا ماخذ ہے خود حضرت علیؓ ہی کی زبان سے یوں کہلوا دیا ہے۔

اما واللہ لقد تقمصہا فلان (کنایہ	قسم خدا کی فلاں شخص (مراد ہے ابوبکرؓ سے)
عن ابی بکرؓ) وانہ لیعلم ان محلی	نے اس کار خلافت کا پیراہن پہن لیا حالانکہ
منہا محل القطب من الرحی...	وہ خوب جانتا تھا کہ خلافت میں میرا وہی مقام
فرایت ان الصبر علی ھاتا احجی	ہے جو ہتھینڈے کو چکی میں ہے......
فصبرت وفی العین قذی و	اس وقت میں نے دیکھا کہ صبر کرنا ہی عقلمندی ہے
فی الحلق شجا اری تراثی نہبا	آنکھیں غبار آلود تھیں اور حلق میں ہچکیوں
حتی مضی الاول لسبیلہ فادلی	سے پھندے پڑ گئے تھے اور میں دیکھ رہا تھا
بہا الی فلان (اعنی عمرؓ) بعدہ	کہ میری میراث کس طرح لٹ رہی ہے یہاں تک
	کہ وہ پہلا اپنے رستے گزر گیا، اور اپنے بعد خلافت
	کے ڈول کو فلاں (عمرؓ) کی طرف پھینک گیا

اسی قول منسوبہ کی گویا یہ تفسیر سمجھئے جو مودودی صاحب حضرت علیؓ کے متعلق کہتے ہیں کہ "وہ اپنے آپ کو خلافت کیلئے احق سمجھتے تھے" ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ "انہوں نے خلافت حاصل کرنے کیلئے کبھی کسی درجے میں کوئی ادنیٰ سی کوشش بھی" نہیں کی۔ یعنی مصنفین نہج البلاغۃ کے قول کے مطابق اپنی "میراث" حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھوں لٹتے دیکھ کر بھی صبر کرتے رہے پھر فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کا محض اپنے آپ کو احق سمجھنا قاعدے کے خلاف قرار نہیں دیا جا سکتا" لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کس بنا پر وہ اپنے آپ کو خلافت کیلئے احق سمجھتے تھے کیا مزعومہ "میراث" کی بنا پر؟ مگر داماد تو شرعی وارث نہیں ہوتا اور مودودی صاحب بھی خلافت کو موروثی نہیں جانتے رہی دینی اور ملی خدمات اور شخصی فضائل یعنی جہاد باللسان اس میں تو حضرت ابوبکرؓ

ہی کا سب سے زیادہ حصہ تھا، حضرت علیؓ کا نہیں مطلق کوئی حصہ نہ تھا۔ جہاد بالاموال میں خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا بڑا حصہ تھا حضرت علیؓ کا بلکہ بنی ہاشم میں سے کسی فرد کا بھی کوئی حصہ نہ تھا، جہاد بالسیف اس میں حضرت علیؓ کا حصہ بیشک تھا۔ مگر اس میں بھی وہ منفرد نہیں متعدد صحابہ انکے ساتھ شامل ہیں اور عہد رسالت کے بعد کے جہادوں میں تو حضرت علیؓ کا کوئی حصہ تھا ہی نہیں، علمی فضیلت میں حضرت ابوبکرؓ کا صحابہ میں کوئی مماثل نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پورے زمانہ علالت میں حضرت ابوبکرؓ ہی کو امام نماز جماعت مقرر کرنا اور ایک وقت کی نماز ان کے ساتھ ادا کرنا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ علم میں سب صحابہ سے بڑھ کر تھا، اور بقول ابن حزم ابوبکرؓ و عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ بھی اس کو جانتے تھے۔ جب ان تمام خدمات اور فضائل میں یہ بزرگوار حضرت علیؓ سے بلند و برتر تھے تو آخر کس بنا پر حضرت علیؓ اپنے آپکو خلافت کا احق سمجھ سکتے تھے۔ مودودی صاحب کا یہ قول سبائیت زدہ ذہنیت کا غماز ہے جو باعتبار حقائق تاریخیہ محض باطل ہے۔ اسی ذہنیت کی وضعی حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابہا کا کسی نے جواب دیتے ہوئے چاروں خلفا کی یوں تعریف کی ہے یعنی انا مدینۃ العلم و ابوبکر اساسہا و عمر جدارہا و عثمان سقفہا و علی بابہا (میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد عمر اسکی دیواریں، عثمان اس کی چھت اور علی اس کا دروازہ ہیں) مگر یہ سب موضوعات ہیں۔ حصول خلافت کی جد و جہد کے بارے میں، مودودی صاحب ہی کے مستند ماخذ طبری کی متعدد روایتوں میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے الیکشن کے زمانہ میں حضرت علیؓ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے اپنی قرابت کا واسطہ دیکر ان کی رائے اپنے حق میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، کنویسنگ میں ناکام رہ کر اپنے چچا حضرت عباسؓ سے شکوہ کرتے رہے کہ حضرت عمرؓ نے مجلس مشاورت ایسی بنا دی ہے کہ مجھے اپنی کامیابی کی کوئی توقع نہیں حصولِ خلافت کی اس طرح کی جد و جہد کی بنا پر ہی تو امام مالکؒ انہیں خلفائے ثلاثہ کے مرتبے میں نہیں رکھتے تھے۔ حیات امام مالکؒ مؤلف ابوزہرہ لکھتے ہیں (ص۲۰۳ مطبوعہ

کتاب منزل لاہور۔)

"حضرت علیؓ امام مالکؒ کی نظر میں خلافت کیلئے دوڑتے تھے اور خلافت طلب کرتے تھے، اور یہ بات ان کی کمی کا باعث تھی اس لئے وہ انہیں اس شخص کے مرتبہ پر نہیں رکھتے تھے جو خلافت طلب نہیں کرتا ....
حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قتل نے مختار بنا دیا اس لئے ان کا برسر اقتدار اختیار ہونا ان لوگوں کی طرح نہیں ہوا جس طریقے سے ان سے پہلے تینوں خلفاء برسر اختیار آئے۔"

امام مالکؒ کے مندرجہ بالا قول کے مضمرات و مطالب کو کہ شہادت عثمانؓ کے واقعات نے حضرت علیؓ کو برسر اقتدار کر دیا تھا مستشرقین نے وضاحت کے ساتھ اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ خلیفہ سوم کے خلاف شورش برپا کرنیوالے مفسدین اور ان کے قاتلین کے زور سے جیسا پچھلے اوراق میں ضمناً ذکر آیا ہے حضرت علیؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور بلوائیوں کے برپا کردہ اس انقلاب کے نتیجے میں انہوں نے خلافت لی تھی، اہل حل و عقد نے مشاورت سے خلافت نہیں دی تھی اور یہ خلافت دلوانے والے ہی اخیر تک ان کی سیاست میں ایسے دخیل رہے کہ قتل عثمانؓ کا قصاص لینے کے بجائے وہ ان کی خواہشات پوری کرنے پر مجبور رہے حتیٰ کہ قاتلین و مفسدین کو گورنری کے بڑے بڑے عہدے بھی دیدیئے۔ مستشرقین کے ان ہی بیانات کی مودودی صاحب بھی معناً تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (صلاا)

"وہ لوگ ان کے (حضرت علی کے۔م) ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے، جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درانحالیکہ قتل عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں (؟) کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔"

"ان دونوں "صاحبوں" (؟) کے علاوہ نہ معلوم مودودی صاحب نے تیسرے

در صاحب" کنانہ بن بشر التجیبی کا نام اس زمرے میں کیوں نہ شامل کیا جسے حضرت علیؓ نے گورنر مصر کے مشیر کے عہدے پر مقرر کردیا تھا درآنحالیکہ یہی وہ خبیث تھا جس نے حضرت خلیفہ شہید کے جسم اطہر پر خنجر سے کئی وار کئے تھے۔

"حضرت علیؓ کی بے جا وکالت کے الزام" سے اپنی برارت کا اظہار کرتے ہوئے پھر اسی بات کو دہراتے ہوئے کہتے ہیں (ص ۳۴۲)

"صرف ایک مالک الاشتر اور محمد ابن ابی بکر کو گورنری کا عہدہ دینے کا فعل ایسا تھا جس کو کسی تاویل سے بھی حق بجانب قرار دینے کی گنجائش مجھے نہ مل سکی اسی بنا پر میں نے اس کی مدافعت سے معذوری ظاہر کردی"

مستشرقین نے اسلامی تاریخ کے اس دور پر آشوب کے متعلق یہی باتیں جو مودودی صاحب کہہ رہے ہیں قدرے تفصیل سے باضافہ چند امور اپنی تصانیف میں بیان کی ہیں پس اگر قاتلین سے قصاص لینے کے بجائے جو از روئے شریعت و بمقتضائے سیاست و بغرض تحفظ حرمت منصب خلافت واجب تھا۔ حضرت علیؓ نے قاتلین کو گورنری کے بڑے بڑے عہدے دیکر ان لوگوں کے مطالبات و خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کی جن کے زور سے خلافت حاصل کی تھی تو ان حالات کا اظہار اور بیان سے مستشرقین پر" اسلامی تاریخ کو نہایت غلط رنگ میں" پیش کرنے کا الزام اگر عائد ہو سکتا ہے تو مودودی صاحب بھی ایک حد تک ان کے شریک ہیں۔ لہذا اپنی کتاب کی تالیف کا یہ عذر و حیلہ تو ان کا باطل ہوا کہ مستشرقین نئی نسل کے دماغ میں اسلامی تاریخ کا غلط تصور بٹھا دیں گے

مسلمان مصنفین اسلامی تاریخ کے قدیم و جدید مسلمان مصنفین کے متعلق مودودی صاحب کو شکایت ہے کہ مغربی مستشرقین کی طرح وہ بھی اسلامی تاریخ کو" نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں اور آج بھی پیش کر رہے ہیں" لیکن انہوں نے ان قدیم و جدید مسلمان مصنفین اور انکی تصانیف کی نہ کوئی نشان دہی کی اور نہ یہ بتایا کہ یہ مسلمان مصنفین جنہیں وہ غیر معتدل ذہن اور مزاج کا کہتے ہیں اسلامی تاریخ کے کس عہد اور کس دور کے کن حالات اور واقعات اور کن تاریخی شخصیات

کو کیوں اور کس غرض و مقصد سے" نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی پیش کر رہے ہیں۔ مثال کے طور سے بھی وہ لیے کسی ایک مصنف اور اس کی تالیف کا نام ظاہر نہیں کرتے البتہ دوسرے موقع پر وکالت کی بنیادی کمزوری کے ذیلی عنوان (ص ۳۰۲) سے ائمہ اہل سنت والجماعت کے ان تین عالی منزلت قدیم مصنفین کا نام اس ضمن میں لیتے ہیں یعنی قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ مصنف العواصم من القواصم کا شیخ الاسلام و ترجمان السنۃ امام ابن تیمیہؒ مصنف منہاج السنۃ متوفی ۷۲۸ھ کا اور اخیر زمانہ کے شاہ عبدالعزیز مصنف تحفہ اثنا عشریہ کا مودودی صاحب ان بزرگوں سے اپنی عقیدتمندی کا اظہار کرتے ہوئے پہلے تو مصلحتاً یہ کہتے ہیں کہ:۔

"میں ان بزرگوں کا نہایت عقیدتمند ہوں اور یہ بات میرے حاشیہ خیال میں بھی کبھی نہیں آئی کہ یہ لوگ (؟) اپنی دیانت و امانت اور صحت تحقیق کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں "

لیکن بعد میں ان ہی ائمہ دین مصنفین کی نادر تصانیف کو جن کی دیانت و امانت ہی نہیں بلکہ صحت تحقیق بھی ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے وہ اس حیلہ سے ناقابل اعتماد و استشہاد قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں کہ ان کی تصانیف میں صحابہ کرام و خلفاء عظام و اکابر بنی امیہ پر سبائیوں کے عائد کردہ اتہامات کی حقائق تاریخیہ کے اعتبار سے چونکہ پر زور تردید و تکذیب کرتے ہوئے رد شیعیت کیا گیا ہے۔ خصوصاً العواصم من القواصم اور منہاج السنۃ کی چاروں جلدوں میں جس کا خلاصہ امام ذہبی نے المنتقیٰ نام سے پہلے ہی کر دیا تھا۔ اب اسکا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے[1] اور بحث خلافت کے سلسلے میں ان نادر تصانیف کے مندرجات سے چونکہ مودودی صاحب کا موقف اس درجہ کمزور پڑ جاتا ہے کہ تارِ عنکبوت کی سی سکت بھی اس میں باقی نہیں رہتی اس لئے وہ ان عالی منزلت ائمہ دین کی ان خدمات جلیلہ یعنی تطہیر تاریخ اسلامی و تحفظ ناموس صحابہ کرام و خلفاء عظام سے اپنی ناپسندیدگی کے جذبے میں انہیں "وکیل صفائی" کہتے ہیں اور ایک منجھے ہوئے جرنلسٹ کے شاطرانہ انداز میں ان بزرگ مصنفین کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

---

[1] اردو ترجمہ المنتقیٰ کے ناشر ہیں مولانا خالد گھرجاکھی، مقام گھرجاکھ ضلع گوجرانوالہ

"عملاً انکی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہوگئی ہے اور وکالت خواہ الزام کی ہو یا صفائی کی اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اسی مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے، خصوصیت سے اس معاملے میں قاضی ابو بکر تو حد سے تجاوز کر گئے۔"

مودودی صاحب کے اس قولِ رکیک ہی نے یہ موقف ان کا طشت از بام کر دیا کہ ائمہ اہلِ سنت والجماعت کی تصانیف خصوصاً العواصم من القواصم میں جو مواد حضرت عثمان ذی النورین اور دیگر صحابہ و خلفاء پر سبائیوں کے عائد کردہ اتہامات کی تردید میں نیز خلفاء کے حسنِ کردار کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اسی طرح منہاج السنۃ میں اموی خلفاء کا پشن وضعی بہتانات سے جن وقائع تاریخیۃ کی بنا پر پاک وصاف کیا گیا ہے وہ ان کے خیال باطل سے قابلِ اعتنا نہیں اس لئے انہوں نے ان تصانیف پر حصر کرنا پسند نہ کیا اور بطور خود ایسا مواد اکٹھا کرنے کی تگ ودو کی جس سے اکابر صحابہ حضرت عثمانؓ و حضرت معاویہؓ وغیرہم پر طعن کرنے کا مقدمہ ان کا مضبوط ہوتا ہو پس اگر یہ بزرگ قدیم مصنفین اور ان کی تصانیف سے استفادہ کرنے والے جدید مصنفین تاریخ اسلامی ان کے نزدیک وکیل صفائی کی حیثیت رکھتے ہیں تو خود مودودی صاحب بھی اکابر صحابہ کی تنقیص اور اموی خلفاء کی مذمت کا ارتکاب کرنے سے "وکیل الزام" کی حیثیت بدرجہ اولیٰ رکھتے ہیں۔

نفسیات مودودی بحیثیت وکیل الزام۔

مصلحتاً جھوٹ بولنا مودودی صاحب کے نزدیک بعض حالات میں نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے فرماتے ہیں۔ (ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)

"عملی زندگی میں بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔"

جھوٹ بولنا خواہ فتوے سے واجب ہو یا عقیدے سے تقیہ کہلاتا ہے اور بدگوئی والزام تراشی تبرا۔ سبائی ذہنیت والوں میں تقیہ و تبرا متعہ کی طرح بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ بحالتِ اضطرار

منتہ کرنے کو مودودی صاحب بارہ برس پہلے ہی جائز بتا چکے ہیں (ترجمان القرآن شعبان ۱۳۵۵ھ) البتہ وکیل الزام کی حیثیت میں اہل الذکر دو سبائی اصولوں کو حضرت علیؓ اور اولاد علیؓ کے مزعومہ سیاسی حریفوں کی عیب جوئی والزام تراشی میں مودودی صاحب نے جس جس طرح برتا ہے اور صحیح مصادر اور کتب احادیث کے پاکیزہ مواد سے غض بصر کرکے غلاظت پسند مکھی کی طرح رافضی مصنفوں اور کذاب راویوں کے گندے مواد کو جس جس نوعیت میں چن لیا ہے وہ ان کے طبعی وجبلی رجحان کا ثبوت ہے۔ نسلاً ونسباً صوفیوں کے گھرانے سے ہیں۔ اور صوفیت نے شیعیت وسبائیت کی پرورش و تبلیغ میں جو کردار ادا کیا ہے اَظۡھَرُ مِنَ الشَّمس ہے۔ مودودی خاندان میں بھی شیعی حلقوں کی طرح حسینؓ ویزیدؒ اور کربلا کا چرچا ارثاً ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ اپنے عالم شباب میں کہ ۲۵، ۲۶ کا سن تھا، جب وہ بتلاش معاش اس وقت کے نوجوان شرفا کی مروجہ وضع قطع میں وارد بلدہ حیدرآباد دکن ہوئے، سر پر ترکی ٹوپی، علی گڑھ کٹ پائجامہ، حیدرآبادی وضع کی شیروانی، داڑھی ندارد، مونچھیں بھی منڈی ہوئی، انگریزی تراش کے بال، دھوپ میں ہیٹ کا استعمال اور دوستوں کے جھرمٹ میں سینما بینی اور گانے بجانے کے جلسوں میں شرکت مگر کربلائی ذہنیت سے مضامین "شہادت حسین اور قرآن" کی اشاعت کا ذوق۔ حیدرآباد پہونچتے ہی "شہید کربلا۔ قرآن کی روشنی" کتاب کے سبائیت زدہ مؤلف ابو محمد مصلح سہسرامی بہاری سے مراسم یگانگت ان کے خوب ہوگئے تھے، ابو محمد مصلح نے "عالمگیر تحریک قرآن مجید" اور "قیام حکومت الٰہیہ" کی تبلیغ واشاعت کے لئے چھوٹی تقطیع کا ماہنامہ "ترجمان القرآن" چند سال سے جاری کر رکھا تھا۔ مودودی صاحب نے مالک رسالہ کے شریک کار ہو کر اپنی قابلیت اور صحافیانہ طبیعت سے رسالہ میں امتیازی شان پیدا کردی کچھ عرصہ بعد جب مالی معاملات میں تنازعہ پیش آیا ثالثی تک نوبت پہونچی، تصفیہ میں "ترجمان القرآن" رسالہ تو انہیں دلوادیا گیا

لہ مودودی صاحب اواخر ۱۹۳۸ء میں حیدرآباد دکن سے چودھری نیاز علی خاں کے قائم کردہ دارالاسلام پٹھان کوٹ چلے آئے یہاں آکر داڑھی بھی رکھ لی اور سر کے بال بھی بڑھائے دوستوں کے پوچھنے پر فرمایا یہاں اب مصلحت اسی کی متقاضی ہے، چودھری صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ ابو محمد مصلح جو لاہور آگئے تھے اور اپنی اہلیہ اور بیٹی کو ان کے پاس پٹھان کوٹ میں چھوڑ کر بہار چلے گئے تھے مودودی صاحب نے انہیں لکھا تھا کہ یہ قابل اعتماد شخص نہیں ان سے بچتے رہئے۔ بعد سے واپس آکر لاہور سے پھر حیدرآباد چلے گئے۔

اور ابو محمد مصلح نے نواب مرزا یار جنگ اور دوسرے عمائدین حیدر آباد کی سرپرستی سے سہ ماہی انگریزی
رسالہ "قرآنک ہیلڈ" جاری کر دیا۔ غرضیکہ مودودی صاحب کی ادارت میں جو پہلا شمارہ ترجمان
القرآن کا (جلد ۲ عدد ۱ بابت محرم ۱۳۵۲ھ) حیدر آباد دکن سے شائع ہوا، اس کا پہلا ہی مضمون تھا
"شہادتِ حسینؓ اور قرآن" جو ان کے بھائی ابو الخیر مودودی کے قلم سے تھا۔ باعتبار مطالب و طرز
نگارش کسی غالی شیعہ مضمون نگاری کا سمجھا جا سکتا تھا مودودی صاحب خود بھی داستانِ کربلا
گویا "حسین" والوں ہی کے انداز میں پیش کرتے رہے ہیں ان کا ائمہ اہلِ سنت کی تحقیق پر حصر کرنا
اور قاضی ابو بکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ کی ذات سے اپنی گہری عقیدت کے اظہار اور اُن کی
صحت تحقیق کے اقرار کے بعد بھی یہ فرمانا کہ "اس معاملے میں قاضی ابو بکر تو حد سے بڑھ گئے ہیں"
اسی وجہ سے تو ہے کہ ان امام اہلِ سنت نے غایت تحقیق اور مسکت دلائل سے حضرت عثمانؓ
حضرت معاویہؓ و دیگر صحابہ کے ساتھ امیر یزیدؒ پر روافض کے عائد کردہ اتہامات کی پرزور تردید کی
ہے۔ امام ابن العربی کا زمانہ مودودی صاحب سے تقریباً نو سو برس پہلے کا ہے انہوں نے مصر
فلسطین، عراق کے مراکز علمیہ سے بہرۂ وافر حاصل کر کے حجۃ الاسلام غزالیؒ سے استفاضہ
کیا تھا۔ جنہوں نے امیر یزیدؒ پر قتل حسینؓ کے اتہام کی تردید کرتے ہوئے ان پر رحمت بھیجنے اور
رحمۃ اللہ علیہ کہنے کو مستحب قرار دیا ہے، امام ابن العربی نے منجملہ اپنی ۳۵ تصانیف کے جنمیں
تفسیر قرآن کی نو ضخیم جلدیں ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات کی شامل ہیں اپنی مختصر کتاب العواصم
من القواصم میں امیر یزیدؒ کی عدالت و تقویٰ و طہارت کے ذکر میں امام احمد بن حنبلؒ
کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے کتاب الزہد میں امیر یزیدؒ کا تذکرہ زہاد صحابہ کے بعد اور زہاد تابعین
سے پہلے کرتے ہوئے ان کے خطبہ سے ایک قول زہاد صحابہ کے ان اقوال کے شمول میں نقل کیا ہے
جن سے نصیحت حاصل کی جاتی ہے اور لکھا ہے کہ یہ اس کا ثبوت اور دلیل ہے کہ امام احمد بن
حنبلؒ کے نزدیک جن کا مرتبہ علم دین و زہد و ورع، صدق مقال و استقامت علی الحق میں نہایت
رفیع ہے امیر یزیدؒ کی پاکیزہ خصائل شخصیت کی کیسی کچھ منزلت ہے کہ زہاد صحابہ کے بعد ہی زہاد
تابعین سے پہلے اُن کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مودودی صاحب کی نفسیاتی کیفیات عصبیت نسبیہ
و بغض بنی امیہ کی قبول حق میں مانع رہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ و امام ابن العربیؒ و غیرہم
کی تحقیق کے علاوہ انہوں نے زمانہ حال کی تاریخی ریسرچ کے انکشافات کو بھی لائق اعتناء

سمجھا جو کتاب "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" میں کئے گئے ہیں اور اس نوعیت سے کہ وضعی داستان کربلا ہمیشہ کے لئے مسمار ہو گئی۔

خلافت معاویہؓ و یزیدؒ کسی علمی بحث کی تحقیق اور کسی عہد کے تاریخی واقعات کے سلسلے میں جن پر وضعی روایات کے دبیز پردے صدیوں سے پڑے ہوں کسی نئے انکشاف اور دریافت کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے نئی دریافتیں ہی تو علمی ترقی کا موجب ہوتی ہیں انہی سے نئی نسل کے زاویۂ نگاہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ماہنامہ میثاق لاہور میں۔ جو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ بضمن تبصرہ محمود عباسی اس ریسرچ و تحقیق کے سلسلے میں "کہا گیا تھا۔

"حق یہ ہے کہ عباسی صاحب کی تحقیق اور وسعت مطالعہ لائق داد ہے، انہوں نے اپنے دور کے ہر شخص کو چونکا دیا ہے جسے اسلام اور تاریخ اسلام سے دلچسپی ہے ان کی دریافتیں قیمتی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے تاریخ کے اس دور پرآشوب کے بارے میں سوچ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا ہے تو بالکل بجا ہوگا۔"

اس پر کسی صاحب نے مولانا اصلاحی صاحب کی سابقہ تحریروں کا حوالہ دیکر جنمیں حضرت عثمانؓ و حضرت معاویہؓ اور دور بنی امیہ کے بارے میں وہی نقطۂ نظر مترشح ہوتا ہے جو عوام کا ہے، وضاحت چاہی تھی، مولانا موصوف نے جو جواب تحریر فرمایا میثاق کے شمارہ نومبر دسمبر ۱۹۵۹ء میں شائع کیا گیا ہے اس کے بعض فقرات جو ذیل میں نقل ہیں مولانا موصوف کی حق گوئی و حق پسندی کی درخشاں مثال ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"میں پوری صفائی کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں تاریخ کا طالب علم کبھی نہیں رہا۔ میں ابتدا سے قرآن پاک کا طالب علم رہا ہوں یا سوجہ سے تنقید کے ساتھ میں نے تاریخ کا وہی حصہ پڑھا ہے جو براہ راست قرآن سے متعلق ہے، مشاجرات صحابہ سے متعلق واقعات جب میں پڑھتا تھا تو مجھے ان سے الجھن تو ہوتی تھی لیکن اپنا فن نہ ہونے کے سبب سے میں نے انکی تحقیق پر کبھی وقت صرف نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی کبھی عام تاریخی روایات کے

زیر اثر میرے قلم سے بھی وہی باتیں نکل گئیں جو تمامتر جھوٹ اور افترا ہیں اس
میں فی الواقع میں محمود احمد عباسی صاحب کا بڑا ممنون ہوں کہ انکی تحقیقات
سے مجھے بڑا فائدہ پہونچا۔ میں آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ انکی کتابیں
ضرور پڑھئے، علم کے معاملے میں تعصب نہیں ہونا چاہیئے ..... میری
کتابوں میں کوئی بات سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ کے متعلق ایسی
نکل گئی ہے جو تحقیق سے جھوٹ ثابت ہوگئی ہے تو میں نے اس سے رجوع
کرلیا... میں ان لوگوں کے لئے دعا کرتا ہوں جو سبائی خرافات سے ہماری
تاریخ کو صاف کر رہے ہیں۔"

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے اس اعتراف نے انکی عالمانہ شان اور عظمت
کو دوبالا کردیا۔ یہ ہے بین مثال مولانا اصلاحی کی حق پژوہی و بلند نظری کی

غیر معتدل ذہن اور مزاج

مودودی صاحب ذہین و فطین اور وسیع المطالعہ عالم ہونے کے باوجود خاندانی فخر اور شرف کے اظہار میں وہی نسل پرستوں کی غلط اصطلاح "سادات اہلِ بیت" زبان قلم پر لاتے ہیں، اہلِ زبان عرب قریشی و ہاشمیوں نے سید و سادات باظہار نسب و قوم و قبیلہ نہ کبھی استعمال کئے اور نہ آج کرتے ہیں اور نہ یہ الفاظ لغوی معنی میں کسی خاندان اور قبیلہ کے اظہار نسب میں مستعمل کئے جاسکتے ہیں (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "تحقیق سید و سادات") اور "اہلِ بیت" تو اللہ کے کلام میں صرف اور محض ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، اس میں نہ آپ کے کوئی چچا شامل ہیں نہ چچا زاد بھائی اور نہ شادی شدہ کوئی بیٹی اور نہ انکی اولاد۔ کلام اللہ کے مفسر ہو کر بھی ایسی بڑی غلطی کا ارتکاب جو صریحًا کلام اللہ کی تحریف معنوی ہے، نسلی عصبیت ہی کی بنا پر ہے اور یہی جذبہ اموی و عباسی خلفاء کی بدگوئی و تنقیص میں کار فرما ہے، وہ ایک سیاسی جماعت کے امیر ہیں جس کا مطمح نظر سیاسی اقتدار اور حکومت حاصل کرکے بزعم خود اسلامی نظام کا احیاء کرنا ہے، حیرت ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین ابوجعفر المنصورؒ کی بدگوئی میں جو غلط اور واہی باتیں کہی ہیں ان میں فوجی افسر کو مذہبی پیشوا کے فتوے سے حکومت وقت کے خلاف بحکم عدولی پر آمادہ کرنے کی محض جھوٹی مثال بھی بڑے

آپ دتاب سے پیش کی ہے جس کی گذشتہ اوراق میں تاریخی واقعات سے تکذیب و تردید کی جاچکی ہے "خلافت و ملوکیت" کے مباحث کی نوعیت بیشتر ان کی جماعت کے سیاسی پروپیگنڈے کی ہے ہم نے صرف علمی و تاریخی پہلو کے اعتبار سے تنقید کی ہے سیاسی مباحث سے ہماری تالیف کا کوئی تعلق نہیں البتہ غیر معتدل ذہن اور مزاج رکھنے کا الزام تو وہ مسلمان مصنفین تاریخ اسلامی پر عائد کرتے ہیں مگر خود ان ہی کی ساری صحافی زندگی غیر معتدل مزاجی کیفیت کی مثال ہے۔ انھوں نے اپنی تحریرات میں نہ عام مسلمانوں کو کبھی بخشا جنہیں وہ کہتے ہیں کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز اور نہ انھوں نے قومی ادارہ مسلم یونیورسٹی اور مسلم لیگ کو کبھی بخشا بلکہ اس قومی سیاسی مجلس کے سربراہ و قائدین کے بارے میں تو یہ فتویٰ بھی صادر کر دیا کہ "اول روز سے اس قومی تحریک کے اجزاء ترکیبی میں مومن اور منافق اور کھلے کھلے ملحد سب شامل تھے بلکہ دین میں جو جتنا ہلکا تھا وہ اتنا ہی اوپر آیا"۔ (ترجمان القرآن جولائی ۱۹۶۳ء) مگر لطف تو یہ کہ مجدد و احیائے دین کے یہ بر خود غلط علمبردار تو اسوقت دو ڈھائی سال کے طفل بے شعور تھے جب باسٹھ برس پہلے مسلمانانِ ہند کی واحد سیاسی جماعت قائم کئے جانے کی تحریک نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین علیہ الرحمۃ جیسے بالغ نظر و متقی بزرگ نے جو فی الواقع سلف صالحین کے خصائل حمیدہ کا پاکیزہ نمونہ تھے اپنے ہی وطن مالوف امروہہ میں بیٹھ کر اٹھائی تھی۔ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور دیگر اخبارات میں مضامین لکھے اور ملک کے ہر حصہ کے مسلمان زعماء سے خط و کتابت کر کے انکی تائید حاصل کی اس زمانہ میں تقسیم بنگالہ سے اس خطے کے مسلمانوں کو جو اب مشرقی پاکستان ہے بنگالی ہندوؤں کی چیرہ دستی سے نجات ملی تھی اس لئے اس قومی سیاسی تحریک کا پہلا اجلاس اسی خطے میں منعقد کیا جانا تجویز ہوا، ڈھاکہ سے نواب سر سلیم اللہ مرحوم کی دعوت پر جو مسلمانانِ مشرقی بنگال کے مسلمہ قائد تھے، اور جن کی پرجوش قومی خدمات کی دشمنی میں اس زمانہ کا سارا ہندو بنگالی پریس "نفیقیضا در سلی ملا" لکھا کرتا تھا مسلم لیگ کا یہ تاسیسی اجلاس سنہ ۱۹۰۶ء میں ہی منعقد ہوا تھا۔ راقم الحروف کو مسلم لیگ کے محترم مؤسس نواب وقار الملک کے پیشدست کی حیثیت سے جلسہ میں حاضری کا موقع ملا تھا[1]۔ اسوقت مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے دوش بدوش مولانا

---

[1] دوسرا اجلاس مسلم لیگ کا یہاں کراچی میں سر ابراہیم رحمت اللہ کے زیر صدارت ایجوکیشنل کانفرنس
باقی ص ۵۵۶ پر

ابوالکلام آزاد نے بھی اس قومی سیاسی جماعت کی تاسیس میں نمایاں حصہ لیا تھا، جس کے اجزاء ترکیبی میں مودودی صاحب کے غیر معتدل دماغ نے منافق اور کھلے ملحد لوگوں کو شمار کرتے ہوئے انہیں بھی شامل کر لیا جن کے نقش قدم پر چلنے کی خود انہوں نے سعادت حاصل کی اور انہی کے "الہلال" و "البلاغ" کے مضامین و مقالات سے استفادہ کیا، حتیٰ کہ بقول مؤلف (مولانا مودودی اور تحریک اسلامی ص ۱۷) "مودودی صاحب کی "صالح جماعت" اصلاً مولانا آزاد کی "حزب اللہ" کا نقش ثانی ہے اور مودودی صاحب کی تمام تر "دعوت" مولانا آزاد کی دعوت کی نقل ہے، وہ آج کچھ کہہ رہے ہیں، مولانا آزاد ۱۹۱۳ء میں یہی سب باتیں اسی زبان اور اسی انداز میں کہہ چکے ہیں" مولانا آزاد کی "حزب اللہ" اور انکی "دعوت" کا جو حشر بعد میں ہوا سب کو معلوم ہے اسلام کے اجتماعی سیاسی نظام کے متعلق اپنی کتاب "مسئلہ خلافت" میں مولانا آزاد نے اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں جو کچھ لکھ دیا تھا اسی کا عکس مودودی صاحب کی "خلافت و ملوکیت" کے صفحات پر نظر آتا ہے البتہ اس فرق و امتیاز کے ساتھ کہ مولانا آزاد کو بخلاف مودودی صاحب کے حضرت معاویہؓ اور دیگر اموی و عباسی خلفاء سے کوئی بغض و عناد ارثاً و نسلاً نہ تھا، علمی و نظری بحث میں وہ شخصیتوں کو نہیں لائے بلکہ مسلمانوں کی جس مرکزی سیاسی قوت کو انہوں نے خلافت کہا ہے، اب نصف صدی بعد مسلمان حکومتیں اپنے تعاون و اتحاد سے ایسی قوت کو بروئے کار لانے کی تدبیریں کر رہی ہیں یہی تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے نہ کہ مودودی صاحب کے غیر معتدل دماغ و ذہن کی خیالی باتیں۔

دیگر تالیفات | اسلامی تاریخ کے دور فتن کے سلسلے میں اب متعدد تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی سیرت اور ان کے ایام خلافت کے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵۵) سالانہ اجلاس کے موقع پر منعقد ہوا تھا، کانفرنس کے صدر مولانا حالی مرحوم تھے انہی کی معیت میں راقم الحروف کو حاضری کا موقع ملا تھا پھر اگلے سال ۱۹۰۶ء سے ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں کا اہتمام اہلکار کانفرنس کی حیثیت میں راقم الحروف کے سپرد عرصہ تک رہا، ڈھاکہ کے اجلاس کی مطبوعہ روئیداد مرتبہ مولانا محمد علی جوہر مرحوم جو لیگ کے دفتر میں بھی موجود رہتی راقم الحروف نے بعض کاغذات اور نادر تصاویر اور فوٹو خصوصاً سنہ ۱۹۱۶ء کے مسلم لیگ کے عظیم الشان اجلاس کا فوٹو جس کی صدارت قائد اعظم نے کی بھی پاکستان میوزیم کو پیش کر دئیے ہیں۔

صحیح واقعات کے متعلق، اموی خلفاء کے خلاف صدیوں سے الزام تراشی اور کذب افتراء کا جو
پروپیگنڈا ہوتا رہا اب اس کی حقیقت کھلتی جاتی ہے، لوگ اس لٹریچر کو بڑے ذوق و
شوق سے پڑھتے ہیں اور ان چند ہی تالیفات کی اشاعت اور ان کے مضامین کے مطالعہ کا
نتیجہ ہے کہ اسلاف کرام کے جن ناموں کو مفتریوں نے عوام میں مبغوض بنا رکھا تھا لوگ اپنے
بچوں کے نام مروان و یزید و معاویہ رکھنے لگے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی | مؤلفہ پروفیسر مولوی علی احمد عباسی سلمہٗ، یہ معرکۃ
الآراء کتاب بڑے سائز کے ساڑھے چار سو صفحات پر چند سال پہلے چھپی تھی اپنی نوعیت کے اعتبار
سے اعلیٰ معیار کی تالیف ہے۔ اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ قانونی پابندی کے
باوجود مانگ برابر جاری ہے اور لوگ دوگنی قیمت دیکر مطالعہ کے لئے حاصل کرنے کے مشتاق
نظر آتے ہیں۔ اسی مضمون پر ایک اور کتاب حکیم محمود احمد ظفر کی مؤلفہ شائع ہوئی ہے
"سیدنا معاویہؓ۔ شخصیت و کردار" جس کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ
ظفر صاحب نے "حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی" کتاب سے استفادہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے
سامنے رکھ کر اپنی کتاب مرتب کر ڈالی، قدرے لفظی تغیر کے ساتھ عنوانات بھی اسی طرح
کے اور مضمون بھی اکثر و بیشتر وہی۔ یہ صاحب کراچی آکر راقم الحروف سے کئی بار ملے اپنا
عندیہ ظاہر کر دیتے اپنی اور اپنے بھتیجے کی کتاب سے مواد لینے کی اجازت بڑے شوق سے
دیدی جاتی، کیونکہ مقصد تو تحریک کی اشاعت ہے، یوں بلا اجازت مضامین نقل کر کے
کتاب مرتب کر لینا کہاں تک مناسب ہے۔ اسی مبحث پر ابو یزید محمد دین بٹ کی کتاب
"رشید ابن رشید" اچھی تالیف ہے۔ نیز کتابچہ معارف یزیدؒ بھی۔

شکریہ و اعتذار | پروفیسر مولوی حکیم علی احمد عباسی سلمہٗ برادر زادہ مؤلف
نے تدوین فقہ حنفی کے مسئلہ میں جس پر وہ پہلے بھی بہت
کچھ لکھ چکے ہیں جو مواد اس کتاب کے لئے فراہم کیا شکریہ کے ساتھ اس کا اظہار
واجب ہوا۔ اسی کے ساتھ تبصرہ محمودی حصہ دوم میں ترجمان القرآن (رسالہ نمبر سے
جو عبارت سہواً نقل ہو گئی اس پر تاسف کا اظہار پہلے ہی کیا گیا تھا، وہ عبارت خارج
کر دی گئی۔

مآخذ کی بحث

الامامۃ والسیاسۃ۔ مجہول الاسم رافضی کی اس کتاب کے متعلق مودودی صاحب کا یہ قول محض باطل ہے کہ "کسی نے بھی یہ نہیں کہا وہ ابن قتیبہ کی نہیں ہے، صرف شک ظاہر کیا جاتا ہے" حالانکہ حتمی طور سے ثابت ہے کہ علامہ ابن قتیبہ اس لغو کتاب کے مصنف نہیں اور نہ یہ انکی ۲۷ عدد تصانیف کی فہرست میں شامل ہے جو متقدمین و متاخرین سب ہی نے شمار کی ہیں، کتاب کی اندرونی شہادتوں سے بھی قطعی طور سے واضح ہے کہ یہ کتاب ابن قتیبہ سے غلط منسوب ہے کیونکہ اس میں (۱) مصر کے دو علماء نے کیا سے روایتیں ہیں درآنحالیکہ ابن قتیبہ کبھی مصر نہیں گئے (۲) فتح اندلس کی خبر بھی کتاب میں ہے درآنحالیکہ فتح اندلس ابن قتیبہ کی ولادت سے ۱۲۰ برس پہلے ہوئی تھی (۳) قاضی ابو لیلیٰ سے بھی روایت لی گئی ہے درآنحالیکہ ابو لیلیٰ ابن قتیبہ کی ولادت سے ۶۵ برس پہلے قاضی بغداد تھے، (۴) ابن قتیبہ کی دمشق میں موجودگی کا ذکر کتاب میں ہے، درآنحالیکہ ابن قتیبہ دمشق کبھی نہیں گئے (۵) اس لغو کتاب کے بدنفس رافضی مؤلف نے امیر المؤمنین یزیدؒ سے حضرت حسینؓ کی مخالفت کی وجہ صوبہ عراق کے ایک مفروضہ والی عبداللہ بن سلام کی بیوی جبرہ منکوحہ کو بہ دغا و فریب طلاق ہو جانے کے بعد اپنے نکاح میں لانے کی بتا کر حضرت حسینؓ کو زمانہ خلافت حضرت معاویہؓ میں عراق میں موجود و مقیم بتایا ہے۔ نیز حضرت معاویہؓ کو طرح طرح کے مکر و فریب کی کارروائیوں سے متہم کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے نکاح کی تدابیر میں دو جلیل القدر صحابیوں حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت ابو الدرداء کو بپیغام نکاح کے سلسلے میں دمشق سے عراق بھیجنے میں ملوث کیا ہے درآنحالیکہ نہ عبداللہ بن سلام نام کا عراق میں کوئی والی تھا نہ حضرت حسینؓ بعد شہادت علیؓ و صلح معاویہؓ نہ عراق جا کر مقیم ہوئے تھے نہ حضرت ابو الدرداء متوفی ۳۲ھ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں بقید حیات تھے، ابن قتیبہ نے اپنی اصل کتاب المعارف میں حضرت معاویہؓ کی خلافت سے نو برس پہلے ابو الدرداء کے ۳۲ھ میں وفات پانے کو جب صراحتاً بیان کیا ہے تو کیا وفات پانے کے نو برس بعد بھی اگر یہ منسوبہ کتاب انکی تالیف ہوتی وہ ان کو بقید حیات بتا سکتے تھے، مجہول الاسم رافضی مؤلف نے چونکہ حضرت معاویہؓ کی ذات گرامی سے

مکاری و عیاری کی ذلیل کارروائیاں منسوب کی ہیں شاید اسی لئے مودودی صاحب کو بعض صحابہؓ کے جذبہ سے یہ اصرار ہے کہ یہ کتاب علامہ ابن قتیبہ کی تصنیف قرار دیں۔

تاریخ طبری مودودی صاحب نے ابن حجر کے حوالے سے سنی ابن جریر اور شیعہ ابن جریر کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے (تعلیقہ صفحہ ۳۱۱) کہ آجکل لوگ بڑی بے تکلفی کے ساتھ تاریخ طبری کے مصنف کو شیعہ مؤرخ بلکہ غالی شیعہ قرار دے رہے ہیں۔ غالباً انکا خیال یہ ہے کہ بے چارے اردو خواں لوگ کہاں اصل کتاب کو پڑھ کر حقیقت حال معلوم کر سکیں گے۔ جی ہاں یہ بے چارے اردو خواں بھی واقف ہیں کہ کوئی دوسرا شیعہ طبری نہیں ہے جس کی کوئی کتاب تاریخ پر ہو۔ روایت پرستی کی دنیا ایک ہی، ابوجعفر محمد بن جریر طبری کے دو ابوجعفر محمد بن جریر طبری اس طور سے قرار دئے ہیں کہ دونوں کے نام و کنیت ایک، دونوں کی ولدیت اور سن ولادت ایک یعنی دونوں ایک ہی مہینے اور ایک ہی دن پیدا ہوئے اور ایک ہی سال و مہینے اور دن میں مرے ایک ہی قبر میں دفن ہوئے اور شاید ایک ہی البطن سے یہ دونوں پیدا ہوئے ہوں، دونوں کی شخصیت تو ایک ہی تھی، دادا کے نام میں رستم اور یزید ناموں کا فرق کر دیا ہے حالانکہ اسلام لانے کے بعد رستم عجمی نام کے بجائے یزید اسلامی نام ہوا۔ آبائی وطن آمل تھا جو طبرستان کے علاقے میں شیعیت کا گڑھ تھا، ان کا حقیقی بھانجا محمد بن العباس الخوارزمی جو ہجوگو شاعر تھا اپنے ماموں کے گھر پلا بڑھا تھا وہ اپنے ماموں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار بقول یاقوت حموی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے تو سن رکھو میں وراثتاً رافضی ہوں، میرے سوا جو رافضی ہے وہ دور کے لگاؤ سے ہے، ابن حجر کو خود بھی اعتراف ہے کہ ابن جریر میں شیعہ پن تھا، پھر ان کے شیخ الشیوخ ابن حبان تو ابن جریر طبری کو فرقہ امامیہ کے اماموں سے ایک امام کہتے تھے علامہ سلیمانی متولد ۳۱۲ھ فرماتے ہیں ابن جریر طبری رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے اور یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ ابن جریر طبری وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کے قائل تھے اس پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا، خم غدیر والی شیعوں کی وضعی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کتاب بھی لکھی تھی، امامت کے منصوص ہونے کے شیعہ عقیدہ پر ان کی تالیف تھی، پھر وہ شیعہ شعار کے مطابق حضرت علیؓ اور ان کے اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں

ان کی تاریخ کی آخری جلد (طبع اول مطبع حسینیہ) کے صفحہ ۴۸ پر حضرت معاویہؓ کے نام پر لعن تحریر ہے اور صفحہ ۴۹ پر حضرت معاویہؓ یا یزیدؒ کے ناموں پر لعنہا اللہ لکھ مارا ہے۔ اپنی تاریخ اور تفسیر کی روایتوں کے غلط اور جھوٹے اسناد بھی لکھنے میں تامل نہ تھا، دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔ (۱) تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۵ و تفسیر طبری ج ۱ صفحہ ۱۱ میں حدثنا زکریا بن ابی زائدہ لکھ کر ان سے روایت کی ہے درآنحالیکہ یہ زکریا بن ابی زائدہ الکوفی ۱۴۷ھ میں اور بقول ابونعیم ۱۴۹ھ میں مرگئے تھے۔ یعنی ابن جریر طبری کی ولادت سے ۷۶ برس پہلے (تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۳۲۹ و تاریخ صغیر امام بخاری ۱۷۲) (۲) تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۲۰۱ پر حدثنا ہشام بن محمد عن ابو مخنف لکھ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے انتخاب کی دو مردود روایت درج کی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے درآنحالیکہ یہ ہشام بن محمد جو خود بھی رافضی کذاب تھا اور اس کا باپ محمد بن السائب الکلبی کوفی بھی اسی قماش کا تھا ۲۰۶ھ میں یعنی ابن جریر طبری کی ولادت سے بیس برس پہلے مرگیا تھا۔

ابن جریر طبری کی میت کو مسلمانوں نے مقابر المسلمین میں نہ دفن ہونے دیا تھا اسلئے مکان مسکونہ میں دفن ہوئے، مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ فساد حنبلیوں نے مچایا تھا کیونکہ ان کو غصہ اس بات پر تھا کہ ابن جریر امام احمد بن حنبل کو محدث تو مانتے تھے فقیہ نہیں، اگر واقعہ یہی ہوتا اور ابن جریر کو واقعی اہل السنۃ میں کوئی مقام حاصل ہوتا تو دارالسلام بغداد کے باشندے انہیں کٹر رافضی نہ سمجھتے تو بغداد کے قلیل المقدار حنبلیوں میں دوسرے سنیوں، شافعیوں وغیرہ کے مقابلے میں یہ طاقت کہاں تھی وہ ابن جریر کی میت کو مقابر المسلمین میں دفن نہ ہونے دیں۔ مودودی صاحب نے حنابلہ کے متعلق یہ روایت لکھ کر ابن جریر طبری کی صفائی پیش کرنے کی تمام کوششوں کو خود ہی منہدم کر دیا، اور ان کے رفض پر مہر لگادی۔ ابن الاثیر و ابن کثیر وغیرہم نے تو طبری ہی سے اخذ و نقل کیا ہے بلاذری متوفی ۲۷۹ھ البتہ طبری سے پہلے ہیں انکی کتاب "انساب الاشراف" میں چونکہ اموی خلفاء و امیر یزید کی سیرت کے بعض روشن پہلو دکھا دئے گئے ہیں، مودودی صاحب سے نظر انداز کر گئے۔